# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی(انڈیا) کے چھبیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۵۔۷؍جمادی الاخری۱۴۳۸ھ مطابق ۴۔۶؍مارچ ۲۰۱۷ء کو مجلس اتحاد امت اجین ، مدھیہ پردیش میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

**ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی**

***جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ***


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل |
| صفحات | : | ٤٠٨ |
| قیمت | : | ٢٨٠ روپے |
| سن طباعت | : | اکتوبر ٢٠٢٣ء |

**باہتمام: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)**

ناشر

**ایـفـا پبلیکیشنز - نئی دہلی**
١٦١- ایف، جوگابائی،جامعہ نگر، نئی دہلی-١١٠٠٢٥
ای میل: fiqhacademyindia@gmail.com
فون: ٠١١ - ٢٦٩٨١٧٧٩

مجـــلـــــس ادارتـــــــــــ

۱- مولانا محمد نعمت الله اعظمی
۲- مولانا محمدبرہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف الله رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید الله اسعدی


بسم الله الرحمن الرحيم

# فہرست


| عنوان | مقالہ نگار | صفحہ |
|---|---|---|
| پیش لفظ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ۷ |
| **باب اول: تمہیدی امور** | | |
| سوالنامہ | | ۱۱ |
| تجاویز | | ۱٦ |
| تلخیص مقالات | مولانا امتیاز احمد قاسمی | ۱۸ |
| عرض مسئلہ : (سوال ۱-۴) | مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی | ۷۵ |
| عرض مسئلہ (سوال ۵-۹) | مولانا محمد عثمان بستوی | ۸۷ |
| عرض مسئلہ: (سوال۱۰-۱۵) | مولاناابصار احمد ندوی | ۹۸ |
| **باب دوم: تفصیلی مقالات** | | |
| عصر حاضر میں زمین کی خریدوفروخت سے متعلق اہم مسائل | مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی | ۱۱۷ |
| اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق نئے مسائل | مولانا ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی | ۱۲۷ |
| زمین کی بیع وشراء سے متعلق چند جدید مسائل | مفتی ظفر عالم ندوی | ۱۷۲ |
| مختلف النوع اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل | مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی | ۱۸۰ |
| پلاٹ وزمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل | مفتی محمد عثمان بستوی | ۲۰۳ |
| زمین کی بیع وشراء سے متعلق چند غور طلب مسائل | مولانا ریاست علی قاسمی | ۲۳۰ |
| موجودہ دور میں زمین کی خریدوفروخت سے متعلق اہم مسائل | مفتی محمد عفان منصورپوری | ۲٤۰ |
| موجودہ اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل کے جوابات | مولانا ابصار احمد ندوی | ۲٤۸ |
| زمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل | مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپور | ۲۷۱ |
| مختلف النوع زمینوں کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل | مفتی محمد الیاس قاسمی | ۲۸۱ |
| زمین کی پلاٹنگ اور اس کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل | مولانا محمد زبیر ندوی | ۳۱۸ |
| موجودہ اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل | مفتی عباد اللہ قاسمی مظفرپوری | ۳۳۸ |

| | | |
|---|---|---|
| **باب سوم: مختصر تحریریں** | | |
| زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل | قاضی عبد الجلیل قاسمی | ۳۵۹ |
| اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق اہم مسائل | مولانا ابو سفیان مفتاحی | ۳٦۱ |
| زمین کی خریدوفروخت | مولانا مفتی ظہیر احمد قاسمی | ۳٦۵ |
| مختلف طرح کی زمینوں کی خریدوفروخت سے متعلق نئے مسائل | مولانا عبد المنان آسام | ۳٦۸ |
| مختلف اراضی کی خریدوفروخت اور اس سے متعلق جدید مسائل | مولانا کلیم اللہ عمری | ۳۷۵ |
| زمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل اور ان کے دلائل | مفتی ابوبکر قاسمی | ۳۷۹ |
| پلاٹ وزمین کی بیع وشراء سے متعلق چند مسائل | ڈاکٹر محی الدین غازی | ۳۸٤ |
| زمین کی خریدوفروخت سے متعلق جوابات | قاضی ذکاء اللہ شبلی | ۳۸۹ |
| موجودہ دور میں اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل | مفتی محمد مقصود فرقانی | ۳۹۰ |
| **باب چہارم: مناقشہ** | | |
| مناقشہ | | ۳۹۵ |

# پیش لفظ

اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور اس کی پیشتر ضروریات کو قدرتی طور پر زمین ہی سے متعلق کیا، اسی زمین سے اس کو زرعی پیداوار حاصل ہوتی ہے، جس سے اس کی غذائی ضرورت پوری ہوتی ہے، زمین ہی سے اس کو جانوروں کا چارہ ملتا ہے، یہ زمین ہی ہے جس پر وہ اپنے مکان بناتا ہے اور پُرسکون زندگی گزارنے کی سہولت حاصل کرتا ہے؛ بالآخر وہ اسی زمین کا پیوند بنتا ہے اور یہی اس دنیا میں اس کی آخری منزل ہوتی ہے؛ اسی لئے زمین کو ہمیشہ سے ایک قیمتی اثاثہ سمجھا گیا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ موجودہ وقت میں بڑے شہروں کی زمینیں سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔

اسی لئے زمین کی خریدوفروخت اس وقت سرمایہ کاری کا اور تجارتی فائدہ حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے؛ لیکن اس کاروبار کے سلسلہ میں مختلف شہروں کے الگ الگ عرف ہیں، سرکاری قوانین بھی الگ الگ ہیں، اور جب کسی چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو اس میں خیانت کے واقعات بھی زیادہ پیش آنے لگتے ہیں؛ اسی لئے زمین سے متعلق بہت سے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، یہ مسائل کم وبیش ہر بڑے اور متوسط شہر میں پیش آتے ہیں؛ چنانچہ جب یہ بات طے پائی کہ مورخہ ۶-۴؍مارچ ۲۰۱۷ء کو اکیڈمی کا ۲۶واں سمینار ''مجلس اتحاد امت '' کی دعوت پر ''اجین '' میں منعقد ہو تو خاص طور پر میزبانوں کی طرف سے خواہش کی گئی کہ زمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل کو اس سمینار میں شامل رکھا جائے؛ چنانچہ اندور اور اجین وغیرہ کے تاجروں سے رابطہ کرکے کچھ سوالات میزبانوں نے بھیجے اور کچھ اکیڈمی کے دفتر دہلی میں دہلی کے بلڈرس حضرات سے گفتگو کے دوران سامنے آئے، اور ان سوالات کو سامنے رکھ کر ایک جامع سوالنامہ مرتب کیا گیا، جس میں سرکاری قوانین اور مروجہ طریقہ کار نیز لوگوں کی دشواریوں کو بھی سامنے رکھا گیا۔

اس موضوع پر اکیڈمی کو کل ۲۲؍مقالات موصول ہوئے، جن میں ایک مقالہ چند طلباء کی مشترکہ تحریر تھی، جو اس مجموعہ میں شامل نہیں کی گئی، اگرچہ سمینار کے دوسرے موضوعات کے مقابلہ اس موضوع پر کم مقالات آئے؛ لیکن ان میں متعدد مقالات تفصیلی اور چشم کشا ہیں، پھر اکیڈمی کے طریقہ کار کے مطابق سمینار کے دوران تفصیل سے تبادلۂ خیال کیا گیا، شرکاء سمینار میں بعض وہ ارباب افتاء بھی شامل تھے، جو بڑے کاروباری شہروں میں مقیم ہیں، جن سے اس سلسلہ میں سوالات کئے جاتے ہیں؛ اس لئے صورت مسئلہ کی وضاحت میں بھی سہولت پیدا ہوئی، اور سوالات بہتر طور پر منقح ہوئے۔

عزیز مکرم مولانا امتیاز احمد قاسمی (رفیق شعبہ علمی) نے اس موضوع سے متعلق تمام مقالات اور مباحثات کو خوش اسلوبی کے سا تھ مرتب کرنے کی ذمہ داری انجام دی ہے، جس میں سوالنامہ اور تجاویز بھی شامل ہیں، پہلے بھی اس کی وضاحت کی جاچکی ہے اورپھر کی جارہی ہے کہ یہ مجلات علماء وفقہاء اور ارباب دانش کے علمی تعاون سے شائع کئے جاتے ہیں، مقالات میں مختلف رائیں ذکر کی جاتی ہیں، بحث ومناقشہ کے درمیان بھی بہت سے نقاط نظر پیش کئے جاتے ہیں؛ لیکن اصل اہمیت سمینار میں پاس ہونے والی تجاویز کی ہے اور وہی اکیڈمی کا فیصلہ ہے، امید کہ قارئین اس کو پیش نظر رکھینگے۔ وباللہ التوفیق وہو المستعان۔

۱۶؍ذوقعدہ ۱۴۳۸ھ — **خالد سیف اللہ رحمانی**

۹؍اگست ۲۰۱۷ء — (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

* * *

* * *

# پہلا باب

## تمہیدی امور

**سوالنامہ:**

# زمین کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل

اللہ تعالی نے انسان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے جو چیزیں پیدا کی ہیں، ان میں سب سے اہم زمین ہے ، زمین ہی انسان کا مسکن بھی ہے اور اس کا مدفن بھی، وہی درختوں اور پودوں کے واسطہ سے رزق کی فراہمی کا ذریعہ ہے ، جو جانور انسان کی غذا اور سواری وغیرہ کے کام آتے ہیں، ان کو بھی زمین ہی سے چارہ فراہم ہوتا ہے ، اور ہماری سب سے بڑی ضرورت جس سے ہم دومنٹ بھی بے نیاز نہیں رہ سکے ، یعنی: آکسیجن، زمین ہی میں پیدا ہونے والے درخت ان کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ دنیا میں کچھ تو وہ آلودگی ہے ، جو خود قدرت کی طرف سے ہے ، اور آلودگی کا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے ، جو قدرتی وسائل کے استعمال میں انسان کی بے احتیاطی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ، ان آلودگیوں کو تحلیل کرنے کے دو بڑے قدرتی ذرائع ہیں، ایک: سمندر، دوسرے :زمین، اسی لئے زمین انسان کی بہت محبوب شئی رہی ہے ، دنیا میں اکثر جنگیں زمین ہی کے لئے ہوتی رہی ہیں؛ بلکہ خاندانی جنگیں بھی زیادہ تر زمین ہی کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ تجارتی نقطۂ نظر سے بھی زمین کی بڑی اہمیت ہے ، اور آج کل بڑے اور چھوٹے شہروں میں بڑے بڑے تاجروں نے زمین اور فلیٹس کی تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا ہے ، جہاں اس سے تاجروں کو معاشی فائدہ پہنچتا ہے ، وہیں خریدار کو رہنے کی جگہ مل جاتی ہے اور بعض تاجر غریبوں کے لئے لائق خرید بنانے کی غرض سے اقساط کی سہولت فراہم کردیتے ہیں، اس طرح متوسط اور کم آمدنی کے حامل لوگوں کو بھی شہروں میں مکان حاصل ہوجاتا ہے ۔ تجارت کے اس شعبہ میں تاجروں اور گاہکوں کو بہت سے شرعی مسائل بھی پیش آتے ہیں، ان ہی مسائل سے متعلق درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- بعض لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر سرکاری اراضی پر قابض ہوجاتے ہیں اور انہیں فروخت کرتے ہیں، رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داروں سے وہ لے آوٹ بھی منظور کروالیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بڑے شہروں میں بہت ساری زمینیں اسی طور پر فروخت ہوتی ہیں،پھر خریدار اسے دوسرے خریدار سے بیچ دیتا ہے ، اسی طرح کچھ لوگ اس پر مکان تعمیر کرتے جاتے ہیں اورکچھ اسے آگے فروخت کرتے جاتے ہیں، ایسی زمینوں کا کیا براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز ہوگا؟

۲- ایک افسوس ناک حقیقت یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ خود مسلمان اوقاف کی زمین

غصب کرلیتے ہیں، کبھی تو یہ زمین اتنی دور افتادہ ہوتی ہے کہ مقصد وقف کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ پاتا ہے ، بعض اوقات غیر مسلم حضرات کے قابض ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے، یا وہ اس کے کچھ حصے پر قابض ہوچکے ہوتے ہیں، اور بعض دفعہ ایسی زمین بھی ہوتی ہے کہ جس کی واقعی مسجد ومدرسہ وغیرہ کو ضرورت ہوتی ہے ؛ لیکن صرف اللہ سے بے خوفی اور مال کی حرص ولالچ کی وجہ سے ان پر ناجائز قبضہ ہوجاتا ہے ۔ اوقاف کی ان مختلف قسم کی مغصوبہ زمینوں کو خریدنے کا کیا حکم ہے ؟

۳- بعض زمین موروثی طور پر ملتی ہیں، لیکن جن لوگوں کو زمین حاصل ہوتی ہے، ان کے والد یا دادا کے وقت میں وراثت کی شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوئی تھی، جیسے والد نے پھوپھیوں کو حصہ نہیں دیا تھا، یا دادا نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا تھا، اب بیٹوں یا پوتوں سے ان کی ایسی موروثی زمین کا خرید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۴- ایک شخص کی آمدنی حرام تھی، اور اس حرام آمدنی کے ذریعہ اس نے ڈھیر ساری زمین حاصل کی، اور اب وہ اس زمین کو فروخت کرتا ہے ، تو جو لوگ ان حالات سے واقف ہیں، کیا ان کے لئے اس زمین کو خرید کرنا درست ہوگا؟

۵- حکومت کے قانون کے مطابق جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے ، اس میں سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے شدہ ہوتا ہے ، پلے گراؤنڈ بھی چھوڑنا ہوتا ہے ، اگر خالص مسلمانو نکی کالونی ہو تو کالونی بنانے والا ترغیب کے لئے مسجد کی جگہ بھی مقرر کرتا ہے ؛ لیکن جب کالونی میں پلاٹنگ شروع ہوجاتی ہے تو راستوں کو چھوٹا کردیتے ہیں، اور پلاٹ میں شامل کرتے ہوئے اس کی بھی قیمت وصول کرتے ہیں، پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پول کی جگہ بھی بیچ دیتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد کی مقررہ جگہ بھی فروخت کردیتے ہیں، کیا بیچنے والے شخص کے لئے اس کے بنائے ہوئے نقشے میں تبدیلی کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا اور دوسرے لوگوں کا جانتے بوجھتے اس کو خرید کرنا جائز ہوگا؟

۶- قانون کے لحاظ سے کالونی میں گارڈن اور پلے گراؤنڈ رکھنا ضروری ہے ، حکومت لے آوٹ منظور کرنے کے لئے نقشہ میں ان چیزوں کو رکھواتی ہے اور جگہ مخصوص کرواتی ہے ؛ لیکن زمین بیچنے والا مسلمانوں کو لبھانے کے لئے گارڈن کی بجائے مسجد کے لئے جگہ دے دیتا ہے ، اور جو زمین قانون اور حکومت سے معاہدہ کے مطابق گارڈن کی تھی، اسی جگہ مسجد بنا دی جاتی ہے ، کیا ان کا اس زمین پر مسجد بنانا درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور کی جائے گی؟

۷- آج کل کسی زمین کو کالونی کی حیثیت سے منظور کرانے میں کئی مرحلے درپیش ہوتے ہیں، پہلے زمین کو غیر زراعتی (نان اگریکلچر) اراضی میں تبدیل کرانا ہوتا ہے، اس کے لئے کوشش بھی کرنی ہوتی ہے اور اخراجات بھی ہوتے ہیں۔ پھر قانون کے مطابق اس کا ڈیولپمنٹ کراتا ہے ، جس میں ڈرینج لائن، سڑکیں، بجلی کے کھمبے شامل

ہیں، اس میں بھی کافی اخراجات ہوتے ہیں، پھر زمین کے خریدنے پر بھی ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے، پلاٹس بنانے کے بعد ان کی جو قیمت طے ہو، اس پر بھی ٹیکس دینا ہوتا ہے ، پھر جو پلاٹ خریدے گا، اس کو بھی ٹیکس ادا کرنا ہوگا، جو تقریباً بارہ پندرہ فیصد ہوتا ہے، یہ تو ٹیکسز ہیں، پھر ان تمام مراحل میں عہدہ داروں کو رشوت دینی ہوتی ہے ، اور اگر کسی شخص کی طرف سے اعتراض کی درخواست دائر ہوگئی تو معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہوجاتا ہے۔ ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد زمین بہت مہنگی ہوجاتی ہے ؛ اس لئے عموما لوگ گورنمنٹ سے منظور کرائے بغیر پولیس اور متعلقہ محکمہ کو رشوت دے کر کالونی بنالیتے ہیں، اور جب اچھی خاصی آبادی ہوجاتی ہے ، تو یا تو عوامی غیظ وغضب اور نقض امن کا خیال کرتے ہوئے حکومت خاموش رہتی ہے اور مقامی سیاسی لیڈروں کی کوششوں سے روڈ، بجلی وغیرہ کی سہولتیں فراہم ہوجاتی ہیں، یا خود حکومت بعد میں غیر قانونی کالونی اور مکانات کو قانونی بنانے کا موقع فراہم کرتی ہے ، اور کچھ پیسے لے کر اس کو قانونی طور پر منظور کالونی کی حیثیت دے دیتی ہے ، شہروں میں جو اکثر غریب آبادیاں بسائی گئی ہیں، وہ اسی طور پر بسائی گئی ہیں، تو کیا اس طرح قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیا نبنانا اور پلاٹ فروخت کرنا جائز ہوگا؟ اس کی نوبت اس لئے آتی ہے کہ اگر ان تمام مراحل کو قانون کے مطابق انجام دیا جائے تو زمین کی قیمت اتنی زیادہ ہوجائے گی کہ غریبوں کے لئے پلاٹ کی خریداری دشوار ہوجائے گی۔

۸- مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد زمین کے خریدنے کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں؛ ایک یہ کہ وہ وہائٹ منی دے ، اور یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی مقدار میں وہائٹ منی دکھانا بہت دشوار ہے ، دوسری صورت یہ ہے کہ بینک سے کروڑوں روپیہ کا لون لے ، تاکہ گورنمنٹ کی پکڑ سے محفوظ رہ سکے ، کیا پیسے ہونے کے باوجود قانونی دشواری سے بچنے کے لئے اس طرح لون لیا جاسکتا ہے ؟ اگر ایسا نہ ہو تو مسلمانو نکے لئے اس کاروبار میں رہنا دشوار ہوجائے گا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شہر میں بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت غریب اور پسماندہ ہے ، وہ آسان قسطوں پر پلاٹ حاصل کرکے مکان کے مالک بن جاتے ہیں، اور مسلمان تاجر اگراس کاروبار سے نکل جائیں، تو انہیں بہت دشواری ہوجائے گی۔

۹- کالونی میں جو قطعہ زمین بیچا جاتا ہے ، وہ نقشہ پر تو درج ہوتا ہے اور زمین کے ہر ٹکڑے کا ایک نمبر ہوتا ہے ، لیکن زمین پر پلاٹس بنائے نہیں جاتے اورکالونی بسانے والے کے لئے اس بات کی بھی گنجائش ہوتی ہے کہ وہ اس جگہ کو تبدیل کردے یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر بتایا گیا ہے ، اس کو کسی اور جگہ ڈال دے ، کیا اس طرح صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور خرید وفروخت کا یہ عمل درست ہوگا؟

۱۰- اس صورت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کے جو حصے بیچے گئے ہیں، اس

پر بیچنے والا کاشت بھی کرتا رہتا ہے ، تو کیا اس کے باوجود خریدار اس کا مالک ہوجائے گا؟

١١- جس شخص نے پلاٹ خریدا ہے تو اس سے پہلے کہ اس کا پلاٹ متعین ہو صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر وہ اپنی زمین کسی اور سے فروخت کردیتا ہے ، کیا یہ بیع درست ہوگی؟- اس میں دوصورتیں ہوتی ہیں:

الف: ایک یہ کہ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی تھی اور اس نے پلاٹس فروخت کئے تھے۔

ب: دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ابھی مالک زمین ہی کی ملکیت میں ہوتی ہے ، کالونی بنانے والا اس کی اجازت سے (جو اکثر اوقات اسٹامپ پیپر پر ہوتی ہے ) پلاٹنگ کرتا ہے اور اس کو بیعانہ کی ایک رقم دے دیتا ہے ، اور وہ ایک مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے ؛ لیکن اگر کسی وجہ سے قانونی رکاوٹ پیدا ہوگئی تو پھر زمین مالکِ زمین ہی کے پاس رہ جاتی ہے ، کیا اس صورت میں پلاٹنگ کرنے والے کا پلاٹ بیچنا اور پھر اس سے پلاٹ خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو بیچ دیناجائز ہوگا؟

١٢- ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کالونی بنانے والا کچھ دلالوں سے بات کرتا ہے کہ آپ ہماری زمین بکوائیے ، یہ دلال مارکیٹ میں آتے ہیں اور مختلف گراہکوں اور انویسٹرس سے بات کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مال ہے ، آپ پیسہ لگائیے اس کو خریدئیے ، اس کی قیمتیں بڑھینگی، جب قیمتیں بڑھیں تو آپ بیچ دینا، زمین خریدنے والے کو زمین مقصود نہیں ہوتی، اس کو صرف پیسے کمانا ہوتا ہے ، وہ شخص زمین خرید لیتا ہے ، خریدنے والا اصل مالکِ زمین کو جانتا تک نہیں، نہ کوئی رجسٹری ہوتی ہے نہ کوئی کاغذی تحریر ہوتی ہے ، صرف دلال اور خریدنے والے کے درمیان زبانی سودا ہوتا ہے اور دلال اس کو کہہ دیتا ہے کہ اس زمین میں ایک قطعہ آپ کا ہے اور اس سے پیسے وصول کرلیے جاتے ہیں، اگر یہ شخص اپنا یہ قطعہ بیچنا چاہے تو اس کو صرف یہی دلال بیچے گا، اگر اس کو دوسرا خریدار مل بھی جائے تو بھی وہ اس کو دلال ہی سے کہے گا اور دلال ہی اس کو فروخت کرے گا اور اپنی دلالی بھی وصول کرے گا، اس طریقہ سے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے ، جب کہ ابھی زمین کھیتی والے اصل مالک سے بھی ٹرانسفر نہیں ہوتی، کیا یہ شکل درست ہے ؟

١٣- کبھی کبھی خود کالونی بنانے والے ایسا کرتے ہیں کہ وہ پلاٹس بیچ دیتے ہیں اور قسطوں میں پیسہ بھی وصول کرلیتے ہیں، اب اگر خریدار کو بیچنا ہے تو اس کو بھی کالونی بنانے والے ہی سے رابطہ کرنا ہوگا، اگر کوئی گراہک لاتا ہے تو بھی اسی سے ملانا ہوگا، خود کالونی بنانے والا بھی نہیں چاہتا ہے کہ کوئی گراہک آئے ، وہ خود ہی اس کو خرید لیتا ہے اور جو بھی قیمت میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا ہے ، اس کو ادا کرتا ہے ، کیا اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہوگی؟

۱۴- ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ پلاٹ قسطوں میں بیچ دیاجاتا ہے اور خریدار اس میں سے مثلاً پانچ یا آٹھ قسطیں ادا کرپایا، باقی قسطیں ادا کرنے کی گنجائش نہیں رہی؛ تو حالانکہ سودا ہوچکا تھا، صرف بعض قسطوں کی ادائیگی باقی تھی؛ لیکن کالونی بنانے والا اپنی طرف سے اس سودے کو کینسل مانتا ہے ، اب اگر بعد میں خریدار قسطیں ادا کرنا چاہے ، یا اپنی زمین کا مطالبہ کرے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ چونکہ قسطیں وقت پرادا نہیں ہوئیں؛ اس لئے آپ کا سودا کینسل ہوگیا، اور جتنی رقم قسطوں میں ادا کی گئی تھیں، اتنی ہی رقم اس کو واپس کردیتا ہے ؛ جبکہ اس نے جس وقت وہ زمین خریدی تھی، اس وقت اس کی قیمت بہت کم تھی اور اتنی ہی متعین ہوئی تھی، اور اب اس کی قیمت تقریباً پچاس گنا بڑھ چکی ہوتی ہے ، کیا یہ درست ہے ؟

۱۵- اسی طرح زمین کی دلالی سے متعلق کچھ مسائل ہیں:

الف: آسان شکل تو یہ ہے کہ دلال زمین کا گاہک لائے اور اپنی دلالی وصول کرلے؛ لیکن دلال زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرلیتا ہے ، پھر اس کو اپنی من مانی قیمت پر بیچتا ہے ، زمین والے نے جتنی قیمت بتلائی تھی، اتنی اس کو دے دیتا ہے اور باقی کو اپنے لئے جائز سمجھتا ہے ، کیا یہ درست ہے ؟

ب: دلال کمپنیاں جو شکل سب سے زیادہ استعمال کررہی ہیں، وہ یہ ہے کہ زمین بیچ دیتے ہیں؛ لیکن قبضہ نہیں دیتے، اور ان کو کہہ دیتے ہیں کہ جب بھی آپ کو بیچنا ہو تو آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کرینگے ، کسی اور کو نہیں، کیا یہ مشروط بیع جائز ہے ؟

* * *

**تجاویز:**

## زمین کی خرید و فروخت سے متعلق مسائل

١- شہر کی ضرورتوں سے وابستہ اراضی یا وہ اراضی جن کو حکومت نے کسی ضرورت کے لیے متعین کر رکھا ہے، پر قبضہ غصب ہے اور غاصبین سے ایسی اراضی کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، لیکن وہ اراضی جو شہروں کی ضرورتوں سے فاضل ہیں، یا حکومت نے اس کو کسی ضرورت کے لیے خاص نہیں کیا ہے ان کی خرید و فروخت کی گنجائش ہے، بشرطیکہ قانونی تقاضوں کی تکمیل کرلی جائے۔

٢- غیر مجاز طور پر اوقاف کی زمین کو فروخت کرنا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور ایسے غاصبین سے اس کا خرید کرنا بھی درست نہیں ہے۔

٣- مورث کے انتقال کے بعد فوراً ہی ورثہ کے درمیان ترکہ کی تقسیم ہونی چاہئے؛ لیکن اگر ترکہ کی تقسیم نہیں ہوسکی اور کسی وارث نے مشترک اراضی کو فروخت کردیا تو یہ فروختگی صرف اس فروخت شدہ جائیداد میں اس کے حصہ کے بقدر محدود رہے گی اور اس کے حصہ سے زائد میں دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگی۔

٤- حرام مال سے جو زمین و جائیداد خریدی گئی ہے، حقیقت حال سے واقف حضرات کے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں ہے، ہاں! لاعلمی کی صورت میں خریدنے سے خریدار کی ملکیت ثابت ہوجائے گی۔

٥- الف: کالونی بسانے کی خاطر جو لے آوٹ منظور کرایا جاتا ہے، اس کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ زمین کالونی بسانے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے منظور شدہ نقشہ کے برخلاف اپنے نقشہ کے مطابق بھی بیچنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس میں ضروری عوامی مفادات متاثر نہ ہوتے ہوں۔

ب: نقشہ کے مطابق قطعات کی فروخت ہوجانے کے بعد مفاد عامہ کے لئے متعین قطعات کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

٦- مسجد مسلمانوں کی اہم ترین دینی ضرورت ہے، اس لئے کالونی بننے سے پہلے اگر کالونی بنانے والا پلے گراؤنڈ وغیرہ جیسے مفاد عامہ کی زمین کو مسجد کے لئے تبدیل کردیتا ہے، نیز مسجد کے لئے مطلوبہ شرائط بھی پائی جاتی ہیں تو اس پر مسجد بنانا درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور کی جائے گی؛ البتہ کالونی بن جانے کے بعد مفاد عامہ کے قطعات سے تمام باشندگان کا حق متعلق ہوجاتا ہے؛ اس لئے باہمی رضامندی سے ہی مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

٧- کالونی بسانے میں مسلمانوں کو چاہئے کہ قانونی طریقہ اختیار کریں؛ لیکن دشواریوں کے پیش نظر کالونیاں بسالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ قانونی منظوری حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

٨- حتی الامکان سودی قرض سے بچنا لازم ہے؛ البتہ ضرورت کے وقت بینک سے

قرض لیکر مکان خریدنے اور زمین خرید کر کالونیاں بسانے کی گنجائش ہے۔

۹- کالونی بسانے کے لئے نقشہ میں دکھائے گئے پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجاتی ہے اور خرید و فروخت کا یہ عمل درست ہے اور کالونی بسانے والے کیلئے اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل جائز نہیں ہے۔ اور اگر زمین کے بیچے گئے حصہ پر بیچنے والا خریدار کی اجازت سے کاشت بھی کرتا رہتا ہے تب بھی خریدار اس کا مالک رہے گا۔

۱۰- الف: زمین و جائیداد کی بیع میں قبضہ ضروری نہیں ہے صرف ملکیت میں آجانا کافی ہے؛ اس لئے زمین اگر کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی ہو تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اور خریدنے والا اس کو خرید سکتا ہے۔

ب: اگر زمین ملکیت میں نہیں آئی بلکہ ابھی صرف وعدۂ بیع ہوا ہے اور اس وعدہ کو مستحکم کرنے کے لیے بیعانہ کی رقم دی گئی ہے تو وہ اس کو آگے فروخت نہیں کرسکتا۔

ج: کالونی بسانے والا مالک زمین سے اپنی مرضی کے مطابق زمین کو فروخت کرنے اور مدت متعینہ میں قیمت ادا کرنے کا معاملہ طے کرلیتا ہے اور اس کے لیے بیعانہ کے نام پر کچھ رقم بھی ادا کردیتا ہے تو یہ معاملہ کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا شرعاً جائز ہے؛ البتہ اگر فروخت کرنے کے بعد آئندہ قبضہ دلانے میں کوئی قانونی رکاوٹ پیش آتی ہے تو اس کی پوری ادا کردہ قیمت واپس کرنی لازم ہوگی۔

۱۱- دلال کے ذریعہ خرید و فروخت کا یہ طریقہ جس میں زمین اور مالک زمین کا کچھ پتہ نہ ہو، ناجائز نہیں ہے۔

۱۲- پلاٹس کے مالک کا معاملے کو اس طرح مشروط کرنا کہ جب خریدار بیچنا چاہے تو بیچنے والے سے ہی فروخت کرسکتا ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ بغیر کسی پیشگی شرط کے معاملہ کیا جائے پھر معاملہ کے دونوں فریق اپنی رضا و رغبت سے اپنی سہولت کے لیے اس طرح کا وعدہ کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳- قسطوں پر زمین کی خریداری کی یہ شکل کہ ''اگر متعینہ مدت تک قیمت ادا نہیں کی گئی تو معاملہ کینسل ہوجائے گا '' اگر اس کی وضاحت معاملہ کے وقت ہی کردی جائے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے اور مقررہ وقت پر پوری قسطیں ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کو صرف اپنی جمع کردہ قسطوں کی واپسی کا حق ہوگا۔

۱۴- دلال کی اجرت جائز ہے، مگر اجرت کا معلوم ہونا اور معاملہ کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے، لہٰذا زمین کی خرید و فروخت کے دلال کا ایک فریق سے قیمت کو چھپاکر زیادہ لینا یا جھوٹ بول کر زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

۱۵- دلال کا قبضہ نہ دلانا بیع کے تقاضا کے خلاف ہے اور ظلم ہے، نیز شرط لگانا کہ جب بھی بیچنا ہو ہم سے بیچنا ہوگاشرط فاسد ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

* * *

## تلخیص مقالات:

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل

مفتی امتیاز احمد قاسمی•

''إن الحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ أجمعین''۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے چھبیسویں فقہی سمینار میں جن چار اہم موضوعات پر بحث وتحقیق اور مناقشہ ہونا ہے ان میں ایک موضوع ''زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل '' ہے، جس کے تحت ۱۵؍سوالات قائم کئے گئے ہیں، او راہل علم وتحقیق سے گزارش کی گئی تھی کہ وہ ان سوالات کا مفصل جواب قرآن وسنت، آثار صحابہ، اجتہادات فقہاء اور عرف وعادت کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

چنانچہ اکیڈمی کو تلخیص کا کام شروع ہونے تک اس موضوع پر کل ۲۰؍مقالات موصول ہوئے ،جس کی تلخیص کی ذمہ داری اکیڈمی نے مجھے دی ہے، تاکہ ایک دوسرے کی آراء اور دلائل سے واقف ہوا جاسکے، ان مقالات میں سے بعض بہت مفصل ہیں، جس میں موضوع کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کا احاطہ ہے، بلکہ بہت سے متعلقات بھی ذکر کئے گئے ہیں جن سے اصل مسئلہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، بعض مختصر ہیں، لیکن سوالات کے مکمل جوابات مع دلائل موجود ہیں، جبکہ بعض مقالے بہت ہی مختصر ہیں، مقالہ نگار کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، ڈاکٹرظفر الاسلام صدیقی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولاناابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد عفان منصورپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ظہیر احمد قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹرمحی الدین غازی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی ابصار احمد ندوی، مفتی محمد زبیر ندوی، مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپوری۔

اس موضوع کا پہلا سوال یہ ہے:

**سوال نمبر (۱):** بعض لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر سرکاری اراضی پر قابض ہوجاتے ہیں اور انہیں فروخت کرتے ہیں، رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داروں سے وہ لے آوٹ بھی منظور کروالیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بڑے شہروں میں بہت ساری زمینیں اسی طور پر فروخت ہوتی ہیں،پھر خریدار اسے دوسرے خریدار سے بیچ دیتا ہے ،

• رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

اسی طرح کچھ لوگ اس پر مکان تعمیر کرتے جاتے ہیں اورکچھ اسے آگے فروخت کرتے جاتے ہیں، ایسی زمینوں کا کیا براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز ہوگا؟

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے بعض مقالہ نگار نے غصب کی تعریف، غصب کی حرمت اور غصب کرنے والوں پر وارد وعید اور گناہ کا تذکرہ کیا ہے۔

اسی طرح منقولہ وغیر منقولہ اموال میں حنفیہ اور جمہور کا اختلاف، غصب اور قبضہ میں فرق وغیرہ کو بالتفصیل ذکر کیا ہے (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانازبیر ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی وغیرہ)، جبکہ ابتداءً مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ نے اراضی کی اہمیت وافادیت، اس کی مختلف نوعیتیں مثلاً: ذاتی زمین، اراضی موقوفہ، غیر مزروعہ اور بنجر زمین اور اراضی سلطانیہ یعنی سرکاری زمینیں اور ان کے مختلف احکام کو اپنے مقالہ میں بیان کیا ہے۔

اس کے بعد سوال کا جواب دیتے ہوئے تقریباً تمام مقالہ نگاران نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ ایسی زمینوں پر کسی طرح کا تصرف اور خرید وفروخت حرام اور ناجائز ہے اور خریدی ہوئی کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی حرام اورناجائز ہے (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی محمد مقصود فرقانی اور مولانا عبد الحمید قاسمی وغیرہ)۔

**دلائل:**

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس لئے کہ ایسی زمینیں سرکاری اراضی ہوتی ہیں جو مال عام ہیں، جن پر کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ساری قوم کی ملکیت ہوتی ہے اور جس کے تصرف کا حق مصلحت وضرورت کے مطابق حاکم وقت کو ہوتا ہے، لہذا مال عام پر ہر طرح کی دست درازی باطل طریقہ سے مال کو برتنے میں داخل ہے، جو شریعت میں ممنوع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (سورہ نساء: ۲۹)، تفسیر روح المعانی میں ہے: ''الباطل'' الحرام کالسرقۃ والغصب وکل ما لم یأذن بأخذہ الشرع'' (روح المعانی ۱۰۵،۲) (ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی وغیرہ)۔

۲۔ مال عام کو ذاتی ملکیت بنا لینا گویا دوسروں کے حق کو فوت کرنا، ظلم وعدوان، اللہ کے مال میں ناجائز تصرف اور حقوق العباد کی پامالی اور خیانت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) (مقالہ: مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۳۔ ''عن خولۃ الأنصاریۃ قالت: سمعت النبیﷺ یقول: إن رجالاً یتخوضون فی مال

اللہ بغیر حق فلہم النار یوم القیامۃ'' (صحیح بخاری، حدیث: ۳۱۱۸، مسند احمد حدیث: ۲۷۳۱۸) (مقالہ: مولانا ابصار احمد ندوی، مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۴۔ ''عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال: قال رسول اللہ ﷺ : ''ألا لا تظلموا ! ألا لایحل مال امرئ إلا بطیب نفسہ'' (مرقاۃ المفاتیح ۶؍۱۳۵) (مولانا محمد عفان منصورپوری، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۵۔ ''لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنہ'' (قواعد الفقہ ؍۱۱۰) (مولانا محمد عفان منصورپوری، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۶۔ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو بائع کی ملکیت میں ہے ہی نہیں: ''منہا أن یکون مملوکاً، لأن البیع تملیک، فلا ینعقد فیما لیس بمملوک''، ... ومنہا: ہو شرط انعقاد البیع للبائع أن یکون مملوکاً للبائع عند البیع، فإن لم یکن لا ینعقد....'' (بدائع الصنائع۴؍۳۳۹، ۳۴۰) (مقالہ مولانا محمد عفان منصورپوری)۔

۷۔ ''لا یجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ ولاولایتہ'' (الدر المختار علی رد المحتار ۹؍۲۴۰) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۸۔ معلوم ہونے کے باوجود غیر قانونی زمین خریدنا گویا تعاون علی الاثم ہے جو کہ ایک مسلمان کے لئے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) (ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

اگر پلاٹس خریدنے والوں کو اس بات کا علم نہ ہو کہ آیا یہ سرکاری مقبوضہ اراضی ہیں یا غیر قانونی طور پر کالونی پاس کرائی گئی ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہونگے، البتہ معلوم ہونے کے بعد اصل مالک سے مصالحت واجب ہوگی؛ خواہ یہ مصالحت شئی مغصوب کو واپس لوٹانے کے ذریعہ ہو یا اس کے عوض اور معاوضہ کی ادائیگی کے ذریعہ۔

* ''لو ظہر غیر حلال أی مسروقاً أو مغصوباً یرجع علیہ المشتری'' (رد المحتار ۵؍۴۲)۔

* ''لو باع السارق المسروق من إنسان أو ملک منہ بوجہ من الوجوہ فإن کان قائماً فلصاحبہ أن یأخذہ لأنہ عین ملکہ وللمأخوذ منہ أن یرجع علی السارق'' (بدائع الصنائع ۷؍۸۵) (مولانا محمد عفان منصورپوری، مفتی عثمان بستوی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

* ''یجب رد عین المغصوب لقولہ علیہ السلام: علی الید ما أخذت حتی ترد، ولقولہ علیہ السلام: لایحل لأحدکم أن یأخذ مال أخیہ لاعباً ولا جاداً وإن أخذہ فلیرد علیہ'' (رد المحتار۹؍۲۶۶) (مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا عفان منصورپوری)۔

* ''علی الغاصب رد المغصوب إلی صاحبہ إذا کان المغصوب قبیل العقار من دون أن یغیرہ أو ینقصہ لأنہ إذا کان المال المغصوب موجوداً عیناً یرد إلی صاحبہ'' (شرح المجلہ ۲؍۵۷۱) (مولانا محمد زبیر ندوی)۔

* ''إن کان المغصوب أرضاً وہو قائم بید الغاصب، فلا یجوز للآخر أن یشتریہ منہ، ولو

اشتری فالبیع موقوف عند الحنفیۃ علی إجازۃ المالک، فلو فسخ المالک البیع انفسخ، ووجب علی المشتری أن یردہ، وعلی البائع أن یرد الثمن" (فقہ البیوع ۱۰۰۸،۲) (مفتی عثمان بستوی)۔

* ''..... حکمہ لغیر من علم أنہ مال الغیر:الرد أو الغرم فقط دون الإثم، فلا إثم لأنہ خطأ وہو مرفوع بالحدیث'' (الدر المختار مع رد المحتار۲۶۳،۹) (مفتی عثمان بستوی)۔

* مفتی محمد الیاس قاسمی اور مفتی عثمان بستوی کی رائے ہے کہ لینڈ گرابرس یا غنڈہ عناصر سے ان مقبوضہ سرکاری اراضی کی بیع حکومت کی اجازت پر موقوف ہوگی:''من باع ملک غیرہ بغیر أمرہ فالمالک بالخیار، إن شاء أجاز البیع وإن شاء فسخ" (ہدایہ ۱۳۴،۳)۔

* ''البیع الذی یتعلق بہ حق الغیر کبیع الفضولی وبیع المرہون ینعقد موقوفاً علی إجازۃ ذلک الآخر" (مجلۃ الاحکام ، کتاب البیوع رقم المادۃ: ۳۶۸)۔

پھر مفتی عثمان بستوی اور مولانا محی الدین غازی لکھتے ہیں کہ اگر سرکاری حکام ملکی قوانین اراضی کی مخالفت کرتے ہوئے کسی غیر مستحق کو زمین الارٹ کرتے ہیں خواہ رشوت لیا ہو یا نہ لیا ہو، کسی بھی صورت میں اس الاٹمنٹ کو نافذ نہیں مانا جائے گا، بلکہ یہ کالعدم ہے، اس لئے اس کا مالک علی حالہ حکومت ہوگی۔

''ارتشی ہو أو أعوانہ بعلمہ وحکم لا ینفد حکمہ وہو الصحیح ولو قضی لم ینفذ وبہ یفتی وفی الخانیۃ أجمعوا علی أنہ إذا ارتشی لا ینفذ قضاءہ فیما ارتشی فیہ'' (الدر المختار مع رد المحتار ۳۵،۸ ملخصا)۔

جبکہ بعض دوسرے مقالہ نگار مثلاً مفتی عبد المنان آسام اور مولانا زبیر ندوی نے اس میں فرق کیا ہے کہ اگر مغصوبہ اراضی پر سرکاری منظوری مل گئی، اگرچہ رشوت وغیرہ کے ذریعہ سے ہی ہو تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور اس کا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا اور دوسروں کا اس سے خریدنا بھی جائز ہوگا: ''الغاصب إذا باع المغصوب من رجل ثم باعہ المشتری من الآخر حتی تداولتہ الأیدی ثم إن المالک أجاز عقداً من العقود جاز ذلک العقد" (الفتاوی الہندیہ ۱۱۱،۳) (مولانا زبیر ندوی)۔

* ''من غصب عبداً فباعہ وأعتقہ المشتری ثم أجاز المولی البیع فالعتق جائز استحساناً وہذا عند أبی حنیفۃ ....." (فتاوی تاتارخانیہ ۳۴۶،۸) (مولانا عبد المنان آسام)۔

اسی طرح مولانا زبیر ندوی صاحب نے اس صورت میں بھی فرق کو واضح کیا ہے کہ اگر مغصوبہ اراضی کی مرمت کردی یا وہ بنجر زمین تھی اس کو آباد کردیا یا اس پر تعمیر کردی گئی جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''تغیر فاحش '' کہتےہیں اور اس کی تعمیر کی لاگت زمین کی قیمت سے زیادہ ہے یا برابر ہے یا کم ہے، لیکن حکومت یا مالک اراضی کچھ قیمت لے کر راضی ہوجاتا ہے تو غاصب پر عین شئی کا لوٹانا واجب نہیں ہے، بلکہ ان پر ضمان یا قیمت ادا کرنا واجب ہے:

* ''وإنہ حینئذ یتسلم الغاصب العین ویدفع قیمتہا أو یدفعہا ویضمن نقصانہا والخیار فی ذلک للمالک" (رد المحتار ۲۶۶،۹)۔

* ‘‘إذا كان المغصوب أرضاً وكان الغاصب أنشأ عليها بناء أو غرس فيها أشجاراً يؤمر الغاصب بقلعها وإن كان القلع مضراً بالأرض فللمغصوب منه أن يعطى قيمته مستحق القلع ويضبط الأرض ولكن لو كانت قيمة الأشجار أو البناء أزيد من قيمة الأرض وكان قد أنشأ أو غرس بزعم شرعى كان حينئذ لصاحب البناء أو الأشجار أن يعطى قيمة الأرض ويتملكها’’ (شرح المجلہ ۵۷۳،۲، مادہ: ۹۰۶) (مولانا زبیر ندوی)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی کی نگاہ میں براہ راست قابضین اور ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا درست ہے، وہ لکھتےہیں: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں غصب کرتے ہی غاصب مغصوب کا مالک سمجھا جائے گا ضمان دینے کے بعد، اگر ایسا نہ مانیں تو ایک ہی شخص بدل اور مبدل منہ دونوں کا مالک ہوجائے گا، اس لئے مغصوب میں غاصب کا تصرف ضمان سے پہلے درست ہوجاتا ہے، اگرچہ بعض فقہاء نے قبل اداء ضمان تصرف سے منع فرمایا ہے۔

* ‘‘لو تصرف فى المغصوب بالبيع أو الهبة أو الصدقة قبل أداء الضمان ينفذ تصرفه كما نفذ تصرفات المشترى فى المشترى شراء فاسداً’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۲۳،۵)۔

* ‘‘ولأبى حنيفة أن الأصل مضمون بالغصب الأول فلا يقع البيع والتسليم غصباً ..... ثم إذا ضمن المالك الغاصب قيمة المغصوب وقت الغصب أو وقت البيع والتسليم جاز البيع لأنه تبين أنه باع ملك نفسه .....’’ (بدائع الصنائع ۱۳۲،۶، ۱۳۳)۔

* مزید تائید اس عبارت سے ہوتی ہے:‘‘ألا ترى أنه لو وهبه أو باعه جاز، وجه الاستحسان:قوله عليه السلام فى الشاة المذبوحة المصلية بغير رضا صاحبها:(أطعموها الأسارى)’’ (ہدایہ مع فتح القدیر ۳۷۷،۷)۔

**سوال نمبر(۲):** ایک افسوس ناک حقیقت یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ خود مسلمان اوقاف کی زمین غصب کرلیتے ہیں، کبھی تو یہ زمین اتنی دور افتادہ ہوتی ہے کہ مقصد وقف کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ پاتا ہے ، بعض اوقات غیر مسلم حضرات کے قابض ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے ، یا وہ اس کے کچھ حصے پر قابض ہوچکے ہوتے ہیں، اور بعض دفعہ ایسی زمین بھی ہوتی ہے کہ جس کی واقعی مسجد ومدرسہ وغیرہ کو ضرورت ہوتی ہے ؛ لیکن صرف اللہ سے بے خوفی اور مال کی حرص ولالچ کی وجہ سے ان پر ناجائز قبضہ ہوجاتا ہے ۔ اوقاف کی ان مختلف قسم کی مغصوبہ زمینوں کو خریدنے کا کیا حکم ہے ؟

چند مقالہ نگار کے علاوہ تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ چونکہ وقف مکمل ہونے کے بعد وہ انسانوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالی کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، اس لئے اوقاف کی مغصوبہ اراضی کو خریدنا حرام ہے اورایسی بیع بیع باطل ہے (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی عثمان بستوی، مولاناابوسفیان مفتاحی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا عبد المنان آسام، مفتی ظہیر احمد قاسمی، مولانا محی الدین غازی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی

ریاست علی قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی مقصود فرقانی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا زبیر ندوی، مولانا عبد الحمید قاسمی وغیرہ)۔

**دلائل:**

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔''فإذا تم ولزم لا یملک ولایملک ولا یعار ولا یرہن .... قولہ (لایملک) أی لا یکون مملوکاً لصاحبہ ولایملک أی لا یقبل التملیک بغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ ولایعار ولا یرہن لاقتضائہما الملک'' (الدر المختار مع ردالمحتار ۴۲۱،۶، کتاب الوقف) (مقالہ: مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عفان منصورپوری، مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی وغیرہ)۔

۲۔ ''إذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ، قال ابن الہمامؒ: لم یجز بیعہ ولا تملیکہ وہو بإجماع الفقہاء، أما انتفاع التملیک فلما بین من قولہ علیہ السلام:تصدق بأصلہا لا یباع ولا یورث ولایوہب'' (فتح القدیر مع الہدایہ ۲۲۰،۶) (مقالہ مولانا عفان منصورپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی وغیرہ)۔

۳۔ وقف کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کو واقف کی منشا کے خلاف استعمال کرنا شرعاً درست نہیں ہے (حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۴۔ وقف کا اصلی حکم یہ ہے کہ اس کی خریدوفروخت نہ ہو، اور اس میں وقف کی مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا حق صرف متولی کو ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا:''تصدق بأصلہ، لایباع ولا یوہب ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ'' (صحیح بخاری حدیث: ۲۷۶۴، صحیح مسلم حدیث: ۱۶۳۲) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

۵۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:''وظاہر قولہم إن الوقف لا یملک ولا یباع یقتضی أن الوقفیۃ لا تبطل بالخراب ولا تعود إلی ملک الواقف ووارثہ'' (البحر الرائق ۲۲۳،۵، کتاب الوقف)، تو جب وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنے لئے خریدنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۶۔ جب ایک عام مسلمان کے مال کی اتنی حرمت ہوتی ہے تو پھر اوقاف کی کتنی حرمت ہوگی، جو اللہ تعالی کی ملکیت میں ہیں:''إن دماءکم وأموالکم وأعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم ہذا، فی شہرکم ہذا، فی بلدکم ہذا'' (صحیح البخاری حدیث: ۶۷، ۱۰۵، صحیح مسلم حدیث: ۱۶۷۹) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

ان حضرات نے ان دلائل کے علاوہ تقریباً سب وہ دلائل پیش کئے ہیں جو جواب نمبر ایک کے ذیل میں درج ہیں، مثلا:

۱۔ اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اوقاف کی حد میں لوٹانا واجب ہے، اس لئے کہ دیگر غصب کردہ اموال کی طرح غصب کی ہوئی وقفی زمین کا بھی یہی حکم ہے، امام

سرخسی لکھتے ہیں:''الحکم الأصلی الثابت بالغصب وجوب رد العین علی المالک بقولہ ﷺ: علی الید ما أخذت حتی ترد'' (ابوداؤد حدیث: ٣٥٦١)، ''وقال ﷺ: لا یحل لأحد أن یأخذ متاع أخیہ لاعباً ولا جاداً، فإن أخذہ فلیرد'' (ابوداؤد، حدیث: ٥٠٠٣) .... ''ومن ضرورۃ کونہ أحق بالعین وجوب الرد علی الآخذ'' (المبسوط ٤٢،١١) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ریاست علی قاسمی، مولانا ابصار ندوی)۔

٢۔ ''لم یحل للمسلم أن یشتری شیئاً یعلم أنہ مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبہ بغیر حق'' (الحلال والحرام للقرضاوی،٢١٦) (مولانا زبیر ندوی)۔

٣۔''اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی آدمی کا مال غصب کرے تو وہ اس کا ضامن قرار پائے گا، پھر اگر غصب کی ہوئی چیز موجود اور اپنی حالت پر قائم ہو تو غاصب پر اس کے عین کو واپس کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ اس مینایسا عیب داخل نہ ہوجائے جو اس کی منفعت کو کم کردے، اس لئے کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''علی الید ما أخذت حتی تؤدی'' (موسوعہ فقہیہ ١٥٧،٣٦) (مولانا ابصار احمد ندوی)۔

**اوقاف کی منتقلی کی اجازت:**

البتہ ایسے اوقاف جن پر قبضہ کرلینے کا غالب گمان ہو یا قابل انتفاع نہ ہو یا دور افتادہ ہو تو متولی وقف کے لئے درست ہے کہ اراضی موقوفہ کو فروخت کرکے اس کی رقم دوسرے اوقاف میں لگائی جائے جو منشاء واقف کے مطابق ہو، ایسا کرنا درست ہے (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا عفان منصورپوری، مولانا محی الدین غازی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا عبد المنان آسام وغیرہ)۔

**دلائل:**

١۔ ''سئل الحلوانی عن أوقاف إذا تعطلت وتعذر استغلالہا ہل للمتولی بیعہا ویشتری مکانہا أخری؟ قال:نعم'' (البحر الرائق ٣٤٥،٥) (مفتی الیاس قاسمی)۔

٢۔ ''سئل شمس الأئمۃ الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیہ لتفرق الناس، ہل للقاضی أن یصرف أوقافہ إلی مسجد آخر أو حوض آخر؟ قال:نعم'' (الفتاوی التاتارخانیہ ١٩٦،٨) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

٣۔ ''سئل شیخ الإسلام عن أہل قریۃ افترقوا وتداعی مسجد القریۃ إلی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشب المسجد وینتقلونہا إلی دیارہم، ہل لواحد من أہل القریۃ أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ إلی بعض المساجد أو إلی ہذا المسجد؟ قال:نعم'' (الفتاوی التاتارخانیہ ١٩٧،٨) (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا عبد الحمید قاسمی وغیرہ)۔

٤۔ ''فلایجوز بیع الوقف بعد تمامہ عند جمہور الفقہاء إلا أن یخرب أو تتعطل منافعہ

فیجوز فی ہذہ الأحوال بیعہ بمعرفۃ القاضی بثمن المثل ویشتری بثمنہ وجوباً وقف آخر یحل محلہ، ویجوز نقل الوقف من ہذا السبیل إلی سبیل آخر إذا تعذر الانتفاع فی المکان الأول وإذا لم یتعذر لم یجز'' (الفتاوی الشرعیہ) (مفتی محمد مقصود فرقانی)۔

۵۔ ''قال ہشام: سمعت محمداً یقول:الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع بہ المساکین فللقاضی أن یبیعہ ویشتری بثمنہ غیرہ، ولیس ذلک إلا للقاضی'' (البحر الرائق ۳۴۵،۵) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۶۔ ''قیم خاف من السلطان أو من وارث یغلب علی أرض وقف یبیعہا ویتصدق بثمنہا وکذاکل قیم إذا خاف شیئاً من ذلک لہ أن یبیع ویتصدق بثمنہا'' (حوالہ سابق) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۷۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں: ''وإذا خرب الوقف ولم یرد شیئاً بیع واشتری بثمنہ ما یرد علی أہل الوقف وجعل وقفاً کالأول'' (المغنی ۳۶۸،۵) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۸۔ ''رجل وقف موضعاً فی ساحۃ وأخرجہ عن یدہ فاستولی علیہ غاصب وحال بین الوقف وبینہ، قال شیخ الإسلام أبوبکر محمد بن الفضل:یأخذہ من الغاصب قیمتہا ویشتری بہا موضعاً آخر فیقفہ علی شرائط الأول'' (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ ۳۱۲،۳) (مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

۹ ۔ ''والثانی أن لا یشترطہ، سواء شرط عدمہ أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بأن لا یحصل منہ شئی أصلاً أو لا یعنی بمؤنتہ فہو أیضاً جائز علی الأصح'' (رد المحتار ۵۸۳،۶) (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی الیاس قاسمی)۔

۱۰۔ ''ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی یوم القیامۃ وبہ یفتی'' (الدر المختار مع رد المحتار ۵۴۸،۶) (مفتی الیاس قاسمی)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی صاحب حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی مفصل تحریر، حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری کا فتوی اور درمختار مع رد المحتار کی عبارت ''فإذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرہن....'' کے بعد لکھتے ہیں:

''احقر کے نزدیک موقوفہ کی بیع باطل ہے، الا یہ کہ اس کے دست وبرد اور ضائع ہونے کا یقین کامل ہو تو اسے بیچ کر واقف کی منشاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسری جائیداد خریدی جاسکتی ہے''۔

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

''عام حالتوں میں وقف کی چیز کو بیچ کر اس سے دوسری چیز خریدنا یا دوسری شئی سے وقف کردہ شئی کا تبادلہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اوقاف کا تبادلہ صرف مخصوص صورتوں میں جائز ہے، اور ان صورتوں میں بھی شرط یہ ہے کہ دوسرے مقامات پر اسی نوع کے متبادل اوقاف قائم کئے جائیں، جیسا کہ علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں: ''لا یستبدل العامر إلا فی أربع: الأولی: لو شرطہ الواقف ، الثانیۃ: إذا غصبہ غاصب وأجری علیہ الماء حتی صار بحرا، فیضمن القیمۃ، ویشتری المتولی بہا أرضاً بدلاً، الثالثۃ: أن یجحدہ

الغاصب ولا بينة، أي: وأراد دفع القيمة ، فللمتولي أخذها ليشتري بها بدلا، الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعاً، فيجوز على قول أبي يوسف، وعليه الفتوى، كما في فتاوى قارئ الهداية'' (رد المحتار ٣٨٨،٤، بيروت، دار الفكر، ١٤٢١ھ) (آباد زمین کا تبادلہ کرنا صرف چار ہی صورتوں میں جائز ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے اس کی شرط لگادی ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے وقف کی زمین غصب کرلی ہو اور اس پر اس طرح پانی بہادیا ہو کہ وہ تالاب بن جائے، تو اب غاصب قیمت کا ضامن ہوگا، اور متولی اس قیمت سے دوسری زمین خرید لے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب اس زمین کے غصب سے انکار کرتا ہو، اور گواہان موجود نہ ہوں، اور غاصب قیمت دینے کو تیار ہوجائے، تو متولی اس زمین کے بدلہ قیمت لے سکتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ دوسری زمین خرید کر متبادل وقف قائم کرسکے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس وقف کو کوئی شخص ایسا بدل دے کر لینا چاہتا ہو جو پیداوار او رمحل وقوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو،تو امام ابویوسف کے قول پر اس صورت میں تبادلہ کرنا جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ ''قارئ الہدایہ '' کے فتاوی میں ہے)، توجب اوقاف کا تبادلہ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنی ذات کے لئے خرید کر غاصبین کی حوصلہ افزائی کیونکر جائز ہوگی؟''۔

مفتی محمد الیاس قاسمی صاحب نے اوقاف کی ناقابل انتفاع اراضی کو فروخت کرنے کے لئے کچھ شرائط کو ذکر کیا ہے:

١۔ ان اراضی کو معمولی قیمت پرنہیں، بلکہ مارکیٹ ویلو پر فروخت کیا جائے۔

٢۔ تبادلہ اوقاف کا مجاز عام متولیوں کے بجائے دیانتدار وذمہ دار ادارہ کو بنایا جائے۔

٣۔ موقوفہ اراضی کے بدلے اراضی ہی حاصل کی جائے، نقد سے تبادلہ نہ ہو اور اگر ہو تو فوراً ہی اس سے غیر منقولہ جائیداد خرید لی جائے۔

۴۔ لیکن ذمہ دار ادارہ اس کو قاضی کی اجازت سے ہی فروخت کرسکتا ہے اور قاضی کے لئے مناسب ہے کہ اگر اس کے پاس یہ معاملہ آئے اور وہ دیکھے کہ وقف غیر منافع ہوچکا ہے اور مستحقین وقف کا مفاد اس کو بیچنے میں ہے تو بیچنے کی اجازت دے (الدر المختار علی رد المحتار ٥٨٥،٦۔٥٨٧)۔

مفتی محمدعثمان بستوی صاحب ان شرائط میں ایک احتیاطی شرط کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لہذا جن ممالک میں حکومت اسلامی یا اس طرح کے قضاۃ مفقود ہوں ان جگہوں میں اوقاف کی حفاظت کے لئے فروختگی میں شرط لازمی ہے کہ فروختگی کا فیصلہ متدین اصحاب بصیرت علماء پر مشتمل کوئی جماعت کرے، ورنہ عمومی طور پر اوقاف کو خرد برد سے محفوظ رکھنا ممکن نہیں۔

**سوال نمبر (٣):** بعض زمین موروثی طور پر ملتی ہیں، لیکن جن لوگوں کو زمین حاصل

ہوتی ہے ، ان کے والد یا دادا کے وقت میں وراثت کی شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوئی تھی، جیسے والد نے پھوپھیوں کو حصہ نہیں دیا تھا، یا دادا نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا تھا، اب بیٹوں یا پوتوں سے ان کی ایسی موروثی زمین کا خرید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

**مکروہ ہے:**

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگار کی رائے ہے کہ جو موروثی زمین فروخت ہورہی ہے اگر اس میں تمام شرکاء زمین کی رضامندی شامل نہیں ہے اور بیٹے اور پوتے نے دوسرے شرکاء کی زمین الگ بھی نہیں کی ہے تو ایسی موروثی زمین کا خریدنا مکروہ ہوگا (مفتی عثمان بستوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی ندوی، مولانا عفان منصورپوری، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

**دلائل:**

۱۔ ''یشترط فی لزوم ونفاذ قسمۃ الرضا، رضاء کل واحد من المتقاسمین، بناء علیہ إذا غاب أحد المتقاسمین، ولم یکن لہ نائب وقسم الحاضرون وأفرزوا حصۃ الغائب، فلا تصح قسمۃ الرضا، أی لا تکون لازمۃ'' (درر الحکام ۱۲۷،۳) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۲۔ مشترکہ جائیداد میں تمام شرکاء کی اجازت سے ہی تصرف کیا جاسکتا ہے: علامہ علاء الدین سمرقندی لکھتے ہیں:''شرکۃ الأملاک علی ضربین:أحدہما:ما کان بفعلہما مثل أن یشتریا أو یوہب لہما أو یوصی لہما فیقبلا، والآخر بغیر فعلہما وہو أن یرثا، والحکم فی الفصلین واحد، وہو أن الملک مشترک بینہما، وکل واحد منہما فی نصیب شریکہ کالأجنبی، لا یجوز لہ التصرف فیہ إلا بإذنہ'' (تحفۃ الفقہاء ۵،۳ طبع بیروت) (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۳۔ ''لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بغیر إذنہ.... '' (قواعد الفقہ،۱۱۰، فتاوی شامی ۲۹،۹) (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست قاسمی)۔

۴۔ اس لئے کہ بائع کے مال میں حرام کا بھی حصہ ہے، جس کی وجہ سے معاملہ میں اشتباہ ہے اور ایسی حالت میں نبی کریم ﷺ نے صریح ممانعت کی جگہ شبہ سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے:''فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ، ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام، کالراعی یرعی حول الحمی یوشک أن یرتع فیہ'' (صحیح بخاری، حدیث: ۵۲، صحیح مسلم، حدیث: ۱۵۹۹) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

**بیع موقوف ہوگی:**

جبکہ بعض دوسرے مقالہ نگار کی رائے ہے کہ ایسی موروثی زمینوں کو خریدنے کی صورت میں بیع موقوف ہوگی، اس لئے کہ شرط نفاذ نہیں پائی جارہی ہے، اجازت کے بعد اس کے اپنےحصہ کی بیع درست ہوجائے گی (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا عبد الحمیدقاسمی)۔

**دلائل:**

۱۔ ‘‘إن کان فی المبیع حق لغیر البائع کان العقد موقوفاً غیر نافذ ’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۷۲،۴) (قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

۲۔ ‘‘وکل منہما أجنبی فی نصیب الآخر حتی یجوز لہ التصرف فیہ إلا بإذن الآخر کغیر الشریک لعدم تضمنہا الوکالۃ’’ (مجمع الانہر ۵۴۳،۲) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، قاری ظفر الاسلام اعظمی، مفتی محمدالیاس قاسمی)۔

۳۔ ‘‘أن لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع، فإن کان لا ینفذ کالمرہون والمستأجر، واختلفت عبارات الکتب فیہا، ففی بعضہا أنہ فاسد والصحیح أنہ موقوف ویحمل الفساد علی أنہ لا حکم لہ ظاہراً، وہو تفسیر الموقوف عندنا’’ (البحر الرائق ۴۳۴،۵، کتاب البیوع) (مولانازبیر احمد ندوی، قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

جبکہ باقی مقالہ نگار نے شرائط وقیود کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، مثلاً:

ڈاکٹر کلیم اللہ عمری اور مولانا زبیر احمد ندوی لکھتے ہیں کہ خریدار کو اس کا علم نہ ہو کہ یہ مشترکہ موروثی زمین ہے، صرف بائع کا حصہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے خریدنا جائز ہے، لیکن اگر معلوم ہوجانے کے بعد خریدتا ہے تو تعاون علی المعصیت کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔

* ‘‘فإن اشتری وقیل وہو لا یعلم أنہ لغیرہ وأخبرہ أنہ لہ، رجوت أنہ فی سعۃ من شراہ وقبولہ، والتنزہ أفضل’’ (المبسوط للسرخسی۱۲۲،۳) (مولانا زبیر احمد ندوی)۔

* قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی اورمولانا عبد الحمید قاسمی کی رائے ہے کہ وارثین کے لئے اپنے حصہ کے بقدر اراضی فروخت کرنا اور دوسروں کے لئے ان کا خریدنا جائز ہوگا۔

* مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں:

البتہ شریک اپنے حصہ میں ایسا تصرف کرسکتا ہے جس سے دوسرے کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، لہذا اس کے حصہ کے بقدر خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن دوسرے شرکاء کو حق شفعہ حاصل ہوگا، اگر وہ لوگ نہیں لیتے ہیں تو پھر خریدار ایک شریک کی مانند ہوجائے گا، لیکن اس قابض وارث سے دوسرے کے حصے کو خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

کیونکہ بیع وشراء کی صحت کے لئے بائع کا مالک ہونا شرط ہے، ورنہ بیع ما لیس عندک ہوجائے گی ۔

‘‘وشرط المعقود علیہ ستۃ:کونہ موجوداً مالا متقوما مملوکا فی نفسہ وکون الملک للبائع فیما یبیعہ لنفسہ وکونہ مقدور التسلیم۔

ولا بیع ما لیس مملوکاً لہ، وإن ملکہ بعدہ إلا السلم والمغصوب لو باعہ الغاصب ثم ضمن قیمتہ، وبیع الفضولی، فإنہ منعقد موقوف، وبیع الوکیل، فإنہ نافذ’’ (رد المحتار ۶،۴) (مقالہ: مولانا فروغ احمد قاسمی)۔

* مفتی عثمان بستوی اور مولانا محی الدین غازی لکھتے ہیں:

ہندوستان کی تمام موروثی زمینوں کا خواہ وہ زمینداری والی ہوں یا بھوم دھری ہوں یا سیر دھری کی ہوں، سب کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں اولاد مؤنث کا حصہ دیا جانا معلوم نہ ہو اور اولاد مؤنث او ران کے ورثاء کی طرف سے کسی قسم کے مطالبہ کا بھی علم نہ ہو تو ظاہر حال کے مطابق قابض ومتصرف کو مالک مختار مجاز مان کرکے اس کا خریدنا جائز ہے، لیکن اگر خریدنے کے بعد اولاد مؤنث میں سے کوئی مطالبہ پیش کرے اور اس کا مطالبہ صحیح ودرست طریقہ سے ثابت بھی ہوجائے تو اس کے حصہ کے مطابق بیع کالعدم مانی جائے گی، اس کے حصہ کی زمین دے کر یا اس کا معاوضہ دے کر اس کو راضی کرنالازم اور واجب ہوگا، کیونکہ جب ان کا استحقاق ثابت ہوگیا تو پھر استحقاق کا حکم بھی عائد ہوگا۔

اور اگر موروثی زمین میں اولاد مؤنث کی طرف سے مطالبہ ہو اور مطالبے کا علم بھی ہو تو اس کو راضی کئے بغیر اس کے حصے کی زمین خریدنا شرعاً غصب ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، اس صورت میں اگر زمین خریدی گئی تو چونکہ ان کا حق باقی اور معلوم ہے، اس لئے جس طرح بھی ممکن ہو ان کا حق ادا کرنا لازم ہوگا (مفتی عثمان بستوی، مولانا محی الدین غازی)۔

مفتی عثمان بستوی صاحب نے وراثت جاری ہونے کے بارے میں زمینداری اور دوسری زمینوں کا فرق حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ کے فتوی کی روشنی میں بیان کیا ہے جو اس طرح ہے:

''حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ کی رائے کے مطابق زمین داروں کے زمانے سے ان کی نسلوں میں زمینداری کی جو زمین باقی ہیں، ان میں وراثت جاری ہوگی، اس کے علاوہ دوسری زمینوں میں وراثت جاری نہیں ہوتی ہے، اس لئے ان کی رائے کے مطابق ہندوستانی زمینوں کی خریدوفروخت حکومتی ضابطے کے مطابق صحیح اور درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، البتہ زمین داری والی زمین میں چونکہ اولاد مؤنث کا بھی حق ہوتا ہے، اس لئے اس زمین کا حکم کچھ علاحدہ ہوگا، یعنی اس کا حکم دیگر علماء جو عام زمینوں کے بارے میں فرماتےہیں وہی حکم اس کا بھی ہوگا ''۔

* مفتی ظہیر احمد قاسمی اور مفتی عبد المنان آسام کی رائے میں ایسی زمینیں خریدی جاسکتی ہیں، اس لئے کہ مخصوص کوئی قطعۂ اراضی متعین نہیں ہے کہ یہ قطعہ فلاں وارث کا ہی ہے۔

* مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی مقصود فرقانی اور مفتی عثمان بستوی کی تحریروں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب باقی شرکاء کی عدم رضامندی کی صورت میں تقسیم میراث درست نہیں ہے تو وارثین شرکاء کو محروم کرکےان کی وراثت کی خریدوفروخت کیوں کر درست ہوگی، تاآنکہ ان کے حصے الگ الگ کردیئے جائیں (رد المحتار ۹،۲۶۶)۔

* مفتی محمد الیاس قاسمی اور مولانا ابصار احمد ندوی نے اس جواب کے ذیل میں وراثت کی عدم تقسیم پر وارد وعید اور اس پر ہونے والے گناہ کا ذکر تفصیل سے گیا ہے۔

**سوال نمبر (۴):** ایک شخص کی آمدنی حرام تھی، اور اس حرام آمدنی کے ذریعہ اس نے ڈھیر ساری زمین حاصل کی، اور اب وہ اس زمین کو فروخت کرتا ہے ، تو جو لوگ ان حالات سے واقف ہیں، کیا ان کے لئے اس زمین کو خرید کرنا درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں آدھے مقالہ نگار کی رائے ہے کہ حرام آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کا دوسروں کے لئے معلوم ہونے کے باوجود خریدناناجائز ہے (ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عثمان بستوی، مولانا زبیر ندوی، مفتی مقصود فرقانی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

**دلائل:**

ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ''إن علم أنہ حرام فہو حرام'' (المغنی لابن قدامہ ۳۳۳،۴)۔

۲۔ ''الحرمۃ تتعدد فی الأموال مع العلم بہا'' (الاشباہ والنظائر ۵۰۴،۴) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی)۔

۳۔ یہ معصیت پر تعاون ہے جو نص قطعی سے ممنوع ہے، ارشاد ربانی ہے:''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۴۔ ''الحرام ینتقل حرمتہ وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک'' (فتاوی شامی ۳۰۱،۷)۔

۵۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں حرام ہونا معلوم ہوتو اس کو خریدنا جائز نہیں: ''قال الشیخ عبد الوہاب الشعرانی فی کتاب المنن وما نقل عن بعض الحنفیۃ من أن الحرام لا یتعدی إلا ذمتین سألت عن الشہاب بن الشلبی فقال: ہومحمول علی ما إذا لم یعلم بذلک، أما من رأی المکاس یأخذ من أحد شیئاً من المکس ثم یعطیہ آخر ثم یأخذہ من ذلک الآخر فہو حرام'' (حوالہ سابق) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۶۔ ''فإن غالب مالہ الحرام لایقبلہا ولا یأکل'' (مجمع الانہر ۱۸۶،۴) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولاناابصار احمد ندوی)۔

* ''کل عین قائمۃ یغلب علی ظنہ أنہم أخذوہا من الغیر بالظلم وباعوہا فی السوق فإنہ لا ینبغی أن یشتری ذلک وإن تداولتہ الأیدی'' (فتاوی ہندیہ ۳۶۴،۵) (مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۸ ۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ''ما فی الوجود من الأموال المغصوبۃ والمقبوضۃ بعقود لا تباح بالقبض، إن عرفہ المسلم اجتنبہ، فمن علمت أنہ سرق مالا أو خانہ فی أمانتہ أو غصبہ، فأخذہ من المغصوب قہراً بغیر حق لم یجز لی أن آخذہ منہ، لا بطریق الہبۃ ولابطریق المعاوضۃ ولا وفاء عن أجرۃ، ولا ثمن مبیع، ولا وفاء عن قرض، فإن ہذا عین مال ذلک

المظلوم" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹،۳۲۳)۔

۹۔ "إن ما یشتری من السوق ویعلم قطعاً أنہم یبایعون الأتراک ومن غالب مالہم الحرام ویجری بینہم الربا والعقود الفاسدۃ ، کیف یکون؟ فہو علی ثلاثۃ أوجہ:

فکل عین قائمۃ یغلب علی ظنہ أنہم أخذوہا من الغیر بالظلم وباعوہا فی السوق، فإنہ لا ینبغی أن یشتری ذلک،وإن تداولتہا الأیدی، والثانی: إن علم أن المال الحرام بعینہ قائم إلا أنہ اختلط بالغیر لایمکن التمییز عنہ، فإن علی أصل أبی حنیفۃؒ بالخلط یدخل فی ملکہ، إلاأنہ لاینبغی أن یشتری منہ حتی یرضی الخصم بدفع العوض، فإن اشتراہ یدخل فی ملکہ مع الکراہۃ۔

والثالث:إذا علم أنہ لم تبق عین المغصوبۃ أو المأخوذ بالربا وغیرہ، وإنما باعہا لغیرہ فإن الذی یعلم أنہ لم تبق تلک العین، جاز لہ أن یشتری منہم، ہذا کلہ من حیث الفتوی أما إذا أمکنہ أن لا یشتری منہم شیئاً کان أولی أن لایشتری ولعل أنہ یتعذر ذلک فی بلاد العجم" (فتاوی ہندیہ ۵،۳۶۴) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے لمبی بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں لکھا ہے کہ حرام مال سے حاصل ہونے والی جائیداد بھی حرام ہے، اصل مالک کو لوٹانا اگر ممکن ہو تو اسےلوٹایاجائے گا، ورنہ صدقہ کردیاجائے گا، جب ایسی جائیداد کا وہ شخص مالک ہی نہیں، نیز خریدار کو معلوم بھی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسے جائز ہوگا۔

**جواز کی صورتیں اور ان کاحکم:**

جبکہ بعض مقالہ نگاران کی رائے ہے کہ ایسی صورت حال میں خریدنے والے کےلئے وہ زمین خریدنا جائز اور درست ہوگا (حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی عبد المنان آسام، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

اسی طرح مولانا محی الدین غازی فلاحی کا جواب ہے کہ حرام آمدنی سے کسی نے زمین خریدی ہو، اور پھر فروخت کررہا ہو تو اس سے وہ زمین خریدنا جائز ہوگا، البتہ اس زمین کے فروخت کرنے سے حاصل شدہ رقم اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، بلکہ جس طرح آمدنی حرام تھی، اس سے خریدی ہوئی زمین بھی حرام رہے گی اور پھر اسے فروخت کرکے جو قیمت کی رقم اسے ملے گی وہ بھی حرام ہی رہے گی، جس شخص نے اپنی حلال آمدنی سے اس کی زمین خریدی اس کے لئے وہ زمین حلال رہے گی۔

اسی طرح بعض مقالہ نگار مثلاً قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عثمان بستوی، مولانا عبد الحمید قاسمی کی رائے علامہ کرخی کے بیان کردہ ضابطہ واصول کی روشنی میں یہ ہے کہ ایسی زمین کا خریدنا جائز ہے، البتہ تقوی واحتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ خریدی جائے، اس مسئلہ میں امام کرخی نے پانچ صورتیں ذکر کی ہیں جن کی تفصیلات اس طرح ہیں:

۱۔ بائع کو پہلے وہ غصب کیا ہوا مال بطور قرض دے دے، تاکہ اس کے ذمہ ہوجائے، پھر اس سے کوئی شئی اسی دین کے بدلے خرید لے۔

۲۔ وہ حرام نقود جن سے خرید رہا ہے اس کی طرف اشارہ کرے، اور وہی ادا کردے۔
۳۔ ان نقود مغصوبہ کو اشارہ کرکے متعین کرے، لیکن دوسرا ثمن ادا کردے۔
۴۔ ان نقود کی طرف اشارہ تو نہ کرے مگر انہی کو ثمن کے طور پر دے دے۔
۵۔ دوسرے نقود کی طرف اشارہ کرے، لیکن بائع کو نقود مغصوبہ ہی دے۔

اگر مشتری اول نے پہلی اور دوسری صورت کے ذریعہ خریدا ہے تب تو کسی دوسرے خریدار کو وہ زمین خریدنا درست نہیں ہوگا اور نہ نفع حلال ہوگا اور بقیہ تینوں صورتوں سے خریدا ہے تو علامہ کرخی نے دفع حرج کے لئے اس سے دوسروں کے خریدنے کو جائز قرار دیا ہے (فتاوی شامی ۲۳۵،۵)۔

بعض مقالہ نگار نے اس اس صورت میں کہ جب اکثر مال حرام ہو یا حرام مال حلال سے مخلوط ہو، حکم میں فرق کو بیان کیا ہے، مثلاً مفتی عثمان بستوی لکھتے ہیں:

مال حرام سے خریدی ہوئی زمین کاحکم یہ ہے کہ اگر مال حرام، حلال سے مخلوط نہ ہو، بلکہ مکمل حرام ہو غصب، رشوت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا اور اس سے کوئی زمین وغیرہ خریدی جائے، تو اگر مال حرام کا عوض ادا کردیاجائے یعنی اگر مالک معلوم ہوتو ان کو واپس لوٹادیا گیا ہو، ورنہ صدقہ کردیاگیا ہو تو اس کے بعد اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز ہے اور اس کا نفع حلال ہے، کیونکہ مال حرام کاحکم شرعی انجام دینے کے بعد اس سے خریدا ہوا مال حلال ہوجائے گا اور اس مال میں کوئی خبث باقی نہ رہے گا، جیسا کہ مال مغصوب عوض ادا کرنے کے بعد حلال ہوجاتا ہے اور اس کی خریدوفروخت جائز ہوجاتی ہے: ''مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال، ثم رمز وقال:لا نأخذ بہذہ الروایۃ وہو حرام مطلقاً علی الورثۃ فتنبہ الخ، ومفادہ الحرمۃ وإن لم یعلم أربابہ'' (فتاوی شامی)۔

''ما یأخذہ من المال ظلماً ویخلطہ بمالہ وبمال مظلوم آخر یصیر ملکا لہ وینقطع حق الأول فلا یکون أخذہ عندنا حراماً محضاً، نعم لا یباح الانتفاع بہ قبل أداء البدل فی الصحیح من المذہب'' (فتاوی شامی ۲۲۰،۳)۔

یہی رائےمولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ظہیر احمد کانپوری اور مفتی ریاست علی قاسمی کی معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی کا مشورہ ہے کہ مسلمان ایسی زمینوں کو نہ خریدیں، تاکہ اس کے لئے تازیانہ عبرت ہو اور حوصلہ افزائی نہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

۱۔ مال حرام سے حاصل کردہ زمین کو خریدنے میں حرام خور کی حوصلہ افزائی ہوگی، جو ناجائز ہے۔
۲۔ اگر مسلمان ایسی زمین کو نہیں خریدینگے تو حرام خور کے لئے تازیانہ عبرت ثابت ہوگا اور وہ دوبارہ حرام آمدنی کی طرف نہیں لوٹے گا۔
۳۔ اس سے خریدنے میں حرام پر اسے برقرار رکھنا ہے۔

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی اور مفتی عثمان

بستوی نے اس پر گفتگو کی ہے کہ مال حرام سے جو شئی خریدی جاتی ہے اس پرملکیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، پھر علماء کے مختلف اقوال کا ذکر کیا ہے، اسی طرح مفتی محمد الیاس قاسمی نے مال حرام کی شناعت وقباحت او راس کی حرمت پر وارد احادیث وآثار کو اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے۔

**سوال نمبر (۵):** حکومت کے قانون کے مطابق جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے ، اس میں سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے شدہ ہوتا ہے ، پلے گراؤنڈ بھی چھوڑنا ہوتا ہے ، اگر خالص مسلمانو نکی کالونی ہو تو کالونی بنانے والا ترغیب کے لئے مسجد کی جگہ بھی مقرر کرتا ہے ؛ لیکن جب کالونی میں پلاٹنگ شروع ہوجاتی ہے تو راستوں کو چھوٹا کردیتے ہیں، اور پلاٹ میں شامل کرتے ہوئے اس کی بھی قیمت وصول کرتے ہیں، پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پول کی جگہ بھی بیچ دیتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد کی مقررہ جگہ بھی فروخت کردیتے ہیں، کیا بیچنے والے شخص کے لئے اس کے بنائے ہوئے نقشے میں تبدیلی کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا اور دوسرے لوگوں کا جانتے بوجھتے اس کو خرید کرنا جائز ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ حکومت سے پاس کرائے گئے نقشے کو تبدیل کرکے عوامی مفاد کے لئے مختص اراضی کو فروخت کرنا ناجائز ہے (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عثمان بستوی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محی الدین غازی، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی مقصود فرقانی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

**دلائل:**

ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ حکومت کے قانون کے مطابق جو نقشہ پاس ہوتا ہے، اس کی حیثیت حکومت سے وعدہ اور معاہدہ کی ہے، پلاٹر حکومت سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم خریداروں کو اس نقشہ کے مطابق پلاٹ فراہم کرینگے اور خریداروں سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ اس نقشہ کے مطابق پلاٹ فراہم کیاجائے گا اور حکومت کا نقشہ سازی کے بعد پلاٹنگ کی اجازت دینا اور پلاٹنگ کو نقشہ کےساتھ منظور کرنا عوامی مصالح اور فائدے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اس کی پابندی پلاٹر کے اوپر واجب ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہیں ہے، اللہ تعالی کاارشاد ہے:''أوفوا بالعہد إن العہد کان مسئولا'' (سورہ اسراء) (مفتی عثمان بستوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی الیاس قاسمی)۔

۲۔ حکومت سےمنظور شدہ نقشہ کی خلاف ورزی حکومت، انتظامیہ اور عوام کے ساتھ صریح دھوکہ ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اخلاقی لحاظ سے قبیح جرم ہے، نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''من غشنا فلیس منا'' (حدیث) (مولانا عفان منصورپوری،مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا محی الدین غازی،

مفتی مقصود فرقانی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

* ‘‘الخلف فی الوعد حرام’’ (الاشباہ والنظائر،١٥٩) (مفتی الیاس قاسمی)۔

٣۔ اسی طرح راستہ کا معاملہ بھی ہے، راستہ تنگ کردینا یا راستہ نہ دینا درست نہیں ہے، عرف کے مطابق جتنا حق بنتا ہے، یہ کالونی کے حقوق میں سے ہے، اس لئے اس حق کو ضائع نہیں کرسکتا ہے، حدیث میں:‘‘قضی النبیﷺ إذا تشاجروا فی الطریق بسبعۃ أذرع’’ (صحیح بخاری،١ ٣٣٦، کتاب المظالم) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

٤۔ غیر معصیت میں حکومت وقت خواہ غیر مسلم حکومت ہو، کے قوانین کی پابندی ضروری ہے، ‘‘وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (سورہ مائدہ: ٢) ۔

اور یہ ظاہر ہے کہ سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے کرنا، کھیل کے میدان کے لئے جگہ رکھوانا، مسجد کی جگہ مقرر کرانا اور سوئمنگ پول کی جگہ چھوڑنا عام لوگوں کی صحت کی حفاظت اور ان کو ضرر سے بچانے کے نقطہ نظر سے ہے، سو یہ خیر اور بھلائی کا کام ہے، لہذا اس سلسلہ میں حکومت کا تعاون واجب ہے، نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘یا أیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم’’ (سورہ نساء: ٥٩) ، اور ذمہ داران کار میں اہل علم اور حکمراں دونوں شامل ہیں، اگرچہ امام طبریؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ سربراہان کار سے مراد حکمراں ہیں (جامع البیان فی تأویل القرآن ٨،٥٠٢) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

٥۔ اور عقلی دلائل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عام لوگوں کی صحت کی حفاظت کی خاطر اور ان سے ضرر کے ازالہ کے لئے حکومت کی ہدایات کی تعمیل واجب ہو، کیونکہ حکومت ضرر عام کو دور کرنے کی ذمہ دار ہے، لہذا اس سلسلہ میں اس کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی لازم ہے (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

٦۔ علامہ مبارکپوری امام عبد الرحمن طبری کے حوالہ سے لکھتےہیں:‘‘معناہ أن یجعل قدر الطریق المشترکۃ سبعۃ أذرع، ثم یبقی بعد ذلک لکل واحد من الشرکاء فی الأرض قدر ما ینتفع بہ ولا یضر غیرہ’’ (تحفۃ الأحوذی ٣،٤٢١) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

٧۔ چونکہ کھیل کے میدان، سڑکوں اور دیگر چیزوں کے عوض کالونی کے پلاٹ کی قیمت میں یہ طے ہوتی ہے اور شامل ہوتی ہے، تو پھر کالونی بنانے والے کے لئے دوبارہ اس کی قیمت حاصل کرنا کیوں کر جائز ہوگا (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

* کیونکہ عمومی منافع کی جگہیں خریدے ہوئے پلاٹ کے تابع ہونگے: ‘‘اعلم أن الحق فی العادۃ یذکر فیہا ہو تبع للمبیع ولا بد لہ منہ ولا یقصد إلا لأجلہ کالطریق والشرب للأرض ... وفی النہر المذکور:ودخول شرب البرکۃ الجاری إلیہا وقت البیع وإن لم ینصوا علی ذلک ولا سیما ماء البرکۃ فإنہ مقصود بالشراء حتی أن الدار بدونہ ینقص ثمنہا نقصاً کثیراً وقد

مرّ آنفاً عن الکافی أن الأحکام تبنی علی العرف وأنہ یعتبر فی کل أقلیم وعصر عرف أہلہ" (فتاوی شامی ۴۲۴٫۷، ۴۲۷) (مفتی عثمان بستوی)۔

۸۔ نقشوں کی پابندی نہ کرنے اور راستوں کو تنگ کرنے کی وجہ سے کالونی میں بسنے والوں کی صحت، وبائی امراض اور دوسرے خطرات سے دوچار ہوتی رہتی ہے، کیونکہ تنگ راستوں کی وجہ سے زیادہ آلودگی پھیلتی ہے، فقہاء لکھتے ہیں:

''لا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ إلا إذا کان الضرر بجارہ ضرراً بیناً فیمنع من ذلک وعلیہ الفتوی'' (الدر المختار مع ردالمحتار ۱۵۲٫۸) (مفتی الیاس قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۹۔ ''لا یمنع أحد من التصرف فی ملکہ مالم یکن ضرر فاحش للغیر'' (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲۱۰٫۳) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۱۰۔ ''وإن أراد أہل المحلۃ أن یدخلوا شیئاً من الطریق فی دورہم وذلک لا یضر بالطریق لا یکون لہم ذلک'' (البحر الرائق ۴۲۸٫۵)۔

۱۱۔ راستہ عوام الناس کے لئے وقف ہوتا ہے، کسی کے لئے راستے پر قبضہ کرکے اس پر ذاتی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، راستہ وسیع ہو اور اس پر قبضہ کی وجہ سے راہگیروں کو ضرر نہ ہوتب بھی راستے پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''وإن زاد علی سبعۃ أذرع أو عن قدر الحاجۃ لم یغیر لأن الطریق والأفنیۃکالأحباس للمسلمین فلا یجوز لأحد أن یستولی علی شئی منہا أو یقتطع من طریق المسلمین شیئاً وإن کان الطریق واسعاً ولا یتضرر المارۃ بالجزء المقتطع منہ،لما روی عن الحاکم بن الحارث السلمی أن النبیﷺ قال: من أخذ من طریق المسلمین شبراً طوقہ یوم القیامۃ من سبع أرضین'' (الطبرانی فی الصغیر، بحوالہ موسوعہ فقہیہ ۳۴۷٫۲۴) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۱۲۔ یہ ایک طرح عوامی مفاد کی چوری ہے، اور اس کی ملکیت میں غصب ہے اور غصب حرام ہے اور عوام الناس کی حق تلفی ہے جو بڑا جرم ہے۔

اس عمل سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے (مولانا ابصار احمد ندوی)۔

ان حضرات کے برخلاف بعض دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ اس طرح کے پلاٹ کی خریدوفروخت جائز ہے، مشتری اس کا بھی مالک ہوجائے گا، اگرچہ اس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور دھوکہ دھڑی کا مرتکب ہوا، جس کا گناہ اس کو ہوگا (مولانا عفان منصورپوری، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی (لیکن کراہت سے خالی نہیں)۔

اسی طرح قاری ظفر الاسلام اعظمی کی یہی رائے ہے کہ معلوم ہونے کے بعد بھی اس کی بیع وشراء درست ہونی چاہئے، اگرچہ انہوں نے وعدہ کے خلاف کیا ہے اور وعدہ

کا نقض مکروہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اگر پہلے سے ایفا کی نیت تھی اور کسی مجبوری سے بدل دیا تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر وعدہ کرتے ہی وقت ایفا کی نیت نہ تھی تو مکروہ تحریمی ہے، امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں تصریح فرمائی ہے کہ اصل چیز وعدہ میں نیت ہے، اگر فساد نیت ہے تو مذموم ہے '' (در س بخاری ضبط تحریر: مولانا عبد الوحید فتحپوری،۲۳۴)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی اور مفتی عبد المنان آسام کی رائے میں پلاٹ کاٹنے والا عوامی مفاد کی زمینوں کا مالک ہی نہیں ہے، تو اس کا فروخت کرنا کیسے درست ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

''اگر زمین حکومت کی ہے، حکومت نے کسی کےنام الارٹ کیا ہے تاکہ وہ کالونی بنائے، حکومت نے راستہ کی چوڑائی متعین کردی ہے، مسجد کی جگہ فکس کردی ہے، اسی طرح دوسرے عوامی مفاد کے لئے پارک وگراؤنڈ کی تحدید کردی ہے، تو ایسی صورت میں کالونی بنانے والے کو عوامی مفادات سے وابستہ یا مسجد ومدرسہ کے لئے مختص زمین کی ملکیت حاصل ہی نہیں ہوئی، اس لئے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ سابقہ پروگرام میں رد وبدل کرے، او رنہ دوسروں کے لئے جائز ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے اس کو خریدے، کیونکہ کالونی بنانے والا اس کا مالک نہیں تو اس کو بیچنے کا حق بھی نہیں '' (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے اس طرح کی زمینوں میں فرق کو واضح کیا ہے کہ اگر زمین حکومت کی ہے اور حکومت نے کسی کے نام الاٹ کیا ہے تب تو وہ حکم ہے جو اوپر بیان ہوا، لیکن اگر زمین کالونی بنانےو الے کی ہے، اورحکومت سے صرف کالونی بنانے کی اجازت لی ہے تو چونکہ وہ پوری زمین کا مالک ہے، اس لئے وہ عوامی مفاد کی زمینوں میں رد وبدل کرسکتا ہے او راس کو بیچ بھی سکتا ہے، لکھتے ہیں:

''لیکن زمین کالونی بنانے والے کی ہے، گورنمنٹ سے صرف کالونی کا پرمٹ لیا ہے، حکومت نے پرمٹ کے لئے عوامی مفادات سے وابستہ قطعات کو چھوڑنے کی شرط لگائی ہے، بظاہر کالونی بنانے والے کو منظور بھی ہے ، مگر دل سے شاید راضی نہیں ہے، اسی لئے بعد میں اس کو بیچ دیتا ہے، حکومت کی اس قسم کی شرط سے اس شخص کی ملکیت ختم نہیں ہوتی ہے، الا یہ کہ وہی خود برضا ورغبت ان اراضی کو مسلمانوں کے لئے وقف کردے، لیکن وہ شخص ایسا نہیں کرتا ہے تو بدستور اس کی ملکیت ہے اور وہ اس کو بیچ سکتا ہے، دوسرے لوگوں نے خرید لیا ہے تو خریدنا جائز بھی ہے، صرف اتنا ہوا کہ حکومت کے جائز قانون کی خلاف ورزی کی جس کا وبال اس کو پہنچ سکتا ہے'' (مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

اسی طرح انہوں نے اس فرق کو بھی واضح کیا ہے کہ راستہ چونکہ بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس لئے اس کے لئے کم از کم سات ہاتھ چھوڑنا لازم ہے، البتہ

پارک، پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پول آج کی ضروریات میں شامل ہیں، مگر بنیادی ضروریات میں سے نہیں ہیں، اس لئے اگر ان کی بیع کرتا ہے تو بیع نافذ ہوگی اور خریدنے والے کے لئے خریدنا بھی جائز ہوگا۔

مولانا محمد زبیر ندوی لکھتے ہیں:

اگر حکومت کی تجویز کردہ پلے گراؤنڈ، راستے ودیگر عوامی مفاد کی اراضی ضرورت سے زائد ہوں اور اس قدر ہوں کہ ان سے کم میں بھی ضرورت کی تکمیل ہوسکتی ہو،باشندگان کا کوئی کوئی جسمانی اور مکانی نقصان نہ ہو تو مالک زمین کو زائد حصے بیچنے کا حق ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جو بنیادی چیز مدنظر ہے وہ اہل کالونی کا اپنی ضروریات میں دقت محسوس نہ کرنا ہے۔

**پلاٹنگ میں مسجد کا مسئلہ اور اس کی شرائط:**

اس شق کے سلسلہ میں قاضی عبدالجلیل قاسمی اور مفتی عبد المنان آسام کی رائے ہے کہ کالونی بنانے والے نے اگر مسجد کےلئے زمین وقف کردی تو اس کے لئے اس کو فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا، اور اگر نہیں کیا ہے، بلکہ مسجد بنانے کا وعدہ کیا ہے تو اس کو فروخت کرسکتا ہے، البتہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

قاری ظفر الاسلام اعظمی نے قاموس الفقہ کے حوالہ سےلکھا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک جب تک وقف کے لئےمتولی مقرر کرکے اس کے حوالہ نہ کردے وقف مکمل نہ ہوگا، فتاوی سراجیہ اور خلاصۃ الفتاوی میں اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، قاری ظفر الاسلام اعظمی اور مولانا ابصار احمد ندوی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ کب وقف کی ملکیت واقف سے ختم ہوکر اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، اتمام وقف کے لئے کیا کیا شرائط ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ:

پلاٹ کاٹنے والے کا اپنے پلاٹ میں کسی جگہ کا مسجد کے لئے متعین کرنا یہ مسجد شرعی ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، نقشہ میں مسجد کا پلاٹ دکھانے اور متعین کردینے سے وہ جگہ نہ تو وقف ہوگی، نہ مسجد شرعی بنے گی، کیونکہ وقف کے لئے ضروری ہے کہ باقاعدہ کسی چیز کو وقف کیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ یہ چیز وقف ہے، اسی طرح وقف کرنے والا اس میں نماز کی اجازت دے دے، فقہاء نے کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لئے تین شرطیں ذکر کی ہیں:

۱۔ افراز، یعنی مکمل طور پر علاحدہ کردے۔

۲۔ اذن صلوۃ، یعنی نماز پڑھنے کی مکمل اجازت ہو۔

۳۔ تابید، یہ وقف ہمیشہ کے لئے ہو۔

لہذا جس جگہ پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو او روہ جگہ قوم ومتولی کے حوالہ نہ کی گئی ہو، صرف مجوزہ نقشہ اور ارادہ میں کسی جگہ پر مسجد بنانا ہو تو اس نقشہ اور ارادہ سے وہ جگہ شرعاً مسجد نہیں بنے گی۔

‘‘ولو بنی مسجداً وسلمہ إلی المتولی لا یصیر مسجداً بالتسلیم إلی المتولی وہو قول البعض واختارہ شمس الأئمۃ السرخسی، وقال بعضہم: یصیر مسجداً کسائر الأوقاف.... فأفاد بالاقتصار علی الشروط الثلاثۃ (الإفراز وإذن الصلاۃ والتأبید) أنہ لا یحتاج فی جعلہ مسجداً إلی قولہ وقفتہ ونحوہ لأن العرف جار بالإذن فی الصلاۃ علی وجہ العموم، والتخلیۃ بکونہ وقفاً علی ہذہ الجہۃ فکان کالتعبیر بہ’’ (البحر الرائق ۲۴۹،۵) (مفتی عثمان بستوی، قاری ظفرا لاسلام اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتےہیں:

‘‘وأجمعوا علی أن من جعل دارہ أو أرضہ مسجداً یجوز وتزول الرقبۃ عن ملکہ لکن عزل الطریق وإفرازہ والإذن للناس بالصلاۃ فیہ، والصلاۃ شرط عند أبی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ حتی کان لہ أن یرجع قبل ذلک وعند أبی یوسفؒ تزول الرقبۃ عن ملکہ بنفس قولہ جعلتہ مسجداً ولیس لہ أن یرجع عنہ علی ما نذکرہ’’ (بدائع الصنائع ۳۲۶،۵) (قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی اور مفتی عثمان بستوی نے اس پر حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ او رحضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کا فتوی بھی نقل کیا ہے:

‘‘مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ‘‘غیر آباد جنگل وبیابان میں مسلم آبادی قائم کرنے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے کی غرض سے وسیع قطعہ زمین خریدی گئی اور مسجد ومدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جگہ بھی متعین کردی گئی ..... رہائش گاہیں اور مکانات تعمیر کرنے سے قبل تبرکاً مسجد کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی، اس کو دس سال کا عرصہ گذر جاتا ہے مگر رہائش گاہیں بنانے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے میں کامیابی نہیں ہوئی، قرب وجوار میں نہ کوئی چھوٹی بڑی مسلم آبادی ہے اور نہ مسلمانوں کو اس کی حاجت ہے، وہاں نہ اذان ہوئی نہ نماز پڑھی گئی اور نہ مسجد بننے اور آباد ہونے کے قرائن پائے گئے تو یہ مسجد شرعی نہ ہوگی ’’ (فتاوی رحیمیہ ۹۹،۹-۱۰۰) (مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی)۔

‘‘حضرت مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہینکہ جس کی وہ زمین ہے اگر اس نے مسجد بنانے سے پہلے لوگوں کو وہاں اذان، نماز، جماعت کی اجازت دے دی اور یہ نیت کرلی کہ یہاں ہمیشہ اذان، نماز، جماعت ہوا کرے گی اور اس کو مسجد قرار دے دیا تو وہ شرعی مسجد بن گئی، اب جو چیز مسجد میں منع ہے وہاں بھی منع ہے، مسجد کا پورا احترام لازم ہے (فتاوی عالمگیری ۳۳۸،۳) اورا گر ایسا نہیں کیا بلکہ نیت یہ ہے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اذان، نماز، جماعت شروع کی جائے گی اور اسی وقت اس کو مسجد قرار دیا جائے گا تو اس پر مسجد کا حکم تکمیل عمارت کے بعد جاری ہوگا ’’(فتاوی محمودیہ ۳۸۸،۱۴) (مقالہ: مفتی عثمان بستوی)۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

‘‘الملک یزول عن الموقوف بأربعۃ، بإفراز مسجد...’’ (الدر المختار ۳۴۳،۴)، علامہ شامی

اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ‘‘عبر بالإفراز، لأنہ لو کان مشاعاً لا یصح إجماعاً، وأفاد أنہ یلزم بلا قضاء’’ (رد المحتار والدر المختار ۳۴۳٫۴) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

**سوال نمبر (۶):** قانون کے لحاظ سے کالونی میں گارڈن اور پلے گراؤنڈ رکھنا ضروری ہے، حکومت لے آوٹ منظور کرنے کے لئے نقشہ میں ان چیزوں کو رکھواتی ہے اور جگہ مخصوص کرواتی ہے ؛ لیکن زمین بیچنے والا مسلمانوں کو لبھانے کے لئے گارڈن کی بجائے مسجد کے لئے جگہ دے دیتا ہے ، اور جو زمین قانون اور حکومت سے معاہدہ کے مطابق گارڈن کی تھی، اسی جگہ مسجد بنا دی جاتی ہے ، کیا ان کا اس زمین پر مسجد بنانا درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور کی جائے گی؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کے دونقطہ نظر ہیں:

پہلے نقطہ نظر کےحاملین کی رائے ہے کہ گارڈن اور پلے گراؤنڈ کی جگہ مسجد بنانے کی صورت میں اس قانون کی خلاف ورزی ہوگی جو لےآوٹ منظور کراتے وقت حکومت کے متعلقہ شعبہ نے جاری کیا ہے، لہذا کالونی بنانے والے پر اس معاہدہ کی پاسداری اور اس قانون کی تعمیل واجب ہوگی (ڈاکٹر شاہجہانندوی، مولانا عفان منصورپوری، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی الیاس قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا محی الدین غازی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی مقصود فرقانی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

**دلائل:**

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اجتماعی مصالح، مفاد عامہ کے تحفظ اور ضرر عام کے ازالہ کی خاطر حکومت کے وضع کردہ اس طرح کے قانون کی پابندی لازم ہے، اس کی خلاف ورزی ناجائز اور گناہ ہے (مولاناشاہجہاں ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۲۔ ‘‘مسجد بنی علی سور المدینۃ قالوا:لایصلی فیہ لأن السور حق العامۃ’’ (فتاوی ہندیہ بحوالہ قاموس الفقہ ۹۳٫۵) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۳۔ اگر حاکم اور ذمہ دار کار کسی ایسی چیز کاحکم دے جس کی تعمیل میں اللہ تعالی کی نافرمانی نہ ہوتی ہو تو اس چیز کو وجود میں لانا لازم ہے، ‘‘طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ فرض، فکیف فیما ہو طاعۃ’’ (بدائع الصنائع۱۴۰٫۷) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۴۔‘‘لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ، إنما الطاعۃ فی المعروف’’ (صحیح البخاری، حدیث: ۴۳۴۰، صحیح مسلم حدیث: ۱۸۴۰) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

مولانا محی الدین غازی لکھتے ہیں:

صحیح طریقہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی کالونی بنانے والے مسجد کے لئے بھی جگہ چھوڑیں اور گارڈن کے لئے بھی جگہ چھوڑیں، کیونکہ گارڈن جس طرح غیر مسلم کالونی

میں صحت مند ماحول کے لئے مفید ہے، اسی طرح مسلم کالونی کے لئے بھی مفیداور مطلوب ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبد المنان، مفتی ریاست علی قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری اور مفتی الیاس قاسمی کی رائے میں پلے گراؤنڈ اور گارڈن کی زمین پر مسجد بنانا درست نہ ہوگا اور وہ شرعی مسجد نہ ہوگی۔

قاری ظفر الاسلام اعظمی اور مفتی ظہیر احمد کانپوری کی رائے ہے کہ کالونی کی تعمیر منظور شدہ نقشہ کے مطابق ہی ہونی چاہئے۔

**مسجد بنانے کی گنجائش ہے:**

مفتی ریاست علی قاسمی اور مولانا عفان منصورپوری کی رائے ہے کہ اگر مسجد کے نام پر منظوری مل جاتی ہے تو مالک زمین کا گارڈن کے نام پر منظور شدہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا معاہدہ شکنی ہوگی اور قانون کی خلاف ورزی ہوگی، جس سے بچنا چاہئے، اگرچہ مسجد بنانا شرعاً درست ہے اور وہ مسجد شرعی ہی ہوگی۔

اگر حکومت کی طرف سے کالونی کے نقشہ پر مسجد کے نام سے منظوری ملتی ہی نہ ہو اور پلاٹ خریدنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہو اور سب کو یہ معلوم ہو کہ مسجد کے نام پرمنظوری نہیں مل سکتی، کسی اور نام پر زمین خالی رکھی جائے گی اور وہیں مسجد کی تعمیر ہوگی تو ایسی شکل میں گارڈن کے نام پر خالی پڑی زمین میں یا اس کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔

* ''لایمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ إلا إذا کان الضرر بجارہ ضرراً بیناً فیمنع من ذلک وعلیہ الفتوی'' (فتاوی شامی ۱۵۲،۸)۔

* ''والقیاس فی جنس ہذہ المسائل أن من تصرف فی خالص ملکہ لایمنع ولو أضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیرہ ضرر اً بیناً وقیل وبہ أخذ کثیر من المشائخ وعلیہ الفتوی'' (حوالہ سابق۴۹۲،۷) (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

* البتہ چونکہ مالک زمین کالونی بنانے والا اس صورت میں ایک مفاد عام کے لئے مخصوص جگہ کو دوسرے مفاد عامہ کے لئے دیتا ہے جو اگرچہ مناسب نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ غصب کا معاملہ بھی نہینہے، اس لئے اس جگہ پر مسجد بنانا درست ہے اوربننے والی مسجد شرعی مسجد ہوگی (مولانا شاہجہاں ندوی، قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی محمد مقصود فرقانی)۔

* اگر کالونی میں بسنے والے سب کے سب مسلمان ہوں اور سب متفق ہوں تو ایسی جگہ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں (مولاناابصار احمد ندوی)۔

**مسجد بنانا شرعاً درست ہے:**

جبکہ دوسرے نقطۂ نظر کے حاملین کی رائے ہے کہ قانونی طور پر جس قطعہ ارضی کو مفاد عامہ کے لئے حکومت نے مختص کیا ہے، اس کا مالک درحقیقت حکومت

نہیں بائع ہے، بات صرف اتنی ہے کہ حکومت نے مفاد عامہ کے لئے مختص کرنے کی شرط لگائی ہے، اگر اس شرط کی مخالفت کرتا ہے اور اس حصہ کو مسجد بنادیتا ہے تو حکومت کی مخالفت ہوگی، فی نفسہ وقف پر اثر انداز نہیں ہوگی، وقف کے لئے فقہاء نے جو شرائط ذکر کی ہیں وہ یہاں پائی جاتی ہیں (مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی عثمان بستوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

**دلائل:**

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ ''شرطہ (الوقف) شرط سائر التبرعات کحریۃ وتکلیف، أفاد أن الواقف لابد أن یکون مالکہ وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لایکون محجوراً عن التصرف، حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح وإن ملکہ بعد شراء أو صلح'' (رد المحتار ٣٩٤،٣ کتاب الوقف) (مولانا محبوب فروغ قاسمی)۔

٢۔ بہت سے معاملات ہیں کہ جہاں حکومت کی شرط کے خلاف اگر تصرف کیاجائےتو وہ نافذ ہوجاتا ہے، انہی میں تسعیر الحاکم کا مسئلہ بھی ہے: ''فإن سعر فباع الخباز بأکثر ما سعر جاز بیعہ'' (فتاوی ہندیہ ١٠٢،٣) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

٣۔ مسلم کالنیوں میں مسجد ایک بنیادی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کرنا مفاد عامہ سے زیادہ اہم ہے، اس لئے کالونی والوں کے مشورہ سے وہاں مسجد بنا دی جائے تو جائز ہوگا اور وہ مسجد شرعی بھی ہوجائے گی (مفتی عثمان بستوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی)۔

۴۔ کچھ بزرگوں نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، چنانچہ احسن الفتاوی میں ہے:

''حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ بوقت ضرورت اہل محلہ راستہ کو بھی مسجد بناسکتےہیں، بشرطیکہ گزرنے والوں کو اس سے ایذاء نہ ہو، اس لئے کہ راستہ بھی انہی لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے، لہذا وہ اس میں تصرف کرنے کے مجاز ہیں، بناء علیہ خالی پلاٹ میں جو اہل محلہ ہی کے مفاد وراحت کے لئے چھوڑا گیا ہے اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے مسجد کی تعمیر بطریق اولی جائز ہے، مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے '' (احسن الفتاوی ۴۴۵،۶ کتاب الوقف)۔

۵۔''لأن المسجد حق اللہ تعالی أو حق عامۃ الناس'' (الفتاوی الخانیۃ علی الہندیہ ٢٩٠،٣) (مولانا زبیر ندوی)۔

۶۔''رجل لہ ساحۃ لا بناء فیہا أمر قوماً أن یصلوا فیہا بجماعۃ، ہذا علی ثلاثۃ أوجہ:أحدہا: إما إن أمرہم بالصلاۃ فیہا أبداً نصاً بأن قال:صلوا فیہا أبداً، أو أمرہم بالصلاۃ مطلقاً ونوی الأبد، ففی ہذین الوجہین صار ت الساحۃ مسجداً'' (فتاوی ہندیہ ۴۵۵،۲، کتاب الوقف)

(مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی)۔

* البتہ حکومت سے منظور شدہ نقشہ کے مطابق تعمیر کرنے کی وجہ سے وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا(مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالحمید قاسمی)۔

* البتہ وہ پبلک مقامات جو حکومت کی تحویل میں ہیں یاان کے قبضہ میں ہیں، ان مقامات پر مسجد بنانے کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے: ''مسجد بنی علی سؤر المدینۃ قالوا:لا یصلی فیہ لأن السؤر حق العامۃ وینبغی أن یکون الجواب علی التفصیل:إن کانت البلدۃ فتحت عنوۃ وبنی مسجد بإذن الإمام جازت الصلاۃ فیہ لأن للإمام أن یجعل الطریق مسجداً فہذا أولی'' (فتاوی ہندیہ۱،۱۱۰، کتاب الصلاۃ) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

* تاہم مناسب اور بہتر یہ ہے کہ گارڈن کی جگہ پر گارڈن ہی باقی رکھا جائے اور مسجد کے لئے کوئی الگ پلاٹ مخصوص کیاجائے اور اس کی قیمت پلاٹ خریدنے والوں کے پلاٹ کی قیمت پر کچھ اضافہ کرکے وصول کی جاسکتی ہے، اس طرح کرنے سے مسجد کی بھی ضرورت پوری ہوجائے گی اور حکومت سے کئے گئے معاہدہ کی پابندی بھی ہوجائے گی ''عن عطاء:لما فتح اللہ تعالی الأمصار علی ید عمرؓ، أمر المسلمین أن یبنوا المساجد وأن لا یتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار أحدہما صاحبہ'' (الکشاف ۲،۳۱۰، سورہ توبہ: ۱۰۷) (مفتی عثمان بستوی)۔

**سوال نمبر (۷):** آج کل کسی زمین کو کالونی کی حیثیت سے منظور کرانے میں کئی مرحلے درپیش ہوتے ہیں، پہلے زمین کو غیر زراعتی (نان اگریکلچر) اراضی میں تبدیل کرانا ہوتا ہے ، اس کے لئے کوشش بھی کرنی ہوتی ہے اور اخراجات بھی ہوتے ہیں۔ پھر قانون کے مطابق اس کا ڈیولپمنٹ کراتا ہے ، جس میں ڈرینج لائن، سڑکیں، بجلی کے کھمبے شامل ہیں ، اس میں بھی کافی اخراجات ہوتے ہیں، پھر زمین کے خریدنے پر بھی ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے ، پلاٹس بنانے کے بعد ان کی جو قیمت طے ہو، اس پر بھی ٹیکس دینا ہوتا ہے ، پھر جو پلاٹ خریدے گا، اس کو بھی ٹیکس ادا کرنا ہوگا، جو تقریباً بارہ پندرہ فیصد ہوتا ہے ، یہ تو ٹیکسز ہیں، پھر ان تمام مراحل میں عہدہ داروں کو رشوت دینی ہوتی ہے ، اور اگر کسی شخص کی طرف سے اعتراض کی درخواست دائر ہوگئی تو معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہوجاتا ہے ۔ ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد زمین بہت مہنگی ہوجاتی ہے ؛ اس لئے عموما لوگ گورنمنٹ سے منظور کرائے بغیر پولیس اور متعلقہ محکمہ کو رشوت دے کر کالونی بنالیتے ہیں، اور جب اچھی خاصی آبادی ہوجاتی ہے ، تو یا تو عوامی غیظ وغضب اور نقض امن کا خیال کرتے ہوئے حکومت خاموش رہتی ہے اور مقامی سیاسی لیڈروں کی کوششوں سے روڈ، بجلی وغیرہ کی سہولتیں فراہم ہوجاتی ہیں، یا خود حکومت بعد میں غیر قانونی کالونی اور مکانات کو قانونی بنانے کا موقع فراہم کرتی ہے ، اور کچھ پیسے لے کر اس کو قانونی طور پر منظور کالونی کی حیثیت دے دیتی ہے ، شہروں میں جو اکثر غریب آبادیاں بسائی گئی ہیں، وہ اسی طور پر بسائی گئی ہیں، تو کیا

اس طرح قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیا نبنانا اور پلاٹ فروخت کرنا جائز ہوگا؟ اس کی نوبت اس لئے آتی ہے کہ اگر ان تمام مراحل کو قانون کے مطابق انجام دیا جائے تو زمین کی قیمت اتنی زیادہ ہوجائے گی کہ غریبوں کے لئے پلاٹ کی خریداری دشوار ہوجائے گی۔

اس سوال کے جواب میں بھی مقالہ نگاران کے درمیان دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں:

پہلے نقطہ نظر کے حاملین کی رائے یہ ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل اور مکمل ضابطوں کی پاسداری کے بعد ہی کالونیاں بنانا اور پلاٹس فروخت کرنا مناسب ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

**دلائل:**

ان حضرات نے حسب ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

١۔ حکومت کی خیرخواہی کا تقاضہ ہے کہ عوامی بہبود کی خاطر بنائے گئے قوانین کی خلاف ورزی نہ کی جائے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار حکمراں حضرات او رعوام الناس کے ساتھ خیرخواہی کو لازم قرا ردیا ہے: ''الدین النصیحۃ، قلنا: لمن؟ قال: للہ ولکتابہ ولرسولہ ولأئمۃ المسلمین وعامتہم'' (صحیح مسلم، حدیث: ٥٥)۔

٢۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:''وأن تناصحوا من ولاہ اللہ أمرکم'' (صحیح بخاری، حدیث: ٤٤٢، مؤطا مالک، حدیث: ١٧٩٦) اور حکمراں کی خیرخواہی کا مطلب یہی ہے کہ مناسب قانون کے سلسلہ میں ان کا تعاون کیا جائے (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

٣۔ قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر جو کالونیاں بنائی جاتی ہیں اورجو پلاٹس فروخت کئے جاتے ہیں اور جن پر بعد میں تعمیر ہوتی ہے، ان میں ڈرینج لائن وغیرہ کا مناسب انتظام نہیں ہوتا ہے، جس سے ماحولیاتی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے اورکالونی مینرہائش پذیر افراد کی صحت بھی مختلف وباؤں اور امراض کی زد میں رہتی ہے (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

٤۔ قانون کی خلاف ورزی درست نہیں، ہمیں معروف کے ہر کام میں اولی الامر کی اطاعت کرنے کا حکم دیاگیا ہے، خلاف قانون کالونی بنانا درست نہیں (حافظ کلیم اللہ عمری)۔

جبکہ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والوں کی رائے یہ ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیاں بنانا اور پلاٹ فروخت کرنا شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہے، اس لئے یہ عمل درست ہوگا (مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی مقصود فرقانی، مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

ان حضرات نے درست ہونے کے دلائل اور وجوہات اس طرح بیان کئے ہیں:

١۔ ان کالونیوں کے ذمہ داروں کی طرف سے اجازت نہ لینے کا اقدام اس لئے ہوتا ہے کہ اجازت کے حصول میں لمبے مراحل اور مختلف منازل سے گزرنا پڑتا ہے، ایک خطیر رقم کچھ تو فیس کے نام پر تو کچھ رشوت کے طور پر خرچ کرنی پڑتی ہے، پھر بھی ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کب اس کے خلاف کیس درج ہوکر مزید رقموں کا بوجھ آجائے، اگر ان سب خرچوں کو زمین پر جوڑا جائے تو یقینا زمین کی قیمت گراں سے گراں تر ہوجائے گی، لیکن اجازت کے بغیر کالونیاں بن گئیں تو حکومت چار وناچار اجازت دے ہی دے گی، ناچیز یہ سمجھتا ہے کہ جن وجوہات کی وجہ سے حکومت کی دخل اندازی برداشت کی جاتی ہے یہاں وہ وجوہات حکومت کی دخل اندازی سے زیادہ ہوجاتی ہیں، اس لئے مالکان اراضی کا بغیر اجازت وپرمٹ کالونیاں بنانا، اور فروخت کرنا اور ان سے دوسرے حضرات کا خریدنا شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہے، واللہ اعلم (مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، نیز دیکھئے مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی مقصود فرقانی)۔

٢۔ حکومت کے جو قوانین نظم وانتظام سے متعلق ہوں حتی الامکان اس کی پابندی کرنی ضروری ہوتی ہے، تاہم اگر کوئی قانون لوگوں کی دشواری کا باعث ہو تو اس کی خلاف ورزی کی صورت میں جان ومال آبرو وغیرہ پر حرف نہ آئے تو دشواری کی وجہ سے اس قانون کی خلاف ورزی جائز ہے، لہذا کالونی بسانے کےلئے حکومت کے جو قوانین ہیں اگر ان کو نظر انداز کرکے زمین کے مالکین پلاٹ بناکر فروخت کردیں اور لوگ اپنی سہولت کے مطابق خرید کر آباد ہوجائیں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح سے فروخت کرنا اور خریدنا دونوں جائز ہے، البتہ اگر عزت وآبرو کا خطرہ ہو تو احتراز ضروری ہے: ''لا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ إلا إذا کان الضرر بجارہ ضرراً بیناً'' (شامی ١٥٢،٨ زکریا) (مقالہ: مفتی عثمان بستوی، نیز دیکھئے مقالہ: مولانا محمد زبیر ندوی)۔

٣۔ فقہاء نے سیل ٹیکس، انکم ٹیکس جیسے ناروا ٹیکسیس سے اپنے آپ کو بچانے کی اجازت دی ہے، لہذا زمین کی خریداری پر واجب الاداء سیل ٹیکس سے اپنے آپ کو بچانا شرعاً جائز ہے۔

''الأفضل مشارکۃ أہل محلتہ فی إعطاء النائبۃ لکن فی زماننا أکثرہا ظلم فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فحسن وإن أعطی فلیطع من عجز'' (الدر المختار علی رد المحتار ٦٠٨،٩) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

٤۔ علامہ شامی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ہذا کان فی ذلک الزمن لأنہ إعانۃ علی الطاعۃ وأکثر النوائب فی زماننا بطریق الظلم فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فہو خیر لہ'' (حوالہ سابق) (مفتی الیاس قاسمی)۔

قاضی عبد الجلیل قاسمی اور مفتی عبد المنان آسام کی رائے ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیاں بنالی جائیں اور بعد میں منظوری لے لی جائے، جس میں

اخراجات بھی کم ہوتے ہیں تو کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

**اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا:**

مفتی ریاست علی قاسمی اور مولانا عفان منصورپوری اور مفتی محمد الیاس قاسمی کی رائے ہے کہ اگر تمام مراحل کی تکمیل قانونی طور پر دشوار اور ناممکن ہو اور سرکاری اداروں کا مسلمانوں کے ساتھ تعصب کی بنیاد پر ضابطۂ کالونی کی منظوری دشوار ہو تو باضابطہ منظوری کرائے بغیر پولس اور متعلقہ محکمہ کے افسران کو رشوت دے کر کالونی بنانے کا عمل شروع کرنا اور زمین کی پلاٹنگ کرنا شرعاً درست ہوگا، کیونکہ اپنے جائز حق کو حاصل کرنا اگر بغیر رشوت دیئے ممکن نہ ہو تو فقہاء کرام نے رشوت دے کر اس حق کو حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔

''دفع المال للسلطان الجائر عن نفسہ ومالہ لاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع'' (فتاوی شامی ۶۰۷،۱)۔

نیز ہمارے ملکی باشندہ ہونے کے لحاظ سے جائز حقوق کا حاصل نہ ہونا ہمارے ساتھ ظلم اور ناانصافی ہے اور رفع ظلم کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، ہدایہ میں ہے:''ودفع الرشوۃ لرفع الظلم أمر جائز'' (۲۲۹،۳ کتاب الصلح) (مفتی ریاست علی قاسمی)۔

نیز بذل المجہود میں ہے:''فإذا أعطی لیتوسل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہ ظلماً فإنہ غیر داخل فی ہذا الوعید'' (بذل المجہود ۳۰۷،۶) (مفتی الیاس قاسمی)۔

قاری ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی لکھتے ہیں:

ذکر کردہ سارے حالات مجبوری واضطرار کے ہیں، ان حالات میں شرعی وسعت رکھی گئی ہے، اس لئے اگر آئندہ ہتک عزت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے:''لو اضطر إلی دفع رشوۃ لإحیاء حقہ جاز لہ الدفع وحرم علی القابض'' (الدر المختار علی رد المحتار ۲۶۵،۷)۔

مفتی الیاس قاسمی اور مولانا عبد الحمید قاسمی لکھتے ہیں:

صورت مسئولہ میں قانونی مراحل کی تکمیل کی وجہ سے کالونی کے مکانات اور پلاٹ کی قیمت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ غریبوں کے لئے پلاٹ کی خریداری دشوار ہوجائے گی، جبکہ مکان انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اور ذاتی مکان کے حصول کے لئے بحالت مجبوری سودی قرض لینے کی گنجائش فقہاء نے دی ہے: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر ۳۲۷،۱)۔

مولانا ابصار احمد ندوی لکھتےہیں:

''الغرض یہاں پر کوئی مذکورہ صورت نہیں ہے، اس لئے رشوت دینا حرام ہے، او ربغیر قانونی تقاضوں کی تکمیل کے پلاٹ خریدنا، بیچنا اور کالونی بنانا درست نہیں ہے۔

البتہ دوسری رائے رکھنے والے حضرات بھی لکھتے ہیں کہ:

* بہتر ہے کہ حکومتی ضابطہ کی تکمیل کرائی جائے، تاکہ ہر اعتبار سے درست

ہو (قاضی ذکاء اللہ شبلی)۔

* حتی الامکان حکومتی قوانین کی پاسداری کرنی ضروری ہے (مفتی عثمان بستوی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی عبد المنان آسام، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا زبیر ندوی۔

* عافیت وتحفظ بھی اسی میں ہے کہ ہمارے تمام ہی منصوبے اور پروجیکٹ اصول وقوانین کے دائرہ میں پروان چڑھیں، ورنہ کسی بھی وقت حد درجہ دشواری پیش آسکتی ہے (مفتی عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا زبیر ندوی)۔

* حکومت کے قوانین وہدایات مفاد عامہ کے ساتھ مربوط ہونے چاہئے: ''فعل الأمیر منوط بمفاد العامۃ'' (مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

**سوال نمبر (٨):** مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد زمین کے خریدنے کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں؛ ایک یہ کہ وہ وہائٹ منی دے ، اور یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی مقدار میں وہائٹ منی دکھانا بہت دشوار ہے ، دوسری صورت یہ ہے کہ بینک سے کروڑوں روپیہ کا لون لے ، تاکہ گورنمنٹ کی پکڑ سے محفوظ رہ سکے ، کیا پیسے ہونے کے باوجود قانونی دشواری سے بچنے کے لئے اس طرح لون لیا جاسکتا ہے ؟ اگر ایسا نہ ہو تو مسلمانو نکے لئے اس کاروبار میں رہنا دشوار ہوجائے گا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شہر میں بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت غریب اور پسماندہ ہے ، وہ آسان قسطوں پر پلاٹ حاصل کرکے مکان کے مالک بن جاتے ہیں، اور مسلمان تاجر اگراس کاروبار سے نکل جائیں، تو انہیں بہت دشواری ہوجائے گی۔

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار کے مختلف نقطۂ نظر ہیں:

* قانونی گرفت سے بچنے کے لئے سرکاری سودی قرض حاصل کرنے کی شرعاً اجازت ہے، کیونکہ قانونی گرفت سے بچنا انسان کی مجبوری ہے، اور مجبوری کے وقت سودی قرض حاصل کرنے کی فقہاء نے رخصت دی ہے: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر) (مفتی عثمان بستوی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی مقصود فرقانی)۔

* قانونی دشواریوں سے بچنے کے لئے اگر سرکاری لون لیتا ہے، تو اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی ہے (قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی عبد المنان آسام (البتہ توبہ واستغفار کرے)۔

* اگر اضطراری حالت ہو اور انتہائی مجبوری ہو تو جتنی رقم سے ضرورت پوری ہوجائے بس اتنی مقدار میں سودی قرض لینا جائز ہے (مفتی عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

* حکومت جو ظالمانہ ٹیکس عائد کرتی ہے، اس کی ادائیگی واجب بھی نہیں ہے،

اگر اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ٹیکس سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے تو کرنے میں گناہ بھی نہیں ہے (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

* علامہ ابن نجیم ''حاجت '' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وأما الحاجیات:معناہا أنہا مفتقر إلیہا من حیث التوسع ورفع الضیق المؤدی فی الغالب إلی الحرج والمشقۃ بفوت المطلوب'' (الاشباہ والنظائر) (مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی عثمان بستوی)۔

* بڑے ضرر سے بچنے کے لئے چھوٹے ضرر کو اختیار کیا جاسکتا ہے:''الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف، الضرورات تبیح المحظورات، الضرورات تتقدر بقدرہا'' (قواعد الفقہ) (مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی محمد مقصود فرقانی)۔

* ''الأفضل مشارکۃ أہل محلتہ فی إعطاء النائبۃ، لکن فی زماننا أکثرہا ظلم، فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فحسن وإن أعطی فلیطع من عجز'' (الدر المختار علی رد المحتار ٦٠٨،٩) (مفتی الیاس قاسمی)۔

* بینک سے لون لینا مناسب قیمت پر غریبوں کو مکان مہیا کرانے کا وسیلہ ہے، لہذا بینک سے لون لینا جائز ہوگا، کیونکہ وسیلہ مقصد کے تابع ہوتا ہے:''وسیلۃ المقصود تابعۃ للمقصود وکلاہما مقصود'' (اعلام الموقعین ١٥٧،٣) (مفتی الیاس قاسمی)۔

* جن مجبوریوں کی بنا پر سودی معاملہ کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، کیا یہ صورت اس میں داخل ہے اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ یہ ٹیکس جائز اور برحق ہے یا نہیں؟

چنانچہ مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

''اگر یہ ٹیکس برحق ہے او رمفاد عامہ کے لئے ضروری ہے، تو پھر مفاد عامہ کے سلسلہ میں سب کو تعاون کرنا چاہئے، او راس کو وجود میں لانے والی چیز کی ادائیگی کی پابندی کرنی چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد ہے: ''وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (٥،مائدہ: ٢) ۔

اور اگر یہ ٹیکس ناحق ہے مثلاً کسی خدمت کے بدلہ نہیں ہے، بلکہ حکومت ناحق ٹیکس لیتی ہے، یا ٹیکس کا استعمال ناجائز اخراجات یا دکھاوے یا خوش عیشی اور تعیش میں ہوتا ہے، تو مجبوراً لون لینے کی گنجائش ہے، سود دینے کو رشوت دینے کے جواز پر قیاس کرتے ہوئے، یعنی جس طرح بدرجۂ مجبوری رشوت دے کر اپنے جائز حق کی تحصیل کی گنجائش ہے، اسی طرح سودی لون لے کر ظالمانہ ٹیکس اور دیگر قانونی دشواری سے بچنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدینؒ لکھتےہیں: ''لو اضطر إلی دفع الرشوۃ لإحیاء حقہ، جاز لہ الدفع، وحرم علی القابض'' (رد المحتار ٧٢،٥)، البتہ ملک کے ارباب علم وفکر ودانش کو ممکنہ حد تک اس بات کی عملی جدوجہد کرنی چاہئے کہ ملک میں ٹیکس (Tax) کا بہتر نظام قائم ہو، اورمال وملکیت کے سلسلہ میں ایسا قانون بنے کہ لوگ آسانی کے ساتھ اس پر عمل کرسکیں، اور قانون سے فرار کی تدبیریں نہ سوچیں ''

(دیکھئے: موصوف کا مقالہ)۔

* مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتےہیں:

''اس لئے مذکورہ بالا صورت حال میں اگر لون کی ادائیگی وقت پر کردی جائے اور زمین کو اس لون سے خرید لیا جائے، تاکہ عام مسلمانوں کو سستی قیمت مینپلاٹ حاصل ہوجائے تو سرمایہ چھپانے سے جو جھوٹ لازم آرہا ہے عند اللہ اس کے وبال سے بچ سکتا ہے ''۔

* مولانامحمدزبیر ندوی لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص واقعی ضرورت مند ہو اور اس کے بغیر اس کی زندگی مشکلات سے دوچار ہو اور خود سے کوئی مناسب مکان خریدنے پر قادر نہ ہو تو لون کے ساتھ کالونی میں مکان لینے کی گنجائش ہے، ورنہ نہیں، یہی حکم تاجر کے لئے بھی ہے، فقہ کا اصول ہے:

''المشقۃ تجلب التیسیر، الأمر إذا ضاق اتسع، الضرر یدفع بقدر الإمکان''۔

* مفتی عثمان بستوی لکھتےہیں:

''رشوت کے باب میں بھی حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، لہذا سودی قرض میں جو سود دیا جائے اس کو رشوت کےقائم مقام مان کر کے دفع مضرت کے لئے دینے کی بدرجہ اولی گنجائش ہوگی، ''أخذ المال یستوی أمرہ عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع وہو حرام علی الآخذ فقط'' (فتاوی شامی ٣٥٫٨) ۔

حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ کے فتوی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات رقم موجود ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص بڑا سرمایہ لگا کر کاروبار کرتا ہے تو حکومت کے قوانین کی وجہ سے پکڑ لیے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسلمان کیا کرے؟ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں: ''مثلاً اپنے جائز روپئے سے بھی بڑا کاروبار کرنے میں قانون حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہوکر اپنا جائز روپیہ کالا روپیہ شمار ہوکر قابل ضبطی وغیرہ ہورہا ہو تو قانونی رو سے اور اپنے حلال روپے کو بچانے کے لئے مجبوری میں بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہوجاتی ہے '' (منتخبات نظام الفتاوی ١٨٩٫١) ۔

* مولانا شاہجہانندوی صاحب نے ایک متبادل صورت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پھر بھی موجودہ صورتحال میں بہتر یہ ہے کہ زمین کی خریداری شراکت کے ساتھ ہو، یعنی تمام شرکاء سے سرمایہ اکٹھا کرنے کے بعد زمین کی خریداری ہو، اور زمین کی خریداری کے نتیجہ میں تمام شرکاء کے درمیان ''شرکت ملک '' قائم ہوجائے، درمختار میں ہے: ''شرکۃ ملک، وہی أن یملک متعدد:إثنان فأکثر عیناً أو دیناً بإرث أو بیع أو

غیرہما'' (تنویر الابصار مع الدر المختار ۲۹۹٫۴، کتاب الشرکۃ)، اس طرح مختلف مالکین کی طرف سے بڑی مقدار میں وہائٹ منی دکھانے کی صورت میں قانونی دشواری حائل نہ ہوگی ''۔

**ناگزیر حالات میں گنجائش ہے:**

* رہائشی علاقوں کی خرید کے لئے اگر ایسا اقدام کیا جائے جو سوالنامہ میں مذکور ہے تو ناگزیر حالات میں سود کے وبال کو انگیز کیا جاسکتا ہے۔

* بعض اوقات جھوٹ بولنایا یوں کہہ لیاجائے تعریض یعنی جھوٹ کی شکل بنانا مباح ہوجاتا ہے: ''والکذب مباح لإحیاء حقہ ودفع الظلم عن الناس، والمراد: التعریض، لأن عین الکذب حرام'' (رد المحتار ۳۰۳٫۵) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

* اس قدر قرض لینا جائز ہوگا، جس کے ذریعہ تاجر اپنے آپ کو قانونی گرفت سے بچا سکے، بالخصوص اس لئے بھی کہ قومیائے ہوئے بینک سرکاری ادارے ہیں اور سرکاری قرضہ جات کے معاملہ میں علماء نے زیادہ نرمی برتی ہے (کتاب الفتاوی ۳۱۵٫۵) (قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

* انکم ٹیکس وغیرہ کے ناواجبی قانون سے بچنے کے لئے ایک قانونی ضرورت بن گئی ہو یا کاروبار کی بقا اور اس کے تحفظ بغیر لون لئے دشوار ہوجائے تو بینک سے قرض لیا جاسکتا ہے (جدید فقہی مسائل ۲۷۵٫۲، ۲۷۶) (قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

**درست نہیں ہے:**

* محض سرکاری قوانین، انکم ٹیکس ودیگر سرکاری ٹیکسیز وغیرہ سے بچنے کے لئے استطاعت کے باوجود سودی قرض لے کر زمین کی خریدوفروخت کرنا درست نہیں ہے، خواہ غریب مسلمانوں کے تعاون کا جذبہ ہو۔

سود جیسے موجب لعنت اور حرمت معاملہ میں مبتلا ہو کر غیروں یا مسلم غرباء کی مدد کرنا جائز نہیں ہے: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' کے تحت ممنوع ہوگا (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، حافظ کلیم اللہ عمری)۔

* غیر مسلموں کے ترقیات کو دیکھ کر گمراہ کن راہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''ہذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل'' (سورہ انعام: ۱۵۴)، یہ دراصل شیطان کی راہ ہے۔

البتہ اگر خود کوئی پریشان حال بے مکان مسلمان مکان کا محتاج ہو اور اسے غیر سودی قرض نہ ملتا ہو تو ضرورت کی بنا پر بقدر ضرورت کے اس لئے انفرادی طور پر سودی قرض لے کر مکان یا رہائشی زمین خریدنے کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے:''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ۱۰۰) (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

* یہ ٹیکس کی چوری ہے اور ٹیکس کی چوری اور اس سے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری بڑی خرابی سود جیسے گناہ کا ارتکاب بغیر کسی اضطرار کے۔

* الغرض پیسے ہونے کے باوجود قانونی دشواریوں سے بچنے کے لئے سودی قرض نہیں لیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس طرح سے زمین خریدنا درست ہے اور نہ کالونی بنانا (مولانا ابصار احمد ندوی)۔

* مولانا ابوسفیان مفتاحی لکھتے ہیں: شہر میں بسنے والے مسلمانونکی اکثریت غریب ہے، یہ خلاف حقیقت ہے ۔

* مولانا ابوسفیان مفتاحی اور حافظ کلیم اللہ عمری نے یہ مشورہ دیا ہے: مسلمان تاجروں کے لئے لازم ہے کہ وہ جائز شرعی کاروبار کریں ۔

* مولانا محی الدین غازی نے لکھا ہے کہ چونکہ کاروباری ضرورتوں کے لئے لون لینے کی حاجت کا تعلق صرف زمین کے کاروبار سے نہیں ہے، بلکہ ہر کاروبار سے ہے، اس لئے یہاں بھی وہی موقف اختیار کیا جانا چاہئے، جو عمومی طور پر ہر کاروباری لون کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

* اسی طرح اس سوال کے جواب میں ابتداءً ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی اور مولانا عبد الحمید قاسمی نے سودی لین دین اور سودی معاملہ کی شناعت وقباحت پر آیات واحادیث وغیرہ کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

**سوال نمبر (۹)** کالونی میں جو قطعہ زمین بیچا جاتا ہے ، وہ نقشہ پر تو درج ہوتا ہے اور زمین کے ہر ٹکڑے کا ایک نمبر ہوتا ہے ، لیکن زمین پر پلاٹس بنائے نہیں جاتے اورکالونی بسانے والے کے لئے اس بات کی بھی گنجائش ہوتی ہے کہ وہ اس جگہ کو تبدیل کردے یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر بتایا گیا ہے ، اس کو کسی اور جگہ ڈال دے ، کیا اس طرح صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور خرید وفروخت کا یہ عمل درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں بھی مقالہ نگاران کے درمیان دونقطۂ نظر پائے جاتے ہیں:

**نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجاتی ہے:**

پہلے نقطہ نظر کے حاملین کی رائے ہے کہ صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی او رخرید وفروخت کا یہ عمل درست ہوگا (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عفان منصورپوری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

بشرطیکہ اس کو عرفاً قبضہ سمجھا جاتا ہو (مولانا ابصار احمد ندوی)۔

زمین فروخت کرتے وقت پلاٹس کی لمبائی، چوڑائی اور اس کے راستے وغیرہ متعین کردینے سے اس طرح کی تعیین ہوجاتی ہے جو رافع نزاع ہے، لہذا اس صورت میں

جو جہالت ہوتی ہے وہ جہالت یسیرہ ہے، جس کا دور کرنا ان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس کی تعیین میں عموماً پلاٹ میں یکسانیت کی وجہ سے اختلاف بھی نہیں ہوتا ہے، لہذا اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے (مفتی عثمان بستوی، مولانا زبیر ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مفتی مقصود فرقانی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زمین کی فروختگی کےلئے صرف اتنا کافی ہے کہ جس جگہ کی زمین کو بیچا جارہا ہے ، اس کو بتا کر اس مقدار کی تعیین کردی جائے جو بیچی جارہی ہے، مثلاً دس یا بیس گز زمین، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتےہیں:''وأما الذرعيات ، فإن لم يسم جملة الذرعان، بأن قال:بعت منک ہذا الثوب، أو ہذه الأرض، أو ہذه الخشبة، كل ذراع منہا بدرہم، فالبيع فاسد فی الكل عند أبی حنيفةؒ، إلا إذا علم المشتری جملة الذرعان فی المجلس، فله الخيار إن شاء أخذ، وإن شاء ترک، وإن لم يعلم حتی تفرقا، تقرر الفساد، وعند أبی يوسف ومحمد يجوز البيع فی الكل، ويلزمه كل ذراع منه بدرہم.... وجه قولہما فی مسائل الخلاف أن جملة البيع معلومة، وجملة الثمن ممكن الوصول إلی العلم بالكيل والوزن والعدد والذرع، فكانت ہذه جہالة ممكنة الرفع والإزالة، ومثل ہذه الجہالة لا تمنع صحة البيع... ولأبی حنيفة رحمه الله أن جملة الثمن مجہولة حالة العقد جہالة مفضية إلی المنازعة، فتوجب فساد العقد.... وقولہما: يمكن رفع ہذه الجہالة مسلم، لكنہا ثابتة للحال إلی أن ترتفع'' ( بدائع الصنائع۵،۱۵۹) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۲۔ ''فسد بيع عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام وصححاه وإن لم يسم جملتہا علی الصحيح، لأن إزالتہا بيدہما، لا يفسد بيع عشرة أسہم من مائة سہم لشيوع السہم لا الذراع بقی لو تراضيا علی تعيين الأذرع فی مكان لم أره، وينبغی انقلابه صحيحاً لو فی المجلس ولو بعده فبيع بالتعاطی (الدر) وفی الرد:ذكر فی غاية البيان نقلاً عن الصدر الشہيد والإمام العتابی أن قولہما بجواز البيع إذا كانت الدار مائة ذراع، ويفہم ہذا من تعليلہا أيضاً حيث قال:لأن عشرة أذرع من مائة ذراع عشر الدار فأشبه عشرة أسہم من مائة سہم ...قلت وجه كون الموضع مجہولاً أنه لم يبين أنه من مقدم الدار أو من مؤخرہا وجوانبہا تتفاوت قيمة فكان المعقود عليه مجہولاً جہالة مفضية إلی النزاع فيفسد كبيع بيت من بيوت الدار'' (شامی ۷،۷۱) (مقالہ: مفتی عثمان بستوی)

۳۔ شرح مجلہ میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے متعین ثمن کے ذریعہ اس چیز کو خریدا جو اس کے پاس ہے، اگرچہ متبایعین کو اس کی صحیح مقدار معلوم نہ ہو، تو یہ معاملہ درست ہے، اسی طرح اس میں ہے کہ اگر کسی نے کسی مکان میں اپنے حصہ کو بیچا ایسے شخص سے جو اس کی صرف مقدار جانتا ہو تو یہ بیع بھی درست ہے (۱،۱۷۸) (مولانا محمد زبیر ندوی)۔

۴۔ زمین ومکان حدود اور اوصاف سے متعین ہوسکتے ہیں اور اموال غیر منقولہ

صرف جنس کے بیان سے متعین ہوسکتے ہیں (حوالہ سابق) (مولانا زبیر ندوی)۔

۵۔... جب نقشہ میں اشارہ موجود ہے تو مبیع متعین ہوگئی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''والأعواض المشار إليها لا يحتاج إلى معرفة مقدارها فى جواز البيع، لأن بالإشارة كفاية فى التعريف وجهالة الوصف فيه لا تفضى إلى المنازعة'' (ہدایہ ۲۰،۳)۔

۶۔ صاحب ہدایہ نے بیع کی مذکورہ صورت کو حضرات صاحبین کے حوالے سے جائز قرار دیا ہے:''ومن اشترى عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام فالبيع فاسد عند أبى حنيفةؒ، وقالا: هو جائز وإن اشترى عشرة أسهم من مائة سهم جاز فى قولهم جميعاً'' (حوالہ سابق) (مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

۷۔ ''فى تقريرات الرافعى:والظاهر اعتماد قولهما الآن لموافقة العرف حملاً لكلام العاقد على عرفه'' (تقریرات الرافعی علی آخر الشامی ۱۱۶،۷) (مفتی عثمان بستوی، مولانا زبیر ندوی)۔

۸۔ ''اشترى أرضاً وذكر حدودها لا ذرعها طولاً وعرضاً جاز، وإن عرف المشترى الحدود لا الجيران يصح وإن لم يذكر الحدود ولم يعرفه المشترى جاز البيع إذا لم يقع بينهما تجاحد وجهل البائع بالمبيع لايمنع وجهل المشترى يمنع'' (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۳۷۲،۴) (مولانا ظفر عالم ندوی)۔

۹۔ اس لئے کہ بائع نے زمین کے ایک حصہ کی رجسٹری کراکر مشتری کو کاغذی نقشہ پر اس کا مالک بنا دیا ہے اور زمین وجائیداد میں سرکاری رجسٹری کراکر اسکے کاغذات پر قبضہ دے دینا یہ اس زمین پر قبضہ دینے کے مانند ہے (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

۱۰۔ ''تفسير التسليم والقبض، فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية، والتخلى وهو أن يخلى البائع بين المبيع والمشترى برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن للمشترى معه التصرف فيه'' (بدائع الصنائع ۴۹۸،۴)۔

۱۱۔ ''والقبض الكامل فى المنقول ما يناسبه أو فى العقار ماياسبه'' (شرح المجلہ ۴۶۳،۱) (مولانا عفان منصورپوری)۔

دوسرے نقطہ نظر کے حاملین کی رائے اور دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زمین کی خریدوفروخت کی وہ صورت جو اس وقت رائج ہے (جو سوال میں بھی مذکور ہے)، یہ قبضہ کی حقیقت کے منافی ہے، تاآنکہ پلاٹنگ کرکے مشتری کے لئے ایک حصہ فکس نہ کردیا جائے اور یہ نہ کہہ دیا جائے کہ یہ حصہ تمہارا ہے (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبد المنان آسام، قاضی ذکاء اللہ شبلی، حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۲۔ صورت مسئولہ میں تخلیہ بھی نہیں پایا گیا، نیز مبیع کی جہالت بھی لازم آرہی ہے جو مفضی الی المنازعت ہوسکتی ہے، مثلاً لب روڈ یا پیچھے یا دونوں سائڈ اوپن وغیرہ۔

اور مبیع کے جواز میں کلیدی عنصر جو بنص قرآنی ''إلا عن تراض'' ہے، مفقود ہورہا ہے، اس لئے خریدوفروخت کا یہ عمل درست نہیں ہونا چاہئے (قاری ظفر الاسلام اعظمی)

۳۔ سوال کے سیاق سے معلوم ہورہا ہے کہ اس معاملہ میں تخلیہ نہیں ہوا اور تخلیہ ہی قبضہ ہے: ‘‘أجمعوا علی أن التخلیۃ فی البیع الجائز تکون قبضاً....’’ (فتاوی ہندیہ ۱۶،۳) (قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

۴۔ بیع کی صحت کی شرائط میں سے ایک مبیع کا معلوم ہونا ہے، چنانچہ اگر مبیع مجہول ہو تو بیع درست نہ ہوگی، ‘‘ومنہا أن یکون المبیع معلوماً والثمن معلوماً علماً یمنع من المنازعۃ فالمجہول جہالۃ مفضیۃ إلیہا غیر صحیح کشاۃ من ہذا القطیع وبیع الشئی بقیمتہ وبحکم فلان’’ (البحر الرائق ۴۳۶،۵)۔

۵۔ ‘‘وفسد بیع شاۃ من قطیع وثوب من عدل وکذا إذا باع عددیاً متفاوتاً عدداً بثمن واحد فوجد أکثر لجہالۃ المبیع وکذا إذا اشتری من ہذا اللحم ثلاثۃ أرطال بدرہم ولم یبین الموضع’’ (البحر الرائق ۴۵۹،۵) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۶۔ اگر کالونی بسانے والا صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے زمین فروخت کرے اور زمین کے محل وقوع کے بارے میں کوئی وضاحت نہ کرے یا زمین پر پلاٹس بناتے وقت اپنے متعینہ نقشے کی خلاف ورزی کرے تو اس صورت میں بائع و خریدار کے درمیان بعدمیں تنازعہ پیداہوسکتا ہے، کیونکہ ایک بڑے رقبے کی زمین کے مختلف حدودواربعہ رکھنے والے قطعۂ زمین کی نوعیت وافادیت مختلف ہوتی ہے، خریدار نقشے میں دیئے گئے حدود اربعہ کے مطابق جس قطعۂ زمین کو پسند کرتاہے وہ اسی کے حصول پر راضی ہوتاہے، اگربعد میں اسے نقشے کے مطابق حدود واربعہ کاحامل قطعۂ زمین حاصل نہ ہو تو اس کے اور کالونی بسانے والے کے درمیان تنازعہ وجھگڑا پیدا ہوسکتاہے، لہٰذا خریدو فروخت کایہ عمل درست نہ ہوگا، چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

‘‘ومن اشتری عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع من دار أو حمام فالبیع فاسد عندأبی حنفیۃ وقالا: ہوجائز وإن اشتری عشرۃ أسہم من مائۃ سہم جازفی قولہم جمیعا، لہما أن عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع عشرالدار فأشبہ عشرہ أسہم ولہ أن الذراع اسم لما یذرع بہ واستعیرلمایحلہ الذراع وھوا لمعین دون المشاع وذالک غیر معلوم بخلاف السہم ’’ (ہدایہ علی فتح القدیر ۲۵۴،۶) (مقالہ: مولانا محمد الیاس قاسمی)۔

۷۔ بیع وشراء کی وجہ سے ایک تو ملکیت منتقل ہوتی ہے، دوسرے مبیع بائع کے ضمان سے منتقل ہوکر مشتری کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہے، ملکیت کی منتقلی کے لئے ایجاب وقبول کافی ہے، مگر ضمان کا منتقل ہونا اس وقت ہوتا ہے جبکہ قبضہ وتسلیم پائے جائیں، قبضہ وتسلیم کی جو تفصیل فقہاء نے ذکر کی ہے اس کا خلاصہ علامہ کاسانی کے الفاظ میں اس طرح ہے:

‘‘التسلیم والقبض عندنا ہو التخلیۃ والتخلی وہو أن یخلی البائع المبیع والمشتری برفع الحائل بینہماعلی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ’’ (بدائع ۴۹۸،۴، کتاب البیوع، تفسیر التسلیم والقبض، ط: زکریا دیوبند) (مقالہ: مولانا

فروغ احمد قاسمی)۔

۸۔ جبکہ نمبر تبدیل کرنے کی بھی گنجائش ہے اور نقشہ میں دیا ہوا پلاٹ کا نمبر بھی کسی اور جگہ ڈال دینے کی گنجائش ہونے کی وجہ سے یہ خریدوفروخت کا عمل درست نہ ہوگا (مفتی عبد المنان آسام، مولانا محی الدین غازی)۔

۹۔ لیکن نقشہ میں دکھائے گئے پلاٹ کو بدل کر دوسرا پلاٹ دینا جائز نہیں ہے، اس لئےکہ نقشہ میں جو پلاٹ دکھایا گیا ہے تو پھر وہ متعین ہوگیا اور متعین شئی کو بدل دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ مبیع مجہول ہوگیا اور مجہول شئی کی بیع درست نہیں ہے، نیز ایسی صورت میں نزاع بھی ہوگا، کیونکہ قیمتیں جگہ کے اعتبار سے بدلتی ہیں، نیز اس میں مشتری کو دھوکہ دینا بھی ہے اور بیع میں دھوکہ اور غرر جائز نہیں ہے، لہذا بائع کو چاہئے کہ نقشہ میں جو پلاٹ جیسا دکھا یا گیا ہے ویسا ہی مشتری کو حوالہ کرے، بصورت دیگر مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا پلاٹ قبول کرے یا نہ کرے (مولانا ابصار احمد ندوی)۔

البتہ

* فروخت کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جگہ کو تبدیل کردے یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر بتایا گیا ہے اس کو دوسری جگہ ڈال دے، کیونکہ پلاٹ نمبر کی وجہ سے جگہ متعین ہے اور اس لئے بھی کہ سڑک کے سامنے کے پلاٹ کی قیمت پیچھے کے پلاٹ سے زیادہ ہوتی ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

* صورت مسئولہ میں کالونی کا قطعہ زمین کا رقبہ متعین ہوتا ہے، اگر کالونی بنانے والا اس بات کی وضاحت کردے کہ خریدار جو قطعہ زمین خرید رہا ہے کالونی میں اس کا محل وقوع متعین نہیں ہے اور پوری کالونی میں مخصوص نمبر کا قطعہ کسی بھی مقام پر دیا جاسکتا ہے تو بعد میں کوئی نزاع نہیں پائی جائے گی اور پائی جانے والی جہالت جہالت یسیرہ کے قبیل سے ہوگی، او راس طرح پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور خرید وفروخت کا عمل درست ہوگا ۔

''معرفۃ الحدود تغنی عن معرفۃ المقدار ففی البزازیۃ: باعہ أرضاً وذکر حدودہا لا ذرعہا طولاً وعرضاً جاز وکذا إن لم یذکر الحدود ولم یعرفہ المشتری إذا لم یقع بینہما تجاحد'' (رد المحتار ۴۸٫۷، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۴۵۹٫۵) (مقالہ: مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

**سوال نمبر (۱۰):** اس صورت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کے جو حصے بیچے گئے ہیں، اس پر بیچنے والا کاشت بھی کرتا رہتا ہے ، تو کیا اس کے باوجود خریدار اس کا مالک ہوجائے گا؟

اس سوال کے جواب میں چند مقالہ نگار کے علاوہ تمام مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ ایجاب وقبول ہوگیا تو معاملہ بیع مکمل ہوگیا اور مشتری اس شئی کا مالک بھی ہوگیا، اب اگر بائع مشتری کی اجازت سے اس زمین پر کاشت کررہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہ یہ سمجھ کر کاشت کررہا ہے کہ اب بھی وہ مالک ہے تو یہ عمل جائز نہیں ہوگا،

بائع کو چاہئے کہ وہ اس زمین کو مشتری کے حوالے کرے۔

**دلائل:**

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بیع، ایجاب وقبول سے ہی منعقد ہوجاتی ہے اور ایجاب وقبول کے بعد مشتری مبیع کا مالک ہوجاتا ہے: ''البیع ینعقد بالإیجاب والقبول إذا کانا بلفظی الماضی، مثل أن یقول أحدہما بعت والآخر اشتریت'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۶؍۲۳۰) (مفتی الیاس قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولاناابصار احمد ندوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا عبدالحمید قاسمی)۔

۲۔ ''وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۶؍۲۳۸) (مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۳۔ ''أماحکمہ فثبوت الملک فی المبیع للمشتری وفی الثمن للبائع إذا کان البیع باتاً'' (فتاوی ہندیہ ۳؍۳) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۴۔ ''أما حکمہ فہو ثبوت الملک للمشتری فی المبیع وللبائع فی الثمن للحال''(بدائع الصنائع ۴؍۴۹۷، کتاب البیوع) (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۵۔ ''وأما بیان صفۃ الحکم لہ صفتان: إحداہما اللزوم حتی لا ینفرد أحد المتعاقدین بالفسخ، سواء کان بعد الافتراق عن المجلس أو فیہ ..... والثانیۃ: الحلول: وہو ثبوت الملک فی البدین فی الحال'' (بدائع الصنائع ۵؍۲۴۳) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۶۔ ظاہر ہے کہ جب خریدار غیر معین ایک ایکڑ کا مالک ہے تو کالونی بنانےو الا اس زمین میں کاشت کرسکتا ہے (قاضی عبد الجلیل قاسمی)۔

۷۔ لہذا زمین کے جو حصے فروخت کئے گئے ہیں وہ خریدار کی ملکیت میں آجائینگے؛ اگرچہ اس پر بیچنے والا مشتری کی اجازت سےکاشت بھی کرتا رہتا ہو (مفتی الیاس قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا عفان منصورپوری، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا محی الدین غازی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی مقصود فرقانی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

تو ملکیت اور قبضے میں یہ عمل مانع نہیں سمجھا جائے گا (مولانا محی الدین غازی)۔

**عقد بیع کے وقت شرط:**

۱۔ اگر خریداری کے وقت بیچنے والے نے یہ شرط لگائی ہو کہ وہ زمین میں کاشت کرتا رہے گا تو بیع فاسد ہوجائے گی، کیونکہ یہ شرط تقاضۂ بیع کے خلاف ہے:

''ولا بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ،وفیہ نفع لأحدہما، أو فیہ نفع للمبیع ہو من أہل الاستحقاق، ولم یجز العرف بہ، ولم یرد الشرع بجوازہ'' (تنویر الابصار مع الدر المختار ۵؍۸۴) (مولانا شاہجاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی)۔

٢۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سےمروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک'' (سنن ترمذی، حدیث: ١٢٣٤، ابن ماجہ، حدیث: ٢١٨٨، مسند احمد، حدیث: ٦٦٢٨) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

٣۔ ''وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیہ وہو من أہل الاستحقاق کشرط أن لا یبیع المشتری العبد المبیع لأن فیہ زیادۃ عاریۃ عن العوض فیؤدی إلی الربا أو لأنہ یقع بسببہ المنازعۃ فیعری العقد عن مقصودہ إلا أن یکون متعارفاً ، لأن العرف قاض علی القیاس'' (ہدایہ ٥٩٫٣) (مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

**قبضہ سے پہلے ملکیت کا ثبوت:**

١۔ ''صح بیع عقار لایخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ لعدم الغرر لندرۃ ہلاک العقار....'' (فتاوی شامی ٣٦٩٫٧) (مفتی عثمان بستوی، مفتی عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

٢۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مشتری خرید شدہ زمین پر قبضہ سے قبل تصرف کرے تو یہ تصرف درست ہے: ''للمشتری أن یبیع المبیع من آخر قبل قبضہ إن کان عقارا لایخشی ہلاکہ وکما یجوز بیع العقار قبل قبضہ یجوز أیضاً التصرف فیہ بالرہن، والہبۃ غیر أن التصرفات المذکورۃ وإن کانت جائزۃ إلا أنہا لا تکون لازمۃ ونافذۃ إلا بدفع الثمن للبائع أو إجارتہ لہا'' (شرح مجلۃ الاحکام ١٢٨٫١) (مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی عفان منصورپوری، مولانا زبیر ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

٣۔ ''إذا اشتری داراً أو عقاراً فوہبہا قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل،ولو باع یجوز فی قول أبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمہما اللہ ولا یجوز فی قول محمد رحمہ اللہ'' (فتاوی تاتارخانیہ ٢٦٦٫٨) (مولانا ظفر عالم ندوی)۔

٤۔ اس لئے اگر زمین فروخت کرنے والا فروخت شدہ زمین پر اپنی کاشت کرتا رہے تو بھی خریدنے والے کے لئے اس کو دوسرے کےہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، کیوں کہ فروخت شدہ زمین پر کاشت کرنے سے مشتری کےلئے قبضہ کے تحقق اور ملکیت کے ثبوت میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے۔

''(ویلزم بإیجاب وقبول) وقال الشافعیؒ لایلزم بہ بل لہما خیار المجلس لقولہ علیہ السلام: ''المتبایعان بالخیار ما لم یتفرقا''، إذ ہمامتبایعان بعد البیع وقبلہ متساومان، ولنا أن العقد تم من الجانبین ودخل المبیع فی ملک المشتری والفسخ بعدہ لا یکون إلا بالتراضی، لما فیہ من الإضرار بالآخر بإبطال حقہ کسائر العقود'' (تبیین الحقائق ٢٧٦٫٤-٢٧٧) (مفتی عثمان بستوی)۔

البتہ اگر زمین فروخت کرنے والا خریدار کی اجازت کے بغیر اس زمین میں کاشت کررہا ہو تو زمین کی پیداوار میں سے اس کے لئے لاگت کے بقدر پیداوار ہی حلال ہے، اس سے زائد پیداوار صدقہ کرنا اس پرلازم ہوگا، مجمع الانہر میں ہے:

''ویتصدق بالفضل عند الطرفین حتی إذا غصب أرضاً فزرعہا فأجرجت ثمانیۃ أکرار

ولحقہ من الموؤنۃ قدر کر ونقصہا قدر کر فإنہ یأخذ منہ أربعۃ أکرار ویتصدق بالباقی'' (مجمع الانہر ۴؍۸۱، کتاب الغصب) (مولانا الیاس قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

جبکہ بعض مقالہ نگار کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جب تک کاغذی طور پر تحصیل میں رجسٹری ہوکر نیٹ پر نام نہ آجائے وہ خریدار نہیں مانا جائے گا، چونکہ وہ زمین ابھی بائع کے پاس ہی ہے، اس لئے کاشت بھی اسی کی ہوگی او رزمین بھی اسی کی ہوگی (ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی)۔

۲۔ جس حصہ کو خریدار نے خریدا ہے، اگر بائع اس میں کاشت کررہا ہے توبائع کا قبضہ ہی سمجھا جائے گا، لہذا اس کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوگا، ..... اس لئے کہ بائع ابھی تک پلاٹنگ سے فارغ نہیں ہوا ہے تو گویا ابھی تک مبیع متعین نہیں ہوپائی ہے، جبکہ ''مبیع '' کی جہالت مفسد عقد ہوا کرتی ہے:''وأما الثالث وہو شرائط الصحۃ فخمسۃ وعشرون، منہا عامۃ ومنہا خاصۃ، فالعامۃ لکل بیع شروط الانعقاد المارۃ، لأن ما لا ینعقد لا یصح، وعدم التوقیت ومعلومیۃ المبیع ومعلومیۃ الثمن بما یرفع المنازعۃ فلایصح بیع شاۃ من ہذا القطیع...'' (رد المحتار ۴؍۶، کتاب البیوع) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۳۔ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو ذکر کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر لکھا ہے:

''لہذا جو زمین بیچی گئی ہے اس کے حصے کی تعیین میں اختلاف نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ سب برابر حیثیت وقدر کے ہیں تو یہ بیع صحیح ہوگئی، لیکن ضمان منتقل نہیں ہوا، اور اگر زمین کی پوزیشن ایسی ہے کہ حصوں کی تعیین میں غیر معمولی حیثیت عرفی کے لحاظ سے فرق ہے جس کو عام طور پر گوارہ نہیں کیا جاتا ہے تو اس وقت بیع ہی منعقد نہیں ہوئی، او رجب بیع ہوئی ہی نہیں تو آگے خریدار کو بیچنے کا حق ہی نہیں ہوگا، واللہ اعلم ''۔

۴۔ بائع اپنی کاشت کاٹنے کے بعد خواہ وہ کاشت کاٹنے کے وقت کو پہنچی ہو یا نہیں، اس کی اپنی کاشت کاٹنے کے بعد ہی خریدار اس زمین کا مالک ہوگا (مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

**سوال نمبر (۱۱ ۔ الف):** جس شخص نے پلاٹ خریدا ہے تو اس سے پہلے کہ اس کا پلاٹ متعین ہو صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر وہ اپنی زمین کسی اور سے فروخت کردیتا ہے ، کیا یہ بیع درست ہوگی؟- اس میں دوصورتیں ہوتی ہیں:

الف:ایک یہ کہ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی تھی اور اس نے پلاٹس فروخت کئے تھے ۔

اس کے جواب میں اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اگر زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت مینآگئی تھی اور اس نے پلاٹس فروخت کئے تو پلاٹ خریدنے والا پلاٹ متعین ہونے سے پہلے صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر اپنی زمین کسی دوسرے شخص سے فروخت کرسکتاہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایاجائے

(مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا ابصار احمد ندوی، مولانا زبیر ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی مقصود فرقانی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل احادیث اور فقہی عبارتوں سے استدلال کیا ہے:

۱۔ غیر منقولہ اشیاء جیسے زمین، پلاٹ، جائیداد وغیرہ کا صرف سودا کرکے معاملہ کرلینا قبضہ کے لئے کافی ہے اور اس کے لئے دوسرے کو فروخت کرنا بھی صحیح ہے:''یجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃؒ وأبی یوسفؒ وقال محمدؒ:لا یجوز رجوعاً إلی إطلاق الحدیث واعتباراً بالمنقول وصار کالإجارۃ، ولہما أن رکن البیع صدر من أہلہ فی محلہ ولا غرر فیہ، لأن الہلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۴۷۲،۶) (مفتی الیاس قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

۲۔ ''ولو ملک غیر المنقول بالوصیۃ أو المیراث یجوز بیعہ قبل القبض، کذا فی المحیط: اشتری داراً أو عقاراً فوہبہا قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل ولو باع یجوز فی قول أبی حنیفۃؒ وأبی یوسفؒ ولایجوز فی قول محمدؒ'' (فتاوی ہندیہ۱۳،۳) (مفتی الیاس قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

۳۔ ''وأما بیع الأعیان غیر المنقولۃ قبل قبضہا کبیع الأرض والضیاع والنخیل والدور ونحو ذلک من الأشیاء الثابتۃ التی لا یخشی ہلاکہا فإنہ یصح'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۲۳۴،۲) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۴۔ ''مما یدل بقول أبی حنیفۃ ما رواہ ابن أبی ملکیۃ أن عثمانؓ ابتاع من طلحۃ أرضاً بالمدینۃ نافلۃ بأرض لہ بالکوفۃ فقال عثمانؓ بعت مالہ أرہ، فقال طلحۃ: إنما النظر لی لأنی ابتعت مغیباً وأنت قد رأیت ما ابتعت فتحا کما إلی جبیر بن مطعم فقضی علی عثمان:أن البیع جائز وأن النظر لطلحۃ، لأنہ ابتاع مغیباً رواہ البیہقی بإسناد حسن وتقتضی جواز بیع العقار قبل القبض فإن عثمان باع أرضاً لہ بالکوفۃ ولم یرہا وہو ظاہر أنہ باعہا ولم یقبضہا فإن القبض یستلزم الرؤیۃ حتماً'' (اعلاء السنن ۲۳۸،۱۴) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۵۔ اور عقلی اعتبار سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ صرف ایسی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت ہے جسے منتقل کیا جاسکے (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۶۔ بشرطیکہ پہلے ہی سے وہ خریدار کے سامنے واضح کردے کہ پوری کالونی میں اسے متعین طور پر ایک پلاٹ ملے گا، تاکہ بعد میں تنازعہ پیدا نہ ہو، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:''فلو اتفقوا علی أن مؤدی عشرۃ أذرع من مائۃ ہذہ الدار شائع لم یختلفوا'' (فتح القدیر ۲۵۴،۶) (مفتی الیاس قاسمی)۔

جبکہ مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا محی الدین غازی کی رائےہے کہ جب تک پلاٹ کی تعیین نہ ہوجائے اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ

اس صورت میں مجہول اور مشاع شئی کی بیع ہوگی، جو فاسد ہوگی۔

اسی طرح ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی لکھتے ہیں:

کالونی بنانے کی ملکیت سے مراد اگر کالونی بنانے والے کے نام سے اس زمین کا داخل خارج ہوچکا تھا اور اس کے نام زمین نیٹ پر آگئی تھی تو بلاشبہ اس کا فروخت کرنا درست ہوگا، لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ فروختگی درست نہ ہوگی، حضرت امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے یہاں کسی بھی شئی کو قبل القبض فروخت کرنا درست نہیں ہے:''لا یجوز بیع المبیع قبل قبضہ عقاراً کان أو منقولاً، لا بإذن البائع ولا بغیر إذنہ، لا قبل أداء الثمن ولا بعدہ، وقال أبوحنیفۃ وأبویوسف رحمہما اللہ: یمنع البیع قبل القبض فی سائر المنقولات ویجوز فی العقار الذی لا یخشی ہلاکہ کما فی فتح القدیر'' (تکملۃ فتح الملہم ۱؍۳۵۰، ۳۵۱)۔

قاضی ذکاء اللہ شبلی لکھتے ہیں:مختار نامہ کے بعد بکنگ جائز ہے ۔

**سوال نمبر (۱۱۔ب):** دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ابھی مالک زمین ہی کی ملکیت میں ہوتی ہے ، کالونی بنانے والا اس کی اجازت سے (جو اکثر اوقات اسٹامپ پیپر پر ہوتی ہے) پلاٹنگ کرتا ہے اور اس کو بیعانہ کی ایک رقم دے دیتا ہے ، اور وہ ایک مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے ؛ لیکن اگر کسی وجہ سے قانونی رکاوٹ پیدا ہوگئی تو پھر زمین مالکِ زمین ہی کے پاس رہ جاتی ہے ، کیا اس صورت میں پلاٹنگ کرنے والے کا پلاٹ بیچنا اور پھر اس سے پلاٹ خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو بیچ دیناجائز ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی آراء حسب ذیل ہیں:

۱۔ لیکن دوسری صورت جس میں مالک زمین صرف پلاٹنگ کی اجازت دیتا ہے، قدرے تفصیل طلب ہے، اگر مالک زمین اور پلاٹنگ کرنے والے کے درمیان مبیع اور ثمن متعین ہوکر ایجاب وقبول بھی ہوچکا ہے تو اس کی بیع مکمل ہوچکی ہے، اس میں چونکہ ثمن ادا کرنے کی ایک مدت بھی مقرر کی گئی ہے، اس لئے اس کو بیع مؤجل کہینگے، لیکن ادائیگی کا وقت متعین کرنا ضروری ہوگا۔

لیکن اگر مالک زمین اورپلاٹنگ کرنے والے کے درمیان خرید وفروخت کا معاملہ طے نہیں ہوا، بلکہ حکومتی منظوری کی توقع پر محض امکانی درجہ میں پلاٹنگ کرلی گئی، او رپھر پلاٹنگ کرنے والے نے اس کو فروخت کردیا تو یہ بیع الفضولی کہلائے گی، یعنی ایک غیر مالک شخص نے کسی کی چیز فروخت کردی ، اس صورت میں اصل منظوری مالک زمین سے حاصل کرنی ہوگی، اگر اس نے اس خریدوفروخت کو منظور کرلیا تو یہ بیع درست ہوجائے گی، ورنہ کالعدم سمجھی جائے گی۔

''قال: من باع ملک غیرہ بغیر أمرہ فالمالک بالخیار إن شاء أجاز البیع وإن شاء فسخ'' (ہدایہ ۳؍۸۸) (مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

۲۔ زمین جبکہ مالک زمین سے ''خیار نقد '' کے ساتھ خریدی گئی ہو تو پلاٹنگ کرنے والے کا اصل مالک کی اجازت سے پلاٹنگ کرنا اور اسے بیچنا جائز ہے (مولانا

شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری)۔

۳۔ بیع، ایجاب وقبول سے منعقدہوجاتی ہے، ایجاب وقبول کے بعد مشتری زمین کا مالک ہوجاتا ہے، اگرچہ سرکاری رجسٹر میں اس زمین پر بائع کا نام درج ہو: ''وإذا وجدا (أی الإیجاب والقبول) لزم البیع بلا خیار إلا لعیب أو رؤیۃ'' (الدر المختار ۴۷٫۷) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۴۔ بیعانہ کی رقم سودے طے ہونے کے بعد ہی دی جاتی ہے، اور خریدوفروخت میں متعینہ مدت کے بعد ثمن کی ادائیگی شرعاً جائز ہے، ''ویجوز البیع بثمن حال ومؤجل إذا کان الأجل معلوماً'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۲۴۲٫۶)۔

''(وصح بثمن حال) وہو الأصل (ومؤجل إلی معلوم) لئلا یفضی إلی النزاع'' (الدر المختار علی رد المحتار ۵۲٫۷) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۵۔ مسئلہ مذکور میں کالونی بنانے والا سودا طے ہوجانے کے بعد زمین کا مالک ہوجاتا ہے، اور اس کے لئے جائز ہے کہ وہ پلاٹ دوسروں کو فروخت کرے، کیونکہ غیر منقولہ اشیاء کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، ''ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃؒ وأبی یوسفؒ'' (ہدایہ مع فتح القدیر ۴۷۲٫۶) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۶۔ البتہ اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ اسے غیر متعین طور پر ایک پلاٹ دیاجائے گا، اسی طرح اس بات کی بھی وضاحت کردی جائے کہ بائع قانونی طور سے زمین کا مالک نہیں ہے اور آئندہ ایسی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے کہ قانونی دشواری کی وجہ سے بائع کو یہ معاملہ ختم کرناپڑے، ایسی صورت میں بائع مشتری سے حاصل کردہ قیمت اسے واپس کرنے کاوعدہ کرے، فقہاء نے معاملات میں کسی بھی قسم کی فریب دہی سے منع کیاہے چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے :

''اتفق الفقہا ء علی أن الغش حرام سواء أکان بالقول أم بالفعل وسواء کان بکتمان العیب فی المعقود علیہ أو الثمن أم بالکذب والخدیعۃ وسواء أکان فی المعاملات أم فی غیرھا من المشورۃ والنصیحۃ '' (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۱۹ ،۳۱) (مقالہ : مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۷۔ دوسری صورت میں بھی جبکہ زمین ابھی مالک زمین ہی کی ملکیت میں ہو او رکالونی بنانے والا اصل مالک کی اجازت سے پلاٹنگ کررہا ہو تو بھی فروختگی جائز ہوگی، اس لئے کہ اصل مالک کی رضامندی پائی جارہی ہے، ''والقبض الکامل فی المنقول ما یناسبہ وفی العقار ما یناسبہ'' (شرح المجلہ ۴۶۳٫۱)۔

''وتفسیر التسلیم والقبض، فالتسلیم والقبض عندنا ہو التخلیۃ، التخلی وہو أن یخلی البائع بین المبیع والمشتری برفع حائل بینہما علی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ'' (بدائع الصنائع ۴۹۸٫۴) (مولانا عفان منصورپوری)۔

۸۔ مفتی عثمان بستوی صاحب نے مختلف فقہی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

مذکورہ صورت خیار نقد پر زیادہ منطبق ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح خیار نقد میں بائع اپنا سامان اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اگر قیمت مدتِ متعینہ میں ادا نہیں ہوسکی

تو یہ معاملہ فسخ ہوجائے گا، اسی طرح زمین کی خریداری میں بھی یہ شکل اپنائی جاتی ہے، کہ اگر خریدی ہوئی زمین کی قیمت متعینہ مدت میں ادا نہیں ہوئی تو یہ بیع کالعدم ہوجائے گی، تو یہ دونوں شکل تقریباً یکساں ہیں جس کو اصطلاح شریعت میں ''خیار نقد ''کہا جاتا ہے اور خیار نقد کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متعینہ مدت تین دن کی ہو تو بالاتفاق صحیح اور درست ہے (الحاقاً بخیار الشرط)، اور اگر تین دن سے زائد ہو تو شیخینؒ کے یہاں بیع بشرط الاقالہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہے، لیکن امام محمدؒ کے یہاں معاملہ صحیح اور درست ہے، البتہ اگر مدتِ متعینہ میں قیمت ادا نہ کی جاسکی تو یہ معاملہ شرعاً فاسد ہوجائے گا، اس لئے ہر ایک کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن اگر فسخ نہ کیا گیا اور خریدار نے اسی معاملے کی بنیاد پر قبضہ کرلیا تو قبضہ سے ملکیت ثابت ہوجائے گی۔

''إن اشترى شيئاً على أنه إن لم ينقد ثمنه إلى ثلاثة أيام فلا بيع صح استحساناً... وإن اشترى كذلك إلى أربعة أيام لا يصح خلافاً لمحمد فإن نقد فى الثلاثة جاز اتفاقا لأن خيار النقد ملحق بخيار الشرط" (الدر المختار ٧،١١٧)۔

''إذا تبايعا على أن يؤدى المشترى الثمن فى وقت كذا وإن لم يؤده فلا بيع بينهما صح البيع وهذا يقال له خيار النقد" ۔

''إذا لم يؤد المشترى الثمن فى المدة المعينة كان البيع الذى فيه خيار النقد فاسداً " (شرح مجلہ لعلی حیدر ١،٢٦١، ٢٦٢، مادہ: ٣١٣، ٣١٤)۔

مجلہ میں خیار نقد کے لئے کسی مدت کی تحدید نہیں کی گئی ہے، بلکہ جواز کے لئے صرف تعیین مدت کافی ہے چاہے جتنی ہو۔

جب یہ بات منقح ہوگئی کہ مذکورہ صورت خیار نقد میں داخل ہے اور خریدار من لہ الخیار ہے اور من لہ الخیار کے تصرف سے معاملہ لازم ہوجاتا ہے تو مذکورہ صورت میں خریدار کا خریدوفروخت کرنا یہ اپنی زمین کی خریدوفروخت ہوگی، لہذا اس کا فروخت کردینا جائز ہے، اور اس سے خریدنے والے کےلئے بھی اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، کیونکہ جب بیع صحیح ہوگئی تو زمین میں بغیر قبضہ کے بھی آگے فروخت کرنے کی اجازت ہے، شرعی اور اصولی اعتبا رسے اس معاملہ پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے (مقالہ مفتی عثمان بستوی)۔

جبکہ اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگار کی رائے ہے کہ سوال میں مذکور صورت کی بیع درست نہیں ہے (مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا زبیر ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محی الدین غازی اور مفتی مقصود فرقانی)۔

قاری ظفر الاسلام اعظمی لکھتے ہیں:

''اس کا عدم جواز تو سوال ہی سے ظاہر ہے، جبکہ زمین ابھی بیعانہ دینے والے کے نام نہیں ہوئی، اصل مالک ہی کے نام ہے تو پھر بیعانہ دینے والا اسے اگلے شخص کو کیسے فروخت کرسکتا ہے''۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں:

''یہ صورت بعینہ اس عقار کی ہے جس میں اندیشہ ضیاع ہوتا ہے، جس کو غرر انفساخ سے تعبیر کیا جاتا ہے، قبل القبض بیع کی ممانعت کی علت یہی غرر انفساخ ہے، اس لئے کالونی بنانے والا بھی نہیں فروخت کرسکتا ہے اور اس سے خریدنے والا بھی دوسرے سے نہیں بیچ سکتا ہے، علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

''إلا إذا صار بحراً ونحوه حتى قال بعض المشائخ: إن جواب أبی حنیفۃؒ فی موضع لا یخشی علیه أن تصیر بحراً أو یغلب علیه الرمال، فأما فی موضع لایؤمن علیه ذلک فلا یجوز'' (فتح القدیر ٥١٣،٦، کتاب البیوع)۔

یہی رائے مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا زبیر ندوی اور مولانا بوبکرقاسمی صاحبان کی ہے۔

**سوال نمبر (١٢):** ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کالونی بنانے والا کچھ دلالوں سے بات کرتا ہے کہ آپ ہماری زمین بکوائیے ، یہ دلال مارکیٹ میں آتے ہیں اور مختلف گراہکوں اور انویسٹرس سے بات کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مال ہے ، آپ پیسہ لگائیے اس کو خریدئیے ، اس کی قیمتیں بڑھینگی، جب قیمتیں بڑھیں تو آپ بیچ دینا، زمین خریدنے والے کو زمین مقصود نہیں ہوتی، اس کو صرف پیسے کمانا ہوتا ہے ، وہ شخص زمین خرید لیتا ہے ، خریدنے والا اصل مالکِ زمین کو جانتا تک نہیں، نہ کوئی رجسٹری ہوتی ہے نہ کوئی کاغذی تحریر ہوتی ہے ، صرف دلال اور خریدنے والے کے درمیان زبانی سودا ہوتا ہے اور دلال اس کو کہہ دیتا ہے کہ اس زمین میں ایک قطعہ آپ کا ہے اور اس سے پیسے وصول کرلیے جاتے ہیں، اگر یہ شخص اپنا یہ قطعہ بیچنا چاہے تو اس کو صرف یہی دلال بیچے گا، اگر اس کو دوسرا خریدار مل بھی جائے تو بھی وہ اس کو دلال ہی سے کہے گا اور دلال ہی اس کو فروخت کرے گا اور اپنی دلالی بھی وصول کرے گا، اس طریقہ سے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے ، جب کہ ابھی زمین کھیتی والے اصل مالک سے بھی ٹرانسفر نہیں ہوتی، کیا یہ شکل درست ہے ؟

اس سوال کے جواب میں بھی مقالہ نگاران کی دور ائیں پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ کالونی بنانے والا اصل مالک زمین کا وکیل ہے، اور دلال کا لونی بنانے والے کا وکیل ہے، لہذا کالونی بنانے والے کا دلال کو وکیل بنانا اور وکیل کی حیثیت سے دلال کا لوگوں سے زمین کی خریدوفروخت کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے (مفتی الیاس قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا عفان منصورپوری، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

**دلائل:**

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ ‘‘کل عقد جاز أن یعقدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یؤکل بہ غیرہ ویجوز التوکیل بالخصومۃ فی سائر الحقوق’’ (قدوری مع اللباب فی شرح الکتاب،۶۶) (مفتی عثمان بستوی)۔

٢۔ اصل مالک زمین کے دلال سے خریدنا اصل مالک زمین سے خریدنے کے درجہ میں ہے، کیوں کہ اس جگہ دلال زمین بیچنے کا وکیل بھی ہے اور وکیل کا تصرف موکل کے تصرف کے حکم میں ہے: ‘‘تصرف الوکیل کتصرف المؤکل’’ (بدائع الصنائع ٢،٢٣١) (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا عفان منصورپوری)۔

٣۔ ‘‘تصح الوکالۃ بأجر وبغیر أجر لأن النبیﷺ کان یبعث عمالہ لقبض الصدقات .... ولأن الوکالۃ عقد جائز لا یجب علی الوکیل القیام بہا فیجوز أخذ الأجرۃ فیہا’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ٥،٤٠٥٨) (مفتی الیاس قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

۴۔ ‘‘الأصل فی الوکالۃ الإباحۃ وقد تصح مندوبۃ إن کانت إعانۃ علی مندوب وقد تصیر مکروہۃ إن أعانت علی مکروہ....’’ (حوالہ سابق٥،٤٠٦١)۔

۵۔ ‘‘حکم الوکالۃ: الوکالۃ جائزۃ بالکتاب والسنۃ....’’ (منہاج المسلم للشیخ ابی بکر الجزائری،٣١٢) (مقالہ مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

ملکیت محض ایجاب وقبول سے ثابت ہوجاتی ہے:

١۔ ایجاب وقبول سے سودا مکمل ہوجاتا ہے، شرعاً انتقال ملکیت کے لئے سرکاری کاغذات میں اندراج ضروری نہیں ہے: ‘‘البیع یلزم بإیجاب وقبول أی حکم البیع یلزم بہما’’ (البحر الرائق ٥،٤٣٩) (مفتی الیاس قاسمی، مفتی عثمان بستوی)۔

٢۔ ‘‘تنتقل ملکیۃ المبیع للمشتری بمجرد الإیجاب والقبول ویصیر لہ حق المطلق فی استعمال المبیع واستثمارہ والتصرف بہ کیفما شاء، لہ غنمہ وعلیہ غرمہ، أی لہ ثمراتہ وغلاتہ أو عوائدہ أیا کانت قلیلۃ أو کثیرۃ فی مقابل تحمل مغارمہ’’ (الموسوعۃ الفقہیہ والقضایا المعاصرۃ ١٣،٢٨١) (مفتی الیاس قاسمی)۔

٣۔ غیر منقولہ جائیداد میں قبضہ سے پہلے بھی مبیع پر کامل ملکیت حاصل ہوجاتی ہے اور جب ملکیت حاصل ہوگئی تو اس میں تصرف کاحق بھی حاصل ہوگیا (مولانا شاہجہاں ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی)۔

۴۔ رجسٹری ثبوت کے لئے ہے، ملکیت کے ٹرانسفر کے لئے نہیں ہے (قاضی عبد الجلیل قاسمی)۔

۵۔ ‘‘والنطق لیس بشرط لانعقاد البیع والشراء ولالنفاذہما وصحتہما فیجوز بیع الأخرس وشرائہ إذا کانت الإشارۃ مفہومۃ فی ذلک، لأنہ إذا کانت الإشارۃمفہومۃ فی ذلک قامت الإشارۃ مقام عبارتہ’’ (بدائع الصنائع ۴،٣٢٢) (مفتی عثمان بستوی)۔

**دلالی کی اجرت:**

١۔ دلا لی کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے، خواہ اجرت مثل طے کی جائے یا بیع کی

قیمت پر فیصد کے تناسب سے اجرت متعین کی جائے:''فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل...وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرۃ التعامل وکثیر من ہذا غیر جائز فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ کدخول الحمام'' (رد المحتار ٩٧٫٩) (مفتی الیاس قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا عفان منصورپوری)۔

٢۔ ''أما الدلال فإن باع العین بنفسہ بإذن ربہا فأجرتہ علی البائع وإن سعی بینہما وباع المالک بنفسہ یعتبر العرف (قولہ یعتبر العرف) فتجب الدلالۃ علی البائع أو المشتری أو علیہما بحسب العرف'' (الدر المختار مع رد المحتار ٩٣٫٧) (مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا عفان منصورپوری)۔

**مشاع اور مشترک شئی کی بیع:**

١۔ یہ مشترک چیز خریدنے کی صورت ہے اور تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مشترک چیز کو شریک یا اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے:''جاز بیع المشاع وإیداعہ'' (رد المحتار ٣٨٤٫٨) (مولانا شاہجہا ں ندوی)۔

٢۔ ''یجوز بیع المشاع للمشارک وللأجنبی ، سواء أکان قابلاً للقسمۃ أم لم یکن'' (درر الحکام ٣٨٨٫٢) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

البتہ دلال کا یہ شرط لگانا کہ اسے وہی بیچے گا، باطل شرط ہے، کیونکہ وہ اس کے ذریعہ سے نفع کمانا چاہتا ہے اور فروخت کرنے والے کو مارکیٹ ریٹ سے کم قیمت دینا چاہتا ہے۔

لیکن اگر یہ شرط عقد مکمل ہونے کے بعد ہے تو عقد کی صحت پر اس کا اثر نہیں پڑے گا (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ زمین ابھی اصل مالک سے ٹرانسفر بھی نہیں ہوئی ہے، اس لئے یہ بیع نہیں، بلکہ وعدۂ بیع ہے (قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محی الدین غازی، مفتی مقصود فرقانی)۔

ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

١۔ ''وہناک أحکام قانونیۃ تختلف بین العقار والمنقول، منہا أن انتقال ملکیۃ العقار لا یتم إلا بالتسجیل، أما المنقول فلاحاجۃ نقل الملکیۃ إلی التسجیل'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٥٦٫٩) (مولانا ابوبکر قاسمی)۔

٢۔ یہ بیع ''بیع ما لا یملک '' کے قبیل سے ہے (مولانا زبیر ندوی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

٣۔ یہ شکل مفضی إلی النزاع ہے (مفتی مقصود فرقانی)۔

٤۔ سوالنامہ میں مذکور بیع کی صورت موجب غرر ہے (مولانا ابوبکر قاسمی)۔

۵۔ زمین کی تجارت کی یہ شکل درست نہیں ہے، اس صورت کے مفاسد بہت زیادہ ہیں اور اس میں نزاعات کے امکانات بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، مثلاً: ملکیت کا منتقل نہ ہونا، قبضہ کا نہ ملنا، تصرف کا حق نہ ملنا، اصل مالک کا مجہول ہونا، اصل مبیع کا مجہول ہونا، غرض جہالت اور دیگر موانع بیع کا ایک طویل سلسلہ ہے (مولانا محی الدین غازی)۔

۶۔ .....یا اصل مالک زمین سے خرید وفروخت کا معاملہ تو طے ہوچکا ہے، لیکن ابھی اس پر قبضہ نہیں کرسکا ہے، یعنی مالک زمین کی طرف سے ابھی رکاوٹ دور نہیں کی گئی ہے، تو پھر کالونی بنانے والے کا ان پلاٹوں کو فروخت کرنا یا دلالوں کے ذریعہ فروخت کرنا درست نہیں ہے، یہ بیع قبل القبض کی قبیل سے ہے (مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

۷۔ خلاصہ یہ کہ اس معاملہ میں گوناگوں محظور لازم آتے ہیں:

۱۔ معاملہ دلالی کا نہیں وکالت کا ہے اور وکیل قبضہ دلانے پر قادر نہیں ہے۔

۲۔ مبیع مجہول ہے، مفضی إلی النزاع بھی ہوسکتا ہے، مگر اس لئے نہیں ہورہا ہے کہ بیع مقصود نہیں۔

۳۔ خریدار ثانی جس کی بیع کرنا چاہ رہا ہے اس کا وہ مالک ہی نہیں ہے (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

**بیع میں بے جا شرط:**

اس طرح کی شرط لگانا او رصاحب پلاٹ کو مجبور کرنا کہ وہ جب فروخت کرے تو مالک اول ہی کو دے، یہ دونوں ہی شرطیں شرعاً ناجائز ہیں (قاضی ذکاء اللہ شبلی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی مقصود فرقانی)۔

**سوال نمبر (۱۳):** کبھی کبھی خود کالونی بنانے والے ایسا کرتے ہیں کہ وہ پلاٹس بیچ دیتے ہیں اور قسطوں میں پیسہ بھی وصول کرلیتے ہیں، اب اگر خریدار کو بیچنا ہے تو اس کو بھی کالونی بنانے والے ہی سے رابطہ کرنا ہوگا، اگر کوئی گراہک لاتا ہے تو بھی اسی سے ملانا ہوگا، خود کالونی بنانے والا بھی نہیں چاہتا ہے کہ کوئی گراہک آئے ، وہ خود ہی اس کو خرید لیتا ہے اور جو بھی قیمت میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا ہے ، اس کو ادا کرتا ہے، کیا اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ جب کالونی بنانے والے نے خریدا کو پلاٹ بیچ دیا اور پیسے بھی ادا کردیا تو شرعی اعتبار سے بیع وشراء کا معاملہ مکمل ہوگیا، یہ پلاٹ کالونی بنانے والے کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں آگئی اور وہ مالک ہوگیا (مفتی الیاس قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا عفان منصورپوری، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا محی الدین غازی، مفتی مقصود وغیرہ)۔

اس صورت میں ملکیت کا ثبوت ہوچکا:

١۔ ‘‘وحکمہ ثبوت الملک أی فی البدلین لکل منہما فی بدل’’ (فتاوی شامی ١٦٫٧)۔
٢۔ ‘‘البیع النافذ یفید الحکم فی الحال أی ثبوت الملک فی البدلین لکل منہما فی بدل وہذا ہو الحکم الأصلی للبیع’’ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ٣٧٣٫٢) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔
٣۔ ‘‘حکم البیع المنعقد الملکیۃ یعنی صیرورۃ المشتری مالکاً للمبیع والبائع مالکاً للثمن .... والملکیۃ تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البیع شرائط الانعقاد والصحۃ واللزوم والنفاذ’’ (شرح المجلہ للاتاسی ٣٥٧٫٢) (مفتی الیاس قاسمی)۔
٤۔ قسطوں میں جب پوری قیمت ادا ہوجائے تو زمین پر ملکیت ثابت ہوجائے گی، پھر انہی کے ہاتھ نفع لے کر فروخت کردی تو یہ درست ہے : ‘‘ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃ وأبی یوسف... ولہما أن رکن البیع صدر من أہلہ فی محلہ ولا غیر رقبۃ لأن الہلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد، والحدیث معلول بہ عملاً بدلائل الجواز’’ (ہدایہ ٧٣٫٢، نیز دیکھئے: تاتارخانیہ ٢٦٦٫٨، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ٢٣٤٫٢) (مولانا ظفر عالم ندوی)۔
٥۔ ‘‘تبین مما سبق بحثہ فی الشروط المتقدمۃأن البائع ینقطع تعلقہ بالمبیع بمجرد إبرام البیع إلا إذا وجد مایجیزفسخ العقدمن الخیارات کخیارالشرط أو العیب أوالرؤیۃ وذلک بسبب انتقال الملکیۃ الذی ہو حکم العقد أو مقتضاہ إلی المشتری فیکون حق التصرف المتر تب علی انتقال الملکیۃ فی البیع حقا تاما یمنح المشتری بسبب الملکیۃ التامۃ أن یتصرف فیما صار ملکالہ کمایشاء بیعا أو ہبۃ أو وصیۃ أو وقفا وغیر ذلک ’’ (الموسوعۃ الفقہیۃ والقضایاالمعاصرہ ١٣ / ٣٠٧) (مفتی الیاس قاسمی)۔

**بیع میں شرط کا اثر:**

١۔ کالونی بنانے والے کا یہ شرط لگانا کہ جب خریدار اپنا پلاٹ فروخت کرے تو صرف اسی سے فروخت کرے، یہ شرط درست نہیں ہے، بلکہ مالک پلاٹس کو اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے دے (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا عفان منصورپوری، مولانا محی الدین غازی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی،مفتی مقصود فرقانی)۔
٢۔ ‘‘ولو بشرط لا تقتضیہ العقد وفیہ نفع لأحد المتعاقدین أو لمبیع یستحق فہو فاسد’’ (مجمع الانہر ٩٠٫٣) (مولانا عفان منصورپوری)۔
٣۔ ‘‘ولو باع عبداً علی أن یعتقہ المشتری أو یدبرہ أو یکاتبہ أو أمۃ علی أن یستولدہا فالبیع فاسد، لأن ہذا بیع وشرط وقد نہی النبی ﷺ عن بیع وشرط....’’ (ہدایہ مع فتح القدیر ٤٤٢٫٦) (مفتی عثمان بستوی)۔
٤۔ جبکہ صلب عقد میں شرط ہو کہ خریدار کالونی بنانے والے سے ہی بیع کرسکتا ہے، یہ حقیقت میں بائع کے آزادانہ تصرف پر پابندی عائد کرنا ہے جو کہ بیع وشراء کے اصول کے خلاف ہے، اس لئے پلاٹنگ کرنے والے کا اس شرط کے ساتھ بیچنا ہی صحیح

نہیں ہوا تو خریدار کی ملکیت میں بھی داخل نہیں ہوگا جیسا کہ اس کے طرز عمل سے یہی ظاہر ہورہا ہے کہ صلب عقد میں شرط ہے (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، یہی رائے مفتی عثمان بستوی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا زبیر ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری کی ہے)۔

۵۔ سوال میں مذکور جملے ''اب اگر خریدار کو بیچنا ہے تو اس کو بھی کالونی بنانے والے ہی سے رابطہ کرنا ہوگا '' صلب عقد میں ہیں، تو یہ معاملہ فاسد ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہونی چاہئے (قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

۶۔ نیز اگر اس طرح کا معاملہ مبیع پر قبضہ اور ضمان میں آنے سے پہلے کا ہے تو قیمت میں یہ اضافہ مشتری کو دیدینا ''ربح ما لم یضمن '' کے قبیل سے ہوگا اور مشتری اول کی ملکیت زمین پر ثابت نہ ہوگی (قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبد المنان آسام)۔

۷۔ اگر یہ شرط عقد مکمل ہونے کے بعد ہو تو عقدکی صحت پر اس کا کوئی اثرنہیں ہوگا: ''وإن ذکر البیع بلا شرط ثم شرطاہ علی وجہ المواعدۃ جاز البیع'' (البحر الرائق ۸،۶) (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی)۔

**سوال نمبر (۱۴)** ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ پلاٹ قسطوں میں بیچ دیاجاتا ہے اور خریدار اس میں سے مثلاً پانچ یا آٹھ قسطیں ادا کرپایا، باقی قسطیں ادا کرنے کی گنجائش نہیں رہی؛ تو حالانکہ سودا ہوچکا تھا، صرف بعض قسطوں کی ادائیگی باقی تھی؛ لیکن کالونی بنانے والا اپنی طرف سے اس سودے کو کینسل مانتا ہے، اب اگر بعد میں خریدار قسطیں ادا کرنا چاہے ، یا اپنی زمین کا مطالبہ کرے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ چونکہ قسطیں وقت پرادا نہیں ہوئیں؛ اس لئے آپ کا سودا کینسل ہوگیا، اور جتنی رقم قسطوں میں ادا کی گئی تھیں، اتنی ہی رقم اس کو واپس کردیتا ہے ؛ جبکہ اس نے جس وقت وہ زمین خریدی تھی، اس وقت اس کی قیمت بہت کم تھی اور اتنی ہی متعین ہوئی تھی، اور اب اس کی قیمت تقریباً پچاس گنا بڑھ چکی ہوتی ہے ، کیا یہ درست ہے ؟

**قسطوں پر خریدوفروخت کی صورت میں ملکیت کا ثبوت:**

اس سوال کے جواب میں تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں:

پہلے نقطۂ نظر کےحاملین کی رائے ہے کہ قسط پر خریدوفروخت کی صورت میں معاملہ مکمل ہونے کے بعد مبیع پر خریدار کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے، چنانچہ قسط پر خریدوفروخت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مکمل قسطوں کی ادائیگی کے بعد مبیع پر ملکیت ثابت ہو، کیوں کہ یہ ادھار بیع کی ایک شکل ہے اور ادھار بیع مکمل ہوتے ہی مبیع پر ملکیت ثابت ہوجاتی ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی، مولانا محی الدین غازی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

**دلائل:**

١۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آن حضور ﷺ نے ایک یہودی کے ساتھ متعینہ مدت پر قیمت کی ادائیگی کا معاملہ فرمایا: ''اشتری طعاماً من یہودی إلی أجل ورہنہ درعاً من حدید'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٢٠٦٨، صحیح مسلم، حدیث: ١٦٠٣) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کرکے کوئی چیز خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے اور ادھار قیمت کی ادائیگی کی متعینہ مدت طے ہونے کے باوجود مبیع پرخریدار کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور قسط پر خرید وفروخت بھی ایسی بیع ہے، جس کی قیمت کی آئندہ ادائیگی کا وقت مقرر ہے''۔

٢۔ حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیمت چند قسطوں میں ادا کرنا درست ہے: ''جاءتنی بریرۃ فقالت: کاتبت أہلی علی تسع أواق، فی کل یوم وقیۃ'' (صحیح البخاری، حدیث: ٢١٦٨، ٢٧٢٩) (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

دوسرے نقطہ نظر کےحامل مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے ہے کہ یہ بیع درست نہیں ہے۔

اسی طرح مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی پہلے لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا صورت بیع معلق یا مستقبل کی طرف منسوب بیع کی ہے (کہ اگر مقررہ مدت میں قیمت ادا کردی گئی تو بیع ہوگی، ورنہ نہیں)، اس سے بیع ہی منعقد نہیں ہوتی ہے، ایسی صورت میں جتنی رقم دی گئی ہے وہی مل سکتی ہے، اس سے زیادہ کا مطالبہ صحیح نہیں ''، پھر اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں:

''اس کی فقہی صورت یہی زیادہ مناسب ہے کہ اس صورت کو وعدہ بیع قرار دیا جائے، تاکہ وقت مقررہ پر ادائیگی کی صورت میں بیع کی تکمیل میں کوئی محفوظ لازم نہ آئے کیونکہ بیع معلق باطل ہوتی ہے ''۔

جبکہ تیسرے نقطۂ نظر کے حاملین کی رائے ہے کہ یہ صورت ''خیار نقد '' یا ''اقالہ'' کی ہے جو درست ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

مفتی الیاس قاسمی، مفتی عثمان بستوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عفان منصور پوری، مفتی ریاست علی ، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا زبیر ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی مقصود فرقانی کے مقالات سے یہی سمجھ میںآتا ہے کہ:

اگر زمین وپلاٹ کے فروخت کے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اگر خریدار نے مقررہ مدت تک کل رقم یا مقررہ قسط ادا نہیں کی تو یہ معاملہ ختم ہوجائے گا، تو یہ صورت ''خیار نقد '' کی ہے، اور خریدوفروخت میں یہ شرط لگانا جائز ہے اور یہ شرط

اپنے وقت میں مؤثر بھی ہوگی، یعنی مقررہ مدت میں کل رقم یا طے شد ہ قسط ادا نہیں کی ہو تو بائع یک طرفہ طور پر بیع کو ختم کرکے خریدار سے مبیع واپس لے سکتا ہے اور ثمن کا جتنا حصہ اس نے وصول کیا ہے وہ خریدار کو واپس لوٹا دے۔

**دلائل:**

١۔ ''إذا تبایعا علی أن یؤدی المشتری الثمن فی وقت کذا، وإن لم یؤد فلا بیع بینہما صح البیع وہذا یقال لہ خیار النقد'' (درر الحکام ٣٠٩،١) (مفتی عثمان بستوی، مفتی الیاس قاسمی)۔

٢۔ ''إذا الحاجۃ مست إلی الانفساخ عند عدم النقد تحرزاً عن المماطلۃ فی الفسخ...'' (ہدایہ ٣٠،٣) (مولانا ظفر عالم ندوی)۔

٣۔ ''عن عمرو بن عوف عن أبیہ عن جدہ أن رسول اللہ ﷺ قال:المسلمون علی شروطہم إلا شرطاً حرم حلالا أو أحل حراماً'' (سنن الترمذی ٣٥١،١)۔

٤۔ ''الإقالۃ جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الأول لقولہ ''من أقال نادماً بیعہ، أقال اللہ عشراتہ یوم القیامۃ، لأن العقد حقہما فیملکان رفعہ دفعاً لحاجتہما'' (ہدایہ ٦٩،٣) (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

٥۔ ''إذا لم یؤد للمشتری الثمن فی المدۃ المعینۃ کان البیع الذی فیہ خیار النقد فاسداً من العاقدین فسخہ إذا بقی المبیع علی حالہ'' (شرح المجلہ لسلیم رستم بار،١٦)۔

٦۔ ''وأما بیان ما یرفع حکم البیع فنقول وباللّٰہ التوفیق:حکم البیع نوعان:نوع یرتفع بالفسخ وہو الذی یقوم برفعہ أحد المتعاقدین وہو حکم کل بیع غیر لازم کا لبیع الذی فیہ أحد الخیارات الأربع والبیع الفاسد'' (بدائع الصنائع ٥٩٢،٤) (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

٧۔ ائمہ ثلاثہ نے بسبب افلاس، عقد بیع کےفسخ کو درست مانا ہے اور حدیث نبوی سے استدلال کیا ہے: ''من أدرک مالہ بعینہ عند رجل أو إنسان قد أفلس فہو أحق بہ من غیرہ رواہ الشیخان عن أبی ہریرۃؓ وفی روایۃ:من وجدعین مالہ عند رجل فہو أحق بہ یتبع البیع إلی البائع من باعہ، رواہ أحمد وأبوداؤد والنسائی عن سمرۃ بن جندب'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

البتہ حنفیہ کے یہاں خریدار کے مفلس ہونے سے بیع فسخ نہ ہوگی، ہاں اس کے تنگدست ہونے کے سبب اس کو مزید مہلت دی جائے گی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وإن کان ذو عسرۃ فنظرۃ إلی میسرۃ'' (سورہ بقرہ) (مقالہ مولانا ابوبکر قاسمی)۔

**یکطرفہ بیع رد کرنے کا اختیار:**

تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اگر زمین کا خریدار مزید قسطوں کی ادائیگی سےعاجز ہوجائے تو فروخت کرنے والا یک طرفہ طور پر معاملہ بیع رد نہیں کرسکتا ہے، اس کا یہ عمل درست نہیں ہوگا۔

بہتر اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ خریدار کو اختیار دیاجائے اور مزید مہلت دینی چاہئے، آخری صورت میں موجودہ وقت میں زمین کی مارکیٹ کےاندر جو قیمت ہے، اسےاداکرکے زمین لے لے اور باقی ماندہ قسطوں سے زائد قیمت خریدار کو ادا کرے یا

کسی تیسرے شخص سے بیچ کر اپنی باقی ماندہ قسطیں حاصل کرے اور زائد قیمت خریدا رکے حوالہ کرے۔

''ومن اشترى عبداً فغاب فأقام البائع البينة أنه باعها إياه، فإن كانت غيبته معروفة لم يبع فى دين البائع لأنه يمكن إيصال البائع إلى حقه بدون البيع وفيه إبطال حق المشترى وإن لم يدر أين هو بيع العبد وأو فى الثمن لأن ملك المشترى ظهر بإقراره فيظهر على الوجه الذى أقر به مشغولاً بحقه وإذا تعذر استيفاءه من المشترى يبيعه القاضى فيه كالراهن إذا مات والمشترى إذا مات مفلساً والمبيع لم يقبض'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۱۱۹،۷، ۱۲۰) (مفتی الیاس قاسمی وغیرہ)۔

**سوال نمبر (۱۵۔ الف):** اسی طرح زمین کی دلالی سے متعلق کچھ مسائل ہیں:

الف:آسان شکل تو یہ ہے کہ دلال زمین کا گاہک لائے اور اپنی دلالی وصول کرلے؛ لیکن دلال زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرلیتا ہے ، پھر اس کو اپنی من مانی قیمت پر بیچتا ہے ، زمین والے نے جتنی قیمت بتلائی تھی، اتنی اس کو دے دیتا ہے اور باقی کو اپنے لئے جائز سمجھتا ہے ، کیا یہ درست ہے ؟

**دلالی کی اجرت:**

۱۔ دلالی کے عمل مینکیا جانے والا کام اور وقت مجہول ہوتا ہے، اس لئے فقہ حنفی میں اصولاً دلالی کا عمل اور اس پراجرت کا حصول جائز نہیں تھا، لیکن فقہاء متاخرین نے ضرورت کی بنا پر اس کو جائز قرار دیا، چنانچہ علامہ سرخسی رقمطراز ہیں:

''والسمسار اسم لمن يعمل للغير بالأجر بيعا وشراء ومقصوده من إيراد الحديث بيان جواز ذلك'' (المبسوط ۲۰۹،۱۵) (مفتی الیاس قاسمی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

۲۔ ''وفى الحاوى: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال:أرجو أنه لا بأس وإن كان فى الأصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه'' (رد المحتار ۶۳،۶) (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۳۔ اگر اجرت متعین کرکے دلالی کی جائے تو مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہے:

''وقال فى البزازية: أجرة السمسار والمنادى والحمامى والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل'' (رد المحتار ۶۴،۹) (مفتی الیاس قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا زبیر ندوی)۔

۴۔ ''قال فى التاتارخانية: فى الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن كل عشرة دنانير كذا فذلك حرام عليهم'' (رد المحتار ۸۷،۹) (مفتی الیاس قاسمی)۔

**دلالی کی مذکورہ صورت:**

البتہ دلالی کی مذکورہ صورت جمہور علماء احناف، شوافع اور مالکیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، امام احمد اور امام اسحاق کےنزدیک جائز ہے، کیونکہ دلال وکیل ہے اور وکیل کو

مؤکل کےسامان کا جو عوض حاصل ہو اس عوض کا حقدار مؤکل ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔

''وقال ابن عباس:لابأس أن یقول:بع ھٰذا لثوب فماز اد علی کذاوکذا فھو لک، ھٰذا التعلیق وصلہ ابن أبی شیبۃ عن ھشیم عن عمرو بن دینار عن عطاء عن ابن عباس نحوہ وقال ابن سیرین إذا قال بعہ بکذا فماکان من ربح فھولک أو بینی وبینک فلابأس بہٖ ، وھٰذا التعلیق أیضا وصلہ ابن أبی شیبۃ عن ھشیم عن یونس عن ابن سیرین، وفی التلویح :وأما قول ابن عباس وابن سیرین فأکثرا لعلماء لایجیزون ھٰذا البیع وممن کرھہ :الثوری والکوفیون و قال الشافعی ومالک :لا یجوز فإن باع فلہ أجر مثلہ وأجازہ أحمد و إسحاق وقالا:ھومن باب القراض وقدلا یربح المقارض'' (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۶۲۳،۸) (مقالہ: مفتی محمدالیاس قاسمی)۔

۱۔ مولانا شاہجہاں ندوی دلالی کے جواز کی شرطیں ذکر کرنے کے بعد لکھتےہیں:

''اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتےہیں کہ دلال کا زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرکے زمین کو اپنی من مانی قیمت پر بیچ کر مالک زمین کی بتائی ہوئی رقم سے زائد رقم خود لے لینا، ناحق طریقہ سےمال کھانا ہے جو ناجائز اور حرام ہے''۔

۲۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا إلی الحکام لتأکلوا فریقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون'' (سورہ بقرہ: ۱۸۸)۔

۳۔ ''کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ'' (صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۶۴)۔

۴۔ ''لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ'' (مسند احمد، حدیث: ۲۰۶۹۵)۔

۵۔ ''ولو وکلہ بأن یبیعہ بألف درہم فباعہ بأکثر، نفذ البیع وإن باعہ بأقل لم ینفذ'' (ہندیہ ۵۹۰،۳)۔

اس سے پتہ چلا کہ زائد قیمت کا مالک زمین والا ہے نہ کہ دلال ''۔

مفتی مقصود فرقانی کی بھی یہی رائے ہے۔

۶۔ فتاوی رحیمیہ میں ہے:

''یہ پیسہ مباح ہے اور اپنی محنت اور کام کے موافق پہلے سےمناسب اجرت طے کردی جائے تو طے کردہ اجرت لے سکتا ہے، اور اجرت ایک فریق سے بھی لے سکتا ہے اور دونوں فریق سے بھی، البتہ اجرت طے اور متعین ہونا چاہئے، معاملہ مبہم نہ رہنا چاہئے'' (۲۹۹،۹)۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:

''دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے، بشرطیکہ ظاہر کرکے رضا سے لیا جائے اور جو خفیہ طرفین سے لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں ہے '' (بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۲۹۹،۹)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ان دونوں فتاوی کے بعد لکھتے ہیں:

متاخرین فقہاء کے یہاں اسی قسم کا فتوی ہے، لہذا کذب بیانی یا اجرت کو خفیہ رکھنا

اور لینا جائز نہیں ۔

قاری ظفر الاسلام اعظمی صاحب کی رائے ہے کہ اگر غبن فاحش نہ پایا جائے تو درست ہے، البتہ اگر غبن فاحش کے ساتھ معاملہ ہو تو مع الکراہت درست ہوگا (الدر المختار مع الرد ۳۶۳،۷)۔

**دلال اور مالک زمین کے درمیان پہلے سے معاملہ طے ہو:**

اگر دلال اور مالک زمین اس طرح کا معاملہ کریں کہ بائع کی مطلوبہ قیمت سے زائد رقم دلال کی اجرت قرار پائے گی تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہونا چاہئے (مفتی الیاس قاسمی، مفتی عثمان بستوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، مولانا ابوبکر قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محی الدین غازی)۔

مفتی عثمان بستوی کی رائے ہے کہ اگر وکیل (دلال) مالک سے صاف صاف یہ وضاحت کردے کہ متعینہ قیمت آپ کو ملے گی او راس سے زائد جو حاصل ہوگا وہ میرا ہوگا، یہ وضاحت خواہ صراحۃً ہو یا عرفاً، تو زائد خود رکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جو زائد ہے وہ اجرت ہے..... نیز اس کو ''جعالہ '' پر محمول کرکے بھی حد جواز میں داخل ہونے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عفان منصورپوری اور مفتی ریاست علی قاسمی لکھتے ہیں:

اس صورت میں یہ سمجھا جائےگا کہ دلال نے بائع سے متعین رقم پر زمین خرید کر مشتری کے ہاتھ نفع لے کر فروخت کردیا، اس صورت میں دلال کو دلال نہیں کہا جائے گا، بلکہ تاجر کہا جائے گا، اور یہ معاملہ شرعاً درست ہوجائے گا، ''أنہ باعہ مرابحۃ، فإن کان ما اشتراہ بہ لہ مثل جاز سواء جعل الربح من جنس رأس المال الدرہم من الدراہم أو من غیر الدرہم من الدنانیر أو علی العکس، إذا کان معلوماً ما یجوز بہ الشراء لأن الکل ثمن" (عنایہ علی الہدایہ مع فتح القدیر ۴۹۵،۶)۔

مفتی الیاس قاسمی لکھتے ہیں:

''اجرت دلال کی مذکورہ صورت ہمارے معاشرے میں بہت معروف ہے، فقہاء نے بہت سے مسائل میں عرف و عادت کااعتبار کیا ہے، چنانچہ کوئی چیز کیلی ہے یا وزنی، اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ جس چیز کا کیلی یاوزنی ہونا شریعت میں منصوص نہ ہو، اس کے کیلی یاوزنی ہونے کا فیصلہ اس علاقے کے عرف پرمبنی ہوگا (دیکھئے: اعلاء السنن ۴۷۹،۱۴)۔

لہٰذا ہمارے معاشرے کے عرف کااعتبار کرتے ہوئے دلالی کی یہ صورت جائزہونا چاہئے کہ دلال بائع کی مطلوبہ قیمت سے زائد رقم دلالی کی اجرت کے طورپر لے گا، فقہ کامشہور قاعدہ ہے : ''ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن''(الاشباہ والنظائر ۳۲۸،۱)۔

**سوال نمبر (۱۵ب):** دلال کمپنیاں جو شکل سب سے زیادہ استعمال کررہی ہیں، وہ یہ ہے کہ

زمین بیچ دیتے ہیں؛ لیکن قبضہ نہیں دیتے ، اور ان کو کہہ دیتے ہیں کہ جب بھی آپ کو بیچنا ہو تو آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کرینگے ، کسی اور کو نہیں، کیا یہ مشروط بیع جائز ہے؟

اس سوال کےجواب میں تمام ہی مقالہ نگار کی رائے ہے کہ دلال کمپنیوں کا زمین فروخت کرکے قبضہ نہ دینا شرعاً جائز نہیں ہے اور قبضہ نہ دینے کی شرط سے بیع کی جائے تو ایسی مشروط بیع جائز نہیں ہوگی۔

**دلائل:**

۱۔ خرید وفروخت کے بعد مبیع کو مشتری کے حوالہ کرنا اور اس کے قبضہ وتصرف میں دینا شرعاً لازم ہے: ''وحکمہ ثبوت الملک أی فی البدلین لکل بدل وہذا حکمہ الأصلی والتابع وجوب تسلیم المبیع والثمن'' (فتاوی شامی ۱۶،۷) ۔

۲۔ مبیع پر مشتری کا قبضہ شرعاً واجب ہے:''أما الأحکام التی ہی من التوابع للحکم الأصلی للبیع... فمنہا وجوب تسلیم المبیع والثمن ...'' (بدائع الصنائع ۴۹۷،۵) (مفتی الیاس قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی)۔

۳۔ ''لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک'' (سنن الترمذی، حدیث: ۱۲۳۴) (مفتی الیاس قاسمی، مولانا ابصار احمد ندوی، مفتی عبد المنان آسام)۔

۴۔ خرید وفروخت میں ایسی شرط لگانا جو تقاضۂ بیع کےخلاف ہو اور وہ بیع سے مناسبت نہ رکھتی ہو، یا اس میں بائع یا مشتری میں سے کسی کا فائدہ ہو تو شرعاً جائز نہیں اور ایسی شرط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے (مفتی الیاس قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا زبیر ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپوری، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبد الحمید قاسمی)۔

۵۔ ''ولا یبیع بشرط...لا یقتضیہ العقد ولایلائمہ وفیہ نفع لأحدہما'' (الدر المختار علی رد المحتار ۸۲،۷، ۸۳)۔

۶۔ ''کل شرط لایقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیہ وہو من أہل الاستحقاق یفسدہ'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۴۰۶،۶)۔

۷۔ ''لا یجوز للبائع اشتراط زیادۃ منفعۃ علی حساب المشتری لا تتفق مع مقتضی العقد ویکون البیع فاسداً أو باطلاً ..... ودلیلہم ما روی عن النبیﷺ أنہ نہی عن بیع وشرط'' (الموسوعۃ الفقہیہ والقضایا المعاصرۃ۲۸۲،۱۳) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۸۔ مؤطا مالک میں حضرت عمرؓ کا فتوی بایں الفاظ وارد ہے:''إن عبد اللہ بن مسعود ابتاع جاریۃ من امرأتہ زینب الثقفیۃ واشترطت علیہ أنک إن بعتہا فہی لی بالثمن الذی تبیعہا بہ، فسأل عبد اللہ بن مسعود عن ذلک عمر بن الخطاب، فقال:لا تقتربہا وفیہما شرط لأحد'' (مؤطا امام مالک۲۵۳) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۹۔ ‘‘فإن کان فیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین فالبیع فاسد لأن الشرط باطل فی نفسہ والمنتفع بہ غیر راض بدونہ فتمکن المطالبۃ بینہما لہذا الشرط، فلہذا فسد لہ البیع’’ (المبسوط ۲۷۸،۱۵) (مولانا ابصار احمد ندوی، مولانا عفان منصورپوری)۔

**جواز کی صورت:**

البتہ مفتی عثمان بستوی، مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی اور مولانا محی الدین غازی نے اس مسئلہ کے جواز کی یہ صورت بیان کی ہے:

۱۔ اس کے جواز کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بیع تو بلا شرط کرلی جائے، مگر بعد میں ہی ایک معاہدہ کرلیا جائے کہ آپ یہ زمین ہم کو ہی واپس کرینتو یہ بیع صحیح ہوگی (فتاوی محمودیہ ۱۰۱،۲۴، ۱۰۲)۔

۲۔ ‘‘وإن ذکر البیع بلا شرط ثم شرطا علی وجہ المواعدۃ جاز البیع ولزم الوفاء’’ (تبیین الحقائق ۱۸۴،۵) (مولانا عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

۳۔ زمین کو اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ اگر فروخت کرنا ہوگا تو بیچنے والے ہی سے فروخت کرنا پڑے گا اور اس وقت کی جوقیمت ہوگی وہ دی جائے گی تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، البتہ اگر شرط میں یہ بھی داخل ہوکہ اس کو خود اپنے استعمال مینلانے کی اجازت نہیں، بیچنا بہرحال لازم ہوگا تو یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف اور بائع کے لئے نفع بخش ہونے کی وجہ سے معاملہ کے لئے مفسد ہوگی (مفتی عثمان بستوی)۔

۱۰۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی صاحب نے اس سلسلہ میں دواقتباس نقل کیا ہے، جس سے بھی یہی واضح ہورہا ہے:

‘‘اکیڈمی کے بائیسوینسمینار میں یہ موضوع زیر بحث آچکا ہے، اس کا فیصلہ نمبر۴ اس طرح ہے:‘‘اگر کوئی شخص سخت ضرورت مند ہو، اس کو نہ قرض حسن ملے اور نہ ہی رہن پر قرض ملے اور وہ نقد رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی کوئی شئی کسی کےہاتھ فروخت کرتا ہےجبکہ اس کا ارادہ ہو کہ بعد میں اس کو دوبارہ خرید لے گا تو اس کی گنجائش ہے، البتہ واپس خریداری کا ذکر اس معاملہ کے کرنے کے درمیان نہ کیا جائے، بلکہ اس سے الگ باہمی معاہدہ ہوجائے کہ خریدار اسے اسی قیمت پر دوبارہ فروخت کردے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا ’’ (مجلہ ‘‘واپسی کی شرط پر خریدوفروخت ’’ (بیع وفا)،۳۵)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ‘‘اگر بیع کے اندر یا اس سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا جانبین اس عقد کو غیر لازم سمجھ رہے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے، اور اگر بیع کے بعد واپسی کا وعدہ کیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفا لازم ہے (احسن الفتاوی ۵۰۷،۶، دیکھئے : الدر المختار علی الرد ۵۴۶،۷، نوازل فقہیہ معاصرۃ ۲۶۸،۱، ۲۶۹)۔

* * *

**عرض مسئلہ:**

# زمین کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل
# (سوال نمبر۴-۱)

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی•

اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داروں کی جانب سے اس ناچیز کو ''زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل '' (سوال ۱-۴) کا عرض مسئلہ تیار کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے، اس لیے پیش ہے متعلقہ موضوع کے ابتدائی چار سوالوں کا عرض مسئلہ۔

اکیڈمی کی جانب سے دومرحلوں میں کل ۱۷ مقالے موصول ہوئے، بعض مقالے تفصیلی، اور بعض مختصر، بلکہ مختصر ترین بھی ہیں عرض مسئلہ کی تیاری میں تمام ہی حضرات کی قیمتی تحریروں سے استفادہ کی کوشش کی گئی ہے، جن حضرات کے مقالے موصول ہوئے ان کے اسماءگرامی یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی (۲) مفتی محمد عثمان بستوی (۳) ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی (۴) مفتی ابصار احمد ندوی (۵) قاضی عبد الجلیل (پٹنہ) (۶) مفتی محمد الیاس قاسمی (پونہ) (۷) مفتی محمد عفان منصورپوری (امروہہ) (۸) ڈاکٹر محی الدین غازی (کیرالا) (۹) مولانا ابوسفیان مفتاحی (مئو) (۱۰) مفتی عبد الحمید قاسمی (دیناجپور) (۱۱) مفتی عبد المنان (آسام) (۱۲) مولانا ظفر عالم ندوی (ندوۃ العلماء) (۱۳) حافظ کلیم اللہ عمری (عمر آباد) (۱۴) مفتی مقصود علی فرقانی (رامپور) (۱۵) مفتی محمد زبیر ندوی (ممبئی) (۱۶) قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی (اندور) (۱۷) راقم الحروف محبوب فروغ احمد قاسمی (کیرالا)۔

**(۱) سرکاری زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنے والوں سے خریداری:**

سوال: بعض لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران، یا غنڈہ عناصر سرکاری اراضی پر قابض ہوجاتے ہیں، اور انہیں فروخت کرتے ہیں، رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داران سے لے آوٹ منظور کروالیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بڑے شہروں میں بہت ساری زمینیں اسی طور پر فروخت ہوتی ہیں، پھر خریدار دوسرے خریدار سے بیچ دیتا ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ اس پر مکان تعمیر کرتے جاتے ہیں اور کچھ اسے آگے فروخت کرتے جاتے ہیں، ایسی زمینوں کا کیا براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز ہوگا؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بہت سے مقالہ نگار حضرات نے اولاً اس کو منقح

---

• استاذ حدیث وفقہ جامعہ حسنیہ،کیرالا۔

کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیا عقار اور غیرمنقول اشیاء میں غصب کا تعلق ہوسکتا ہے؟ (دیکھئے: مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی محمد عفان منصورپوری، قاری ظفر الاسلام صدیقی وغیرہ کے مقالے)۔

نیز اس پر تمام حضرات متفق ہیں کہ غیر منقولی جائیداد میں بھی غصب کا تحقق ہوتا ہے، جبکہ کچھ لوگوں نے اس سے تعرض نہیں کیا ہے، صرف سوال کے جواب پر توجہ مرکوز رکھی ہیں۔

جہاں تک سوال کے جواب کا تعلق ہے تو مفتی عبد المنان آسام وقاری ظفر الاسلام صدیقی کے علاوہ ۱۴ مقالہ نگاروں نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔

البتہ مولانا محی الدین غازی سرکاری زمین پر قبضہ کے ناجائز ہونے کے قائل ہونے کے باوجود اگر قانوناً قابض کو مالک تصور کیا جاتا ہو تو براہ راست ایسے قابضین سےیا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنے میں شرعی ممانعت نہیں ہوتی ہے، ہاں چونکہ تعاون علی الاثم ہے، اس لئے پرہیز اولی وبہتر ہے۔

مولانا موصوف نے مسئلہ کا مدار قانونی طور پر قبضہ وملکیت پر رکھا ہے، خواہ شرعی نقطہ نظر میں فروخت کی جانے والی جائداد میں قابض کی ملکیت ہو یا نہ ہو، لیکن غازی صاحب نے تمہیدی کلمات میں شرعی ملکیت وقبضہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اس لئے راقم یہی سمجھتا ہے کہ موصوف نے شرعی ملکیت وقبضہ کے بعد قانونی قبضہ کو ضروری قرار دیا ہے، چونکہ مسئلہ سرکاری اراضی سے متعلق ہے، اگر حکومت نے ملکیت تسلیم کرلی ہے تب تو اس کی بیع وشراء میں کوئی شبہ رہتا ہی نہیں ہے۔

جو حضرات قابضین اور ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں ان میں سے پانچ حضرات (مولانا محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی محمد عفان منصورپوری، حافظ کلیم اللہ عمری اور راقم حروف محبوب فروغ احمد قاسمی) اس وقت خریداری کو ناجائز قرار دیتے ہیں، جبکہ خریدار کو اس ظالمانہ قبضہ کا علم بھی ہو۔

جبکہ بقیہ حضرات نے اس طرح کی تصریح نہیں کی ہے، مگر راقم کا خیال ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی عدم جواز اس وقت ہی ہے جب کہ علم میں ہو، کیونکہ ناواقف لوگوں کے لیے فقہاء بہت سی مرتبہ ظاہری قبضہ پر مدار رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، مجلہ (مادہ ۶۸) میں ہے:''یحکم بالظاہر فیما یتعسر الإطلاع علی حقیقتہ''۔

حرمت کے قائلین کے مابین تفصیل وتوجیہ میں قدرے اختلاف بھی ہے، جس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

حافظ کلیم اللہ عمری کے نزدیک ایسے قابضین سے خریدنا اس لئے ناجائز ہے کہ یہ تعاون علی الاثم ہے، مفتی محمد عفان منصورپوری لکھتے ہیں: غیر کی مملوکہ چیز پر قبضہ غصب ہے، اور شئی مغصوب کو فروخت کرنا جائز نہیں، ''لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنہ'' (قواعد الفقہ۱۱۰)، لہذا اگر خرید بھی لیا ہے تب بھی حقیقت حال

واضح ہونے پر اصل مالک کو لوٹانا واجب ہے اور اپنی ادا کردہ قیمت واپس لے لے، ''لو ظہر غیر حلال أی مسروقاً أو مغصوباً یرجع علیہ المشتری'' (ردالمحتار۵،۴۲)۔

مفتی محمد عثمان رشوت کے ذریعہ لے آوٹ منظور کروانے کو غصب کے مرادف قرار دیتے ہوئے تفصیل کرتے ہیں:

(۱) خریدنے والے کو کچھ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے ظاہر حال پر عمل کرتے ہوئے خریدنا شرعاً جائز ہے، ''یحکم بالظاہر فیما یتعسر الإطلاع علی حقیقتہ'' (مادہ: ۶۸)۔

(۲) جس کو پوری حقیقت کاعلم ہے اس کے لئے اس صورت میں ایسی زمین خریدنا جائز ہے جب اس پر بسنے والی کالونی کو سرکاری وشہری سہولیات دے دی گئی ہوں؛ کیونکہ یہ سہولیات اجازت کا قرینہ قویہ ہے، قرینہ اسباب حکم میں سے ایک ہے۔

(۳) جن کو حقیقت کا علم ہو، لیکن سرکاری سہولت ابھی تک مہیا نہ ہوئی ہوں تو خریدنا جائز نہیں؛ کیونکہ غصب ہے، نیز علم ہوتے ہوئے خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے بھی ظالمانہ قبضہ کو غصب قرار دیا ہے اور مسلم شریف کی حدیث: ''من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقہ اللہ إیاہ یوم القیامۃ'' سے استدلال کرتے ہوئے ''تکملۃ فتح الملہم '' سے حدیث کی شرح میں لمبی عبارت نقل کی ہے۔

مولانا عبد الحمید قاسمی نے عدم جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ عمل سراسر غصب ہے، جو نہ تو شرعاً جائز ہے نہ قانوناً، کسی چیز کی بیع وشراء کے لیے اس پر بائع کی ملکیت کا ہونا اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے۔

مفتی ابصار احمد ندوی اور ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی مذکورہ بالا کچھ دلائل کے علاوہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ سرکاری جائداد ملکِ عام کی قبیل سے ہے جس میں سب کو تصرف کا حق رہتا ہے، مولانا ابصار احمد کے الفاظ ہیں: لہذا انتفاع کو اپنے لیے مخصوص کرنا گویا دوسروں کے حق کو فوت کرنا اور ظلم ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں: مال عام پر دست درازی باطل طریقے سے مال کو برتنے میں داخل ہے جو شریعت میں ممنوع ہے، پھر عام نصوص کو پیش کرکے مال عام میں تصرف کے عدم جواز کو ثابت کیا ہے۔

ناچیز اصل مسئلہ سے اتفاق رکھتے ہوئے اس دلیل سے اتفاق نہیں رکھتا، اس لیے کہ سرکاری زمین ملک عام نہیں، بلکہ سرکار کی ملکِ خاص ہے، صرف حکومت کو اختیار ہے کہ قواعد وضوابط کے لحاظ سے کسی کو بھی بخش سکتی ہے، مال عام تو وہ مال ہوتا ہے جس میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے نہ تو عوام اور نہ ہی سرکار کی، چنانچہ علماء نے اراضی کی مختلف قسمیں کی ہیں: اراضی شخصیہ، اراضی سلطانیہ، اراضی موات، اراضی موقوفہ، اراضی مباحہ، نیز ہر ایک کے احکام جداگانہ بیان کئے گئے ہیں (دیکھئے: انعام الباری مفتی تقی عثمانی ۵۷۸،۶)۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے ظالمانہ قبضہ کو غصب قرار دیتے ہوئے اس کے احکام پر

بھی روشنی ڈالی ہے؛ غصب کابنیادی اور اصلی حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو لوٹا دیا جائے، بدائع میں ہے: ''الحکم الأصلی للغصب ہو وجوب عین المغصوب؛ لأن بالرد یعود عین حقہ إلیہ، وبہ یندفع الضرر عنہ من کل وجہ'' (بدائع ۱۵۱٫۷)، لہذا سرکاری زمین حکومت کو لوٹائی جائے گی۔

مولانا شاہجہاں ندوی مختلف مکاتب فکر سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شافعیہ وحنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ غاصب کی بیع باطل ہے، اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک بیع موقوف رہتی ہے۔

شامی میں ہے: ''وقف بیع الغاصب علی إجازۃ المالک، یعنی إذا باعہ لمالکہ لا لنفسہ''۔

اور نہ کہ خود کے لیے فروخت کرنے سے مراد یہ ہے کہ ''خود فروخت ''نہ کرے، جیسا کہ علامہ شامی رقمطراز ہیں: ''قول البدائع: لو باعہ لنفسہ لم ینعقد أصلاً معناہ: لو باعہ من نفسہ فاللام بمعنی من'' (رد المحتار ۱۰۸٫۵)۔

غالباً اس عبارت سے موصوف کہنا چاہتے ہیں کہ غاصب کے لیے بیع کا اقدام کرنا ہی صحیح نہیں ہے، مگر اس ناچیز کو دو وجہ سے تردد ہے: ایک تو فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق غاصب کی بیع اجازت پر موقوف ہوتی ہے، اجازت کے بعد نافذ مانی جاتی ہے، اس سے اس کے اقدام کا من وجہ ہی سہی، مگر معتبر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عبارت ''لو باعہ من نفسہ'' کا مفہوم اگر وہ ہوتا جو فاضل مقالہ نگار نے بیان کیا ہے تو عبارت یوں ہوتی ''لوباعہ نفسہ'' یا ''لو باعہ بنفسہ''،''لو باعہ من نفسہ'' کا مفہوم تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غاصب ہی بائع ہو اور وہی مشتری، جبکہ بیع وشراء میں فرد واحد ایجاب وقبول دونوں کا متحمل نہیں ہوسکتا، شامی سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، عبارت ہے:''باعہ من نفسہ؛ لأنہ یکون مشتریاً لنفسہ، وقد صرحوا بأن الواحد لا یتولی الطرفین فی البیع'' (شامی۱۵۲٫۴ باب البیع الفاسد)، واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا محمد زبیر ندوی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر زمین پر تعمیر وغیرہ کرلی گئی ہو تو یہ تغیر فاحش کے حکم میں ہے اور اس وقت خرید وفروخت اس وجہ سے جائز ہے کہ اب غاصب پر تاوان ہی لازم ہوگا۔

بہرحال دلائل وبراہین کے لحاظ سے یہ نظریہ راجح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ ایسے قابضین سے خریدنے میں ان کی حوصلہ افزائی، تعاون علی الاثم، شرکت فی الغصب، نظامِ حکومت میں رخنہ اندازی جیسے محظورات کے علاوہ غیر مالک سے اراضی کی خریداری لازم آتی ہے، جو بہت سے فقہاء کے نزدیک سرے سے صحیح ہی نہیں، اور بعض فقہاء کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

لیکن قاری ظفر الاسلام صدیقی ومفتی عبد المنان آسام کے نزدیک اس خریداری میں حرج نہیں ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب کے نزدیک زمین میں غصب کا تحقق تو ہوتا ہے، مگر

غاصب کو یا تو ملک مطلق حاصل ہوجاتی ہے، جیسا کہ فقیہ ابواللیث سمرقندی کا مسلک ہے، فتح القدیر میں ہے: ''ووجہہ ثبوت الملک المطلق للتصرف''، نیز ڈاکٹر صاحب نے ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس کی تخریج ابوداؤد نے باب القضاء (۵۰۹،۲) میں کی ہے، اس میں ایک غزوہ کا قصہ ہے، ایک صحابی نے ایک شخص کی چادر لے لی تھی اور وہ ضائع ہوگئی تھی، تو اللہ کے رسولﷺ نے لینے والے کی تلوار دلوائی تھی، مزید کچھ صاع بھی دینے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غاصب کو ملک مطلق حاصل تھی۔

یا پھر غاصب کو ملک حاصل نہیں ہے تو اس کا تصرف موقوف ہے حکومت کی اجازت پر، ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ہیں: براہ راست قابضین اور ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا درست ہوگا، سرکار تو کسی نہ کسی طرح ان سے ضمان لے ہی لے گی۔

راقم کا خیال ہے کہ شئی مغصوب میں غاصب کی ملکیت ادائے ضمان سے پہلے ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مسلک نہیں ہے، جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو عرض ہے کہ اس کا تعلق ایک غزوہ سے ہے جس میں غصب نہیں بطور غنیمت مال لیا جاتا ہے، پھر مذکورہ بالا حدیث میں شئی مغصوب ضائع ہوچکی ہے ، الفاظ حدیث میں: ''إنہا خرجت من یدی'' اس لیے تاوان دلوایا گیا ہے، واپسی کی شکل تھی ہی نہیں، نیز حدیث مذکور کا معاملہ محض ان نئے مسلمانوں کی دلداری کے لیے تھا، یہی وجہ ہے کہ آدھی غنیمت واپس کی گئی، آدھی مجاہدین کو ہی دی گئی۔

جہاں تک معاملہ حکومت کے ضمان لینے کا ہے تو اگر ضمان مثل لے لے تب ہی اس کا جواز ہوسکتا ہے، محض رشوت کی بنا پر کسی غیر مستحق کو الارٹ کردینے سے قابضین کی ملکیت ثابت نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ سرکاری حکام کے لئے وضع کردہ قوانین کی حیثیت، مسلمان قاضی کےلئے شرعی قوانین کی مانند ہیں، جس طرح کوئی قاضی کتاب وسنت کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو رد سمجھا جاتا ہے، اسی طرح سرکاری حکام اگر قانون کی خلاف ورزی کرتےہیں تو رد سمجھا جائے گا۔

اگر ضمان مثل حکومت نے وصول کیا ہے تب تو ملکیت کے ثبوت میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا ہے، بعض مقالہ نگار نے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ جب تعمیر وغیرہ ہوگئی تو تغیر فاحش ہوگیا، اور تغیر فاحش کے بعد رد کی صورت باقی نہیں رہی، اس لئے تملک ہوجائے گا، اور خریدنا صحیح ہوجائے گا (دیکھئے: مقالہ: مولانا محمد زبیر ندوی)۔

لیکن فقہاء کی عبارت اسی طرف مشیر ہے کہ اس وقت بھی تملک اس وقت ہوگا جب کہ قیمت ادا کردے گا۔

**(۲) مختلف مغصوبہ اوقاف کو خریدنے کا حکم:**

سوال (۲): ایک افسوس ناک حقیقت یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ خود مسلمان اوقاف کی زمین غصب کرلیتے ہیں ، کبھی تو یہ زمین اتنی دور افتادہ ہوتی ہے کہ مقصد وقف کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ پاتا ہے، بعض اوقات غیر مسلم حضرات کے قابض ہوجانے کا

اندیشہ ہوتا ہے، یا وہ اس کے کچھ حصہ پر قابض ہوچکے ہوتے ہیں، اور بعض دفعہ ایسی زمین ہوتی ہے کہ جس کی واقعی مسجد ومدرسہ وغیرہ کو ضرورت ہوتی ہے، لیکن صرف اللہ سے بے خوفی اور مال کی حرص ولالچ کی وجہ سے ان پر ناجائز قبضہ ہوجاتا ہے، اوقاف کی ان مختلف قسم کی مغصوبہ زمینوں کو خریدنے کا کیا حکم ہے؟

اس سوال میں تین قسموں کا حکم معلوم کیا گیا ہے: مسلمانوں کا غصب کیا ہوا وقف، کافروں کی جانب سےاندیشہ غصب کی صورت میں اوقاف کی خریدوفروخت کاحکم، اوقاف کے غیر مفید ہونےکی صورت میں خریدوفروخت کا حکم۔

اس بات پر تمام مقالہ نگارمتفق ہیں کہ اراضی موقوفہ پر قبضہ سنگین جرم ہے، حتی الامکان اس قبضہ کو ختم کرنے کی سعی کی جائے گی؛ کیونکہ مکمل ہونے کے بعد انسانوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، اب اس میں کسی بھی قسم کا مالکانہ تصرف جائز نہیں۔

''فإذا تم ولزم لایملک ولا یملک ولا یعار ولا یرہن ولا یقسم'' (درمختار۳،۴۰۲ کتاب الوقف)، البتہ اگر مقصد وقف فوت ہورہا ہو، غیروں کے قبضہ کا شدید خطرہ ہے، یا مسلمان نے اپنی قوت وطاقت کےبل بوتے قبضہ کرلیا ہو تو اس بابت تین نقطہائے نظر ہیں:

(۱) پہلا نقطہ نظر تو یہ ہے کہ وقف کا نفع باقی ہے، مگر کسی مسلمان نے قبضہ کر رکھا ہے، اور کسی بھی طرح قبضہ ہٹانے پر راضی نہیں ہے تو ان سے قیمت وصول کی جائے گی، نیز وہ قیمت دوسری متبادل زمین خریدنے میں لگائی جائے گی، یہ رائے ہے مفتی محمدعثمان بستوی کی۔

مولانا لکھتے ہیں: وقف سے مقصد وقف حاصل ہورہا ہو، لیکن کسی مسلمان نے اس پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہو تو اس مسلمان سے ایسے وقف کی زمین خریدنا جائز نہیں .... خریدنا اس لئے جائز نہیں کہ وہ مال نہیں اور عوض لینے کی اجازت مجبوری کے درجہ میں ہے، حاصل یہ کہ عوض وصول کرنا مجبوری ہے، لیکن خریدنا مجبوری نہیں، نیز فرماتے ہیں: آباد ہونے کی صورت میں مدبر کی طرح ہے، اور مدبر کی بیع باطل ہے، لہذا آباد وقف کو غاصب سے خریدنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

ناچیز یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ جب وقف بامقصد ہے تو اب بیچنے کا مسئلہ کیونکر پیش آئے گا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ غاصب ظالمانہ طور پر متولی ہوگیا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقصد وقف مکمل نہیں ہورہا ہے تو تکمیل مقصد کے لیے بیچنا وخریدنا کیسا رہے گا، فقہاء کی بعض عبارتوں سےتو ایسا لگتا ہے کہ متولی ونگراں کو اگر اندیشہ ہو تو بھی بیچ سکتا ہے بحر کی عبارت ہے:

''قیم خاف من السلطان أو من وارث یغلب علی أرض وقف، یبیعہا ویتصدق بثمنہا، وکذا کل قیم إذا خاف شیئاً من ذلک، لہ أن یبیع ویتصدق بثمنہا'' (البحر الرائق۵،۲۴۵ زکریا)۔

نیز غاصب سے قیمت کا وصول کرنا بھی اس سے بیچنے کے ہی مرادف ہے، خواہ

مجبوری ہی کی شکل میں ہو۔

(۲) دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر صورت میں غصب ہے اور خریدوفروخت جائز نہیں ہے، اس نظریہ کےحاملین سات مقالہ نگار ہیں (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی ابصار احمد ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محی الدین غازی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ذکاء اللہ شبلی)۔

اکثر حضرات نے رائے لکھنے پر اکتفاء کیا ہے، ہاں بعض مقالہ نگاروں نے تفصیلی کلام کیا ہے، مولانا محی الدین غازی نے عدم جواز کو اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے: اگر کسی وقف کو غیر محفوظ اور غیر موزوں مقام سے محفوظ اور مناسب مقام پر منتقل کرنے کے نیک ارادے سے اور مسلمانوں کے اجتماعی مشورہ سے اور قابل اعتماد لوگوں کی نگرانی میں ایسی زمینوں کو فروخت کیا جاتا ہے تو انہیں خریدنے کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اراضی موقوفہ کی بیع نہیں ہوسکتی ہے۔

(الف) ‘‘لا یحل لامرئ من مال أخیہ إلا ما طابت بہ نفسہ’’ وغیرہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقاف پر قبضہ بھی ناحق کسی کے مال پر تسلط جماناہے۔

(ب) غصب ہے، اور مغصوب کو لوٹانا واجب ہوتا ہے۔

(ج) وقف کا اصلی حکم خریدوفروخت کی ممانعت ہے، جیسا کہ حدیث عمر: ‘‘تصدق بأصلہ لایباع ولا یوہب’’ سے معلوم ہوتا ہے۔

(د) استبدال بھی مخصوص حالتوں کے علاوہ میں جائز نہیں، نیز اس کے لیے شرط ہے کہ دوسرے مقام پر اسی نوع کے متبادل اوقاف قائم کئے جائیں تو جب اوقاف کا تبادلہ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنی ذات کے لیے خرید کرنا اور غاصبین کی حوصلہ افزائی کیونکر جائز ہوگی۔

ان میں سے بعض دلیلوں کا ذکر مفتی ابصار احمد ندوی نےبھی کیا ہے۔

(۳) تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر اوقاف غاصبانہ قبضے کی وجہ سے کارآمد باقی نہیں رہے ہوں، یا غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے کا قوی اندیشہ ہو تو دین دار حضرات، یا قاضی، یا محکمۂ اوقاف کی اجازت ومشورہ سے بیچنا جائز ہے، اس نقطہ نظر کے حاملین آٹھ یا نو مقالہ نگار ہیں (مفتی محمد الیاس قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی عبد الحمید قاسمی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی مقصود علی فرقانی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد زبیر ندوی، اور راقم محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

مولانا محمد زبیر ندوی کی رائے خلاصۂ جواب میں یہی ہے، جبکہ اصل مقالہ میں بالکل عدم جواز کے قائل معلوم ہوتے ہیں، خلاصہ میں لکھتے ہیں: اگر قابضین اپنی قوت کے بل پر موقوفہ زمین چھوڑنے کو تیار نہ ہوں تو ان سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا،

اگر دے دیں تو پھر یہ زمین ان کی ملکیت ہوجائے گی اور اس کی بیع وشراء بھی درست ہوگی ورنہ نہیں۔

جبکہ اصل مقالہ میں رقمطراز ہیں: لہذا نہ اس کا بیچنا درست ہوگا اور نہ ہی کسی کے لیے اس کا خریدنا جائز ہوگا، بلکہ قبضہ کرنے والوں کو اس زمین سے دستبردار ہونا لازم ہوگا۔

اسی طرح ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب اپنا عندیہ اس طرح ظاہر کرتے ہیں: احقر کے نزدیک موقوف کی بیع باطل ہے، بلکہ قبضہ کرنے والوں کو اس زمین کے بارے میں دست وبرد اور ضائع ہونے کا یقین کا مل ہو تو اسے بیچ کر واقف کی منشا کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسری جائداد خریدی جاسکتی ہے۔

اس نظریہ کے حاملین کے پیش نظر مختلف دلائل ہیں:

(الف) البحر الرائق (۲۴۵،۵ زکریا) میں ہے:''الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع بہ المساکین فللقاضی أن یبیعہ ویشتری بثمنہ غیرہ، ولیس ذلک إلا للقاضی'' (مقالہ: مفتی محمد الیاس، محبوب فروغ احمد، مفتی محمد عثمان)۔

(ب) ''ولو صارت الأرض بحال لا ینفع بہا والمعتمد أنہ بلا شرط یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ'' (مفتی محمد الیاس، مفتی عثمان، محبوب احمد احمد)۔

(ج) فتح القدیر (۱۲،۶ زکریا) میں ہے: ''لکن لا یبیعہا إلا بإذن الحاکم، وینبغی للحاکم إذا رفع إلیہ ولا منفعۃ فی الوقف أن یأذن فی بیعہا إذا رآہ أنظر لأہل الوقف''۔

مفتی محمد عثمان نے غیر مفید کی مختلف شکلوں کی نشاندہی کرنے کے بعد لکھا ہے: اگر وقف معطل ہوجائے، یعنی اس وقف سے کوئی نفع نہ ہو، خواہ دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، یا اس پر غیروں کے قبضہ کا اس وقف سے کوئی نفع نہ ہو، خواہ دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، یا اس پر غیروں کے قبضہ کا شدید خطرہ ہو تو ایسے وقف کو خریدنا جائز ہے، کیونکہ وقف کے معطل ہوجانے کی صورت میں وقفیت ختم ہوجاتی ہے۔

اس نقطہ نظر کے قائلین نے خریدوفروخت کے لیے قاضی، محکمہ اوقاف، یا متدین اصحاب بصیرت حضرات کے مشورے کو لازم قرار دیا ہے، یہی رائے ناچیز کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جن اوقاف پر ناجائز قبضہ لوگوں نے رکھا ہے، یا قوی اندیشہ ہے کہ غیر مسلم ان پر قابض ہوجائینگے تو اس وقت اوقاف کارآمد باقی نہیں رہتے ہیں، فقہاء نے ایسے اوقاف کو بیچنے کی اجازت دی ہے، اگر خریدنے کی اجازت نہ ہو تو فروختگی کا معاملہ کیسے تمام ہوگا، حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے شامی وبحر کی مختلف عبارتوں کو نقل کرکے لکھا ہے: ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وقف تام اور مکمل ہوجانے کے بعد اس کا بیچنا، خریدنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں ہوتا، ہاں اگر ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے، یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہوجائے تو اس کو

فروخت کرکے اس کے بدلے میں اسی موقوفہ کے متوازی ومماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائے۔

آگے تحریر کرتے ہیں: لہذا اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس موقوفہ کے ضیاع کا قوی خطرہ ہوچکا تھا، ایسی حالت میں اس زمین کا وقف کی حفاظت کی خاطر فروخت کردینا درست تھا، اور جب خریدار اول کے لیے اس کا خریدنا ان مذکورہ بالا عبارتوں کے ذریعہ درست تھا، تو خریدار اول تو بطور خود مالک ہوجانے کے بعد خریدار ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا بھی درست وجائز ہوگا (منتخبات نظام الفتاوی ۲۷۶،۲)۔

**(۳) قدیم موروثی زمین کی خریداری:**

سوال (۳) بعض زمین موروثی طور پر ملتی ہے لیکن جن لوگوں کو زمین حاصل ہوتی ہے ان کے والد یا دادا کے وقت میں وراثت کی شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوئی تھی، جیسے والد نے پھوپھیوں کو حصہ نہیں دیا تھا یا دادا نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا تھا، اب بیٹوں یا پوتوں سے ان کی ایسی موروثی زمین کا خرید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس بابت مقالہ نگاروں کی مختلف آراء پائی جاتی ہیں، بیشتر حضرات کی رائے میں ایسی اراضی کی خریداری ان ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی جن کا حصہ ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی مقصود فرقانی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، اور مفتی محمد الیاس صاحبان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص سے خریداری ہورہی ہے صرف اسی کے حصہ کی خریداری صحیح ہے، باقی لوگوں کے حصوں کی خریداری جائز نہیں ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی لکھتے ہیں: ایسی موروثی زمین کا خریدنا جائز نہیں ہے، اس کے جواز کے لیے ان کا نقشہ بنا کر ارباب افتاء سے اپنے حصہ کی تعیین کے لیے رجوع کریں۔

مفتی مقصود کہتےہیں: وہ کل زمین کا مالک نہیں ہے، اور غیر مالک بجز مالک کی اجازت نہ فروخت کرنا جائز ہے اور نہ خریدنا۔

مفتی محمد الیاس کے نزدیک تین صورتوں میں ہی خریدنا جائز ہے: (۱) دوسرے ورثہ قیمت لے کر دستبردار ہوجائیں، (۲)تقسیم وقبضہ کے بعد ہبہ کردیا ہو، (۳) قابض نے کوئی ایسا تصرف کیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت دین ہوگئی، پھر ورثہ نے معاف کردیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکہ کی ساری چیزوں میں ورثہ کی شرکت، شرکتِ ملک ہوتی ہے، جس میں دوسرے ورثہ کی اجازت صحیحہ کے بغیر تصرف نہیں ہوسکتا، ''لا یجوز التصرف فیہ بغیر إذن صاحبہ'' اجازت صحیحہ کی یہی تین شکلیں ہیں، اس لیے ان ہی صورتوں میں جواز دائر رہے گا۔

اس بابت مفتی عبد المنان خرید وفروخت کے جواز کی رائے رکھتے ہیں، جبکہ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی مکروہ تنزیہی اور مفتی ابصار احمد ندوی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر زیادہ تر حصہ شرعی طور پر منقسم ہے تو اس کا خریدنا جائز ہے، اگر غیر شرعی طور پر منقسم ہے تو خریدنا مکروہ اور اشتباہ ہے تو خلاف اولی۔

مفتی عبد المنان نے حرام طریقے سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کے حکم والی عبارتوں کو پیش کرکے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔

مفتی شاہجہاں لکھتے ہیں: شرعی ورثہ اس کے مشترکہ طور پر مالک بن جاتے ہیں اور جب تک باہمی رضامندی یا عدالت کے ذریعہ تقسیم نہ ہوجائے انفرادی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ تمام شرکاء یا ان کے وکیل موجود ہوں، اگر زمینیں ابھی تقسیم نہیں ہوئیں تو زیادہ سے زیادہ مشتبہ مال ہوا جس کا خریدنا مکروہ ہوگا، فاضل مقالہ نگار کی تحریروں سے یہ معلوم ہورہا ہے، موصوف نے نعمان بن بشیر کی مشہور حدیث: ''ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام'' اور قرآن کی آیت:''سماعون للکذب أکالون للسحت'' نیز اس معنی کی اور بھی نصوص پیش کرکے تائید حاصل کی ہے۔

ان ۷ مقالہ نگاروں کے علاوہ ۱۰ مقالہ نگاروں کی رائے میں اگر خریدار کو معلوم ہےکہ اس زمین میں وراثت جاری نہیں ہوئی ہے تو اس کو خریدنا روا نہیں ہے، کیونکہ مال غصب ہے جس کا قابض مالک نہیں، اگر خرید بھی لی ہے تو بیع موقوف رہے گی، اور شریک ورثہ کی جانب سے اجازت ملنے پر خریداری صحیح ہوجائے گی، کیونکہ موروثی زمین میں شرکاء کی شرکت، شرکت ملک کہلاتی ہے، شرکت ملک کی بابت فقہاء نے تصریح کی ہے:''کل من شرکاء الملک اجنبی فی مال صاحبہ فصح لہ بیع حصتہ، ولو من غیر شریکہ بلا إذن، إلا فی صورۃ الخلط'' (الدر المختار ۳۶۵٫۳ کتاب الشرکہ)۔

''ہدایہ'' میں ہے:''یجوز بیع أحدہما نصیبہ من شریکہ فی جمیع الصور، ومن غیر شریکہ بغیر إذنہ، إلا فی صورۃ الخلط'' (ہدایہ ۶۲۴٫۲ کتاب الشرکۃ)۔

بیع موقوف اس لیے ہے کہ شرط نفاذ نہیں ہے، اس لیے کہ صحت بیع کے لیے معقود علیہ کا مملوک ہونا ضروری ہے جو صورت مذکورہ میں مفقود ہے۔

**(۴) حرام مال سے حاصل ہونے والی جائداد کی خریداری:**

سوال (۴) ایک شخص کی آمدنی حرام تھی، اور اس حرام آمدنی کے ذریعہ اس نے ڈھیر ساری زمینیں حاصل کی اور اب وہ اس زمین کو فروخت کرتا ہے، تو جو لوگ ان حالات سے واقف ہیں کہ ان کےلیے اس زمین کو خریدنا درست ہوگا؟

حرام مال سے جو زمین خریدی گئی ہے ایسی زمین کی خریداری کی بابت مقالہ نگاروں کے تین نقاط نظر ہیں:

(۱) پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسی زمین کی خریداری جائز ہے، اس کے قائل ہیں: مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی عبد المنان، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محی الدین غازی اور مولانا ذکاء اللہ شبلی۔

مفتی محمد عفان لکھتے ہیں: لیکن اس کے باوجود اس کو فروخت کرنا او رحالات سے واقف لوگوں کے لیے اس کو خریدنا جائز ہے، البتہ جو مال حرام اس نے زمین کی خریداری میں لگایا ہے اس کو صاحب حق تک پہنچانا ضروری ہے، لیکن اگر صاحب حق

تک پہنچانا متعذر ہوجائے تو پھر اس مال کو صدقہ کرنا لازم وضروری ہے۔

ان حضرات نے دلیل سے تعرض نہیں کیا ہے۔

(۲) دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسی جائداد کو خریدنا حرام ہے، اس رائے کے حاملین ہیں: مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی مقصود فرقانی، مفتی ابصار احمد ندوی اور محبوب فروغ احمد قاسمی راقم الحروف۔

قاضی عبد الجلیل صاحب نے ایک صورت کو مستثنی کیا ہے: اگر قابض اصل مالک تک اس کی رقم پہنچانا چاہتا ہے یا حقدار معلوم نہ ہونے کی صورت میں تصدق کرنا چاہتا ہے تو حق اسی کے لیے جائز ہے۔

اس نقطۂ نظر کےدلائل یہ ہیں:

(۱) الحرمۃ تتعد فی الأموال مع العلم بہا (الاشباہ)، (۲) یہ معصیت پر تعاون ہے (۳) اگر مسلمان نہیں خریدینگے تو تازیانۂ عبرت ثابت ہوگا، (۴) ابن قدامہ لکھتے ہیں:''إن علم أنہ حرام فہو حرام'' (مغنی۴٫۲۲۳)، (۵) عالمگیری میں ہے (۲۶۴٫۵): ''کل عین قائمۃ یغلب علی ظنہ أنہم أخذوہا من الغیر بالظلم وباعوہا فی السوق، فإنہ لا ینبغی أن یشتری ذلک، وإن تداولتہ الأیدی''، (۶) شامی میں ہے:''الحرام ینتقل أی:تنتقل حرمتہ وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک''، (۷) ابن رشد (فتاوی ابن رشد٦۴۷) کے بیان کے مطابق شافعیہ وحنابلہ کے راجح قول کے مطابق حرام مال سے خریدنے کی صورت میں بیع کا انعقاد ہی نہیں ہوتا ہے، احناف کے یہاں تفصیل ہے، علامہ کاسانی وغیرہ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔

(۳) تیسرا نقطہ نظر مولانا محمد عثمان، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا عبد الحمید قاسمی صاحبان کا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مال حرام سے جو زمین خریدی گئی ہے اس مینخبث صرف سبب میں ہے، لہذا وہ تفصیل زیادہ انسب ہے جو امام کرخی نے بیان کی ہے، جو تاتارخانیہ (۳۴۶٫۸) اور ہندیہ (۲۵٫۳ باب الاحتکار، باب الغصب ۲۴۱٫۵) وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے، امام کرخی نے مسئلہ کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) بائع کو پہلے مال حرام بطور قرض دے دے، زمین وغیرہ اسی کے عوض خرید لی، (۲) حرام مال کی طرف اشارہ کرکے زمین خریدی اور بعینہ وہی مال ادا کیا گیا، (۳) حرام مال کی طرف اشارہ کرکے زمین خریدی گئی لیکن دوسرا مال دیا گیا، (۴) حرام مال کی طرف اشارہ تو نہیں کیا، بلکہ بیع مطلق ہوئی، مگر حرام مال ہی دیا گیا، (۵) حلال مال کی طرف اشارہ کیا گیا، لیکن حرام مال دیا گیا۔

ان صورتوں میں سےپہلی ودوسری صورت (جس میں بائع نے حرام رقم پہلے دی، یا حرام رقم کی طرف اشارہ کرکے بعینہ دے دیا) میں زمین میں ملکیت نہیں آئے گی، تو دوسرے سے بیع کرنا بھی جائز نہ ہوگا، البتہ بقیہ تینوں صورتوں میں حرام مال سے

خریدنے والا مالک ہوجائے گا اور خریدوفروخت جائز ہوگی۔

مولانا محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں: جس نے حرام آمدنی سے کوئی زمین بنائی ہو تو اس زمین کا خریدنا خلاف احتیاط تو ہے، لیکن شرعاً جائز ہے، اور تفصیل کرتے ہوئے علامہ کرخی کی تفصیل ذکر کی ہے۔

قاری ظفر الاسلام صاحب نے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتوی نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: کرخی کے قول کے مطابق ان کے لیے زمین خریدنا درست ہے۔

علامہ کاسانی نے بعض مشائخ کا فتوی بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے، فتاوی دار العلوم میں بھی مفتی عزیز الرحمن ؒ کا فتوی اسی کے مطابق ہے، اس ناچیز نے بھی اپنے مقالہ میں علامہ کرخی کی تفصیل ذکر کی ہے، نیز لکھا ہے کہ علامہ کاسانی نے اس بابت اختلاف نقل کیا ہے، ابوبکر اسکاف نے تمام صورتوں کو حرمت کے دائرے میں رکھا ہے، کاسانی کا رجحان اسی طرف ہے، اس ناچیز نے اس پر یہ نوٹ چڑھایا ہے۔

علامہ کاسانی کی تصحیح بہت حد تک کتاب وسنت کے مزاج سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے، علامہ کرخی کے قول میں احتمال ہے کہ ان کے پیش نظر وہ نفع ہو جو ادائے ضمان سے پہلے حاصل ہوا ہو، مگر ضمان ادا کردینے کے بعد اس کا کیا حکم ہوگا، مثلاً ایک شخص نے ایک شئی حرام مال سے خریدی ہے، اس کی قیمت دس ہزار روپے تھی، پھر اس کو پندرہ ہزار میں بیچ دیا، بعدہ وہ حرام مال کے بقدر یا تو مالک کو لوٹا دیا، یا پھر صدقہ کردیا، پانچ ہزار کا جو نفع ہے یہ اس کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ طرفین کے نزدیک یہ نفع حلال نہیں، امام کرخی کے نزدیک ادائے ضمان کی وجہ سے حلال ہوگئے، اگر ضمان ادا نہیں کیا گیا، یا اصل حرام مال کو صدقہ نہیں کیا گیا تو وہ حلال وطیب ہوگا یا نہیں اس سے اس نظریہ میں بحث ہی نہیں کی گئی ہے، نیز کتاب وسنت کا لب لباب بتاتا ہے کہ ابوبکر اسکاف وکاسانی کا قول راجح ہے، اس لیے کہ قرآن میں آیت ربا: ''لا تأكلوا الربا أضعافاً مضاعفة'' (سورہ آل عمران: ۱۳۰) میں ربا القرض ہے، اس کے کھانے کا تصور بالخصوص اضعافاً مضاعفۃ کی شکل میں اسی وقت ہوگا جب کہ اس سے غذائی وخوردنی اشیاء خرید کر کھائی جائے یا لباس وپوشاک کی ضرورت پوری کی جائے، اسی کو وعید شدید کا مصداق بنایا گیا۔

اس لیے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ حرام مال سے خریدی ہوئی زمین کا خریدار مالک ہی نہیں ہوتا ہے، جو خریدار کے لیے کلیدی شرط ہے، البتہ بعض بزرگوں کا فتوی علامہ کرخی کے مطابق ہے تو ضرورت کے وقت، یا ناواقفیت میں خرید لینے کے وقت جواز کا قول اختیار کیا جائے تو مناسب ہے۔

* * *

**عرض مسئلہ:**

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل
## (سوال نمبر ۹-۵)

مولانا محمد عثمان بستوی•

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ومن تبعہم باحسان إلی یوم الدین، أما بعد!

زمین کی خرید و فروخت سے متعلق سوال ۵ تا ۹کے جوابات پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس ناچیز کے سپرد کی گئی، اس موضوع سے متعلق اکیڈمی کے توسط سے احقر کو کل سولہ ۱۶، مفتیان کرام و علماء عظام کے مقالات موصول ہوئے جن کے اسماءگرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹرظفر الاسلام صدیقی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد زبیر ندوی، مفتی ابصار احمد قاسمی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی محمد الیاس قاسمی، قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد عفان منصور پوری،مفتی عبد المنان آسامی،مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپوری صاحبان اوراحقر محمد عثمان بستوی۔

موصولہ مقالات مینسے بعض میں متعلقہ سوالات کے جوابات بڑی تفصیل سے لکھے گئے ہیں، اوربعض میں خیر الکلام ماقل و دل کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اوربعض میں انتہائی ابہام و اجمال سے کام لیا گیا ہے، بہرحال اگرسوال نمبر ۵ـہ سے متعلق جواب کا تجزیہ کیا جائے تو کل چار امورزیر بحث لائے گئے ہیں:(۱)منظور شدہ نقشہ میں عمومی منافع سے متعلق جگہوں کی نفس خریدوفروخت کا حکم، (۲) خرید و فروخت کے ذریعہ ثبوت ملکیت، (۳) پلاٹر کی طرف سے مسجد کے لیے متعین کی گئی جگہ کا وقف ہونا، (۴) اس کو فروخت کرنا۔

**عمومی منافع سے متعلق جگہوں کی نفس خرید وفروخت کا حکم:**

منظور شدہ نقشہ میں عمومی منافع سے متعلق جگہوں کی خرید و فروخت کی ممانعت پر (خریدار کے لیے ثبوت ملکیت سے قطع نظر) تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے، البتہ تعبیرات میں فرق ہے، اکثر حضرات نے معاہدہ کی خلاف ورزی، بد عہدی، دھوکا، اضرار وغیرہ کی وجہ سے خرید و فروخت کو ناجائز کہا ہے، لیکن ڈاکٹر ظفر

• مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی۔

الاسلام صاحب نے مکروہ لکھا ہے جس کی تفصیل اس طرح کی ہے: اگر پہلے سے ایفاء عہد کی نیت تھی، لیکن کسی مجبوری سے بدل جائے تو مکروہ تنزیہی ہے اوراگر وعدہ کرتے ہی ایفاء کی نیت نہ تھی تو مکروہ تحریمی ہے، اور مولانا فرو غ احمد صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ جگہیں کالونی بنانے والے کی ملک ہیں، تو خرید و فروخت جائز ہے، لیکن حکومت کے جائز قوانین کی خلاف ورزی کا وبال اس کو پہنچ سکتا ہے۔

عدم جواز کے قائلین کے اسماء اور ان کے دلائل:

(۱) ''تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان'' (سورہ مائدہ)،(۲) ''یأیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم'' ( نساء)، (۳) ''اسمعوا وأطیعوا و إن استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ'' (بخاری شریف:رقم الحدیث: ۴۲۷۱)، (۴) ''طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ'' (شامی۲،۱۷۲) (ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی)۔

''الحرج مدفوع، لاضرر ولا ضرار فی الإسلام'' (الاشباہ)(زبیر احمد ندوی)۔

''من آذی جارہ فقد آذانی ومن آذانی فقد آذاہ اللہ''(کنز العمال:رقم الحدیث: ۲۴۹۲۷) (مفتی ابصار احمد ممبئی)۔

''اجعلوا الطریق سبعۃ أذرع''(مسند احمد:رقم الحدیث: ۹۵۳۷) ( مفتی ابصار، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی)۔

''أوفوا بالعہد إن العہد کان مسئولا''(اسراء)، ''من غشنا فلیس منا'' (ترمذی۱،۲۴۵) (مفتی الیاس ، مفتی عفان منصور پوری، مفتی عبد الحمید قاسمی، ڈاکٹر محی الدین غازی ، مفتی مقصود علی فرقانی، احقر محمد عثمان عفی عنہ)۔

نوٹ:۔حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی عبد المنان اور مفتی ابوسفیان مفتاحی صاحبان نے عدمِ جواز کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

**۲... عمومی منافع سے متعلق جگہوں کی خریداری اور ملکیت کا ثبوت:**

عمومی منافع سے متعلق جگہوں کو خریدنے کے بعد ملکیت کے ثابت ہونے نہ ہونے کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کا اختلاف ہے، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، قاضی ذکاء اللہ شبلی ، مفتی محمد عفان منصور پوری، مفتی عبد الحمید، مفتی فروغ احمد ، قاضی عبد الجلیل قاسمی صاحبان نے ان جگہوں کی خریداری کی صورت میں خریدار کی ملکیت کو ثابت مانا ہے، لیکن مفتی عبد المنان، مفتی محمد الیاس قاسمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی ،ڈاکٹر محی الدین غازی، مولانا زبیر احمد ندوی، مفتی ابصار ندوی، مفتی ابوسفیان مفتاحی، مفتی مقصود علی فرقانی صاحبان نے خرید وفروخت کو ناجائز تو کہا ہے، لیکن ملکیت کے ثبوت و عدم ثبوت سے بحث نہیں کی ہے۔

**۳...خریداروں کی ترغیب کے لیے مسجد کے نام سے متعینہ جگہ کاحکم:**

پلاٹر کی طرف سے ترغیب کے لیے نقشہ میں مسجد کے نام سے متعین کی جانے والی جگہ کے وقف ہونے نہ ہونے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء میں اختلاف ہے، مفتی

فروغ احمد قاسمی ، مفتی عبد المنان صاحبان نے اس جگہ کو وقف مانا ہے، چنانچہ مفتی فروغ احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اگرزمین پرنشان ڈال دیا گیا ، یا لوگوں کی ترغیب کے لیے زبانی ہی اس کا ذکر کیاگیا تو وہ جگہ وقف ہوگئی '' ولا یشترط أیضا وجود الموقوف علیہ حین الوقف حتی لو وقف علی مسجد ہیأ مکانہ قبل أن یبنیہ فالصحیح الجواز''( شامی:۳،۳۹۵، کتاب الوقف)۔

مفتی عبد المنان صاحب لکھتے ہیں کہ کالونی بنانے والے اپنی طرف سے مسجد کی جگہ متعین کرتے ہیں، تو یہ ان کی طرف سے وقف ہوجائے گا۔

اور اس کے برعکس ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام ، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی ابصار ندوی صاحبان، اوربندہ محمد عثمان عفی عنہ نے وقف نہ ہونے کی صراحت کی ہے، اورمفتی عفان منصور پوری ، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی عبدالحمید قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی مقصود علی فرقانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا زبیر احمد ندوی صاحبان نے اس جگہ کے وقف ہونے نہ ہونے کی کوئی صراحت نہیں کی ہے۔

**وقف نہ ہونے کے دلائل:**

''وأجمعوا علی من جعل دارہ أو أرضہ مسجدا لا یجوز وتزول الرقبۃ عن ملکہ لکن عزل الطریق وإفرازہ والإذن للناس بالصلاۃ فیہ، والصلاۃ شرط عند أبی حنیفۃ ومحمد حتی کان لہ أن یرجع قبل ذلک وعند أبی یوسف تزول الرقبۃ عن ملکہ بنفس قولہ جلعتہ مسجداً ولیس لہ أن یرجع عنہ علی مانذکرہ'' (بدائع۵،۳۲۶) (ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب صدیقی)۔

اوراسی طرح کی عبارت ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی ، مفتی ابصار صاحبان نے درمختار سے اوربندہ محمد عثمان عفی عنہ نے البحرا لرائق سے نقل کی ہے۔

**نقشہ میں مسجد کے لیے مختص جگہ کی خرید و فروخت کا حکم:**

جن حضرات نے اس کے وقف ہونے کا حکم لگایا ہے، ان کے نزدیک خرید و فروخت کا ناجائزہونا ظاہر ہے، اسی طرح وقف کی صراحت نہ کرنے والے حضرات نے اس مسئلہ میں مطلقاً خریدو وفروخت کو ناجائز کہا ہے،جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس جگہ کی خرید وفروخت جائز نہیں، البتہ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی ابصارندوی وغیرہم کے نزدیک یہ جگہ وقف نہیں اور اس کی خرید و فروخت شرعاً صحیح اور درست ہے۔

احقر کی رائے:

بندہ کے خیال مینکالونی بنانے والا راستے کی چوڑائی وغیرہ کے سلسلے میں اپنی رضا اورخوشی سے معاہدہ نہینکرتا ہے، بلکہ قانونی مجبوری اوردباؤ کی وجہ سے اس پرآمادہ ہوتا ہے ، لہٰذا اس کا حکم یہ ہوگا کہ اگر اس کو اپنی آبرو وغیرہ کا کوئی خطرہ نہ ہو، تو اس معاہدہ کاشرعاً وہ پابند نہ ہوگا،اس لیے منظور شدہ نقشہ مینتبدیلی اورعمومی

منافع سے متعلق جگہوں میں کمی بیشی اگر پلاٹ کی فروختگی سے قبل عمل میں آئے تو یہ شرعاً جائز ہے۔

''إذاسعرو خاف البائع ضرب الإمام لو نقص لا يحمل للمشترى(لعدم رضا البائع)... وظاہرہ لو باعہ بأكثر يحل وينفذ البيع ولو باعہ بقليل يحل أيضاً '' (شامی، ص۵۷۴-۵۷۳ مع تقریرات الرافعی،۳۱۰)۔

(۲) اور پلاٹر نے پلاٹ فروخت کرتے وقت خریداروں سے جن سہولیات کو فراہم کرنے کا معاہدہ کیا ہو، ان چیزوں کی خرید و فروخت جائز نہ ہوگی اورخریدنے سے ملکیت بھی ثابت نہ ہوگی؛کیونکہ صراحت کی صورت میں وہ چیزیں مبیع میں داخل سمجھی جائیں گی ''لو قال البائع بعتک ہذا الدار بجميع حقوقہا دخل فی المبيع حق المرور و حق الشرب وحق المسيل''(شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱۸۳،۱ ، الماده : ۲۳۵)۔

(۳) اور اگر خریدنے والوں سے صراحتاً کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو تو عرف کے مطابق عمل ہوگا، جو چیزیں عرفاً پلاٹ کا لازمی حصہ سمجھی جاتی ہیں( راستہ، نالی وغیرہ) ان کی خریدو فروخت باطل ہوگی اور جو چیزیں عرفاً پلاٹ کا لازمی حصہ نہیں سمجھی جاتی ہیں(گارڈن، کھیل میدان وغیرہ) تو وہ بغیرصراحت کے پلاٹ کا حصہ شمار نہ ہوں گی، لہٰذا اس کی خرید و فروخت درست ہوگی ''مالايكون من مشتملات المبيع ولا ہو من توابعہ المتصلۃ المستقرۃ أو لم يكن فی حكم جزء من المبيع أو لم تجر العادۃ والعرف بيعہ لا يدخل فی البيع مالم يذكر وقت البيع اما ماجرت عادۃ البلد والعرف بيعہ تبعا للمبيع فيدخل فی البيع من غير ذكر''(شرح المجلۃ لعلی حيدر الماده: ۲۳۳)۔

''أن الأحكام تبتنی علی العرف وأنہ يعتبر فی كل أقليم وعصر عرف أہلہ'' (شامی۴۲۷،۷)۔

(۴)کالونی آباد ہونے کے بعد عمومی منافع سے متعلق جگہیں وقف کے درجہ میں ہوجائیں گی اوران کی خرید و فروخت شرعاً درست نہ ہوگی ''ولا يجوز إحياء ما عرب من العامر بل يترک مرعی لہم ومطرحا لحصائدہم لتعلق حقہم بہ'' (الدر المختار۶،۱۰)۔

(۵) کسی جگہ کے وقف ہونے کے لیے صراحۃً وقف کرنا ضروری ہے، اورمسجد ہونے کے لیے قولاً یا فعلاً فی الحال مسجد بنادئے جانے کی صراحت ضروری ہے،صرف آئندہ مسجد بنائے جانے کے ارادہ اور اس کے اظہارسے مسجد یت کا تحقق نہ ہوگا (فتاویٰ دار العلوم۲۷۵،۱۳، امداد المفتیین۶۳۵،۲)۔

وعن أبی يوسف تزول بمجرد القول مطلقاً... ويزول بالفعل أيضاً بلا خلاف... ہو وعلمت أرجحيتہ قول أبی يوسف في الوقف والقضاء'' ( طحطاوی علی الدر مخلصہ: ۵۳۶) ''وركنہ الألفاظ الخاصۃ كأرضی ہذہ صدقۃ ونحوہ من الألفاظ'' (شامی۵۲۳،۶-۵۲۲)، اس سے معلوم ہوا کہ خریداروں کی رغبت کے لیے پلاٹ مینکوئی جگہ مسجد کے لیے متعین کرنے سے مسجد پر وقف نہ ہوگی، اور نہ ہی شرعاً وہ مسجد کے حکم میں ہوگی، اس لیے

خریدنے سے ملکیت ثابت ہوجائے گی، لیکن اس کی خرید وفروخت بہر حال اتہام سے خالی نہیں، اس لیے اجتناب لازم و ضروری ہے۔

حاصل:

حاصل یہ ہے کہ سوال نمبر۵ سے متعلق جوابات کی تحقیق و تنقیح کے لیے درج ذیل نکات پرتوجہ دینا لازم ہے:

(۱) نقشہ کی منظوری حاصل کرنے کے لیے راستہ کی چوڑائی، کھیل کے میدان، پارک وغیرہ کے سلسلے میں کالونی بنانے والا جو وعدہ کرتا ہے، یہ وعدہ دلی خوشی اوررضا مندی سے ہوتا ہے، یا صرف قانونی جبرو دباؤ کی بناء پر۔

(۲) پلاٹ فروخت کرنے کے بعد عرف میں کون سی چیزیں پلاٹ کے لیے لازم اورضروری سمجھی جاتی ہیں، کہ جس کا بغیر صراحت کے بھی فراہم کرنا پلاٹر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

(۳)فروخت کرنے کے بعد کونسی ایسی چیزیں ہیں، جو پلاٹ کے لیے عرف مینلازم و ضروری نہینخیال کی جاتیں، بلکہ وہ چیزیں پلاٹ کی حسن و خوبی کے لیے ہوتی ہیں۔

(۴) پلاٹ بک کرانے والوں سے پلاٹر کے معاہدہ کا حکم کیا ہوگا۔

(۵)کسی جگہ کے وقف یا مسجد بننے کے لیے شرائط کیاہیں۔

**کھیل کے میدان اورپارک کی جگہ پر مسجد بنانے کا حکم:**

سوال(۶):یعنی کھیل کے میدان اورپارک کی جگہ پر مسجد بنانے سے متعلق جوابات میں دو مختلف آراء ذکر کی گئی ہیں:

(۱) مولانا کلیم اللہ صاحب عمری، مفتی ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد الیاس صاحب قاسمی، ڈاکٹر محی الدین صاحب غازی، مفتی عبد المنان صاحب آسامی، مفتی ابصار ندوی صاحبان نے کھیل کے میدان اورپارک وغیرہ کی جگہ پرمسجد بنانے کو ناجائز لکھاہے، البتہ ڈاکٹر محی الدین غازی نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر حکومت کی نگاہ میں وہ جگہ مسجد تسلیم کرلی جائے اورخریداروں کو معاملہ کے وقت یہ مسجد دکھائی گئی ہو تو مضائقہ نہیں، ورنہ درست نہیں، اور مفتی ابصار صاحب نے یہ فرمایا کہ اگر تعمیر مسجد باتفاق اہلیان کالونی ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں؛ کیونکہ زمین مشترک ہے ، ان حضرات نے دلائل میں درج ذیل عبارات پیش کی ہیں:

(۱) ''المسجد لغۃ محل السجود وشرعاً المحل الموقوف للصلوۃ فیہ''(مرقاۃ شرح مشکوۃ:۲؍۴۴۴)(مفتی ابوسفیان مفتاحی)۔

(۲) ''وفی الہندیۃ:مسجد بنی علی سور المدینۃ قالوا:لا یصیر مسجدا فیہ لأن السور حق العامۃ'' ( بحوالہ قاموس الفقہ۵؍۹۳) (مفتی الیاس صاحب قاسمی)۔

نوٹ:۔مولانا کلیم اللہ عمری ڈاکٹر محی الدین غازی مفتی عبد المنان وغیرہم نے کوئی دلیل ذکر نہیں ہے۔

(۲)اس کے برعکس مولانا زبیر احمد صاحب ندوی، مولانا مقصود علی صاحب فرقانی، مفتی عبد الحمید صاحب قاسمی، مفتی عفان صاحب منصور پوری، قاضی ذکاء اللہ صاحب شبلی، قاضی عبد الجلیل صاحب قاسمی، ڈاکٹرشاہ جہاں صاحب ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مفتی فروغ احمد قاسمی صاحبان نے کھیل کے میدان اورپارک کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس پربنائی جانے والی مسجد کو مسجد شرعی تسلیم کیا ہے۔

دلائل:۔ان حضرات نے درج ذیل ذکر کئے ہیں:

(۱) ‘‘مسجد بنی علی سور المدینۃ قالوا: لا یصلی فیہ لأن السور حق العامۃ وینبغی أن یکون الجواب علی التفصیل إن کانت البلد فتحت عنوۃ وبنی مسجد بإذن الإمام جاز الصلوۃ فیہ لأن للإمام أن یجعل الطریق مسجداً وہذا أولیٰ’’ ( ہندیۃ۱،۱۱۰، کتاب الصلوۃ) (مفتی فروغ احمد قاسمی)۔

(۲) ‘‘لأن المسجد حق اللہ تعالیٰ أو حق عامۃ المسلمین’’ ( الخانیۃ علی الہندیہ ۳،۲۹۰)(مولانا زبیرا حمد ندوی)۔

(۳) ‘‘ولا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ إلا إذا کان الضرر بجارہ ضررا بینا فیمنع من ذلک فعلیہ الفتویٰ ’’ (شامی:۸،۱۵۲)۔

(۴) ‘‘المالک ہو المتصرف فی الأعیان المملوکۃ کیف شاء’’( بیضاوی۱،۷) (مفتی عفان منصورپوری)۔

احقر عارض کی رائے:

احقر اس سلسلے میں درج ذیل تفصیل مناسب خیال کرتا ہے:

(۱) پلاٹ فروخت کرنے سے قبل پلاٹر پارک یا کھیل میدان کی متعینہ جگہ کو مسجد بنانے کے لیے مختص کردے،یا پلاٹ فروخت کرنے کے وقت خریداروں سے ان جگہوں پرمسجد بنانے کا ارادہ ظاہر کردے اوراس پر مسجد بنائی جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں؛کیونکہ یہ زمین اس کی ملک ہے اور مالک کو من چاہا تصرف کا اختیار ہے۔

اسی طرح پلاٹ فروخت کرنے کے وقت کھیل میدان اورپارک وغیرہ کی جگہ کے بارے میں پلاٹر نے پلاٹ خریدنے والوں سے کھیل میدان وغیرہ دینے کا کوئی وعدہ نہ کیا ہو تو بھی اس پر مسجد بنانے مینشرعاً کوئی حرج نہیں؛کیونکہ یہ جگہیں پلاٹر کی ملک ہیں اوربغیر صراحت کے پلاٹ کے تابع نہ ہوگی۔

‘‘لا یمنع أحد من التصرف فی ملکہ أبدا وإلا إذا أضرہ بغیرہ ضررا فاحشا’’ (شرح المجلۃ المادۃ: ۱۱۹۷)۔

"ما لایکون من مشتملات المبیع ولا ہو من توابعہ المتصلۃ المستقرۃ أو لم یکن فی حکم جزء من المبیع أو لم تجر العادۃ والعرف بیعہ لا یدخل فی البیع مالم یذکر وقت البیع أما ماجرت عادۃ البلد والعرف بیعہ تبعا للمبیع فیدخل فی البیع من غیر ذکر’’ (شرح المجلۃ لعلی حیدر

الماده: ۲۳۳)۔

(۲) پلاٹ فروخت کرنے والے نے کھیل میدان، پارک وغیرہ دینے کا وعدہ کیا ہو یا وعدہ نہ کیا ہو ،لیکن کھیل میدان وغیرہ کے نام سے یہ جگہیں چھوڑ دی گئی ہوں اور کالونی آباد ہوچکی ہو تو اس صورت میں یہ جگہیں اہلیان کالونی کے لیے بمنزلۂ وقف کے ہیں، لہٰذا اگر مسجد کی ضرورت ہو اور اہلیان کالونی مسجد کی تعمیر پر راضی ہوں ، خواہ صراحتاً خواہ دلالۃً تو اس پر مسجد بنانا شرعاً جائز ہے اور اگر اہلیان کالونی میں اختلاف ہو تو اکثریت کی رائے کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔

''وفي كتاب الكراہية من الخلاصة عن الفقيہ أبی جعفر عن ہشام عن محمد أنہ يجوز أن يجعل شئ من الطريق مسجداً... ولو اختلفوا ينظر أيہم أكثر ولاية، لہ ذلک'' (تبيين الحقائق۴،۲۷۴) ''وفی الشامية:إذا اجتمع أكثرہم ليس للأقل منعہم''(شامي:۶،۵۷۶)۔

**قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بغیر پلاٹ فروخت کرنے اور کالونی بسانے کا حکم:**

سوال(۷): یعنی قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بغیر پلاٹ فروخت کرنے اور کالونی بسانے سے متعلق جوابات میں اکثر حضرات نے جواز کا رجحان ظاہر کیا ہے، البتہ مفتی ابصار ندوی، مولانا کلیم اللہ ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحبان قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بغیرکالونی بسانے اور پلاٹ فروخت کرنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، اورڈاکٹر محی الدین غازی نے کوئی حکم نہ لگانے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بسنا بسانا ایک اضطراری عمل ہے، جس پر کوئی حکم جاری کرنا مناسب نہیں۔

عدمِ جوام کی دلیل میں ''أن تناصحوا من ولاہ اللہ أمركم'' (مسند احمد عن ابی ہريرة رقم الحديث: ۹۰۳۴)وغیرہ کو ذکر کیا ہے( مفتی ابصار ندی)۔

اورجائز کہنے والوں کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱)''لا يمنع أحد من التصرف فی ملكہ أبدا إلا إذا أضرہ بغيرہ ضررا فاحشا'' (شرح المجلة المادة: ۱۱۹۷)۔

(۲) ''يتحمل الضرر الخاص بدفع ضرر عام'' (شرح المجلة المادة: ۲۶)۔

(۳) إذا تعارضا مفسدتان روعی أعظمہما بارتكاب أخفہما'' (شرح المجلة المادة: ۲۶) (مولانا زبير احمد صاحب ندوی)۔

(۴) ''الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة'' (الاشباہ والنظائر لابن نجيم۱،۳۱۶) (مفتی الياس قاسمی، مفتی عفان منصورپوری)۔

احقر کی رائے:

احقرپہلی رائے کو راجح اور صحیح سمجھتا ہے ؛کیونکہ ہر آزاد عاقل بالغ انسان کو اپنی منشاء کے مطابق اپنا مال فروخت کرنے کا شرعاً حق ہے اورجب تک اس کے کسی تصرف سے ضرر عام لاحق نہ ہو کسی کو روکنے کا اختیار نہیں اور اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روکنا شرعاً اکراہ اور ظلم ہے جو ناجائز ہے، اس لیے اس طرح کے

قوانین کی وجہ سے حکم شرعی متاثر نہ ہونا چاہئے، البتہ اگر قانونی خلاف ورزی کی وجہ سے آبرو وغیرہ پامال ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بچنے کا مشورہ ضرور دیا جاسکتا ہے، لیکن ناجائز ہو نے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کے قانون سے اگر کچھ لوگوں کا نفع ہے تو دوسرے بہت سے لوگوں کا نقصان بھی ہوتا ہے،اور زمین چونکہ فروخت کرنے والے کی ملک ہے، اس لیے شرعاً قانونی پابندی لازم نہیں اورخریدنا بیچنا جائز ہے،البتہ قانونی مواخذہ کا اندیشہ ہو تو احتراز ضروری ہے،واللہ اعلم۔

''إذا سعروخالف البائع ضرب الإمام لو نقص لا يحل للمشترى (لعدم رضا البائع) وظاہرہ لوباعہ بأكثر يحل وينفذ البيع ولو باعہ بقليل يحل أيضا'' (شامی:٥٧٤،٥٧٣) ''مقتضاہ أن أمراء زماننا لايفيد أمرہم الوجوب الخ'' (شامی١٠،٤٤،٤٣)۔

**قانونی مجبوری اورانکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لیے سودی قرض لینے کا حکم:**

سوال(٨): یعنی قانونی مجبوری اورانکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لیے سودی قرض لینے سے متعلق جوابات میں بھی مقالہ نگار حضرات کے درمیان اختلاف آراء موجود ہے:(١) چنانچہ مفتی محمد زبیر ندوی ، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی فروغ احمد قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی عفان منصور پوری، مفتی عبد المنان آسامی ،ڈاکٹر ظفرالاسلام صاحبان نے قانونی مجبوری وغیرہ کی صورت مینبقدرِ ضرورت سودی قر ض لینے کی اجازت کا رجحان ظاہرکیا ہے اور درج ذیل عبارات فقہاء سے استدلال کیا ہے:

''يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (بحر الرائق:٦،٢١١) ''قال ابن نجيم أما الحاجات معناہا أنہا مفتقر إليہا من حيث التوسع ورفع الضيق المودىٰ فى الغالب إلى الحرج والمشقۃ لفوت المطلوب''(الاشباہ والنظائر) (مولانازبیر احمد ندوی)

''الضرورات تبيح المحظورات'' (مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی عبد المنان، ڈاکٹر ظفر الاسلام، قاضی عبد الجلیل ، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی عفان منصورپوری)۔

''الكذب مباح لإحياء حقہ ودفع الظلم عن النفس والمراد التعريض لأن عين الكذب حرام'' (الدر المختار:٥،٣٠٣) (مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

(٢) اور ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مفتی انصار ندوی ، مولانا ابو سفیان مفتاحی ، مولانا عبد الحمید قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری صاحبان نے قانونی مجبوری اورٹیکس وغیرہ کی ضرورت سے بچنے کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی ہے، چنانچہ ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی فرماتے ہیں کہ سودی قرض لینا اس وقت جائز ہوسکتا ہے کہ جب کہ ضیاع جان کا اندیشہ ہو، اور مولانا عبد الحمید قاسمی کفایۃ المفتی کے حوالے سے فرماتے ہیں: البتہ سخت مجبوری اوراضطرار کی حالت میں جب کہ نوبت ہلاکت نفس یا عزت و آبروتک پہنچ جائے تو بقدر حاجت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔

**دلائل:**

''فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليہ''۔ '' تعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الإثم والعدوان'' (شاہ جہاں ندوی)۔

إن المقترض بالربوٰا لا بد ان يكون الدافع لفعلہ المحرم ہذا ہو الضرورة وليست الحاجة التى يمكنہ التخلى عنہا وعدم فعلہا ''۔

'' والضرورة تتعلق بضرر يقع على دينہ أو بدنہ أو عقلہ أو عرضہ أو مالہ وہو ما يسمى الضرورات الخمس وليست ہى المشقة التى يمكن تحملہا بل ہى الضرورة التى قد تسبب لہ ہلاكا أو تلفا ببعض أعضائہ أو سجنا طويلا أو مرضا مزمنا (موقع الاسلام سوال وجواب۵،۵۲۲۵) (مفتی ابصار ندوی)۔

احقرعارض کی رائے:

احقر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش سمجھتا ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) محتاج کے لیے سودی قرض لینے کی حضرات فقہاء نے صراحت فرمائی ہے:''يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' اورحاجت سے مراد وہ تنگی اورمشقت ہے جو مطلوب اورمقصود کے فوت ہونے سے پیش آئے اور محنت کی کمائی کا ایک اچھا حصہ ضبط ہوجانے یا قانونی مقدمہ میں ماخوذ ہونے سے مشقت کا لاحق ہونا ظاہر ،لہٰذا مال کی حفاظت کے لیے اورقانونی مواخذہ سے بچنے کے لیے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت ہوگی۔

''وأما الحاجيات فمعناہا أنہا مفتقر إليہا من حيث التوسعة ورفع الضيق المؤدىٰ فى الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب'' (الموافقات للشاطبى۲،۱۰)۔

(۲)حضرات فقہاء نے دفع ضرر یا جلب منفعت کے لیے رشوت دینے کی اجازت دی ہے، جب کہ رشوت دینا بھی سود دینے کی طرح سے حرا م ہے، تو جس طرح دفعِ مضرت وغیرہ کے لیے رشوت کی اجازت ہے، اسی طرح بقدر ضرورت سود دینے کی بھی اجازت ہوگی ''أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر وجلبا للنفع وہو حرام على الآخذ فقط'' (شامی۸،۳۵)۔

(۳) اکابر مفتیان کرام نے بھی قانونی مواخذہ یا انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لیے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے( منتخبات نظام الفتاویٰ۱،۱۸۹)۔

**خیار تبدیل کی صورت میں مبیع کی جہالت اور بیع کی صحت:**

سوال (۹): یعنی پلاٹر کو فروخت شدہ پلاٹ میں تغیر و تبدل کا اختیار حاصل ہو نے کی صورت میں خریدا ہوا پلاٹ متعین ہوگا یا نہیں اور اس کی خرید وفروخت درست ہوگی یا نہیں؟ اس سے متعلق جوابات میں بھی مقالہ نگار حضرات کی آراء میں اختلاف موجود

ہے، کل تین آراء مذکور ہیں:

(۱) ڈاکٹر ظفرالاسلام ، قاضی ذکاء اللہ شبلی، مولانا کلیم اللہ عمری صاحبان نے مبیع کو غیر متعین اور مجہول مان کر بیع کی عدم صحت کا حکم لگایا ہے۔

ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

''التسلیم أو القبض معناہ عند الحنفیۃ ہو التخلیۃ أو التخلی وہو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحائل بینہما علی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعلہ البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا لہ، التخلیۃ وہی أن یتمکن المشتری من المبیع بلا مانع (أی أن یکون مفرزا) و لا حائل (أی فی حضرۃ البائع) مع الإذن لہ بالقبض''(الفقہ الاسلامی۴،۴۱۸) (ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب)۔

(۲)مفتی ابصار احمدندوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مفتی عفان منصور پوری، مفتی الیاس قاسمی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی زبیر احمد ندوی، مفتی عبد المنان صاحبان نے مبیع کو متعین مان کر بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

**دلائل :**

''وإذا قال الرجل للرجل بعتک ہذہ الدار کل ذراع بدرہم علی أنہا ألف ذراع فہو جائز لأن ببیان جملۃ الذرعان یصیر جملۃ الثمن معلوما ولأنہ سمی بمقابلۃ کل ذراع درہما'' (مبسوط سرخسی،کتاب الشروط:۳۳،۴۲۴) (مفتی محمد ابصار صاحب ، ڈاکٹر مفتی شاہ جہاں ندوی صاحب)۔

''بعت الأرض المحدودۃ بکذا وکذا أو بعت الأرض فی الموقع الفلانی والتی ہی عبارۃ عن کذا ذراعاً ببیان مقدار المبیع فیکون المبیع معلوماً والبیع صحیحا ذاتاً ووصفاً'' (مجلۃ الاحکام۱،۱۵۳، المادۃ: ۲۰۱) ( مولانا زبیر احمدصاحب، مفتی الیاس صاحب قاسمی)۔

''القبض عندنا ہو التخلیۃ والتخلی وہو أن ینحلی البائع بین المبیع والمشتری برفع الحائل بینہما علی وجہ یتمکن للمشتری معہ التصرف فیہ فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضاً لہ'' (بدائع الصنائع۴،۴۹۸، زکریا) (مفتی محمد عفان صاحب)۔

(۳) قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی فروغ احمد قاسمی، مفتی عبد الحمید قاسمی صاحبان نے مذکورہ صورت میں مبیع کو تو متعین نہیں مانا ہے، لیکن بیع کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

''ومن اشتریٰ عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع من دار أو حمام فالبیع فاسد عند ابی حنیفۃ وقالا ہو جائز وإن اشتریٰ عشرۃ أسہر من مائۃ سہم جاز فی قولہم جمیعا ولہما أن عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع عشر الدار فأشبہ عشرۃ أسہم'' (ہدایہ مع فتح القدیر۶،۲۵۴) ''الظاہر اعتماد قولہما الآن لمواقفتہ العرف حملاً لکلام العاقد علی عرفہ'' (تقریرات رافعی:۱۱۶، کتاب البیوع)۔

احقر کی رائے:

احقر کے نزدیک آخر الذکر حضرات کی آراء صحیح اورراجح معلوم ہوتی ہیں؛ کیونکہ جب پلاٹر کو پلاٹ بدلنے کا اختیار حاصل ہے تو یہ شکل خیار تعیین للبائع کی قبیل سے ہوگی،اور خیار تعیین جس طرح مشتری کے لیے صحیح اوردرست ہے، اسی طرح سے بائع کے لیے بھی درست ہوگی اور خیار تعیین میں مبیع کے غیرمتعین ہونے کے باوجودبھی بیع صحیح ہوتی ہے: ''وصح خیار التعیین للبائع فی الأصح'' (شامی ۱۴۰٫۷) ''یکون المبیع بخیار التعیین غیر معین، فعلیٰ ہذا الوجہ یکون المبیع مجہولا فمقتضی القیاس فساده إلا أنہ یجوز استحسانا'' (شرح المجلۃ۳-۱٫۲۶۳)۔

* * *

**عرض مسئلہ:**

# زمین کی خریدوفرخت سے متعلق چند مسائل
## (سوال نمبر ۱۰ تا ۱۵)

مفتی ابصار احمد ندوی•

اسلامک فقہ اکیڈمی کےچھبیسویں فقہی سمینار کا ایک اہم موضوع '' زمین کی خرید و فروخت سے متعلق چند مسائل '' ہے، اکیڈمی کی جانب سے راقم الحروف کو سوال نمبر ۱۰ تا ۱۵ پرعرض مسئلہ کے لئے کل بیس (۲۰)مقالہ نگاروں کے مقالات موصول ہوئے، جن میں سے کچھ طویل ہیں،کچھ مختصر توکچھ انتہائی مختصر، مقالہ نگاروں کے نام حسب ذیل ہیں :

ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی،مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مولانا ابو سفیان مفتاحی،مفتی محمد زبیر ندوی، مفتی ابصاراحمد ندوی، محی الدین غازی فلاحی ،مفتی مقصود علی فرقانی،مفتی محمد الیاس قاسمی،مفتی محمد عثمان بستوی،قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی،قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد عفان منصورپوری،مفتی عبدالمنان،مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ظہیراحمد قاسمی،مفتی ظفر عالم ندوی،مولانا محمد ابوبکر قاسمی۔

**اس موضوع کا دسواں سوال یہ ہے کہ :**اس صورت میں(یعنی صرف نقشہ پر پلاٹ کی تعیین کی صورت میں) ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کے جو حصے بیچے گئے ہیں، اس پر بیچنے والا کاشت بھی کرتا رہتا ہے،تو کیا اس کے باوجود خریدار اس کا مالک ہو جائے گا؟

اس سلسلہ میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں :

**پہلا نقطہ نظر:**

صورت مذکورہ میں بائع کے کاشت کرنے کے باوجود خریدار اس زمین کا مالک ہو جائے گا، اس نقطہ نظر کے حاملین بیشتر مقالہ نگار ہیں ( دیکھئے مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ،مفتی محمد زبیر ندوی،مفتی مقصود علی فرقانی،مفتی محمد الیاس قاسمی،مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی ریاست علی قاسمی ، مفتی محمد عفان منصورپوری،مفتی عبدالمنان،مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، مولانا ظہیراحمد قاسمی،مولانا محمد ابوبکر قاسمی وغیرہ)۔

اس ذیل میں بائع کے کاشت کرنے کے تعلق سے اکثر مقالہ نگار کی رائے یہ ہے

---

• جھارکھنڈ۔

کہ اگر مشتری کی اجازت کے بعد وہ ایسا کرتا ہے،تو یہ اس کی جانب سے تبرع ہے اور وہ کاشت کر سکتا ہے، لیکن اگر بائع کاشت کی شرط لگا تا ہے، تو یہ شرط فاسد ہے، اور اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔خیا ر سے خالی بیع صحیح کا حکم اصلی یہی ہے کہ مبیع میں خریدار کے لئے اور ثمن میں بائع کے لئے فورا ملکیت ثابت ہو جاتی ہے ''أما الأول فهو ثبوت الملک للمشتری فی المبیع وللبائع فی الثمن للحال'' (بدائع الصنائع للكاساني۵، ۲۳۳) (مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۲۔جب ایجاب و قبول ہوگیا، مبیع اور ثمن کی تعیین بھی ہو گئی تو اس پر مشتری کی ملکیت فورا ثابت ہو جائے گی، بیع صحیح میں ملکیت کے لئے قبضہ بھی شرط نہیں ہے، مبیع میں مشتری کی ملکیت محض بیع صحیح کر لینے سے ہو جاتی ہے ( دیکھیےمقالہ مفتی عبدالحمید قاسمی ، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی محمد عفان منصورپوری اور راقم الحروف)۔

۳۔ عقد کے بعدخریدار کی اجازت سے بائع کاشت کر سکتا ہے، اور یہ اس کی طرف سے تبرع ہے،لیکن کاشت کی شرط لگانا شرط فاسد ہے، اس سے عقد فاسد ہو جائے گا (دیکھیے مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مقالہ مفتی عبدالحمید قاسمی اور راقم الحروف بہ حوالہ موسوعۃ فقھیۃ اردو ۲/۷۰)۔

۴۔ ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو،اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے (مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی بہ حوالہ تنویر الابصار، مفتی محمد الیاس قاسمی بہ حوالہ در مختار)۔

۵۔ اگر زمین میں کھیتی لگی ہوئی ہو تو بائع کو اس کھیتی کے کاٹنے پر مجبور کیا جائے گا ( مفتی محمد زبیر ندوی بہ حوالہ شرح مجلۃ الاحکام)۔

۶۔مشتری کی اجازت کے بغیر اگر بائع کاشت کر رہا ہو تو لاگت سے زائد پیداوار صدقہ کرنا اس پر لازم ہے (مفتی محمد الیاس قاسمی بہ حوالہ مجمع الأنهر)۔

۷۔ مشتر ی بائع کو کاشت سے روک سکتا ہے، یا اس کی اجرت بھی متعین کر سکتا ہے ، کیوں کہ وہ اس زمین کا مالک بن چکا ہے (مفتی محمد عفان منصورپوری،مفتی ریاست علی قاسمی)۔

۸۔بائع خریدار کی اجازت سے بطور مزارع یا بطور اجیر کاشت کر سکتا ہے، ورنہ نہیں، اس لئےل کہ نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:''لا يحل مال امرىء مسلم إلا بطيب نفس منه'' (مولانا محمد ابوبکر قاسمی)۔

**دوسرا نقطہ نظر :**

اس سلسلہ میں دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ زمین کے معاملات میں دھوکہ دہی کی کثرت کی وجہ سے جب تک رجسٹری ہوکر نیٹ پر نام نہ آجائے وہ خریدار مانا ہی نہیں جائے گا، اس لئے وہ زمین بائع کی ہی ہے اور کاشت بھی اسی کی ہوگی،اس کی دلیل

کورٹ اور عدلیہ میں اس طرح کے بیشترمقدمات کا ہونا ہے، اس نقطہ نظر کے حامل ہیں ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

عارض سمجھتا ہے کہ صورت مسئولہ کے اعتبار سے پہلا نقطہ نظر راجح ہے، کیونکہ جب نقشہ بن چکا،اور نقشہ میں پلاٹ نمبر کی تعیین بھی کر دی گئی، تو مبیع مجہول اور غیر معین کہاں رہی؟ مبیع تو معلوم اور متعین ہے،لہذا یہ بیع صحیح ہے،مشتری اپنی زمین کا مالک ہے،بائع مشتری کی اجازت کے بغیر اس پر کاشت نہیں کرسکتا،اور نہ قبل العقد کاشت کی شرط لگا سکتا ہے، اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو شرط فاسد کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

جہاں تک بات رجسٹری ہو کر نیٹ پر نام آنے کی ہے، تو یہ اصل بیع نہیں بلکہ ثبوت بیع ہے۔

**اس موضوع کا گیارہواں سوال یہ ہے کہ :**جس شخص نے پلاٹ خریدا ہےتو اس سے پہلے کہ اس کا پلاٹ متعین ہو، صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر وہ اپنی زمین کسی اور سے فروخت کردیتا ہے،کیا یہ بیع درست ہوگی؟۔

اس میں دو صورتیں ہوتی ہیں :

الف : ایک یہ کہ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی تھی اور اس نے پلاٹس فروخت کئے تھے۔

(۱)۔اس کے جواب میں زیادہ تر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ زمین کے مالک ہونے کے بعد بغیر قبضہ کے بھی (قبضہ کی صورت میں کوئی اختلاف نہیں) کالونی بنانے والے کا پلاٹس فروخت کرنا جائز ہے ( دیکھئے مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ،مولانا ابو سفیان مفتاحی،مفتی محمد زبیر ندوی،مفتی مقصود علی فرقانی،مفتی محمد الیاس قاسمی،مفتی محمد عثمان بستوی،مفتی محمد عفان منصورپوری،مفتی عبدالمنان،مفتی عبدالحمید قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی،مولانا محمد ابوبکر قاسمی ،مولانا ظہیراحمد قاسمی)۔

کتا بوں کے حوالہ کے اختلاف کے باوجود ان سب کے دلائل معنوی اعتبار سے یکساں ہیں،یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمھا اللہ کے نزدیک غیر منقولات کی بیع قبل القبض جائز ہے ،غرر اور ہلاکت تقریبا نہ ہونے کی وجہ سے۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں :

‘‘اشتری داراً أو عقاراً فوہبہا قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل ولو باع یجوز فی قول أبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمہما اللہ تعالی ولا یجوز فی قول محمد رحمہ اللہ تعالی’’ (الفتاوی الھندیہ ۳،۱۳ مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

‘‘ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفۃ وأبي یوسف وقال محمد لا یجوز رجوعا

إلى إطلاق الحديث واعتبارا بالمنقول وصار كالإجارة ولهما أن ركن البيع صدرمن أهله في محله ولا غرر فيه لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول " (هداية مع فتح القدير۵،۵۱۳ مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ، مفتی محمد عثمان بستوی)۔

''للمشترى أن يبيع المبيع لآخر قبل قبضه إن كان عقاراًوإلا فلا وقد جوزه الشيخان استحساناً .... وبما أن الهلاك نادر فى العقار ولااعتبار للنادر فليس فى بيع العقار قبل القبض غرر الانفساخ كما فى بيع المنقول" (شرح مجلة الأحكام۲۳٦/۱ مقالہ مفتی محمد زبیر ندوی)۔

**(۲) دوسری رائے:**

صورت مسئولہ میں دوسری رائے یہ ہے کہ بغیر قبضہ کے ایسی زمین کو فروخت کرنا درست نہیں ہے، اس کے قائلین ہیں :مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی ظفر عالم ندوی،راقم الحروف ابصار احمد ندوی)۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں :

قبضہ کے بغیر بیع ،اصول بیع کے خلاف ہے، لقول النبي:''لا تبع ما ليس عندك" (مقالہ مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی)۔

پلاٹ کی تعیین سے پہلے بیع ،مجہول اور مشاع شئی کی بیع ہوگی،اس لئے یہ بیع فاسد ہے (مقالہ مفتی ظفر عالم ندوی)۔

حدیث میں قبضہ سے قبل کی بیع کی ممانعت عام ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر چیز اناج ہی کے مثل ہے ، جیسا کہ حدیث رسول ہے:''إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه''، نیزجس طرح جائیداد غیر منقو لہ میں قبضہ سے قبل اجارہ نا جائز ہے،اسی طرح بیع بھی ناجائز ہونا چاہیے ،کیونکہ دونوں میں مشترک علت یہ ہے کہ دونوں میں غیر مضمون کا نفع پایا جا رہا ہے، اس لئے کہ فروختگی میں مقصود نفع ہے، اور غیر مضمون کا نفع شرعاً ممنوع ہے، اور ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے، لہذا قبضہ سے قبل بیع فاسد ہو گی، کیونکہ وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہی نہیں ہوئی، جیسا کہ اجارہ میں ہے، اور جیسا کہ امام محمدرحمہ اللہ اور شوافع کا مسلک ہے (مقالہ راقم الحروف بہ حوالہ موسوعۃ فقھیۃ کویتیۃ اردو ۱۴۴/۹ )۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

عارض سمجھتا ہے کہ صورت مسئولہ کے اعتبار سے دوسرا موقف راجح ہے، کیونکہ آج کے حالات میں جب تک زمین پر قبضہ نہ ہو جائے، یا کم از کم کوئی ایسی صورت نہ ہو، جو قبضہ کے مثل ہو، تو پھر اکثر بایں صورت غرر اور نزاع کے واقعات پیش آتے ہیں،شریعت کا مقصد بھی یہی ہےکہ معاملہ بالکل واضح اور صاف و شفاف ہو، اور حدیث میں ممانعت کی علت بھی یہی ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ فی زماننا اندیشہء غرریا نزاع کی صورت میں شوافع اور امام محمدؒ کے مسلک پر فیصلہ ہونا چاہیے۔

**ب:(اس سوال کا دوسرا جزء)** دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ابھی مالک زمین ہی

کی ملکیت میں ہوتی ہے، کالونی بنانے والا اس کی اجازت سے (جو اکثر اوقات اسٹامپ پیپر پر ہوتی ہے) پلاٹنگ کرتا ہے، اور اس کو بیعانہ کی رقم دے دیتا ہے،پھر وہ ایک مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے قانونی رکاوٹ پیدا ہوگئی تو پھر زمین مالک زمین ہی کے پاس رہ جاتی ہے۔ کیا اس صورت میں پلاٹنگ کرنے والے کاپلاٹ بیچنااور پھر اس سےپلاٹ خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو بیچ دینا جائز ہوگا ؟

اس کے جواب میں پانچ طرح کے نقطہ ہائے نظر پائے جاتےہیں، جو درج ذیل ہیں:

**۱۔ پہلا نقطہ نظر:**

صورت مذکورہ نا جائز ہے، اس کے قائلین ہیں : مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، ڈاکٹر محی الدین غازی فلاحی ،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبدالمنان، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابو سفیان مفتاحی،مفتی محمد زبیر ندوی ۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

بیع میں مبیع کو بیچنے سے قبل قبضہ شرط ہے،نبی کریم کا ارشاد ہے:'' لا تبع ما لیس عندك'' (مقالہ مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی)۔

جب زمین ابھی بیعانہ دینے والے کے نام ہی نہیں ہے، اصل مالک ہی کے نام ہے ، تو پھر بیعانہ دینے والا اسے اگلے شخص کو کیسے فروخت کر سکتا ہے ، اس کا عدم جواز تو سوال ہی سے ظاہر ہے ، نیز قانونی رکاوٹ کا بھی اندیشہ ہے (مقالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

چونکہ کا لو نی بنانے والا اب تک زمین کا مالک نہیں ہوا، نہ روپیے ادا ہوئے اور نہ ہی رجسٹری ہوئی، صرف ایک وعدہ بیع ہے، لہذا کالونی بنانے والا اس کو فروخت نہیں کر سکتا ، اور نہ اسے خریدنے والا آگے بیچ سکتا ہے (مفتی عبدالمنان ) ۔

یہ صورت بعینہ اس عقار کی سی ہے جس میں اندیشہ ضیاع ہوتا ہے،کہ بحر ہو جائےیا اس پر ریت غالب آجائے،جس کو غرر انفساخ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو صورت مذکورہ میں بھی موجود ہے، لہذا عدم اطمینان کی وجہ سے کسی کا بھی ایسی زمین بیچنا جائز نہیں ہے ( مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)

مفتی محمد زبیر ندوی لکھتے ہیں کہ اس میں عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہو تا ہے، کیونکہ نہ ملکیت پائی جا رہی ہے اور نہ قبضہ۔

**۲۔ دوسرا نقطہ نظر :**

ایسی خرید و فروخت جائز ہے، اس کے قائلین ہیں : مفتی محمد عفان منصورپوری، مولانا ظہیراحمد قاسمی۔

کالونی بنانے والا مالک زمین کی اجازت سے پلاٹنگ کر رہا ہے،اس میں اصل مالک کی رضا مندی پائی جارہی ہے۔ اس لئے یہ بیع جائز ہے (مفتی محمد عفان

منصورپوری ) ۔

گویا یہ مالک کی رضامندی سے قسطوں میں بیع ہے (مولانا ظہیراحمد قاسمی )۔

**۳۔ تیسرا نقطہ نظر :**

قانونی رکاوٹ کے نتیجہ میں اگر کسی غرر کا مو جب ہو تو ناجائز ہے، ورنہ جائز، اس کے قائلین ہیں :مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مفتی مقصود علی فرقانی ۔

اگر کسی قا نونی رکاوٹ کی وجہ سےغرر کا مو جب ہو تو معاملہ کی تکمیل سے پہلے ایسی اراضی کا بیچنا جائز نہ ہو گا، کیونکہ حدیث نبوی ہے: ''لا ضرر ولاضرار'' (مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مفتی مقصود علی فرقانی)۔

**۴۔ چوتھا نقطہ نظر :**

یہ بیع مؤجل ہے،اور اس طرح کی بیع جائز ہے، اس کے قائلین ہیں : مفتی محمد الیاس قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی،مفتی عبدالحمید قاسمی ۔

بیعانہ کی رقم سودا طے ہو جانے کے بعد ہی دی جاتی ہے ، یہ ادھار بیع ہے، اور اس کے لئے پلاٹ دوسروں کو فروخت کرنا جائز ہے،البتہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ اسے غیر متعینہ طور پرایک پلاٹ دیا جائے گا،اور یہ کہ وہ قانونی طور سے زمین کا مالک نہیں ہے، اور آئندہ قانونی دشواری کے نتیجہ میں یہ معاملہ ختم بھی ہو سکتا ہے، اور وہ بیعانہ کی رقم واپس کرنے کا وعدہ بھی کرے،کیونکہ معاملات میں کسی بھی طرح کی فریب دہی ممنوع ہے (مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

اگر مبیع اور ثمن متعین ہوکرایجاب و قبول ہو چکا ،اور ثمن کی ادائیگی کی مدت بھی مقرر کی گئی، تو یہ بیع مؤجل ہے، لیکن اگر حکومتی منظوری کی توقع پر محض امکانی درجہ میں پلاٹنگ کر لی گئی، اور پلاٹنگ کرنے والے نے زمین فروخت کر دیا، تو یہ بیع الفضولی کہلائے گی، اگر اصل مالک نے اس خرید و فروخت کو منظور کرلیا ، تو یہ بیع درست ہے، ورنہ کالعدم سمجھی جائیگی (مفتی عبدالحمید قاسمی) ۔

**۵۔ پانچواں نقطہ نظر :**

صورت مذکورہ ''خیار نقد '' کی صورت ہے، جس میں خرید و فروخت کا معاملہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ متعینہ مدت کے اندر مشتری اگرثمن ادا نہ کر سکے، تو معاملہ فسخ ہو جائے گا،اور اس خیار کے ساتھ بیع صحیح ہے، اگر اس میں مشتری کسی دوسرے شخص سے بیع کا معاملہ کرتا ہے، تو بیع لازم ہو جائے گی،اور لازما بائع اول کو ثمن دینا ہوگا، اس کے قائلین ہیں : ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی،مفتی محمد عثمان بستوی ۔

واضح ہوکہ مذکورہ دونوں حضرات نے اس کےجواب میں بہت طویل، محققانہ اور بالدلائل کلام کیا ہے، ان کے دلائل کا خلاصہ اختصار کے ساتھ عرض ہے:

شریعت میں خیار نقد کے ساتھ بیع درست ہے، بیعانہ کی رقم دینا بہ طور اعتماد کے ہے، مشتری مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنے کا پابند ہے، اگر اس میں مشتری کسی

دوسرے شخص سے بیع کا معاملہ کرتا ہے، تو بیع لازم ہو جائے گی،اور لازما بائع اول کو ثمن دینا ہوگا (ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی بہ حوالہ درر الحکام اور رد المحتار)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خیار نقد کے ساتھ بیع کو درست قرار دیا ہے (ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی بہ حوالہ المغنی لابن قدامۃ الحنبلیؒ)۔

قیاس کا تقاضہ ہے کہ یہ بیع درست نہ ہو، لیکن استحسانا اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، تاکہ خریدار کے ٹال مٹول سے بچا جاسکے (ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی بہ حوالہ درر الحکام )۔

یہ شکل خیار نقد پر زیادہ منطبق ہوتی ہے، اگر اس میں من لہ الخیار یعنی مشتری مبیع میں کوئی تصرف کر دے،تو خیار ساقط ہوجاتا ہے، اور بیع لازم ہو جاتی ہے، لہذا ایسی صورت میں خریدار کا اس زمین کو دوسرے سےفروخت کرنا اپنی زمین کو فروخت کرنا ہوگا،اور مشتری ثانی کو بھی یہ حق ہوگا کہ اس زمین کو بیچ دے، کیونکہ زمین میں بغیر قبضہ کے بھی فروخت کرنا جائز ہے (مفتی محمد عثمان بستوی بہ حوالہ شرح المجلہ لعلی حیدر)۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

عارض سمجھتا ہے کہ صورت مسئولہ کے اعتبار سے پانچواں یعنی آخری نقطہ نظر راجح ہے،کیونکہ صورت مسئو لہ بالکلیہ خیار نقد پر منطبق ہوتی ہے، البتہ بیعانہ کی رقم دینا بہ طور اعتماد کے معلوم ہوتا ہے،بیع کی یہ صورت جائز ہے، لیکن اس صورت میں مشتری کا اس زمین کو بیچنے کا جواز،قبضہ نہ ہونے کے باوجود،قانونی رکاوٹ پیدا ہو جانے کے اندیشہ کے باوجود،اور معاملہ کے فسخ ہو جانے کے احتمال کےباوجود محل نظر ہے۔

**اس موضوع کا بارہواں سوال یہ ہے کہ :** ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کالونی بنانے والا دلالوں سے بات کرتا ہے کہ آپ ہماری زمین بکوائیے، یہ دلال مارکیٹ میں آتے ہیں اور مختلف گراہکوں اور انویسٹرس سے بات کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مال ہے، آپ پیسہ لگائیے اس کو خریدئیے، اس کی قیمتیں بڑھینگی، جب قیمتیں بڑھیں تو آپ بیچ دینا، زمین خریدنے والے کو زمین مقصود نہیں ہوتی، اس کو صرف پیسہ کمانا ہوتا ہے،وہ شخص زمین خرید لیتا ہے، خریدنے والا اصل مالک زمین کو جانتا تک نہیں، نہ کوئی رجسٹری ہوتی ہےنہ کوئی کاغذی تحریر، صرف دلال اور خریدنے والے کے درمیان زبانی سودا ہوتا ہے، دلال اس کو کہہ دیتا ہے کہ ا س زمین میں ایک قطعہ آپ کا ہے، اور اس سے پیسے وصول کر لیے جاتے ہیں، اگر یہ شخص اپنا یہ قطعہ بیچنا چا ہے تو اس کو صرف یہی دلال بیچے گا، اگر اس کو دوسرا خریدار مل بھی جائے جب بھی وہ اس کو دلال ہی سے کہے گا، اور دلال ہی اس کو فروخت کرے گا اور اپنی دلالی بھی وصول کرے گا۔ اس طریقہ سے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، جب کہ ابھی زمین کھیتی والے اصل مالک سے بھی

ٹرانسفر نہیں ہوتی، کیا یہ شکل درست ہے ؟

اس کے جواب میں دو طرح کے نقطہ ہائے نظر پائے جاتےہیں، جو درج ذیل ہیں :

**۱۔پہلا نقطہ نظر :**

صورت مذکورہ نا جائز ہے، اس کے قائلین ہیں : مفتی محمد زبیر ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبدالحمید قاسمی،مفتی مقصود علی فرقانی،مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، محی الدین غازی فلاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبدالمنان، قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، اور راقم الحروف۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

جب دلال خود معاملہ کر رہا ہے، تو وہ دلال نہیں ، بلکہ بائع کا وکیل ہے، اور وہ وکیل مذکورہ شکل میں قبضہ دلانے پر قادر نہیں ہے، اور وکالت کے مجموعی احکام میں سے یہ ہے کہ وہ مبیع پر قبضہ دلا سکے،اور یہاں ایسا نہیں، اسلئے یہ صورت ناجائز ہے (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ۔ مفتی محمد زبیر ندوی )

صورت مسئولہ میں مبیع مجہول ہے، نیز یہ کہنا کہ وہی دلال بیچ سکتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین خریدار کی ہوگئی ، تو پھر ملکیت کیوں منتقل نہیں ہوئی، گویا یہ غیر مملوک کی بیع ہے، اور یہ شرعا درست نہیں( محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

مشتری اصل بائع کو جانتا تک نہیں، اور نہ قابض کو جانتا ہے، گویا یہ مجہول الحال شئی کی بیع ہے، اس لئے یہ خریداری درست نہیں ( مفتی محمد زبیر ندوی )۔

اگر کالونی بنانے والے نے اصل مالک زمین سے خرید و فروخت کا معاملہ طے نہیں کیا ہے،صرف بھاؤ تاؤ کیا ہے، یا خرید و فروخت کا معاملہ طے ہوا، اور قبضہ نہیں ہوا، تو پھر ایسی بیع درست نہیں، یہ بیع قبل القبض کے قبیل سے ہے، ہاں اگر قبضہ کر لیا ہو، تو درست ہے( مفتی عبدالحمید قاسمی)۔

یہ صورت مفضی الی النزاع ہے، نیز خریدار کو مکمل تصرف کا حق نہیں مل رہا ہے کہ وہ بغیر دلال کہ فروخت کر سکے، اس لئے یہ شکل درست نہیں (مفتی مقصود علی فرقانی)۔

کسی زمین کو دلال کے ذریعہ خرید کر بغیر رجسٹری کرائے ہوئے چھوڑ دینا، اور پھر دلال ہی کی ذریعہ زبانی اس کی بیع در بیع کرنا موجب غرر ہے، اس لئے یہ صورت ناجائز ہے، زمین کی ملکیت میں قانوناً نام کا تبادلہ لازم ہے، جیسا کہ شیخ وھبہ زحیلی نے لکھا ہے:'' وهناك أحكام قانونية تختلف بين العقاروالمنقول، منهاأن انتقال ملكية العقار لا يتم إلا بالتسجيل'' (مولانا محمد ابوبکر قاسمی بہ حوالہ الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۵۶،۹)۔

صورت مسئولہ میں مذکورہ مبیع اسلامی اصولوں کے بر خلاف ہے، یعنی مبیع کو فروخت کرنے کے باوجودسارے اختیارات بائع اول کے پاس ہی رہیں، یا دلال زمین فروخت کرنے کے باوجود ملکیت بیع و شراء اپنے پاس ہی رکھے، اور مشتری کو بیع کا اختیار نہ دے، بلکہ مشتری دلال ہی سے رجوع کرے، یہ صورت شرعا درست نہیں (مولانا حافظ

کلیم اللہ عمری مدنی)۔

چونکہ زمین ابھی اصل مالک سے ٹرانسفر بھی نہیں ہوئی، اسلئے یہ بیع درست نہیں ہوئی، اگر یہ بیع درست ہوتی تو خریدار کو اسے فروخت کرنے میں دلال کی کیا ضرورت پڑتی، خریدنے والا تو خود مختار ہوتا ہے (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

یہ بیع مالا یملک کے قبیل سے ہے، چونکہ دلال اس زمین کا مالک نہیں ہے، اس لئے وہ بیچنے کا بھی مالک نہیں، لہذا یہ بیع جائز نہیں (مفتی عبد المنان)۔

اس میں کالونی بنانے والے کا زمین پر قبضہ نہیں، نیز دلال کا شرط لگانا بھی غلط ہےکہ وہی اس کو فروخت کرے گا، اس لئے یہ بیع درست نہیں ہے۔ (راقم الحروف)۔

**۲۔ دوسرا نقطہ نظر:**

ایسی خرید و فروخت جائز ہے، اس کے قائلین ہیں : ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی ،مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی ،مولانا ظہیراحمد قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی ،مفتی ظفر عالم ندوی۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

صورت مسئولہ میں دلال مجاز من المالک ہے، اس لئے اس کا ہر عمل مالک کی رضا مندی سے مانا جائے گا،موجودہ دور میں اس طرح کا کاروبار عام ہے، اس طرح کے معاملات میں محض زبانی ایجاب و قبول پر ہی اکتفا ہوتا ہے، کاغذی طور پر زمین اصل مالک ہی کے نام ہوتی ہے، اپنے نام رجسٹری کرانے کا اختیار مشتری کو ہوتا ہے، لیکن اگر وہ اسی حال میں زمین فروخت کرنا چاہے، تو لازما دلال سے رجوع کرنا ہوگا؛ کیونکہ اصل مالک کا نمائندہ وہی ہے، اس لئے اس طرح کے معاملات شرعا جائز ہیں (مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی)۔

جس طرح اصل مالک سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے،اسی طرح اس کے وکیل سے بھی خریدنا جائز ہے، دلال اصل مالک کے وکیل ہوتے ہیں،اس لئے ان سے خریدنا بھی جائز ہے، نیز یہ خریدار بھی دلال کے ذریعہ فروخت کرسکتا ہے، زبانی سودا بھی درست ہے، بیع کے انعقاد کے لئے رجسٹری لازم نہیں ہے،اورصرف نفع کے حصول کے لئے ہی زمین کی خرید و فروخت جائز ہے (قاضی عبد الجلیل قاسمی ،مفتی محمد الیاس قاسمی ، ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی )۔

اس قسم کی خرید و فروخت میں دلالی کے بغیر معاملہ مشکل ہے، موجودہ دور میں اس کا رواج بھی ہو گیا ہے، زمین پر قبضہ نہ بھی ہو، تو قیمت ادا کر دینے سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے،اس لیے یہ بیع در بیع بغیر قبضہ کے بھی بذریعہ دلال درست ہے (مفتی ظفر عالم ندوی)۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

عارض سمجھتا ہے کہ صورت مسئولہ کے اعتبار سے پہلا نقطہ نظر راجح

ہے،کیونکہ صورت مسئو لہ بیع ما لم یقبض کی ہے، نیز صورت مسئولہ گویا معقود بالشرط ہے، کہ دلال ہی اس کو بیچے گا، اور ایسی شرط جو تقاضائے بیع کے خلاف ہو، شرط فاسد ہے، اس سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

**اس موضوع کا تیرہواں سوال یہ ہے کہ:** کبھی کبھی خود کالونی بنانے والے ایسا کرتے ہیں کہ وہ پلاٹس بیچ دیتے ہیں ، اور قسطوں میں پیسہ بھی وصول کرلیتے ہیں،اب اگر خریدار کو بیچنا ہے تو اس کو بھی کالونی بنانے والے ہی سے رابطہ کرنا ہوگا،اگر کوئی گراہک لاتا ہے تو بھی اسی سے ملانا ہوگا، خود کالونی بنانے والا بھی نہیں چاہتا ہے کہ گراہک آئے، وہ خود ہی اس کو خرید لیتا ہے، اور جو بھی قیمت میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا ہے اس کو ادا کرتا ہے۔ کیا اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہوگی ؟

اس سوال کے جواب میں تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں :

**۱۔پہلا نقطہ نظر :**

بائع یعنی کالونی بنانے والا اگرصلب عقد میں اوربیع سے پہلے یہ شرط لگاتا ہے تو یہ مقتضائے بیع کے خلاف ہے، اس سے بیع فاسد ہو جائے گی، اور خریدار کی ملکیت اس زمین پر ثابت نہ ہوگی، لیکن اگر یہ شرط عقد کے بعد ہو تو اس سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہ ہوگا، اور خریدار کی ملکیت اس زمین پر ثابت ہوجائے گی، اس کے قائلین ہیں: مفتی محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی،مفتی محمد زبیر ندوی ، مفتی عبدالحمید قاسمی ، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، اور راقم الحروف۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

‘‘تنتقل ملكية المبيع للمشري بمجرد الإيجاب و القبول ويصير له الحق المطلق في استعمال المبيع و استثماره و التصرف به كيفما يشاء’’( مفتی محمد زبیر ندوی بہ حوالہ قضایا الفقہ و الفکر المعاصر ص ۲۱۵)۔

‘‘ولو اشترى شيئاً ليبيعه من البائع فالبيع فاسد’’ (مفتی محمد زبیر ندوی بہ حوالہ الفتاوی الھندیہ ۱۳۴،۳)۔

‘‘ولوباع عبدا على أن يعتقه المشتري أو يدبره أو يكاتبه أو أمة على أن يستولدها فالبيع فاسد لأن هذا بيع وشرط وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط ثم جملة المذهب فيه أن يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشتري لا يفسد العقد لثبوته بدون الشرط وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده كشرط أن لا يبيع المشتري العبد المبيع’’ (مفتی محمد عثمان بستوی بہ حوالہ ھدایۃ مع فتح القدیر ۴۴۲،۶)۔

صلب عقد میں مذکورہ شرط لگانے سے عام طور سے مالک کا استحصال مقصود ہوتا ہے، اس لئے اس شرط کے ساتھ بیع درست نہیں –(ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی)۔

صلب عقد میں شرط مشتری کے آزادانہ تصرف پر پابندی عائد کرنا ہے، جو بیع و شراء کے اصول کے خلاف ہے، اس لئے اس طرح کی بیع درست نہیں (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

**۲۔ دوسرا نقطہ نظر :**

بیع کی یہ صورت جائز ہے، اورپلاٹ خریدنے والا زمین کا مالک ہو جائے گا، اس کے قائلین ہیں: مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد الیاس قاسمی، محی الدین غازی، مفتی ظفر عالم ندوی، مفتی مقصود علی فرقانی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا ظہیراحمد قاسمی۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

ایجاب وقبول،ثمن کی وصولی اور مبیع کی حوالگی کے بعد بیع کی تمامیت میں کوئی شبہ نہیں،مذکورہ شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، مشتری جس کو چاہے پلاٹ فروخت کر سکتا ہے، کالونی بنانے والے کی طرف سے بہ طور وعدہ کے یہ بات آئی ہو کہ اگر فروخت کا ارادہ ہو، تو ہم سےرابطہ کرلیا جائے، اور مشتری اس کا وعدہ کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں: ''وإن ذكر البيع بلا شرط ثم شرطاه على وجه المواعدة جاز البيع'' (مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی بہ حوالہ البحرالرائق ۸،۶)۔

اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہوگی اور کالونی بنانے والے کا مذکورہ طریقہ غیر اسلامی تصور کیا جائے گا (مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی)۔

ملکیت محض عقد سے ہی ثابت ہو جاتی ہے، جبکہ بیع میں انعقاد، صحت، لزوم اور نفاذ کی تمام شرطیں جمع ہو جائیں، لہذا مشتری اس میں جو تصرف چاہے کر سکتا ہے، اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ زمین کالونی بنانے والے سے ہی فروخت کرے ( مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

قسطوں میں جب پوری قیمت ادا ہو جائے،تو زمین پر ملکیت ثابت ہو جائے گی، پھر انہی کے ہاتھ نفع لے کر فروخت کردی تو یہ درست ہے(مفتی ظفر عالم ندوی)۔

**۳۔ تیسرا نقطہ نظر:**

بیع کی یہ صورت ناجائز ہے،اور اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت نہ ہوگی، اس کے قائلین ہیں : مفتی عبد المنان ،مولانا ابو سفیان مفتاحی ۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

یہ صورت دو وجہ سے ناجائز ہے؛ ایک سود کی وجہ سے، دوسری بیع فی الشرط کی وجہ سے، یہ شرط بیع کے خلاف ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہے، ''نهى رسول الله عن بيع و شرط'' ( مفتی عبد المنان )۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

راقم کا خیال یہ ہےکہ مذکورہ تینوں صورتوں میں بہت زیادہ اختلاف نہیں ہے، بس یہ کہ بعض نے شرط قبل البیع کے اعتبار سے لکھا ہے، اور بعض نے بعد البیع کے اعتبار

سے، جبکہ بعض نے دونوں صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، گویا معنوی اعتبار سے سب متفق ہیں، یعنی کالونی بنانے والا اگرصلب عقد میں اور بیع سے پہلے یہ شرط لگاتا ہے، تو یہ مقتضائے بیع کے خلاف ہے،اس سے بیع فاسد ہو جائے گی، اور خریدار کی ملکیت اس زمین پر ثابت نہ ہوگی،لیکن اگر یہ شرط عقد کے بعد ہو تو اس سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہ ہوگا، اور خریدار کی ملکیت اس زمین پر ثابت ہو جائے گی، مذکورہ دلائل کی روشنی میں میرے نزدیک یہی صورت راجح ہے۔

**اس موضوع کا چودہواں سوال یہ ہے کہ :** ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ پلاٹ قسطوں میں بیچ دیا جاتا ہے، اور خریدار اس میں سے مثلا پانچ یا آٹھ قسطیں ادا کر پایا، باقی قسطیں ادا کرنے کی گنجائش نہیں رہی؛ تو حالانکہ سودا ہو چکا تھا ، صرف بعض قسطوں کی ادائیگی باقی تھی ، لیکن کالونی بنانے والا اپنی طرف سے اس سودے کوکینسل مانتا ہے ، اب اگر بعد میں خریدار قسطیں ادا کرنا چاہے ، یا اپنی زمین کامطالبہ کرے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ چونکہ قسطیں وقت پر ادا نہیں ہوئیں، اس لئے آپ کا سودا کینسل ہو گیا، اور جتنی رقم قسطوں میں ادا کی گئی تھی، اتنی ہی رقم اس کو واپس کر دیتا ہے؛ جبکہ اس نے جس وقت وہ زمین خریدی تھی،اس وقت اس کی قیمت بہت کم تھی، اور اب اس کی قیمت تقریبا پچاس گنا بڑھ چکی ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے ؟

اس سوال کے جواب میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں :

**۱ پہلا نقطہ نظر :**

اگر مذکورہ باتیں بیع کے وقت طے ہو گئی تھیں، تو سودے کو کینسل ماننا درست ہے، کیونکہ یہ اقالہ کی ایک صورت ہے، شریعت نے اقالہ کی اجازت دی ہے، مشتری بس اپنی ادا کردہ رقم کا حقدار ہوگا، زائد کا نہیں، بعض مقالہ نگار نے اسے خیار نقد سے تعبیر کیاہے، لہذااگر متعینہ مدت پر مکمل ثمن کی ادائیگی نہیں ہوئی، تو بیع فاسد ہو جائے گی، ادا کردہ رقم مشتری کو واپس کردی جائے گی، اس کے قائلین ہیں ؛ مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی، مفتی ظفر عالم ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظہیراحمد قاسمی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی ،مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی محمد زبیر ندوی ، مفتی محمد عثمان بستوی ،مفتی محمد الیاس قاسمی (اخیر کے تین حضرات نے دو طرح کی آراء کا تذکرہ کیا ہے )۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

‘‘المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما’’ ( مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی بہ حوالہ ترمذی)۔

‘‘إذ الحاجة مست إلى الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة في الفسخ’’ (مفتی ظفر عالم ندوی، ہدایہ ۳،۳۰)۔

‘‘إذا لم يؤد المشترى الثمن فى المدة المعينة كان البيع الذى فيه خيار النقد فاسداً’’ ( مفتی

محمد عثمان بستوی، مفتی محمد الیاس قاسمی بہ حوالہ دررالحکام ،المادۃ: ۳۱۴)۔

**۲۔ دوسرا نقطہ نظر:**

یہ ادھار بیع یا بیع بالتقسیط کی ایک شکل ہے، اس میں ثمن کے ادھا ر ہونے کے باوجود عند العقد مبیع پر مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے،بشرطیکہ کل قیمت اورثمن کی ادائیگی کی مدت معلوم اور متعین ہو، اس کےقائلین ہیں؛ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، ڈاکٹر محی الدین غازی ، مفتی محمد زبیر ندوی ،مفتی محمد الیاس قاسمی اور راقم الحروف ابصار احمد ندوی۔

ادھار یا قسطوں پر بیع شریعت سے ثابت ہے،جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:''أن النبي {ﷺ} اشترى طعاماً من يهودي إلى أجلٍ ورهنه درعاً من حديد" (وفی روایۃ أخری) ''قالت:جاءتني بريرة فقالت كاتبت أهلي على تسع أواق في كل عام أوقية" (ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی اور راقم الحروف بہ حوالہ بخاری)۔

اس لئے بعض قسطوں کی ادائیگی کی تاخیر کی بنا پر معاملہ کو یک طرفہ ختم کرنے کا شرعاً کوئی اختیار نہیں، اس کو ختم کر کے صرف مشتری کی ادا کردہ رقم واپس کرنا ظلم، غصب، ناجائز اور حرام ہے (مفتی محمد عثمان بستوی ، ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی ،راقم الحروف ابصار احمد ندوی)،بلکہ مشتری کو مہلت دینا چاہیے، تاکہ وہ باقی ماندہ قسطیں ادا کرکے اپنی زمین حاصل کرلے،یا زمین بیچ کر باقی رقم ادا کرے (ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی ،راقم الحروف ابصار احمد ندوی،مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)؛ باوجود تنبیہ کے اگر وہ ادا نہ کرےتو بائع کو چاہیے کہ مارکیٹ حساب سے وہ خود خرید لے،یا کسی تیسرے سے اسے بیچ کر اپنی باقی رقم لےلے، اور زائد رقم مشتری اول کو دے دے(ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی ، مفتی محمد الیاس قاسمی، راقم الحروف )۔

جب سودا مکمل ہوگیا، صرف کچھ قسطیں ادا کرنا باقی ہے، تو یہ قسطیں خریدار کے ذمہ دین اور قرض ہیں، اس پر قرض کے احکام جاری ہوں گے، یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس کی خریدی ہوئی زمین ہتھیالی جائے، اور وہ بھی اسوقت جبکہ پچاس،اور سو گنا اس کی قیمت میں اضافہ ہوچکا ہے، زمین خریدار کی ملکیت ہے، وہی اس کے نفع و نقصان کا مالک ہے، مشہور ضابطہ ہے؛ ''الخراج بالضمان" (مفتی عبدالحمید قاسمی)، اگر خدا نخواستہ زمین کی قیمت میں گراوٹ آجاتی، تو اس کا ذمہ دار بھی مالک زمین ہوتا، نہ کہ کالونی بنانے والا( مفتی عبدالحمید قاسمی ، مفتی محمد زبیر ندوی)۔

بیع ہو جانے کے بعد ملکیت مکمل طور سے خریدار کو منتقل ہوجاتی ہے،اگر بائع نے بطور رہن وہ زمین اپنی تحویل میں لی ہے، تو پھر دین اور رہن کے احکام لاگو ہوں گے،بائع کو صرف اس کا حق ہوگا کہ اس زمین کو حسب ضابطہ رہن بیچ دیا جائے اور

اپنی بقیہ قسطیں وصول کرلے، اور باقی قطعہ زمین یا باقی رقم خریدار کو لوٹا دی جائے ( محی الدین غازی فلاحی)۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

راقم کا خیال ہے کہ اسے اقالہ یا خیار نقد سے تعبیر کرنا مناسب نہیں؛ کیونکہ صورت مسئولہ( کا یہ جملہ ،''لیکن کالونی بنانے والا اپنی طرف سے اس سودے کوکینسل مانتا ہے، اب اگر بعد میں خریدار قسطیں ادا کرنا چاہے ، یا اپنی زمین کامطالبہ کرے '') اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس میں رکن اقالہ (صراحتاً یا دلالۃ اقالہ پر ایجاب وقبول) اور شرط اقالہ (فریقین کی رضامندی) نہیں پائی جارہی ہے؛ بلکہ یہ ادھار قسطوں کی شکل میں بیع ہے، عقد بیع کے ساتھ ہی مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے، اس لئے میرے نزدیک دوسرا نقطہ نظر راجح ہے۔

**اس موضوع کا پندرہواں سوال** زمین کی دلالی سے متعلق کچھ اور مسائل ہیں ؛ جن کے دو اجزاء ہیں، پہلا جزء یہ ہے کہ :

الف: آسان شکل تو یہ ہے کہ دلال زمین کاگراہک لائے، اور اپنی دلالی وصول کرے؛ لیکن دلال زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرلیتا ہے، پھر اس کو من مانی قیمت پر بیچ دیتا ہے، زمین والے نے جتنی قیمت بتلائی تھی، اتنی اس کو دے دیتا ہے اور باقی کو اپنے لئے جائز سمجھتا ہے ، کیا یہ درست ہے ؟

اس کے جواب میں دو طرح کے موقف پائے جاتے ہیں :

پہلا موقف یہ ہے کہ مذکورہ صورت ناجائز اور حرام ہے، اور اس پر ایک دو کے علاوہ تقریباً تمام لوگوں کا اتفاق ہے، اس کے قائلین ہیں : ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری ، مفتی محمد الیاس قاسمی ،مفتی محمد زبیر ندوی،مفتی مقصود علی فرقانی،قاضی عبد الجلیل قاسمی،مفتی عبدالمنان، مولانا ظہیراحمد قاسمی،مفتی ظفر عالم ندوی وغیرہ۔

ان میں سے بعض نے جواز کی کچھ شکلیں بھی پیش کی ہیں۔

ان کے دلائل اور جواز کی شکلیں درج ذیل ہیں :

یہاں دلال وکیل ہے، اور وکیل کو موکل کے سامان کا جو عوض حاصل ہو، اس عوض کاحقدار موکل ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ؛ لہذا صاحب زمین سے بغیر معاملہ کی وضاحت کیے ہوئے، زائد رقم خود رکھ لینا شرعاً جائز نہیں( دیکھیے مقالہ ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی ، مفتی محمد عثمان بستوی)۔

دلال زمین کا مالک نہیں ہے، بلکہ وہ صرف وکیل بالبیع ہے، اور وکیل کے سارے تصرفات موکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور وکیل کی اجرت معلوم و متعین ہونی چاہیے (دیکھیے مقالہ مفتی عبدالحمید قاسمی دیناجپوری، ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی،

مفتی محمد زبیر ندوی )۔

اجرت طے شدہ اور متعین ہونی چاہیے، معاملہ مبہم نہ رہنا چاہیے ( مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی بہ حوالہ فتاوی رحیمیہ)۔

یہاں دلال وکیل ہےبائع کا ،اگر وہ اس کی اجازت کے ساتھ زائد رقم سے فروخت کرے تو جائز ہے، ورنہ نہیں (مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی)۔

یہ ناحق طریقہ سے اور صاحب مال کی رضا مندی کے بغیر اس کا مال لینا ہے، اورقرآن کی آیت:''ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل'' اور حدیث ''لا يحل مال امرىء مسلم إلا بطيب نفس منه'' کی رو سےیہ حرام ہے (ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی اور راقم الحروف)۔

دلالی کی یہ شکل بہ اعتبارصور ت مسئولہ جمہور علماء احناف، شوافع اورمالکیہ کے نزدیک جائز نہیں،امام احمد اور امام اسحاق کے نزدیک جائز ہے ( مفتی محمد الیاس قاسمی)

امام بخاری نےاس کے جواز کی ایک شکل پیش کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن سیرین کا قول نقل کیا ہے:

''وقال ابن عباس لا بأس أن يقول بع هذا الثوب، فما زاد على كذا وكذا فهو لك، وقال ابن سيرين: إذا قال بعه بكذا فما كان من ربح فهو لك، أو بيني وبينك، فلا بأس به، وقال النبيﷺ: المسلمون عند شروطهم'' (بخاری باب اجر السمسرة: ۲۲۷۳)۔

لہذا یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہےکہ دلال نے مالک زمین سے طے کر لیاکہ مقررہ قیمت سے زائد میری ہوگی، اور زمین کا مالک اس پر راضی ہو (مفتی محمد الیاس قاسمی ، قاضی عبد الجلیل قاسمی ، ڈاکٹر مفتی محمدشاہجہاں ندوی اورراقم الحروف )۔

البتہ مفتی زبیر ندوی نے احسن الفتاوی کا ایک فتوی ذکر کیا ہے،جس کی رو سے یہ صورت بھی ناجائز ہے، حوالہ مذکور نہیں (دیکھیے مقالہ مفتی محمد زبیر ندوی )۔

دوسرا موقف یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے، اس کے قائلین ہیں : مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی

ان کے نزدیک صورت مسئولہ کے اعتبار سے دلال کو دلال نہیں کہا جائے گا، بلکہ تاجر کہا جائے گا۔

ترجیح ووجہ ترجیح :

دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ پہلا موقف راجح ہے، جیساکہ بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے ۔

اس سوال کا دوسرا جزء یہ ہے کہ:

ب: دلال کمپنیاں جو شکل سب سے زیادہ استعمال کر رہی ہیں، وہ یہ ہے کہ زمین بیچ دیتے ہیں ، لیکن قبضہ نہیں دیتے،اور ان کو کہہ دیتے ہیں کہ جب بھی آپ کو بیچنا ہو تو آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کریں گے، کسی اور کو نہیں، کیا یہ مشروط بیع جائز ہے ؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ مذکورہ شکل درست

نہیں، کیونکہ مبیع اور ثمن پر ایک دوسرے کو قبضہ دلانا بیع صحیح کے احکام میں سے ہے،نیز عند العقد ایسی شرط لگانا جس سے عاقدین میں سے کسی کا نفع متعلق ہو، او رجو تقاضائے بیع کے خلاف ہو،بیع کو فاسد کردیتا ہے،حدیث میں اس کی ممانعت ہے، مزید دلائل ما قبل میں بھی گزر چکے ہیں،اس لئے یہ صورت بالاتفاق درست نہیں، البتہ بعض مقالہ نگاروں نےاس کے جواز کی کچھ شکلیں بیان کی ہیں،مثلاً:

بیع تو بلا شرط کر لی جائے، مگر بعد میں ایک معاہدہ کر لیا جائے کہ بعد میں آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کریں گے، تو یہ بیع صحیح ہو جائے گی (مفتی محمد عفان منصورپوری، مفتی ریاست علی قاسمی بہ حوالہ فتاوی محمودیہ)۔

''وإن ذكر البيع بلا شرط ثم شرطا على وجه المواعدة جاز البيع و لزم الوفاء'' (تبیین الحقائق ۳ ،۱۸۴مفتی محمد عفان منصورپوری، فتاوی خانیہ ۲،۱۶۵مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

هذا ما تبين لي ، والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب۔

* * *

# دوسرا باب

## تفصیلی مقالات

# عصر حاضر میں زمین کی خریدوفروخت سے متعلق اہم مسائل

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی•

اولا غصب کی تعریف مرقوم ہے:

''الغصب شرعاً أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالک وعلى وجہ يزول يد المالک إن كان فی يده أو يقصر يده إن لم يكن فی يده'' (التاتارخانیہ۱۶؍۴۲۶، ہدایہ علی شرح فتح القدیر ۷؍۳۶)۔

نیز آیت قرآنی وروایات پیش ہیں، کتاب اللہ میں ہے: ''يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل'' (البقرہ: ۱۸۸)۔

''عن عائشۃؓ أن النبیﷺ قال من ظلم شبراً من الأرض طوقہ اللہ من سبع أرضين'' (رواہ البخاری حدیث: ۲۴۵۳، مسلم: المساقاۃ حدیث: ۱۶۱۲)۔

''وقد روى ابن ابی شيبۃ بإسناد حسن من حديث أبی مالک الأشعری أعظم الغلول عند اللہ يوم القيامۃ ذراع أرض يسرقہ رجل فيطوقہ من سبع أرضين'' (۷۵؍۵)۔

''وقال النبیﷺ فی خطبتہ يوم النحر: إن دماءكم وأموالكم حرام كحرمۃ يومكم ہذا فی شہركم ہذا فی بلدكم ہذا الخ'' (اعلاء السنن ۱۶؍۳۸۶)۔

''وقولہ ﷺ: لا يحل مال امرئ مسلم إلا عن طيب نفسہ'' (رواہ ابن ماجہ والدارقطنی وكشاف القناع عن متن الاقناع ۴؍۸۳)۔

ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں کہ فی الجملہ غصب کی حرمت پر اجماع ہے، ''رواہ أبوإسحاق الجوزجانی: أجمع المسلمون على تحريم الغصب فی الجملۃ'' (المغنی مع الشرح الکبیر ۵؍۳۷۴ مکتبہ سلفیہ مئو، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۴؍۸۳)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں عقار میں غصب نہیں اور یہی امام ابویوسفؒ کا آخری قول ہے، لیکن امام محمدؒ کےیہاں اس کی قیمت کاضامن ہوگا، ''وفی الكافی وعلى ہذا الرأی على أن غصب العقار لا ينعقد موجباً للضمان إذاباع دارا لرجل وأدخلہا المشترى فی بنائہ لم يضمن البائع عند أبی حنيفۃ وہو قول أبی يوسفؒ آخراً وعند محمد يضمن قيمتہا'' (التاتارخانیہ ۱۶؍۴۲۸)۔

علامہ ابن الہمام نے بھی حنفیہ کی تائید میں فتح القدیر ۷؍۳۶۸ تا ۳۷۱ میں مفید بحث فرمائی ہے۔

مفتی ظفر احمدصاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ عقار کے برباد وتلف کرنے کی بنیاد پر بالاتفاق ضمان لازم ہوگا۔

---

• سابق شیخ الحدیث وپرنسپل جامعہ دار العلوم مئو۔

‘‘وأما نقصہ الغاصب من العقار بفعلہ أو سکناہ ضمنہ فی قولہم جمیعاً لأنہ إتلاف والعقار یضمن بالإتلاف من غیر اختلاف کما لو نقل ترابہا أو ہدم حیطانہا أو غرقہا بالماء أو ألقی الحجارۃ فیہا أو نقصہا بعرسہ وبنائہ فیضمنہ بغیر خلاف کذا فی الہدایۃ وغیرہا من کتب القوم’’ (اعلاء السنن ۱۶؍۴۰۶)۔

احقر کی رائے یہ ہے کہ غیر منقولہ ومنقولہ دونوں میں غصب کو عام رکھنا چاہئے، مشہور فقیہ اور محقق حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم کی تحریر پیش ہے:

‘‘اس بابت انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ غیر منقولہ احوال کےبارے میں حنفیہ نے جونقطۂ نظر اختیار کیا ہے وہ نہ نا مناسب ہے او رنہ دوسرے فقہاء کی رائے سے بہت مختلف، لیکن موجودہ زمانے میں اراضی اور جائیداد پر ناجائز تسلط کا فتنہ عام ہے اور کتنے ہی مالکان ہیں جو اپنی جائیدادوں سے محروم نان جو کے محتاج ہیں، اس لئے جیسے فقہاء متاخرین نے وقف کی جائیداد وغیرہ کی بابت جمہور کی رائے پر فتوی دیا ہے، موجودہ حالات میں عام مملوکہ جائیداد پرناجائز تسلط کی بابت بھی یہی رائے اختیار کی جائے تو شاید غلط نہ ہو (قاموس الفقہ ۴؍۴۳۹)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں غصب کرتے ہی غاصب مغصوب کا مالک سمجھا جائے گا ضمان دینے کے بعد، اگرایسا نہ مانیں تو ایک ہی شخص بدل اور مبدل منہ دونوں کا مالک ہوجائے گا، اسی لئے مغصوب میں غاصب کا تصرف ضمان سے پہلے درست ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹروہبہ زحیلی تحریر فرماتےہیں:

‘‘لو تصرف فی المغصوب بالبیع أو الہبۃ أو الصدقۃ قبل أداء الضمان ینفذ تصرفہ کما نفذ تصرفات المشتری فی المشتری شراء فاسدا’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵؍۷۲۳، نیز دیکھئے: المبسوط ۱۶؍۱۵، البدائع ۷؍۱۵۲، اللباب شرح الکتاب ۳؍۱۹۳)۔

‘‘ولأبی حنیفۃؒ أن الأصل مضمون بالغصب الأول ولا یقع البیع والتسلیم غصبا... ثم إذا ضمن المالک الغاصب قیمۃ المغصوب وقت الغصب أو وقت البیع والتسلیم جاز البیع لأنہ تبین أنہ باع ملک نفسہ الخ’’ (بدائع الصنائع ۶؍۱۳۲-۱۳۳)۔

مزید تائید اس عبار ت سے بھی ہورہی ہے:

‘‘ألا تری أنہ لو وہبہ أو باعہ جاز، وجہ الاستحسان قولہ علیہ الصلوۃ والسلام: فی الشاۃ المذبوحۃ المصلیۃ بغیر رضا صاحبہا ‘‘أطعموہا الأساری’’ (ہدایہ مع الشرح الفتح ۷؍۳۷۷ دار عالم الکتب ریاض)۔

بعض فقہاء نے قبل اداء ضمان تصرف سے منع فرمایا ہے:‘‘ولا یحل لہ الانتفاع بہا حتی یؤدی بدلہا استحساناً والقیاس أن یکون لہ ذلک وہو قول الحسن وزفر وہکذا عن أبی حنیفۃ’’۔

لیکن فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتےہیں کہ غاصب کو ملک مطلق حاصل ہوگئی ہے، اس لئے تصرف کرسکتا ہے: ‘‘وجہہ ثبوت الملک المطلق للتصرف’’ (ہدایہ مع الشرح الفتح ۳۷۷،۷)۔

اداء ضمان سے قبل تصرف کا جواز من وجہ اس حدیث سے بھی ہورہا ہے:‘‘عن عمارة بن حذيفة ....قال الزبيب: فدعتنى أمى، فقالت:هذا الرجل أخذ زربيتى فانصرفت إلى النبىﷺ يعنى فأخبرته فقال لى:‘‘احبسہ’’، فأخذت بتلبيبہ وقمت معہ مكاننا ثم نظر إلينا نبى الله قائمين فقال:‘‘ما تريد بأسيرک؟’’ فأرسلتہ من يدى فقام نبى الله ﷺ فقال للرجل:رد على هذا زربية أمہ التى أخذت منها’’ قال يا نبى الله:إنها خرجت من يدى قال:فاختلع نبى الله ﷺ سيف الرجل فأعطانيہ فقال للرجل:‘‘اذہب فزدہ آصعاً من طعام’’ قال فزادنى آصعا من شعير’’ (ابوداؤد حديث : ۳۶۱۲ باب القضاء)۔

مذکورہ تحریروں کی روشنی میں براہ راست قابضین اور ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا درست ہوگا، سرکار تو کسی نہ کسی طرح ان سے ضمان لے ہی لے گی۔

(۲) اس کا جواب دینے سے پہلے احقر قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی ایک تحریر جو مباحث فقہیہ ،۲۴۶-۲۴۷، نیز فتاوی قاضی ،۱۷۵-۱۷۶ پر موجود ہے، جس میں حضرت نے مرحومہ صغری بی بی ساکنہ بہار شریف ضلع پٹنہ کے وقف۱۸۹۶، جس کی مالیت ملکۂ وکٹوریہ کے چاندی والے سکہ سے ۱۲ لاکھ تھی جو آج کے نرخ سے بارہ ارب روپے ہوئے، اس کی زبوں حالی کا خاکہ پیش فرماتے ہوئے اور ایک استفتاء ‘‘قبرستان سے دوسرا مصرف لیا جانا ’’ کے تحت لکھتے ہیں:

‘‘ایسی صورت میں جبکہ اس کا قوی امکان ہے کہ ایسی اراضی پر غاصب لوگ قبضہ کرلینگے جس کو ہٹانا ناممکن ہے یا بے حد دشوار ہے، میری رائے میں ایسی قبرستان کی اراضی کو کرایہ Lease پر دیا جاسکتا ہے اور یہی اقرب إلی الفقہ ہے، احقر کہتا ہے کہ رد المحتار علی الدر ۵۵۰،۶ پر سید محمد امین ابن عابدین نے ‘‘مطلب فی نقل القاضی المسجد ونحوہ ’’ کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجد کی شہادت کے بعد اس کے سامان کو کسی دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں منتقل کرنا بشرطیکہ اس مسجد یا اس حوض کو فی الحال یا فی المآل ضرورت نہ ہو تو اس کی بابت علماء کا اختلاف تھا، سید امام ابوشجاع، شمس الدین حلوانی، امین الدین بن عبد العال ، احمد بن یونس شلبی، زین الدین ابن نجیم، شیخ محمد وفائی جواز کے قائل تھے، شیخ امام محمد بن سراج الدین الحانوتی کا مفتی بہ قول عدم جواز کا تھا، بعض حضرات نے شرنبلالی کے قول کے مطابق عدم جواز کا قول فرمایا تھا، لیکن جب چور اچکے ڈاکو مسجد کا سامان اٹھالے گئے تو پھر انہیں یہ فتوی بدلنا اور کہنا پڑا کہ ایک مسجد کا سامان جبکہ اس مسجد کو ضرورت نہ ہو قاضی کی اجازت سے دوسری مسجد میں استعمال ہوسکتا ہے۔

اب عرض ہے کہ موقوفہ زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے، ایسی بیع بیع باطل ہے (فتاوی رحیمیہ ۹؍۶۳)، علائیہ میں ہے: ‘‘فإذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرہن قولہ لا یملک أی لا یکون مملوکا لصاحبہ ولایملک أی لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ’’ (رد المحتار علی الدر ۶؍۵۳۹)، احقر کے نزدیک موقوفہ کی بیع باطل ہے، الا یہ کہ اس کے دست وبرد اور ضائع ہونے کا یقین کامل ہو تو اسے بیچ کر واقف کی منشا کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسری جائیداد خریدی جاسکتی ہے۔

مولانا سید عبد الرحیم لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

‘‘موقوفہ زمین اس وقت بیچی جاسکتی ہے جبکہ واقف نے اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہوسکے ’’ (فتاوی رحیمیہ ۹؍۴۵-۴۶)۔

(۳) ‘‘(وکل) من شرکاء الملک (اجنبی) فی الامتناع عن تصرف مضر (فی مال صاحبہ) لعدم تضمنہا الوکالۃ (فصح لہ بیع حصتہ ولو من غیر شریکہ بلا إذن)’’ (الدر المختارمع الرد ۶؍۴۶۶-۴۶۷، شرح فتح القدیر ۵؍۳)۔

دکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

‘‘إن کان فی المبیع حق لغیر البائع کان العقد موقوفاً غیر نافذ’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۳۷۲)۔

ڈاکٹر صاحب کی دوسری تحریر یوں ہے:

‘‘أن لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع ..... لأنہ وإن کان مملوکاً لہ ولکن للغیر حق فیہ’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۳۸۷)، صورت مذکورہ میں شرط نفاذ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے بیع موقوف رہے گی، اجازت کے بعد اس کے اپنے حصہ کی بیع درست ہوجائے گی، بشرطیکہ کوئی اور وجہ حرمت نہ پائی جائے۔

(۴) ‘‘رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری منہ شیئاً فہذا علی خمسۃ أوجہ:(۱) إما إن دفع تلک الدراہم إلی البائع أولا ثم اشتری منہ بتلک الدراہم، (۲) أو اشتری قبل الدفع بتلک الدراہم ودفعہا، (۳) أو اشتری قبل الدفع بتلک الدراہم ودفع غیرہا، (۴) أو اشتری مطلقاً ودفع تلک الدراہم، (۵) أو اشتری بدراہم آخر ودفع تلک الدراہم، اختلف أبو نصر وأبوبکر وأبو الحسن، قال الکرخی:قال أبو انصر:یطیب لہ ولا یجب علیہ أن یتصدق فی الوجہ الأول وإلیہ ذہب فقیہ أبو اللیث رحمہ اللہ، لکن ہذا خلاف ظاہر الروایۃ فإنہ نص فی الجامع الصغیر إذا غصب ألفاً فاشتری بہا جاریۃ وباعہا بألفین یتصدق بالربح وقال أبو الحسن الکرخی فی الوجہ الأول والثانی:لا یطیب ویتصدق وفی الوجہ الثالث والرابع والخامس یطیب وقال أبوبکر:لا یطیب لہ ویجب علیہ التصدق فی الوجوہ کلہا لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس’’ (تاتارخانیہ ۸؍۳۴۶ کتاب البیوع، رد المحتار علی الدر ۷؍۴۹۰ زکریا)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

‘‘بلکہ مفتی بہ قول کے اس جملہ ‘‘وفی الثلاث الأخیرۃ یطیب الخ’’ سے مملوک حلال

اور جائز الاستعمال معلوم ہوتا ہے اور جب مورث کے لئے مملوک حلال اور جائز الاستعمال ہوگا تو وارثین کے لئے بدرجۂ اولی مملوک حلال اور جائز الاستعمال ہوگا (منتخبات نظام الفتاوی ۲۷۱،۲، محمود الفتاوی ۴۱۷،۵ تا۴۱۹)، کرخی کے قول کے مطابق ان کےلئے زمین خریدنا درست ہے۔

(۵) یہ اخلاف وعدہ ہے اور وعدہ کا نقض مکروہ ہے، اگر پہلے سے ایفا کی نیت تھی اور کسی مجبوری سے بدل دیا تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر وعدہ کرتے ہی وقت ایفا کی نیت نہ تھی تو مکروہ تحریمی ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں تصریح فرمائی ہے کہ اصل چیز وعدہ میں نیت ہے، اگر فساد نیت ہے تو مذموم ہے (درس بخاری ضبط وتحریر مولانا عبد الوحید فتحپوری،۲۳۴)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''امام محمدؒ کے نزدیک جب تک وقف کے لئے متولی مقرر کرکے اس کے حوالہ نہ کردے وقف مکمل نہ ہوگا، سراجیہ وخلاصۃ الفتاوی میں اسی کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے'' (قاموس الفقہ،۲۹۵،۵)۔

حضرت امام ابویوسفؒ کے یہاں وقف کا تلفظ کرتے ہی وقف مکمل ہوجائے گا اور واقف کی ملکیت اس پر ختم ہوجائے گی، مشائخ بلخ، صاحب منیۃ المصلی اور ملا حداد وغیرہ نے اسی پر فتوی دیا ہے، علامہ شامی نے بھی امام ابویوسف ہی کے قول پر فتوی نقل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی میں احتیاط ہے (قاموس الفقہ،۲۹۵،۵)۔

علامہ کاسانی کی تحریر ملاحظہ ہو:

''وأجمعوا على أن من جعل داره أو أرضه مسجداً يجوز وتزول الرقبة عن ملكه لكن عزل الطريق وإفرازه والإذن للناس بالصلاة فيه والصلوة شرط عند أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى، حتى كان له أن يرجع قبل ذلك وعند أبى يوسف تزول الرقبة عن ملكه بنفس قوله جعلته مسجداً وليس له أن يرجع عنه على ما نذكره'' (بدائع الصنائع ۳۲۶،۵) ۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه'' (۲۳۸،۳ كتاب الوقف الباب الحادى عشر بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱۰۰،۹)۔

''وإن جعل أرضاً له مسجدا لعامة المسلمين وبناها وأذن للناس بالصلاة فيها وأبانها من ملكه وأذن فيه المؤذن وصلى الناس جماعة صلوة واحدة أو أكثر لم يكن له أن يرجع فيه وإن مات لم يكن ميراثاً'' (الكافى للحاكم شهيد على المبسوط للسرخسى ۳۴،۱۲ نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲۴۸،۵، تاتارخانیہ ۱۵۶،۸، کتاب الوقف، بیان الحقائق ۳۲۶،۳، فتاوی عثمانی ۵۳۶،۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۳،۸، فتاوی محمودیہ ۱۵۷،۱۸، مجمع الانہر ۷۵۵،۱)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

‘‘غیر آباد جنگل وبیابان میں مسلم آبادی قائم کرنے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے کی غرض سے وسیع قطعہ زمین خریدی گئی اور مسجد ومدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جگہ بھی متعین کردی گئی ..... رہائش گاہیں اور مکانات تعمیر کرنے سے قبل تبرکاً مسجد کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی، اس کو دس سال کا عرصہ گذر جاتا ہے مگر رہائش گاہیں بنانے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے میں کامیابی نہیں ہوئی، قرب وجوار میں نہ کوئی چھوٹی بڑی مسلم آبادی ہے اور نہ مسلمانوں کو اس کی حاجت ہے، وہاں نہ اذان ہوئی نہ نماز پڑھی گئی اور نہ مسجد بننے اور آباد ہونے کے قرائن پائے گئے تو یہ مسجد شرعی نہ ہوگی ’’ (فتاوی رحیمیہ ۹؍۹۹-۱۰۰)۔

مذکورہ تحریروں سے احقر کی یہی رائے ہے کہ معلوم ہونے کے بعد بھی اس کی بیع وشراء درست ہونی چاہئے۔

(۶) نقشہ کے مطابق ہی تعمیر کرنی چاہئے، لیکن اگر ایسا نہ کرکے مسجد کے لئے زمین دیدیتا ہے اور ملکیت سے خارج کرکے وقف کردیتا ہے اور مسجد تعمیر ہوکر مع اذان باجماعت نماز ہونے لگتی ہے تو وہ مسجد شرعی ہوجائے گی، نیز مسجد مسلمانوں کی ایک اہم ضرورت ہے، ایک مسلمان کے لئے گارڈن سےکہیں زیادہ ضروری مسجد ہے، اس لئے اسے مسجد شرعی قرار دیا جانا چاہئے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ‘‘مسجد شرعی کےلئے اس کا راستہ عام ہونا چاہئے ’’ (کفایت المفتی ۳؍۱۶۳)۔

ہندیہ میں ہے:‘‘فلو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس فی دخوله والصلاة فیه إن شرط معه الطریق صار مسجداً فی قولهم وإلا فلا’’ (۲؍۴۵۴-۴۵۵)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ تحریر فرماتےہیں:‘‘رفاہی پلاٹ پر مسجد بناسکتے ہیں، مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے ’’ (احسن الفتاوی ۶؍۴۴۴-۴۴۵)۔

(۷) ذکر کردہ سارے حالات مجبوری واضطرار کے ہیں، ان حالات میں شرعی وسعت رکھی گئی ہے، اس لئے اگر آئندہ ہتک عزت کااندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

‘‘لو اضطر إلی دفع رشوة لإحیاء حقه جاز له الدفع وحرم علی القابض’’ (رد المحتار علی الدر ۷؍۲۶۵ زکریا) ۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتےہیں: ‘‘اگر دفع ظلم کےلئے رشوت دی جائے تو توقع ہے کہ دینے والے پر پکڑ نہیں ہوگی، لینے والا بہرحال حرام کھائے گا ’’ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷؍۶۷)۔

(۸) فقیہ وقت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

‘‘اس قدر قرض لینا جائز ہوگا جس کے ذریعہ تاجر اپنے آپ کو قانونی گرفت سے بچاسکے، بالخصوص اس لئے بھی کہ قومیائے ہوئے بینک سرکاری ادارے ہیں اور سرکاری

قرضہ جات کے معاملہ میں علماء نے زیادہ نرمی برتی ہے " (کتاب الفتاوی ۳۱۵،۵)۔

حضرت ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں:

‘‘انکم ٹیکس وغیرہ کے ناواجبی قانون سے بچنے کے لئے ایک قانونی ضرورت بن گئی ہو یا کاروبار کا بقا اور اس کاتحفظ بغیر لون لئے دشوار ہوجائے تو بینک کا قرض لیا جاسکتا ہے" (جدید فقہی مسائل ۲۷۵،۲-۲۷۶)۔

(۹) احقر اولاً تسلیم یا قبض کی وضاحت کررہا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتےہیں:

‘‘التسلیم أو القبض معناہ عندالحنفیۃ ہو التخلی أو التخلی وہو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع الحائل بینہما علی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعلہ البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ، التخلیۃ وہی أن یتمکن المشتری من المبیع بلا مانع أی أن یکون مفرزا ولا حائل أی فی حضرۃ البائع مع الإذن لہ بالقبض" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۱۸،۴)۔

ساتھ ہی غرر کی تعریف بھی عرض ہے:

‘‘قال السرخسی:الغرر مایکون مستور العاقبۃ، وقال القرافی المالکی:أصل الغرر ہو الذی لایدری ہل یحصل أم لا، کالطیر فی الہواء والسمک فی الماء، وقال الشیرازی الشافعی:ما انطوی عنہ أمرہ وخفی علیہ عاقبتہ وقال ابن تیمیۃ:الغرر ہو المجہول العاقبۃ، وقال ابن حزم: ما لا یدری المشتری ما اشتری أو البائع ما باع" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۳۷،۴)، یعنی تخلیہ کے معنی یہ ہیں کہ مشتری کو اس بات پر قدرت دے دی جائے کہ وہ جب چاہے آکر مبیع پر قبضہ کرلے، جب قبضہ کرنے میں کوئی مانع نہ رہے، صورت مسئولہ میں تخلیہ بھی نہیں پایا گیا، نیز مبیع کی جہالت بھی لازم آرہی ہے جو مفضی إلی المنازعات ہوسکتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تعیین ونمبرنگ تو ہوئی تھی لب روڈ کی اور اب دیا جارہا ہے روڈ سے بہت دور، روڈ سے ہٹ کر، یہ سبھی جانتے ہیں کہ لب روڈ کی کیا ویلو ہے، یا نمبرنگ تو ہوئی تھی اس زمین کی جس میں دو راستےملتے تھے، اب ایک ہی راستہ یا سرے سے راستہ ہی نہیں ، یا معاملہ جانب مشرق کا ہوا تھا اور دیا جارہا ہے مغرب کی سمت وغیرہ وغیرہ، اس لئے اس معاملہ کے مفضی إلی المنازعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بیع کے جواز کا کلیدی عنصر جو بنص قرآنی ‘‘إلا عن تراض" ہے، مفقود ہورہا ہے، اس لئے خریدوفروخت کا یہ عمل درست نہیں ہونا چاہئے، سوال کےسیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں تخلیہ نہیں اور تخلیہ ہی قبضہ ہے، ‘‘وأجمعوا علی أن التخلیۃ فی البیع الجائز تکون قبضا الخ’’ (عالمگیری ۱۶،۳)۔

(۱۰) اس پُرفتن دور میں جبکہ مالک زمین ایک زمین کوکئی دفعہ لوگوں کو دھوکہ دے کر فروخت کرتا رہتا ہے؛ حتی کہ کئی کئی دفعہ ایک زمین کی رجسٹری بھی کردیتا ہے، اس لئے جب تک کاغذی طو رپر تحصیل میں رجسٹری ہوکر نیٹ پر نام نہ آجائے وہ خریدار نہیں مانا جائے گا، چونکہ وہ زمین ابھی بائع کے پاس ہی ہے، اس لئے کاشت بھی

اسی کی ہوگی اور زمین بھی اسی کی ہوگی، احقر کا مشاہدہ ہے کہ کورٹ اور عدلیہ میں اس طرح کے بیشتر مقدمات چل رہے ہیں۔

(۱۱) مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''آجکل بعض معاملات بالخصوص زمین کے معاملات میں کاغذی اندراج اور اسکی سرکاری کارروائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لہذا اس کو بھی تخلیہ کے لئے کافی سمجھا جائے گا '' (جدید تجارتی شکلیں،۳۴)۔

حضرت امام شافعیؒ وامام محمدؒ وامام زفرؒ کے یہاں کسی بھی شئی کو قبل القبض فروخت کرنا درست نہیں:

''لایجوز بیع المبیع قبل قبضہ عقاراً کان أو منقولاً لا بإذن البائع ولا بغیر إذنہ لا قبل أداء الثمن ولا بعدہ'' (شرح المہذب)۔

''قال أبو حنیفۃ وأبو یوسف رحمہما اللہ یمنع البیع قبل القبض فی سائر المنقولات ویجوز فی العقار الذی لا یخشی ہلاکہ کما فی فتح القدیر (تکملۃ فتح الملہم ۱،۳۵۰۔۳۵۱)۔

(۱۱۔الف) کالونی بنانے کی ملکیت سے مراد اگر کالونی بنانے والے کے نام سے اس زمین کا داخل خارج ہوچکا تھا اور اس کے نام زمین نیٹ پر آگئی تھی تو بلاشبہ اس کا فروخت کرنا درست ہوگا، لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ فروختگی درست نہ ہوگی۔

(۱۱۔ب) اس کا عدم جواز تو سوال میں ہے ظاہر ہے، جبکہ زمین ابھی بیعانہ دینے والے کے نام نہیں ہوئی، اصل مالک ہی کے نام ہے تو پھر بیعانہ دینے والا اسے اگلے شخص کو کیسے فروخت کرسکتا ہے، لہذا من وجہ الف وب دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا یا الف کا اور، او رب کا اور نیزیہ کہ قانونی رکاوٹ کا بھی اندیشہ ہے۔

(۱۲) مذکورہ صورت بیع کی نہیں بلکہ وعدۂ بیع ہے اور ان دونوں میں فرق ہے، بیع میں حق ملکیت خریدار کو منتقل کردیا جاتا ہے اور وعدۂ بیع میں ایسا نہیں، بیع میں نہ صرف ملکیت منتقل ہوتی ہے؛ بلکہ اس کارسک (ضمان) بھی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، وعدۂ بیع میں اگر مبیع کسی اورکےہاتھ فروخت کردے تو کہاجائے گا کہ اخلاقاً اچھا نہیں کیا، لیکن قانونی اعتبا ر سے یہ بیع درست ہوجائے گی، وعدہ بیع میں اگر بائع دیوالیہ (مفلس) ہوجائے تو خریدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں چیز جو میں خرید چکا ہوں، لہذا یہ چیز مجھے دیدی جائے؛ بلکہ وہ چیز بدستور بائع کی ملکیت رہے گی (ماخوذ از اسلام اور جدید معاشی مسائل از مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ ۳،۲۰۰ تا ۲۰۲)۔

چونکہ زمین ابھی اصل مالک سے ٹرانسفر بھی نہیں ہوئی، اس لئے یہ بیع نہیں ہوئی، اگر یہ بیع درست ہوجاتی تو بائع کو اسے فروخت کرنے میں دلال کی کیا ضرورت پڑتی، خریدنے والا تو خود مختار ہوتا ہے، وہ مبیع کو بیچنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

(۱۳) سوال میں مذکور جملے ''اب اگر خریدار کو بیچنا ہے الخ '' صلب عقد میں ہیں

تویہ معاملہ فاسد ہوگا اور اگرایسا نہیں ہے تو پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہونی چاہئے، نیز اگر اس طرح کامعاملہ مبیع پر قبضہ اور ضمان میں آنے سے پہلے کا ہے تو قیمت میں یہ اضافہ مشتری کو دیدینا ربح ما لم یضمن کے قبیل سے ہوگی اور مشتری اول کی ملکیت زمین پر ثابت نہ ہوگی۔

(۱۴) اگر مشتری کسی مجبوری کے تحت کوئی قسط ادا نہ کرسکا تو بائع کو مہلت دینی چاہئے تھی، ''وإن کان ذو عسرة فنظرة إلی میسرة''، لیکن اگربلاوجہ قسط کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو معاملہ کرنے کے بعدیہ شرط لگا دی جائے کہ ایسا کرنے پر کچھ اضافی رقم تبرعاً دینی پڑے گی جو تیسرے شخص کے پاس محفوظ رہے گی اور خیراتی وامدادی ضرورتوں میں کام آئے گی، اگر مجبوراً ایسا ہوا اور کالونی بنانے والے نے یکطرفہ سودا کینسل کردیا تو وہ درست نہیں، اگر وہ اس مبیع کو کہیں اور بھی فروخت کردے گا تو وہ ثمن بھی کالونی بنانے والے کے لئے حلال نہ ہوگا (دیکھئے: احسن الفتاوی ۶؍۵۰۵۔۵۰۶، نیز اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳؍۱۳۰۔۱۳۱)۔

(۱۵۔ الف) اگر غبن فاحش نہ پایاجائے تو درست ہے، علائیہ میں ہے:''ہو ما لا یدخل تحت تقویم المقومین'' یعنی غبن فاحش یہ ہے کہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت وہ داخل نہ ہوسکے، یعنی اندازہ سےکہیں زیادہ، اس کے تحت علامہ شامی لکھتےہیں:

''وذلک کما لو وقع البیع بعشرة مثلاً ثم إن بعض المقومین یقول إنہ یساوی خمسة وبعضہم ستة وبعضہم سبعة فہذا غبن فاحش لأنہ لم یدخل تحت تقویم أحد '' (رد المحتار علی الدر ۷؍۳۶۳)، یعنی اگر کسی نے کوئی سامان دس میں بیچا مگر بعض اس کی قیمت پانچ بعض چھ اور بعض مقومین سات لگاتے ہیں تو دس میں بیچنا غبن فاحش ہوگا۔

احقر کے نزدیک غبن فاحش کے ساتھ معاملہ مع الکراہت درست ہوگا۔

علائیہ میں ہے: ''واعلم أنہ (لا رد بغبن فاحش)..... (فی ظاہر الروای) (الدر المختار مع الرد ۷؍۳۶۳)۔

(۱۵۔ ب) اگر زمین پر قبضہ دلانے کےبعد میں واپسی کی شرط اسی قیمت پر ہوئی تو بیع وفا ہونے کے باعث درست قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن یہاں تو سرے سے قبضہ ہی مشتری کا نہیں، علاوہ ازیں اسی مجلس عقد میں یہ شرط ہے، اس لئے شرط فاسد کے باعث یہ معاملہ فاسد ہوگا۔

اکیڈمی کے بائیسویںسمینار میں یہ موضوع زیر بحث آچکا ہے، اس کا فیصلہ ۴ اس طرح ہے:''اگر کوئی شخص سخت ضرورت مند ہو، اس کو نہ قرض حسن ملے اور نہ ہی رہن پر قرض ملے اور وہ نقد رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی کوئی شئی کسی کےہاتھ فروخت کرتا ہےجبکہ اس کا ارادہ ہو کہ بعد میں اس کو دوبارہ خرید لے گا تو اس کی گنجائش ہے، البتہ واپس خریداری کا ذکر اس معاملہ کے کرنے کے درمیان نہ کیا جائے، بلکہ اس سے الگ

باہمی معاہدہ ہوجائے کہ خریدار اسے اسی قیمت پر دوبارہ فروخت کردے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا " (مجلہ واپسی کی شرط پر خریدوفروخت (بیع وفا)،۳۵)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں: اگر بیع کے اندر یا اس سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا جانبین اس عقد کو غیر لازم سمجھ رہے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے، اور اگر بیع کے بعد واپسی کا وعدہ کیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفا لازم ہے، "قال فی العلائیۃ وقیل بیع یفید الانتفاع بہ وفی إقالۃ شرح المجمع عن النہایۃ وعلیہ الفتوی الخ" (احسن الفتاوی ۵۰۷،۶، دیکھئے : الدر المختار علی الرد ۵۴۶،۷، نوازل فقہیہ معاصرۃ ۲۶۸،۱، ۲۶۹)۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ایک تحریر عرض ہے جو بیع قبل القبض سے متعلق ہے حضرت لکھتےہیں:

"اور آج سرمایہ دارانہ نظام کےاندر جو مفاسد پائے جاتےہیں ان مفاسد میں اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ ان مفاسد مینکم از کم پچاس فیصد بیع قبل القبض کا ہے، یعنی آدھے مفاسد اس سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے، اس کی وجہ سے بازار میں عدم استحکام پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے بازار میں قیمتونمیں زلزلے آتے ہیں کہ ایک دم سے چڑھ گئی، ایک دم سےنیچےاتر گئی" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۹۸،۲)۔

# اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق نئے مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی•

**تمہید:**

زمین اللہ تعالی کی عظیم الشان، بے بہا اور انتہائی قیمتی نعمت ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے انسانوں پر اپنے احسانات کے زمرہ میں اس کا شمار کیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘الذی جعل لکم الأرض فراشاً والسماء بناء’’ (البقرہ: ۲۲) (اس کی بندگی کرو جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش (بچھونا) اور آسمان کو چھت بنایا) اور زمین کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالی نے اس کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:‘‘والأرض وما طَحٰہا’’ (الشمس: ۶) (اور قسم ہے زمین کی اور جیسا کچھ اس کو بچھایا)۔

اور زمین ہی ہمارے ماحول کا وہ حصہ ہے جس پر ہم چلتے ہیں، اور یہ بھی اللہ رب العزت کا عظیم احسان ہے کہ اس نے زمین کو قابل آمد ورفت بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ‘‘ہو الذی جعل لکم الأرض ذلولاً فامشوا فی مناکبہا، وکلوا من رزقہ وإلیہ النشور’’ (الملک: ۱۵) (وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ہموار بنایا، تو تم اس کے شانے پر چلو پھرو، او راس کی بخشی ہوئی روزی میں سے کھاؤ، اور اسی کے دربار میں تمہیں دوبارہ زندہ ہوکر جانا ہے)۔

اور اس کی مٹی ہی جو چٹانوں کے ٹوٹنے پھوٹنے سے وجود میں آتی ہے، نباتی بالیدگی کا ذریعہ ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:‘‘ولقد مکناکم فی الأرض وجعلنا لکم فیہا معایش قلیلا ما تشکرون’’ (الاعراف: ۱۰) (اور ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا، اور تمہارے لئے اس میں سامان زیست مہیا کیا، پر تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو)، اور ارشاد ہے: ‘‘سبحان الذی خلق الأزواج کلہا مما تنبت الأرض ومن أنفسہم ومما لا یعلمون’’ (یس: ۳۶) (پاک ہے وہ ذات جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کئے ان چیزوں میں سے بھی جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے اندر سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو وہ نہیں جانتے)۔

او راسی زمین کی منصفانہ تقسیم نہ ہونے سے انسانو نکے درمیان لڑائیاں برپا ہوتی ہیں، لہذا اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ زمین کا حصول شریعت کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں ہو، تاکہ انسانی سماج سے بدامنی دور ہو، اور یہ زمین امن وآشتی، اخوت

• عمید کلیۃ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، شانتاپرم، مالا پرم، کیرالہ۔

ومحبت اور بھائی چارگی کا گہوارہ بنے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

**سوال نمبر ۱ کا جواب:**

بعض لینڈ گرابرس (Land Grabbers) یعنی زمین غصب کرنے والے، سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر کا سرکاری اراضی پر قابض ہوکر انہیں فروخت کرنا حرام ہے خواہ رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داروں سے وہ لے آوٹ (Lay out) یعنی آبادی کا نقشہ بھی منظور کراچکے ہوں؛ اس لئے کہ سرکاری اراضی مال عام میں سے ہیں، اور مال عام کسی کی ملک نہیں، بلکہ وہ ساری قوم کی مشترکہ دولت ہے جس میں مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا حق صرف حاکم وقت کو ہے، لہذا مال عام پر ہر طرح کی دست درازی حرام ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مال عام پر دست درازی باطل طریقہ سے مال کو برتنے میں داخل ہے جو شریعت میں ممنوع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل...’’ (النساء: ۲۹) (اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ)۔

۲۔ اللہ تعالی نے مال عام کی چوری پر سخت وعید فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ‘‘ومن یغلل یأت بما غلّ یوم القیامۃ ثم توفی کل نفس ما کسبت وہم لا یظلمون’’ (آل عمران: ۱۶۱) (اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ ملے گا، اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا)۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتےہیں:

‘‘وہذا تہدید شدید ووعید أکید’’ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۵۱۸٫۱، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ۱۹۹۴ء) (اس آیت میں مال عام کے اندر خیانت کے سلسلہ میں سخت دھمکی اور زبردست وعید ہے)۔

۳۔ رسول کریمﷺ نے بھی مال عام پر دست درازی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، جیسا کہ جنابہ خولہ انصاریہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘إن رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق، فلہم النار یوم القیامۃ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۳۱۱۸، ترمذی حدیث نمبر: ۲۳۷۴، مسند احمد حدیث نمبر ۲۷۰۵۴، ۲۷۳۱۸) (کچھ لوگ اللہ کے مال کو ناحق ہڑپ کرتے ہیں، سو قیامت کے دن ان کے لئے آگ ہے)۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نےلوگوں سے خطاب کرتےہوئے فرمایا: ‘‘یا أیہا الناس! أدوا الخیاط والمخیط، فإن الغلول یکون علی أہلہ عارا وشنارا یوم القیامۃ’’ (موطأ مالک حدیث نمبر: ۹۷۷، سنن نسائی حدیث نمبر: ۳۶۸۸، نسائی، السنن الکبری حدیث نمبر: ۶۵۱۵، او راس کی سند حسن درجہ کی ہے) (اے

لوگو! سلائی کی سوئی اور دھاگے وغیرہ بھی ادا کرو؛ کیونکہ مال غنیمت کی چوری روز قیامت چوری کرنے والے کے لئے عیب ورسوائی ہوگی)۔

۵۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے اپنی دو انگلیوں کی پور کے درمیان اونٹ کے بال لے کر ارشاد فرمایا: یہ بھی تمہاری غنیمت کا حصہ ہے، اور مجھے بھی اس میں سے صرف پانچواں حصہ حاصل ہے، اور وہ بھی تمہارے مصالح میں ہی خرچ کیاجائے گا: ''فأدوا الخیط والمخیط وأقل من تلک وأکثر، ولا تغلوا؛ فإن الغلول عار ونار علی أہلہ فی الدنیا والآخرۃ'' (احمد شیبانی، الآحاد والمثانی حدیث نمبر ۱۸۶۶، مسند شاشی حدیث نمبر: ۱۲۶۱، طحاوی، شرح معانی الآثار حدیث نمبر: ۲۲۷۱، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (لہذا دھاگہ اور سوئی بھی ادا کرو، اور اس سے کمتر اور بڑی جو چیز ہو اسے بھی حوالہ کرو، اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرو، کیونکہ مال غنیمت میں خیانت دنیا اور آخرت میں خیانت کرنے والے کے لئے رسوائی اور آگ میں جانے کا سبب بنے گی)۔

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جو آپﷺ کا خادم اور مال غنیمت منتقل کرنے پر متعین تھا، ایک موقع سے اسے تیر لگا اور وہ مرگیا، اس پر صحابہ نے کہا، اسے شہادت مبارک ہو، یہ سن کر نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''کلا، والذی نفسی بیدہ، إن الشملۃ التی أخذ یوم خیبر من المغانم لم تصبہا المقاسم، لتشتغل علیہ ناراً'' (موطأ مالک حدیث نمبر: ۹۸۰، صحیح البخاری حدیث نمبر: ۴۲۳۴، ۶۷۰۷، سنن نسائی حدیث نمبر: ۳۸۲۷، نسائی، السنن الکبری حدیث نمبر: ۴۷۶۸، سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۷۱۱) (ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یقینا وہ چادر جسے اس نے خیبر کے دن غنیمت کی تقسیم سے پہلے لے لی تھی، وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے)۔

۷۔ حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقہ اللہ إیاہ یوم القیامۃ من سبع أرضین'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۶۱۰، مسند ابی عوانہ حدیث نمبر: ۵۵۳۱، مسند ابی یعلی حدیث نمبر: ۹۵۹) (جو ناحق بہ طور ظلم ایک بالشت کے بہ قدر بھی زمین لے گا، اللہ تعالی قیامت کے روز سات زمین سے اس کا طوق بناکر اس کےگلے میں ڈال دے گا)۔

۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''إن ہذا المال خضرۃ حلوۃ، فنعم صاحب المسلم ہو، ما أعطی منہ المسکین والیتیم وابن السبیل... وإنہ من یأخذہ بغیر حقہ کالذی یأکل ولا یشبع، ویکون شہیداً علیہ یوم القیامۃ'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۱۴۶۵، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۰۵۲، مسند طیالسی حدیث نمبر: ۲۱۸۰، بیروت، دا رالمعرفۃ) (یہ مال سرسبز اور شیریں ہے، اورمسلمان کا بہترین ساتھی ہے،

جبکہ اس میں سے مسکین، یتیم اور مسافر کو دے...اور اس کی مثال جو ناحق اس کو حاصل کرے اس شخص جیسی ہے جو کھائے اور آسودہ نہ ہو، اور یہ ناحق مال قیامت کے روز اس کے خلاف گواہ بنے گا)۔

ان تمام ادلہ سے واضح ہے کہ مال عام پر کسی قسم کی دست درازی درست نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ، رسول اور اہل ایمان کے ساتھ سنگین خیانت اور قابل مؤاخذہ جرم ہے۔

۹۔ ہرچیز کا مالک حقیقی اللہ تعالی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''للہ ملک السموات والأرض وما فیہن وہو علی کل شئی قدیر'' (المائدہ: ۱۲۰) (آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی ملکیت اللہ ہی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

لیکن شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے افرا دکو اللہ تعالی نے ذاتی ملکیت کا حق بھی دیا ہے، اور انفرادی ملکیت کے اسباب جیسے میراث، ہبہ، وصیت اور تبادلہ کے عقود کے ذریعہ ملکیت حاصل کرنے کی اجازت بھی دی ہے، البتہ مال عام کا مالک حقیقی اللہ تعالی ہی ہے، اور اس سے انتفاع کا حق پوری قوم کو ہے، جیسا کہ فرمان الہی ہے: ''ہو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً'' (البقرہ: ۲۹) (وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے)۔

اور مال عام میں مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا حق حاکم وقت کو ہے، جیسا کہ ابن نجیمؒ لکھتےہیں: ''تصرف الإمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ'' (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر،۱۲۳، بیروت، العلمیۃ، ۱۴۰۰ھ) (رعیت کے سلسلہ میں امام کا تصرف مصلحت کے ساتھ مربوط ہے)۔

لہذا حکومتی ضابطے کی پابندی کیے بغیر سرکاری اراضی پر قابض ہوجانا حرام ہے۔

اور جانتے بوجھتے غصب کردہ سرکاری اراضی کا قابضین یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا ناجائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ غصب کے تین احکام ہیں:

(الف) وہ شخص گنہگار اور مجرم ہے جس نے جانتے بوجھتے دوسرے کا مال زبردستی اس کی رضامندی کے بغیر لیا ہے، اور اس کا یہ عمل قابل مؤاخذہ ہے، وہ آخرت میں اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا ہے۔

(ب) اگر غصب کردہ شئی موجود ہے تو اسے اصل مالک کو لوٹانا واجب ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: ''الحکم الأصلی للغصب ہو وجوب رد عین المغصوب؛ لأن بالرد یعود عین حقہ إلیہ، وبہ یندفع الضرر عنہ من کل وجہ'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۱۵۱،۷، بیروت، دار الکتاب العربی) (غصب کا اصلی حکم یہ ہے کہ غصب کردہ شئی کو مالک کو لوٹا دیا جائے؛ اس لئے کہ لوٹانے سے ہی اس کا اصلی حق اسے ملے گا، اور اسی سے ہر اعتبا رسے اس سے ضرر دور ہوگا)، اور یہی دیگر فقہاء کا بھی مسلک ہے (دیکھئے: ابن

جزی مالکی، القوانین الفقہیہ ۳۳۰، شربینی شافعی، مغنی المحتاج ۲،۲۷۷، ابن قدامہ حنبلی، المغنی۵،۲۵۹)۔

(ج) اگر غصب کردہ شئی ضائع ہوجائے تو اس کا تاوان دینا واجب ہے، اگر وہ مثلی ہے تو اس کا مثل لوٹانا واجب ہے، اور اگر وہ مثلی نہیں ہے تو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے، علامہ حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں: ''وحکمہ الإثم لمن علم أنہ مال الغیر،ورد العین قائمۃ، والغرم ہالکۃ، ولغیر من علم الأخیران، فلا إثم؛ لأنہ خطأ، وہو مرفوع بالحدیث'' (حصکفی، الدر المختار ۶،۱۷۹۔۱۸۰، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ) (اور غصب پر مرتب ہونے والا اثر وحکم یہ ہے کہ جو جانتا ہو کہ یہ دوسرے کا مال ہے وہ گنہگار ہوگا، اور اگر غصب کردہ چیز موجود ہے تو اسے مالک کو لوٹاناہوگا، اور اگر ضائع ہوجائے، تو اس کا تاوان دینا ہوگا، اور جو نہ جانتا ہو اس کے حق میں اخیر کے دوحکم ثابت ہیں، اور نہ جاننے والے کو گناہ نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ خطا ہے جو حدیث کی روشنی میں معاف ہے)۔

لہذا سرکاری زمین پر قابضین افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ غصب کردہ زمین حکومت کو لوٹائیں۔

۲۔ اگرچہ شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک زمین کا غصب نہیں ہوسکتا ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی حنفی رقمطراز ہیں: ''فلا یتحقق فی العقار خلافاً لمحمد'' (حصکفی، الدر المختار ۶،۱۷۹) (غیر منقولہ جائیداد میں غصب ثابت نہیں ہوتا ہے، اس میں امام محمدؒ کا اختلاف ہے)۔

لیکن جمہور فقہاء اور امام محمد کے نزدیک غیر منقولہ جائیداد میں بھی غصب ثابت ہوتا ہے (دیکھئے: دسوقی مالکی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر۳،۴۴۳، ابن رشد مالکی، بدایۃ المجتہد۲،۳۱۱، شربینی شافعی، مغنی المحتاج ۲،۲۷۵، ابن قدامہ حنبلی، المغنی ۵،۲۲۳، منصور بہوتی حنبلی، کشاف القناع ۴،۸۳)۔

لیکن شیخین کے نزدیک بھی قابضین پر لازم ہے کہ وہ مالکِ زمین کو زمین لوٹادیں، جیسا کہ علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں: ''إنما لا یتحقق الغصب عندہما فی العقار فی حکم الضمان، أما فیما وراء ذلک فیتحقق، ألا تری أنہ یتحقق فی الرد'' (الحصکفی، الدر المختار، کتاب الغصب ۶،۱۸۶) (شیخین کے نزدیک بھی غیر منقولہ جائیداد میں غصب محض تاوان کے حکم میں ثابت نہیں ہوتا ہے، بہرحال اس کےعلاوہ امور میں تو ثابت ہے، کیا تم غور نہیں کرتے کہ واپسی کے سلسلہ میں غصب ثابت ہے)۔

لہذا جب قابضین پر واپس کرنا لازم ہے تو ان سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ اگرچہ حنفیہ اورمالکیہ کے نزدیک غصب کردہ شئی کو اگر غاصب بیچ دے تو اس کی فروخت مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے کہ اگر وہ اجازت دے دے تو بیع نافذ ہوجائے گی، ورنہ باطل ہوجائے گی، چنانچہ علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں: ''ووقف بیع

الغاصب علی إجازة المالک یعنی إذا باعہ لمالکہ، لا لنفسہ" (حصکفی، الدر المختار ۱۱۲٫۵) (اور غاصب کی بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہے یعنی جب کہ غصب کردہ شئی کو مالک کے لئے فروخت کرے، نہ کہ خود کے لئے)۔

اور نہ کہ خود کے لئےفروخت کرے سے مراد یہ ہے کہ خود سے فروخت نہ کرے، جیسا کہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:''قول البدائع: لو باعہ لنفسہ لم ینعقد أصلاً، معناہ: لو باعہ من نفسہ، فاللام بمعنی من" (ابن عابدین، رد المحتار ۱۰۸٫۵، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ) (بدائع الصنائع کی یہ تحریر کہ: اگر خود کےلئے اسے بیچے تو بالکل منعقد نہیں ہوگی، اس کامفہوم یہ ہے کہ ''اگر خود سے بیچے " سو ''لام " ''من " کے معنی میں ہے)۔

اورمالکیہ کے مذہب کے لئے دیکھئے: (قرطبی مالکی، الکافی فی فقہ أہل المدینۃ ۸۴۸٫۲، ط: ۲، ریاض، مکتبۃ الریاض، ۱۴۰۰ھ)۔

جبکہ شافعیہ اور راجح روایت کے مطابق حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ غاصب کی بیع باطل ہے، جیسا کہ رافعی شافعیؒ لکھتے ہیں:''وکذلک بیع الغاصب" (رافعی (و: ۶۲۳ھ)، فتح العزیزشرح الوجیز ۱۲۱٫۸، بیروت، دار الفکر) (اورایسے ہی غاصب کی بیع باطل ہے)۔

اور مرداوی صالحی حنبلی (و: ۸۸۵ھ) لکھتے ہیں: ''اعلم أن بیع الغاصب العین المغصوبۃ غیر صحیح مطلقاً علی المذہب" (مرداوی حنبلی، الانصاف، باب الغصب ۱۲۶٫۶، ط: ۱،بیروت، دار الاحیاء، ۱۴۱۹ھ) (جان لو کہ غاصب کا غصب کردہ چیز کو بیچنا مذہب میں صحیح قول کے مطابق مطلقاً درست نہیں ہے)۔

اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ حقیقی رضا کے بغیر غاصب کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مجبوری میں بھی اجازت ہوسکتی ہے، اور اسی کی تائیداس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت سعید بن زیدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''لیس لعرق ظالم حق'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۰۷۳، نسائی، السنن الکبری حدیث نمبر: ۵۷۶۱، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۷۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (غاصب کا کوئی حق نہیں ہے)۔

اورحنفیہ کے مسلک کے مطابق بھی صورت مسئولہ میں بیع کو موقوف قرار دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ حکومت سےاجازت ملنے کی امید نہیں ہے، لہذا براہ راست قابضین سےخریدنا، یا ان سےخریدےہوئے لوگوں سے خریدناجائز نہیں ہے۔

۴۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (المائدہ: ۲) (اورباہم گناہ اور ظلم وزیادتی کےکاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتےہیں: ''ثم نہی فقال: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان''وہو الحکم اللاحق عن الجرائم،وعن العدوان وہو ظلم الناس''(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۴۷٫۶، ریاض، دار عالم الکتب، ۱۴۲۳ھ) (پھر اللہ تعالی نے گناہ اور زیادتی کے

کاموں میں باہم مدد دینے سےمنع فرمایا، اور یہ بعد میں آنےو الا حکم جرائم اور لوگوں پر ظلم کرنے سے روکتا ہے)۔

اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ سرکاری اراضی پرقابضین سےخریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنے میں غاصبین کی حوصلہ افزائی ہے اور گناہ اور ظلم میں تعاون ہے، اور اگر لوگ اسی طرح تعاون کرتے رہیں، تو پھر صحیح نظام کبھی قائم ہوسکتا ہے اور نہ مال عام پر دست درازی بند ہوسکتی ہے۔

۵۔ سرکاری مغصوبہ اراضی کےسلسلہ میں بھی یہی حکم ہے کہ ان کو حکومت کو لوٹانا واجب ہے، لہذا براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ حکومتی زمین غصب کرکے اس پر عمارت کھڑی کردینے اور مکان تعمیر کرلینے کی حالت میں بھی یہی حکم ہے کہ اسے حکومت کو لوٹانا واجب ہے، لہذا براہ راست قابضین سےخریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں فقہی مسالک درج ذیل ہیں:

(الف) شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ حکومتی زمین پر غصب کرکے تعمیر کردہ عمارت ڈھا دی جائے گی اور پیڑ پودے اکھاڑ دیئے جائینگے، اور غاصب کے ذمہ منہدم کرنے کی اجرت اور زمین کے اندر ہونے والے نقصان کا معاوضہ واجب ہوگا (دیکھئے: ماوردی شافعی، الحاوی الکبیر ۱۶۶،۷، منصور بہوتی حنبلی، الروض المربع شرح زاد المستنقع ۲۷۴،۱)۔

(ب) مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ اکھڑے ہوئے پیڑ پودے اور منہدم عمارت کے ملبے کی قیمت ادا کرکے حکومت چاہے تو درخت یا عمارت سمیت زمین حاصل کرلے، یا اگر چاہے تو غاصب سے عمارت منہدم کرنے اور درخت اکھاڑنے کا مطالبہ کرے (دیکھئے: ابن جزی، القوانین الفقہیہ ۲۱۷،)۔

(ج) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سرکاری اراضی پر تعمیر کردہ عمارت منہدم کردی جائے گی اور درخت اکھاڑ دیئے جائینگے، البتہ اگر منہدم کرنے یاپیڑ پودے اکھاڑنے میں زمین کو نقصان پہنچے، یا زمین کی قیمت عمارت اور درخت کی قیمت سےکم ہوتو حاکم غاصب کو اس کی قیمت دے کر زمین درخت یا عمارت سمیت حاصل کرلے (دیکھئے: علی حیدر، درر الحکام ۵۱۶،۲، بیروت،دار عالم الکتب)۔

۷۔ غصب کردہ سرکاری اراضی براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا غصب کرنے میں شریک ہونا ہے، او رغصب حرام ہے۔

**سوال نمبر ۲ کا جواب:**

اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو خریدنا حرام ہے، اس کے دلائل درج ہیں:

۱۔اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اوقاف کی مد میں لوٹانا واجب ہے؛ اس لئے کہ دیگر غصب کردہ اموال کی طرح غصب کی ہوئی وقفی زمین کا بھی یہی حکم ہے کہ اسے متولی یا ان لوگوں کے حوالہ کرے جن کو اس سے انتفاع کا حق حاصل ہے، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:''الحکم الأصلی الثابت بالغصب وجوب رد العین علی المالک بقولہ ﷺ علی الید ما أخذت حتی ترد'' (ابوداؤد حدیث نمبر: ۳۵۶۱، ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۶۶، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۰۰۸۶، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)، وقالﷺ: ''لایحل لأحد أن یأخذ متاع أخیہ لاعبا ولا جاداً، فإن أخذہ فلیردہ علیہ'' (ابوداود حدیث نمبر: ۵۰۰۳، ترمذی حدیث نمبر: ۲۱۶۰، بخاری الادب المفرد حدیث نمبر: ۲۴۱، یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)، وقالﷺ: ''من وجد عین مالہ فھو أحق بہ'' (ابوداود حدیث نمبر: ۳۵۳۱، نسائی حدیث نمبر: ۴۶۸۱، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۰۱۰۹، ۲۱۰۴۶، اور یہ صحیح لغیرہ درجہ کی حدیث ہے)، ''ومن ضرورۃ کونہ أحق بالعین وجوب الرد علی الآخذ'' (سرخسی، المبسوط ۱۱؍۴۲، ط: ۱، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ) (غصب کی وجہ سے ثابت شدہ اصلی حکم یہ ہے کہ غصب کردہ مال کو مالک کو لوٹا دے، اس لئے کہ سرکار دوعالمﷺ کا ارشاد ہے: ''قبضہ کرنے والے ہاتھ پر لی ہوئی شئی کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اسےلوٹا دے''، اور نبی کریمﷺ کا فرمان ہے: ''کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا سامان ہنسی مذاق یا سنجیدگی کے طور پر لے، سو اگر لے ہی لے تو اسے واپس کردے''، اور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ''جو بعینہ اپنے مال کو پالے، تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے''، اور اس کے اپنے مال کے زیادہ حقدار ہونے کا تقاضا ہے کہ لینے والے پر اس کو واپس کرنا واجب ہو)۔

۲۔ ناحق کسی کے مال پر تسلط جمانا حرام ہے، اور خاص طور سے اوقاف پر قبضہ کرنا سنگین ترین جرم ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارۃ عن تراض'' (النساء: ۲۹) (اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندانہ تجارت کے ذریعہ سے حاصل ہوجائے)۔ اور فرمان الہی ہے: ''إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلماً إنما یأکلون فی بطونہم ناراً'' (۴؍النساء: ۱۰) (جو لوگ ظلم وناانصافی سے یتیموں کے مال ہڑپ کررہے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں)۔

اور حضرت عمرو بن یثربیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ولا یحل لامرئ من مال أخیہ إلا ما طابت بہ نفسہ'' (مسند احمد حدیث نمبر: ۱۵۴۸۸، ابن ابی عاصم، الآحاد والمثانی حدیث نمبر: ۹۷۹، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کے مال سے وہی مقدار حلال ہے جو وہ خوشی سے دے دے)۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘وحرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ’’ (مسند احمد حدیث نمبر: ۴۲۶۲، مسند ابی یعلی حدیث نمبر: ۵۱۱۹، مسند طیالسی حدیث نمبر: ۳۰۶، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (مسلمان کے مال کی حرمت ا س کی جان کی حرمت کی طرح ہے)۔

اور حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘إن دماءکم وأموالکم وأعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم ہذا، فی شہرکم ہذا، فی بلدکم ہذا’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۶۷، ۱۰۵، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۶۷۹) (یقینا تمہاری جانیں، مال اور عزت وآبرو تمہارے درمیان حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس شہر کے اندر اور تمہارے اس ماہ میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے)۔

تو جب ایک عام مسلمان کے مال کی یہ حرمت ہے تو پھر اوقاف کی کتنی حرمت ہوگی، جو اللہ تعالی کی ملکیت میں ہیں، لہذا اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو خریدنا حرام ہے، اور ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو غاصبین کے قبضہ سے نکال کرکے وقف کی مد میں بحال کریں۔

۳۔ وقف کا اصلی حکم یہ ہے کہ اس کی خریدوفروخت نہ ہو، اور اس میں وقف کی مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا حق صرف متولی کو ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘تصدق بأصلہ، لا یباع ولا یوہب ولا یورث، ولکن ینفق ثمرہ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۷۶۴، ۲۷۷۲، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۶۳۲) (اس کی اصل کو اس طرح صدقہ کردو کہ اس کی خریدوفروخت نہ ہوسکے، اور نہ اس کو ہبہ کیا جاسکے، او رنہ اس میں میراث جاری ہوسکے، لیکن اس کے پھل (آمدنی) کو خرچ کیا جائے)۔

اور ابن نجیمؒ لکھتےہیں: ‘‘وظاہر قولہم: إن الوقف لایملک ولا یباع، یقتضی أن الوقفیۃ لا تبطل بالخراب، ولا تعود إلی ملک الواقف ووارثہ’’ (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الوقف ۵؍۲۲۳) (فقہاء فرماتے ہیں کہ وقف میں ملکیت جاری نہیں ہوسکتی ہے، اور نہ اس کی خریدوفروخت ہوسکتی ہے، اس کا بہ ظاہر تقاضا یہ ہے کہ ویران ہونے سے وقف ہونا باطل نہیں ہوتا ہے، اور وقف کی چیز وقف کرنے والے اور اس کے ورثہ کی ملکیت میں نہیں لوٹتی ہے)، تو جب وقف ہمیشہ کےلئے ہوتا ہے تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنے لئے خریدنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

۴۔ عام حالتوں میں وقف کی چیز کو بیچ کر اس سے دوسری چیز خریدنا یا دوسری شئی سے وقف کردہ شئی کا تبادلہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اوقاف کا تبادلہ صرف مخصوص صورتوں میں جائز ہے، اور ان صورتوں میں بھی شرط یہ ہے کہ دوسرے

مقامات پر اسی نوع کے متبادل اوقاف قائم کئے جائیں، جیسا کہ علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں: ‘‘لا یستبدل العامر إلا فی أربع: الأولی: لو شرطہ الواقف ، الثانیۃ:إذا غصبہ غاصب وأجری علیہ الماء حتی صار بحرا، فیضمن القیمۃ، ویشتری المتولی بہا أرضاً بدلاً، الثالثۃ:أن یجحدہ الغاصب ولا بینۃ، أی:وأراد دفع القیمۃ ، فللمتولی أخذہا لیشتری بہا بدلا، الرابعۃ:أن یرغب إنسان فیہ ببدل أکثر غلۃ وأحسن صقعاً، فیجوز علی قول أبی یوسف، وعلیہ الفتوی، کما فی فتاوی قارئ الہدایۃ’’ (ابن عابدین، رد المحتار ۳۸۸،۴، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ، ع۔أ: ۸) (آباد زمین کا تبادلہ کرنا صرف چار ہی صورتوں میں جائز ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے اس کی شرط لگادی ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے وقف کی زمین غصب کرلی ہو اور اس پر اس طرح پانی بہادیا ہو کہ وہ تالاب بن جائے، تو اب غاصب قیمت کا ضامن ہوگا، اور متولی اس قیمت سے دوسری زمین خرید لے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب اس زمین کے غصب سے انکار کرتا ہو، اور گواہان موجود نہ ہوں، اور غاصب قیمت دینے کو تیار ہوجائے، تو متولی اس زمین کے بدلہ قیمت لے سکتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ دوسری زمین خرید کر متبادل وقف قائم کرسکے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس وقف کو کوئی شخص ایسا بدل دے کر لینا چاہتا ہو جو پیداوار او رمحل وقوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو،تو امام ابویوسف کے قول پر اس صورت میں تبادلہ کرنا جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ ‘‘قارئ الہدایہ ’’ کے فتاوی میں ہے)، توجب اوقاف کا تبادلہ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنی ذات کے لئے خرید کر غاصبین کی حوصلہ افزائی کیونکر جائز ہوگی؟

۵۔ اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا مسلمانوں کی اہم ترین ذمہ داری ہے، تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنے لئے خرید کر غصب کرنے والے کی ہمت افزائی کیونکر درست ہوگی؟

**سوال نمبر ۳ کا جواب:**

اسلام کا نظام میراث انتہائی جامع اور مکمل ترین نظام ہے، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں پہلے تھی نہ بعد میں ملے گی، چنانچہ اس نظام کی رو سے وراثت ملکیت کا غیر اختیاری سبب ہے، اور مورث کے مرنے کے بعد خود بخود اسکی چھوڑی ہوئی جائیداد اس سے متعلقہ حقوق سے فراغت کے بعد ورثاء کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے، اور سارے شرعی ورثہ اس کے مشترکہ طور پر مالک بن جاتے ہیں، اور جب تک باہمی رضامندی یا عدالت کے ذریعہ تقسیم نہ ہوجائے، انفرادی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے، اور باہمی رضامندی سے تقسیم میں یہ بھی شرط ہے کہ تمام شرکاء یا ان کے وکیل موجود ہوں، چنانچہ فقیہ علی حیدر حنفیؒ لکھتےہیں: ‘‘یشترط فی لزوم ونفاذ قسمۃ الرضا، رضاء کل واحد من المتقاسمین، بناء علیہ إذا غاب أحد المتقاسمین، ولم یکن لہ نائب، وقسم الحاضرون،

وأفرزوا حصۃ الغائب، فلا تصح قسمۃ الرضاء، أی لا تکون لازمۃ'' (علی حیدر، درر الحکام ۱۲۷،۳) (باہمی رضامندی سے ہونے والی تقسیم کے نافذ اور لازم ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ تقسیم کرنے والے میں سے ہر ایک راضی ہو، لہذا تقسیم کرنے والے میں سے کوئی غائب ہو، اور اس کا نائب بھی موجود نہ ہو، اور جو لوگ موجود ہوں وہ تقسیم کرلیں، اور غیر موجود شخص کا حصہ علاحدہ کردیں، تو باہمی رضامندی سے ہونے والی تقسیم صحیح نہیں ہوگی، یعنی لازم نہیں ہوگی)۔

اور مشترکہ جائیداد میں تمام شرکاء کی اجازت سے ہی تصرف کیا جاسکتا ہے، علاء الدین سمرقندیؒ لکھتےہیں: ''شرکۃ الأملاک علی ضربین: أحدہما: ما کان بفعلہما مثل أن یشتریا، أو یوہب لہما، أو یوصی لہما فیقبلا۔

والآخر بغیر فعلہما وہو أن یرثا، والحکم فی الفصلین واحد، وہو أن الملک مشترک بینہما، وکل واحد منہما فی نصیب شریکہ کالأجنبی، لایجوز لہ التصرف فیہ إلا بإذنہ'' (سمرقندی، علاء الدین، تحفۃ الفقہاء ۵،۳، بیروت، العلمیہ، ۱۴۰۵ھ) (شرکت املاک کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ ملکیت میں شرکت دونوں کے عمل سے ہو، مثال کے طور پر دونوں کوئی چیز خریدیں، یا دونوں کو کوئی شئی ہبہ کیا جائے، یا دونوں کے لئے وصیت کی جائے، اور اسے دونوں قبول کرلیں۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ ملکیت میں شرکت ان کے عمل کے بغیر ہو، اور وہ یہ ہے کہ دونوں کسی چیز کے وارث بن جائیں، اور ان دونوں صورتوں میں حکم ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ دونوں کے درمیان ملکیت مشترک ہے، اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصہ میں اجنبی کی طرح ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف جائز نہیں ہے)۔

لہذا اگر موروثی زمین کی تقسیم نہیں ہوئی ہو، تو تمام شرعی وارثین کی باہمی رضامندی سے فروخت ہونے والی ایسی موروثی زمین کا خریدنا جائز ہے۔

لیکن اگر موروثی زمین سے پھوپھیوں یا بہنوں کو حصہ نہیں دیا گیا، تو بیٹوں یاپوتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا حصہ اگر وہ زندہ ہیں تو ان کو دیدیں، اور اگر فوت ہوچکی ہوں تو ان کے ورثہ کو دیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو ان کو غصب میں شریک سمجھا جائے گا، اور اگر وہ دینے پر صراحتاً لینے سے منع کرتی ہیں، تو یہ ان کی طرف سے ہبہ سمجھا جائے گا، لیکن اس سلسلہ میں شرما حضوری کافی نہیں ہے، چنانچہ ابن حجر ہیتمی شافعیؒ امام غزالیؒ کے حوالہ سےلکھتےہیں: ''الغصب نوعان: غصب استیلاء، وغصب استحیاء، فغصب الاستیلاء: أخذ الأموال علی جہۃ الاستیلاء والقہر والغلبۃ، وغصب الاستحیاء ہو أخذہ بنوع من الحیاء، وہما حرامان؛ لأنہ لا فرق بین الإکراہ علی أخذ الأموال بالسیاط الظاہرۃ، وبین أخذہ بالسیاط الباطنۃ'' (ہیتمی، الفتاوی الفقہیہ الکبری۱۱۲،۴،

بیروت، دار الفکر) (غصب کی دو قسمیں ہیں: ایک: قبضہ وتسلط جمانے پر مبنی غصب، دوم: شرم وحیا پر مبنی غصب، چنانچہ قبضہ جمانے پر مبنی غصب یہ ہے کہ تسلط جما کر اور کسی کو مجبور کرکے مال لے لیا جائے۔

اور حیاء پر مبنی غصب یہ ہے کہ ایک قسم کی شرط کے ذریعہ مال لے لیا جائے، اور یہ دونوں قسمیں حرام ہیں، اس لئے کہ ظاہری کوڑے کےذریعہ مال لینے اور باطنی کوڑے کے ذریعہ مال لینے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے)۔

البتہ اگر ایسا نہیں کیا گیا، تو بیٹوں یا پوتوں سے ان کی ایسی موروثی زمین کا خریدنا مکروہ ہے ؛اس لئے کہ اس کے مال میں حرام کا بھی حصہ ہے، جس کی وجہ سے معاملہ میں اشتباہ ہے، اور ایسی حالت میں نبی کریمﷺ نے صریح ممانعت کی جگہ شبہ سے بچنے کو کہا ہے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سےر وایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ، ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام، کالراعی یرعی حول الحمی یوشک أن یرتع فیہ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۲، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۹۹، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۸۳۶۸) (سو جو شبہات سے بچے اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا، اور جو شبہات میں پڑجائے وہ حرام مینپڑسکتا ہے، جیسے چرواہا بادشاہ کی طرف سے ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد چرائے، تو ہوسکتا ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں چرنے لگیں)۔

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہود کے مال میں حلال وحرام دونوں ہوتے تھے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ‘‘سماعون للکذب أکّالون للسحت’’ (المائدہ: ۴۲) (یہ جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں، حرام کے بڑے کھانے والے ہیں)۔

اس کے باوجود نبی کریمﷺ ان کے ہدیہ اور دعوت قبول کرتے تھے۔

اور شاید ایسے ہی شخص کے بارے میں جس کےحلال مال کے ساتھ حرام مال مل گئے ہوں، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کے سوال: ‘‘إن لی جاراً یأکل الربا، وإنہ لا یزال یدعونی’’ (میرا ایک پڑوسی ہے جو سود کھاتا ہے، اور مجھے برابر دعوت دیتا رہتا ہے)، کے جواب میں فرمایا: ‘‘مہنأۃ لک، وإثمہ علیہ’’ (مصنف عبد الرزاق حدیث نمبر: ۱۴۶۷۵، ۸؍۱۵۰، ط: ۲، بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ) (اس کی اچھی چیز تیرے لئے مباح ہے، اور اس کا گناہ اس کے ذمہ ہے)۔

اسی بنا پر حنفیہ اور مالکیہ کامسلک یہ ہے کہ جس کا اکثر مال حلال ہو اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ‘‘إذا کان غالب مال المہدی حلالاً، فلا بأس بقبول ہدیتہ، وأکل مالہ ما لم یتبین أنہ من حرام، وإن کان غالب مالہ الحرام لا یقبلہا، ولا یأکل، إلا إذا قال: إنہ حلال ورثہ أو استقرضہ’’ (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر؍۱۱۲، بیروت،

العلمیہ، ۱۴۰۰ھ) (اگر ہدیہ دینےو الے کا اکثر مال حلال ہو، تو اس کے ہدیہ قبول کرنے اور اس کے مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب تک کہ یہ ظاہر نہ ہوجائے کہ وہ حرام مال میں سے ہے، اور اگر اس کا اکثر مال حرام ہو تو ہدیہ قبول نہ کرے، اور نہ اس کی دعوت کھائے، مگر اس وقت جبکہ دعوت دینے والا یہ کہے کہ یہ حلال مال ہے جو اسے وراثت میں ملا ہے یا اس نے قرض لیا ہے)۔

اورمالکیہ کے مسلک کے لئے دیکھیے: ابن رشد جد مالکی، البیان والتحصیل ۱۸،۱۹۴۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس کا اکثر مال حرام ہو، اس کے ساتھ تعامل کرنا محض مکروہ ہے، چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں: ''وکان فی مال المشتری حلال وحرام، ولم یعلم من أین یوفیہ الثمن، لم یحرم علی الإنسان الموہوب لہ، ولکن الورع ترکہ، ویتأکد الورع أو یخف بحسب کثرۃ الحرام فی ید المشتری وقلتہ'' (نووی، المجموع ۹،۳۲۵، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۷ء) (خریدار کے مال میں حلال اور حرام دونوں ہوں اور فروخت کنندہ کو معلوم نہ ہو کہ وہ اسے دام کہاں سے دے رہا ہے، تو خرید کردہ سامان جسے ہبہ کیا گیا وہ اس پر حرام نہیں ہے، لیکن ورع وپارسائی کا تقاضا یہ ہے کہ اسے چھوڑ دے، اور خریدار کے قبضہ میں حرام مال کی کثرت اور قلت کے اعتبار سے ورع کا تقاضا زیادہ یاکم ہوگا)۔

اور ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ''فإن لم یعلم من أیہما ہو کرہنا لاحتمال التحریم فیہ، ولم یبطل البیع لإمکان الحلال، قل الحرام أو کثر، وہذا ہو الشبہۃ'' (ابن قدامہ، المغنی ۴،۳۳۳، ط: ۱، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ) (سو اگر معلوم نہ ہو کہ فروخت کردہ سامان حلال وحرام میں سے کس میں سے ہے، تو ہم بیع کو مکروہ قرار دینگے، اس لئے کہ اس کے مال میں حرام ہونے کا احتمال ہے، اور حلال کے امکان کی وجہ سے بیع باطل نہ ہوگی، خواہ حرام کم یا زیادہ ہو، اور یہی شبہ ہے)۔

**سوال نمبر ۴ کا جواب:**

جو لوگ حرام خور کے حالات سے واقف ہیں، ان کے لئے حرام خور سے اس کی حرام آمدنی سے حاصل کردہ زمین کو خریدنا ناجائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ معصیت پر تعاون ہے جو نص قطعی سے ممنوع ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (المائدہ: ۲) (اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں تعاون نہ کرو)۔

۲۔ مال حرام کے سلسلہ میں اصلی حکم یہ ہے کہ اسے اور ضائع ہونے کی صورت میں اس کے عوض کو اصل مالک یا ان کے ورثہ کو لوٹا دیا جائے ، اگر وہ موجود ہوں، اور انہوں نے اپنے مال کے ناجائز عوض سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، جیسےزنا کی اجرت کے طور پر مال نہ دیا ہو، ورنہ بغیر ثواب کی نیت کے اسے صدقہ کردیا جائے، لہذا مال حرام سے حاصل کردہ زمین کو خریدنے میں حرام خور کی حوصلہ افزائی ہے جو ناجائز ہے۔

۳۔ اگر مسلمان ایسی زمین کو نہیں خریدینگے تو یہ حرام خور کے لئے تازیانۂ

عبرت ثابت ہوگا، اور وہ دوبارہ حرام آمدنی کی طرف نہیں لوٹے گا۔

۴۔ اگر مسلمان ایسی زمین کو نہیں خریدینگے، تو حرام آمدنی والا اسے بغیر ثواب کی نیت کے صدقہ کرنے پر مجبور ہوگا۔

۵۔ اس سے خریدنے میں حرام پر اسے برقرار رکھنا ہے۔

۶۔ مال حرام سے لیا ہوا بھی حرام ہی کے درجہ میں ہے، تو گویا خریدنے والا حرام مال لینے والے کے درجہ میں ہوا۔

۷۔ جو چیز حرام ہے اس کا ثمن یعنی دام لینا بھی حرام ہے۔

۸۔ فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ جس کا مال حرام ہو اس کے ساتھ معاملہ کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ علامہ شیخی زادہ عبد الرحمن بن محمد حنفی (و: ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں:''وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل'' (شیخی زادہ، مجمع الانہر ۱۸۶٫۴، بیروت، العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء) (اور اگر ہدیہ دینے والے کا زیادہ تر مال حرام ہو تو اسے قبول نہ کرے اور نہ کھائے)۔ اور ہندیہ میں ہے: ''إن ما يشترى من السوق، ويعلم قطعاً أنهم يبايعون الأتراك، ومن غالب مالهم الحرام، ويجرى بينهم الربا، والعقود الفاسدة، كيف يكون؟ فهو على ثلاثة أوجه: فكل عين قائمة يغلب على ظنه أنهم أخذوها من الغير بالظلم، وباعوها فى السوق؛ فإنه لا ينبغى أن يشترى ذلک، وإن تداولتها الأيدى۔ والثانى: إن علم أن المال الحرام بعينه قائم، إلا أنه اختلط بالغير بحيث لا يمكن التمييز عنه؛ فإن على أصل أبى حنيفةؒ بالخلط يدخل فى ملكه، إلا أنه لا ينبغى أن يشترى منه حتى يرضى الخصم بدفع العوض، فإن اشتراه يدخل فى ملكه مع الكراهة۔ والثالث: إذا علم أنه لم تبق العين المغصوبة، أو المأخوذ بالربا وغيره، وإنما باعها لغيره، فإن الذى يعلم أنه لم تبق تلک العين، جاز له أن يشترى منهم، هذا كله من حيث الفتوى، أما إذا أمكنه أن لا يشترى منهم شيئاً، كان أولى أن لا يشترى، ولعل أنه يتعذر ذلک فى بلاد العجم'' (ہندیہ ۳۶۴٫۵ کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس والعشرون فى البيع والاستيام) (جو چیز بازار سے خریدی جاتی ہے، اور یہ یقینی طور سے معلوم ہے کہ اہل بازار ترک قوم کے ساتھ خریدوفروخت کا معاملہ کرتے ہیں، حالانکہ ان کا زیادہ تر مال حرام ہوتا ہے، اور ان کے درمیان سودی معاملہ اور فاسد عقود ہوتے ہیں، تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ تو اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ہر متعین اور موجود چیز جس کے بارے میں آدمی کو گمان غالب ہو کہ انہوں نے اسے دوسرے سے ظلم کرکے لیا ہے، اور بازار میں بیچ دیا ہے، تو مناسب نہیں ہے کہ اسے خریدے، اگرچہ وہ مختلف ہاتھوں میں آیا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معلوم ہو کہ متعین مال حرام موجود ہے، مگر وہ دوسرے مال سے اس طرح مل گیا ہے کہ اسے اس سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کے ضابطہ کے مطابق خلط ملط ہونے سے وہ چیز اس کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے، مگر مناسب نہیں کہ اس سے خریدے، یہاں تک کہ اس مال کا دعویدار

عوض کی ادائیگی پر راضی ہوجائے، سو اگر اسے خرید ہی لے تو کراہت کے ساتھ وہ چیز اس کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اسے معلوم ہوجائے کہ غصب کردہ چیز یا سود وغیرہ کے ذریعہ لیا ہوا مال باقی نہیں رہا، اس نے اسے دوسرے سے بیچ دیا، سو جسے معلوم ہو کہ وہ چیز باقی نہیں رہی، تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان سے خریدے۔

ان ساری صورتوں کا یہ حکم فتوی کے لحاظ سے ہے، البتہ اگر اس کے لئے ممکن ہو کہ ان سے کچھ نہ خریدے، تو یہ زیادہ بہتر ہے، اور یہ شاید عجمی ملکوں میں دشوار ہے)۔

اور علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ رقمطراز ہیں: ''وإن علم أنہ حرام فہو حرام'' (ابن قدامہ، المغنی ۳۳۳،۴) (اور اگر خریدار کو یقین ہو کہ فروخت کردہ سامان حرام ہے، تو اس کا خریدنا حرام ہے)۔

اور علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''کائنات کے اندر جو بھی غصب کردہ اموال ہیں، اور ایسے عقود کے ذریعہ قبضہ کردہ اموال ہیں جو قبضہ کرنے سے مباح نہیں ہوتے ہیں، اگر مسلمان اسے جان لے تو اس سے بچے، سو جس کے بارے میں مجھے معلوم ہو کہ اس نے مال چرایا ہے، یا اپنی امانت میں خیانت کی ہے، یا غصب کیا ہے، اور ناحق مجبور کرکے غصب کردہ شخص سے لیا ہے، تو میرے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مال اس سے لوں، نہ ہبہ کے طور پر، اور نہ ہی تبادلہ کے طور پر، اور نہ ہی اجرت کی ادائیگی کے طور پر، اور نہ ہی فروخت کردہ سامان کے دام کے طور پر، اور نہ ہی قرض کے بدلہ میں ، کیونکہ یہ اس مظلوم کا بعینہ مال ہے'' (ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ۳۲۳،۲۹، بیروت، دار الوفاء، ط: ۳، ۱۴۲۶ھ۲۰۰۵ء)۔

اور ہندیہ میں ہے: ''رجل مات وکسبہ من الحرام، ینبغی للورثۃ أن یتعرفوا، فإن عرفوا أربابہا ردوا علیہم، وإن لم یعرفوا تصدقوا بہ'' (ہندیہ ۲۱۰،۳) (ایک شخص مرگیا، او راس کی کمائی حرام سےتھی، تو وارثین کے لئے مناسب ہے کہ اصل مالک کو جاننے کی کوشش کریں، سو اگر اصل مالکین کو جان لیں تو ان کو واپس کردیں، اور اگر جان نہ سکیں تو حرام آمدنی کو صدقہ کردیں)۔

ان تمام فقہی اقتباسات سے واضح ہے کہ حرام آمدنی کے ذریعہ حاصل کی ہوئی زمین کا خریدنادرست نہیں ہے۔

**سوال نمبر ۵ کا جواب:**

بیچنے والے شخص کے لئے حکومتی ادارہ سے منظور نقشے میں تبدیلی کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا، اور دوسرے لوگو نکو جانتے بوجھتے اس کو خریدنا جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر معصیت میں حکومتِ وقت خواہ غیر مسلم حکومت ہو، کے قوانین کی پابندی

ضروری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (المائدہ: ۲) (اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں باہم ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو)۔

اور یہ ظاہر ہے کہ سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے کرنا، پلے گراؤنڈ (Playground) کےلئے جگہ رکھوانا، مسجد کی جگہ مقرر کرانا، اور سوئمنگ پول (Swimming Pool) کی جگہ چھوڑوانا عام لوگوں کی صحت کی حفاظت اور ان کو ضرر سے بچانے کے نقطۂ نظر سے ہے، سو یہ خیر اور بھلائی کا کام ہے، لہذا اس سلسلہ میں حکومت کا تعاون واجب ہے۔

نیز اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ‘‘یا أیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم’’ (النساء : ۵۹) (اے ایمان والو! اللہ، رسول اور اپنے سربراہان کار کی اطاعت کرو)۔ اور ذمہ داران کار میں اہل علم اور حکمراں دونوں شامل ہیں، اگرچہ امام طبریؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ سربراہان کار سے مراد حکمرا ں ہیں، وہ لکھتے ہیں: ‘‘وأولی الأقوال فی ذلک بالصواب، قول من قال: ہم الأمراء والولاۃ، لصحۃ الأخبار عن رسول اللہ ﷺ بالأمر بطاعۃ الأئمۃ والولاۃ، فیما کان للہ طاعۃ وللمسلمین مصلحۃ’’ (طبری، جامع البیان فی تأویل القرآن ۵۰۲،۸، ط: ۱، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ۲۰۰۰ء، تحقیق: احمد محمد شاکر، ع۔أ۔ ۲۴) (اس سلسلہ میں زیادہ صحیح ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ذمہ داران کار سے مراد حکمراں ہیں؛ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی طاعت اور مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق امور میں حکمراں کی اطاعت کا حکم دیا ہے)۔

لیکن آیت کے عموم کو دیکھتے ہوئے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ ‘‘أولو الأمر ’’ سے مراد امت کے سربراہان کار ہیں، لہذا اس کے مصداق کے اندر ارباب علم وبصیرت اور ارباب اقتدار وسیاست دونوں شامل ہیں، البتہ ان کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت کے تحت ہے، لہذا اللہ ورسول کے احکام کے خلاف ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

اور یہ امور پوشیدہ نہیں ہے کہ عام لوگوں کو ضرر سے بچانا شریعت کے مطابق ہے، لہذا اس سلسلہ میں حکومت کے وضع کردہ قوانین کی پابندی ضروری ہے۔

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ‘‘اسمعوا وأطیعوا، وإن استعمل علیکم عبد حبشی کأن رأسہ زبیبۃ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۷۱۴۲، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۸۶۰) (تم پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے، اگرچہ کسی کالے کلوٹے غلام کو تمہارا امیر بنادیا گیا ہو، گویا کہ اس کا سربال کے کالے پن اور گھونگھریالے پن میں کشمش کے دانے کی طرح ہو)۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جائز امور میں حکومت کے وضع کردہ قوانین کی پابندی لازم ہے۔

اور عقلی دلائل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عام لوگوں کی صحت کی حفاظت کی خاطر اور ان سے ضرر کے ازالہ کے لئے حکومت کی ہدایات کی تعمیل واجب ہو، کیونکہ حکومت ضرر عام کودور کرنے کی ذمہ دار ہے، لہذا اس سلسلہ میں اس کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی لازم ہے۔

اور فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر حاکم اور ذمہ دار کار کسی ایسے کام کا حکم دے جس کی تعمیل میں خالق کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، تو اس کام کو انجام دینا لازم ہے، چنانچہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: ''طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ'' (ابن عابدین، رد المحتار۲،۱۷۲، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ۲۰۰۰ء) (امام کی اطاعت ایسے معاملات میں جو معصیت نہ ہوں، واجب ہے)۔

۲۔ خود نبی کریمﷺ نے راستوں کی چوڑائی کا رقبہ طے فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا: ''اجعلوا الطریق سبع أذرع'' (مسنداحمد حدیث نمبر: ۹۵۳۷، ۱۰۰۱۲، ابوداود حدیث نمبر: ۳۶۳۳، ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۳۳۸، مسند طیالسی حدیث نمبر: ۲۵۵۵، طحاوی شرح مشکل الآثار حدیث نمبر: ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، او راس کی سند صحیح ہے) (راستہ سات گز رکھو)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفاد عام کی خاطر سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے کرنے کا حق حکومت کو ہے، اور اس کی پابندی لازم ہے، چنانچہ علامہ مبارکپوری محمد عبد الرحمن طبری کےحوالہ سے لکھتے ہیں: ''معناہ أن یجعل قدر الطریق المشترکۃ سبعۃ اذرع، ثم یبقی بعد ذلک لکل واحد من الشرکاء فی الأرض قدر ما ینتفع بہ ولا یضر غیرہ'' (مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی ۳،۴۲۱) (حدیث کامفہوم یہ ہے کہ مشترک راستہ کی مقدار(کم سے کم) سات گزر مقرر کیاجائے، پھر اس کے بعد زمین میں شراکت رکھنے والے کے لئے اتنی مقدار باقی رہ جائے گی جس سے وہ فائدہ اٹھائیں اور دوسرے کو ضرر نہ پہنچائیں)۔

۳۔ سڑکوں، پلے گراؤنڈ (Playgournd) اور سوئمنگ پول ( Swimming Pool)، اورکالونی بنانے والا ترغیب کے لئے مسجد کی جو جگہ مقرر کرتا ہے، عام طور سے زمین کے دیگر پلاٹ(Plat) یعنی حصے میں اس کی قیمت شامل ہوتی ہے، تو پھر کالونی (Colony) بنانے والے کے لئے دوبارہ اس کی قیمت حاصل کرنا کیونکر جائز ہوگا؟

۴۔ نقشہ کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے کالونی میں بسنے والے افراد کی صحت

وبائی امراض کا شکار ہوتی رہتی ہے۔

۵۔ راستوں کو تنگ کرنے کی وجہ سے کالونی میں بسنے والے کی صحت مختلف خطرات سےدوچار ہوتی رہتی ہے، کیونکہ تنگ راستہ کی وجہ سے زیادہ آلودگی پھیلتی ہے۔

البتہ مسجد کی جگہ مقرر کرنا لے آوٹ (Lay out) یعنی آبادی کے نقشہ کی منظوری کے لئے ضروری نہیں ہے، یہ کالونی بنانے والا محض مسلمانوں کی ترغیب کے لئے نقشہ میں دکھاتا ہے؛ اس لئے اگر اس نے اس قطعۂ زمین کی قیمت دوسرے قطعۂ اراضی میں شامل نہیں کی ہے، تو اس کےلئے اسے بیچنا جائز ہے، اور دوسرے لوگونکا جانتے بوجھتے اس کو خریدنا بھی جائز ہے، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ‘‘والملک یزول عن الموقوف بأربعۃ بإفراز مسجد’’ (حصکفی، الدر المختار ۴،۳۴۳، بیروت، دار الفکر ۱۳۸۶ھ، ع۔ أ۔ : ۶) (وقف کردہ شئی سے ملکیت چار چیزوں سے زائل ہوجاتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد کو علاحدہ کردے)، اور علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ‘‘عبر بالإفراز؛ لأنہ لو کان مشاعاً، لایصح إجماعاً، وأفاد أنہ یلزم بلا قضاء’’ (ابن عابدین، رد المحتار ۴،۳۴۳، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ء، ع۔ أ۔: ۸) (علاحدہ کرنے کی تعبیر اختیار کی، اس لئے کہ اگر مشترک ہو تو بالاتفاق صحیح نہیں ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کے فیصلے کے بغیر بھی اس کامسجد ہونا لازم ہوجائے گا)۔

اور کوئی جگہ مسجد کے لئے وقف اس وقت ہوگی جبکہ وقف کرنے والا اس میں نماز کی اجازت دے دے، محض نیت یا نقشہ میں دکھانے سے وہ جگہ مسجد کے لئے وقف نہ ہوگی، علامہ حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں: ‘‘ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل، وبقولہ: ‘‘جعلتہ مسجداً عند الثانی، وشرط محمد والإمام الصلاۃ فیہ بجماعۃ، وقیل: یکفی واحد، وجعلہ فی الخانیۃ، ظاہر الروایۃ’’ (حصکفی، الدر المختار ۴،۳۵۶۔۳۵۷) (وقف کرنے والے کی ملکیت مسجد اور عیدگاہ سےزائل ہوجائے گی، عمل یعنی اس میں نماز پڑھنے سے، اور امام ابویوسف کے نزدیک زبان سے یہ کہنے سےکہ میںنے اسے مسجد قرار دیا، اور امام محمد اور امام ابوحنیفہ نے ملکیت ختم ہونے کے لئے اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی شرط لگائی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک کا نماز پڑھنا کافی ہے، اور اسی کو ‘‘فتاوی قاضی خاں ’’ میں ظاہر الروایہ قرار دیا ہے)، البتہ اگر کالونی بنانےوالا مسلمان ہے، تو اسے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے کہ یہی مسلمانوں کے بلند ترین اخلاق میں سے ہے۔

**سوال نمبر ۶ کا جواب:**

لے آوٹ (Layout)یعنی آبادی کانقشہ منظور کرنے کےلئے کالونی (Colony)میں گارڈن (Gardeng) اور پلے گراؤنڈ (Playground) رکھنا قانونی اعتبار سے ضروری ہے، لہذا کالونی بنانے والے پر واجب ہے کہ اس قانون کی تعمیل کرے، اور اس مخصوص جگہ کو دوسرے مقصد کے لئے نہ بیچے، یا نہ دے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر معصیت میں حکومت کے حکم کی تعمیل لازم ہے، چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ عزوجل'' (مسند احمد حدیث نمبر: ۱۰۹۵، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (اللہ تعالی کی نافرمانی کےساتھ کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے)۔ اور حضرت علیؓ سے ہی روایت ہے کہ سرکاردوعالمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ، إنما الطاعۃ فی المعروف'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۴۳۴۰، ۷۲۵۷، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۸۴۰، حمیدی، الجمع بین الصحیحین ۷۹٫۱، حدیث نمبر: ۱۳۲، ط: ۲، بیروت، دار ابن حزم، ع۔ أ۔ : ۴) (اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے، اطاعت تو بس نیکی کے کام میں جائز ہے)۔

چونکہ ملک کے دیگر باشندوں کی طرح کالونی (Colony) میں رہائش رکھنے والے کی زندگی کو خطرات سے بچانا حکومت کی ذمہ داری ہے، لہذا اجتماعی مصالح، مفاد عامہ کے تحفظ اور ضرر عام کے ازالہ کی خاطر حکومت کے وضع کردہ اس طرح کے قانون کی پابندی لازم ہے۔

۲۔ مصالح عامہ قائم کرنا اور ایسا نظام بنانا جس سے ملک کے تمام شہریوں کی صحت محفوظ رہے، حکومت کی ذمہ داری ہے، لہذا حکومت اپنے فرائض کو انجام دیتے ہوئے، اگر ایسے قوانین بناتی ہے جو کالونی میں رہائش رکھنےو الوں کی صحت کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہیں، توان کی تعمیل لازم ہے، اور خلاف ورزی ناجائز اور گناہ ہے۔

۳۔ فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر حاکم اور ذمہ دار کار کسی ایسی چیز کا حکم دے جس کی تعمیل میں اللہ تعالی کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، تو اس چیز کو وجود میں لانا لازم ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: ''طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ فرض، فکیف فیما ہو طاعۃ'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۱۴۰٫۷، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء) (جو چیزیں معصیت میں داخل نہیں، ان میں امام کی اطاعت فرض ہے، تو جو چیزیں طاعت ہیں ان میں کس درجہ اطاعت لازم ہوگی)۔

البتہ چونکہ مالک زمین کالونی بنانے والا اس صورت میں ایک مفاد عام کے لئے مخصوص جگہ کو دوسرے مفاد عام کے لئے دیتا ہے جو اگرچہ مناسب نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ غصب کا معاملہ بھی نہینہے، اس لئے اس جگہ پر مسجد بنانا درست ہےاور بننے والی مسجد شرعی مسجد ہے، او راس میں نماز کسی کراہیت کے بغیر درست ہے۔

**سوال نمبر ۷ کا جواب:**

مکان انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہے، اور یہ حکومت کی ذمہ داری میں

داخل ہے کہ وہ عوام کی بنیادی ضروریات ان سے کسی نفع کے مطالبہ کیے بغیر فراہم کرے، اور اس مقصد کے لئے اپنے غیر پیداواری اسکیموں (Schemes)، منصوبوں (Plans) اور پروجیکٹوں (Projects) میں کمی کرکے بچت کرے، لیکن چونکہ حکومت کے وسائل اور ذرائع آمدنی بھی محدود ہوتے ہیں، لہذا ہر حکومت اس پوزیشن (Position) میں نہیں ہوتی ہے کہ وہ تمام باشندوں کے لئے رہائش فراہم کرے، اس لئے حکومت کو چاہئے کہ غریبوں کے لئے کسی زمین کو کالونی (Colony)کی حیثیت سے منظور کرانے کے مراحل کو آسان بنائے، اور زمین کی خریدوفروخت پر لگنے والے ٹیکس کا نظام ایسا بنائے کہ لوگ آسانی کے ساتھ ٹیکسیز (Taxes) ادا کرسکیں، ٹیکس کا نظام ایسا نہ ہو کہ لوگ اس سے بچنے کی تدبیریں سوچیں، اس سلسلہ میں ملک میں موجود تنظیموں، جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کو مل کر ٹیکس کے ظالمانہ نظام کےخلاف آواز اٹھانی چاہئے، اوراس میں تبدیلی لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

نیز ملک کے باشندگان کو باشعور ہونا چاہئے تاکہ وطن عزیز سے رشوت ستانی کی وبا ختم ہو۔

ملک کے موجودہ حالات میں جہاں آبادی میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، اور مہنگائی روز بروز بڑھ رہی ہے، اور مکان کے حصول کے لئے لوگوں کو بہت سی مشکلات کاسامنا ہے، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ آسان قانون اور صالح نظام بنائے، تاکہ ملک کے ہر باشندہ کو مناسب مکان دستیاب ہوسکے کہ مکان ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر انسان کے لئے زندگی گزارنا ناممکن ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے اسے اپنی ایک عظیم نعمت کے طور پر ذکر کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا، وجعل لکم من جلود الأنعام بیوتاً تستخفونہا یوم ظعنکم ویوم إقامتکم، ومن أصوافہا وأوبارہا وأشعارہا أثاثاً ومتاعاً َإلی حین'' (النحل: ۸۰) (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو مقام سکون بنایا، اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے، جنہیں تم اپنے کوچ اور قیام کے دن ہلکا پھلکاپاتے ہو، اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے تمہارے لئے گھر کا سامان اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں)۔

یہ آیت اس بات پر صریح دلیل ہے کہ مکان اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے جو انسان کے لئے وجہ سکون وراحت اور ذریعۂ حفاظت ہے، خود نبی کریمﷺ نے کشادہ مکان کو انسان کی نیک بختی کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ثلاث من السعادۃ: المرأۃ الصالحۃ، والمسکن الواسع، والمرکب الہنئی'' (مسند بزار ۲۰،۴، حدیث نمبر: ۱۱۸۰، حاکم، المستدرک علی الصحیحین حدیث نمبر: ۲۶۸۴، مسند احمد حدیث نمبر:

۱۴۴۵، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (تین چیزیں انسان کی خوش بختی کی نشانی ہیں: نیک بیوی، کشادہ مکان اور عمدہ سواری)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جو ان ہی سے مروی ہے: ''أربع من السعادة: المرأة الصالحة، والمسكن الواسع، والجار الصالح، والمركب الهنئی'' (صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۴۰۳۲، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء ۳۸۸٫۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (چار چیزیں انسان کی خوش بختی کی علامت ہیں: نیک بیوی، کشادہ مکان، نیک پڑوسی، اور عمدہ سواری)۔

اور حضرت نافع بن عبد الحارثؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من سعادة المرء: الجار الصالح، والمركب الهنئی، والمسكن الواسع'' (مسند احمد حدیث نمبر: ۱۵۳۷۲، ابن ابی عاصم، الاحاد والمثانی حدیث نمبر: ۲۳۳۶، طحاوی، شرح مشکل الآثار حدیث نمبر: ۲۷۷۳، بخاری، الادب المفرد، حدیث نمبر: ۱۱۶، ۴۵۷، اوریہ صحیح لغیرہ درجہ کی حدیث ہے) (آدمی کی خوش بختی کی نشانیوں میں سے ہیں: نیک ہم سایہ، عمدہ سواری اور کشادہ مکان)۔

اور کشادہ مکان کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریمﷺ مکان میں کشادگی کی دعا مانگتے ہوئے کہتے تھے: ''اللہم اغفرلی ذنبی، ووسع لی فی داری ، وبارک لی فیما رزقتنی'' (مسند احمد حدیث نمبر: ۱۶۵۹۹، اور یہ حسن لغیرہ درجہ کی حدیث ہے) (اے اللہ میرے گناہ بخش دے، اور میرے گھر میں کشادگی عطا فرما، اور جو روزی مجھے دی ہے اس میں برکت عطا فرما)۔

اس لئے ملک کے ارباب فکر ودانش کو چاہئے کہ ٹیکسز (Taxes)کے نظام اور دیگر نظام میں بہتری لانے کے لئے ممکنہ حد تک عملی جدوجہد کریں تاکہ غریب افراد جن کے مالی وسائل تنگ ہیں وہ بھی مناسب مکان حاصل کرسکیں۔

البتہ جب تک بہتر نظام قائم نہیں ہوجاتا ہے اس وقت تک قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بعد ہی کالونیاں (Colonies) بنانا اورپلاٹ (Plat)فروختر کرنا مناسب ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حکومت کی خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ عوامی بہبود کی خاطر بنائے گئے قوانین کی خلاف ورزی نہ کی جائے، چنانچہ آپﷺ نے مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار حکمراں حضرات اور عوام الناس کے ساتھ خیرخواہی کو لازم قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۵۵) (دین خیرخواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا کن لوگوں کی خیرخواہی کا نام ہے؟ تو آپﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے

حکمراں اور عام لوگوں کی خیرخواہی کا نام ہے)۔

نیز ایک اور حدیث میں ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وأن تناصحوا من ولاہ اللہ أمرکم'' (بخاری، الادب المفرد حدیث نمبر: ۴۴۲، مالک، موطأ، حدیث نمبر: ۱۷۹۶، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (اور اللہ تعالی نے تمہارے معاملات کا جن لوگو نکو ذمہ دار بنایا ہے، ان کی خیرخواہی کرو)۔

اورحکمراں کی خیرخواہی کا مطلب یہی ہے کہ مناسب قانون کے سلسلہ میں ان کا تعاون کیاجائے، چنانچہ امام ابوسلیمان خطابیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''والنصیحۃ لأئمۃ المسلمین أن یطیعہم فی الحق'' (خطابی، معالم السنن ۱۲۵،۴، ط: ۱، حلب، المطبعۃ العلمیہ، ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء) (مسلمانوں کے حکمرانوں کی خیرخواہی یہ ہے کہ حق کے سلسلہ میں ان کی اطاعت کی جائے)۔

اور امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: ''وأما النصیحۃ لأئمۃ المسلمین فمعاونتہم علی الحق وطاعتہم فیہ'' (نووی، المنہاج شرح صحیح مسلم ۳۸،۲، ط: ۲، بیروت، دار الاحیاء ۱۳۹۲ءھ) (رہا مسلمانوں کے حکمرانو نکی خیرخواہی تو حق کے سلسلہ میں ان کا تعاون کرنا اور اس میں ان کی اطاعت کرنا ہے)۔

لہذا حکومت کےتعاون اور جائز امور میں اس کی اطاعت کا تقاضا ہے کہ کالونی (Colony) میں رہائش رکھنے والوں کی صحت کےتحفظ اور ان کو ضرر سے بچانے کی خاطر اس کے وضع کردہ قوانین کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

۲۔ قانونی تقاضوں کی تکمیل کیے بغیر جو کالونیاں (Colonies) بنائی جاتی ہیں اور جو پلاٹ فروخت کیے جاتے ہیں، عام طور پر ان میں ان پہلوؤں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے جو قدرتی آفات اور دیگر اضرار سے بچنے کے لئے لازم ہیں۔

۳۔ قانونی تقاضوں کی تکمیل کیے بغیر جو کالونیاں بنائی جاتی ہیں اور جو پلاٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور جن پر بعد میں تعمیر ہوتی ہے ان میں ڈرینج لائن (Drainageline) وغیرہ کا مناسب انتظام نہیں ہوتا ہے، جس سے ماحولیاتی آلودگی (Pollution) بھی پیدا ہوتی ہے، اور کالونی میں رہائش رکھنےو الے افراد کی صحت بھی مختلف وباؤں اور امراض کی زد میں رہتی ہے۔

لہذا مناسب یہی ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بعد ہی کالونیاں بنائیں جائیں اور پلاٹ فروخت کیے جائیں۔

**سوال نمبر ۸ کا جواب:**

اللہ تعالی کے نزدیک سود کا معاملہ انتہائی سنگین ہے، گویا سودی معاملہ کرنے والا اللہ تعالی کے ساتھ آمادۂ جنگ ہے، اسی لئے اسلام صرف سود ہی نہیں بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور رہنے کو واجب قرار دیا ہے، چنانچہ کتاب وسنت میں سود خوری پر بڑی

سخت وعیدیں وارد ہوئیں ہیں، اس کی شناعت، قباحت اوربرائی کو سمجھنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالی نے اس پر سود خور کو اعلان جنگ دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘یاأیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ....’’ (البقرہ: ۲۷۸-۲۷۹) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی ماندہ سود ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، سو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے)۔

اور فرمان الہی ہے: ‘‘یاأیہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا أضعافاً مضاعفۃ، واتقوا اللہ لعلکم تفلحون’’ (آل عمران: ۱۳۰) (اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ دگنا چوگنا بڑھا کر، اور اللہ سےڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ)، اور ارشاد ہے: ‘‘یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات’’ (البقرہ: ۲۷۶) (اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے)، اور سود سے باز نہ رہنے پر کافروں کی طرح دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ‘‘واتقوا النار التی أعدت للکافرین’’ (آل عمران: ۱۳۱) (اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔

اور نبی کریمﷺ نے سود کو زنا سے زیادہ سخت جرم قرار دیا ہے کہ حرام لقمہ ہی انسان کو معاصی کی طرف بڑھاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘الربا سبعون حوباً، أیسرہا أن ینکح الرجل أمہ’’ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۲۷۴، بیہقی، شعب الایمان حدیث نمبر: ۵۵۲۲، مسند بزار حدیث نمبر: ۸۵۳۸، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (سود ستر قسم کے گناہ پر مشتمل ہے، اور ان سنگین گناہوں میں سے خفیف تر یہ ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے)۔

اور نبی کریمﷺ نے سودی معاملہ میں شریک ہونے والے تمام افراد کو مجرم اور گنہگار قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ ‘‘لعن رسول اللہﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال ہم سواء’’ (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۹۸) (رسول کریمﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، گواہوں پر، لکھنے والے پر، اور فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں)۔

اور نبی کریمﷺ نے معراج کی رات سود خور کو سنگین عذاب میں مبتلا پایا، جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے معراج کی رات مشاہدہ کیے ہوئے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ‘‘فانطقلنا حتی أتینا علی نہر من دم، فیہ رجل قائم، وعلی شطر النہر رجل بین یدیہ حجارۃ، فأقبل الرجل الذی فی النہر، فإذا أراد الرجل أن یخرج، رمی الرجل بحجر فی فیہ، فردہ حیث کان، فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر، فیرجع کماکان، فقلت: ما ہذا؟ فقال: الذی رأیتہ فی النہر آکل الربا’’ (صحیح البخاری

حدیث نمبر: ۱۳۸۶، ۲۰۸۵) (سو ہم چلے، یہاں تک کہ خون کی ایک نہر کے پاس آئے جس میں ایک شخص کھڑا تھا، اور نہر کے کنارہ ایک شخص تھا جس کے سامنے پتھر تھے، اور جو شخص نہر میں تھا وہ آنے لگا، اور جب نکلنا چاہا تو نہر کے کنارہ والے شخص نے اسے پتھر مار کر اس جگہ لوٹا دیا جہاں وہ تھا، تو جب بھی وہ نکلنے کےلئے آتا تو کنارہ والا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا جس سے وہ اپنی جگہ لوٹ جاتا، سو میں نے حضرت جبریل سے پوچھا، یہ کیا منظر ہے؟ توجواب ملا: جس شخص کو آپ نے نہر میں پایا، وہ سود خور ہے)۔

اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے سود کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ''فدعوا الربا والریبۃ'' (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۲۷۶، او راس کی سند صحیح ہے) (سود اور شبۂ سود دونوں کو چھوڑ دو)۔

اور ایک مومن کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ ہرحال میں اللہ سے ڈرے، چنانچہ ممنوعات سے ہر حال میں بچنا لازم ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سےروایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فإذا نہیتکم عن شئی فاجتنبوہ، وإذا أمرتکم بأمر فأتوا منہ ما استطعتم'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۷۲۸۸، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۳۳۷) (سو جب کسی چیز سے میں تمہیں منع کروں تو اس سے دور رہو، اور جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس سے جتنا تمہارے بس میں ہو اتنا انجام دو)۔

اسی لئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا وأطیعوا'' (۶۴؍التغابن: ۱۶) (تو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک ہوسکے، اور سنو اور مانو)۔

اسی وجہ سےسودی لون (Loan) لینا اسی وقت مباح ہے، جبکہ جان کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو، جیسا کہ فرمان الہی ہے: ''فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ، إن اللہ غفور رحیم'' (۲؍البقرہ: ۱۷۳) (سو جو مجبور ہوجائے، اور وہ خواہش مند اور حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے)۔

اور فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ بدرجۂ مجبوری ہی سودی لون لینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر؍۹۲) (محتاج شخص کے لئے جائز ہے کہ سود پر قرض حاصل کرے)۔

اور اس صورت میں گناہ لینے والے پر ہوگا، کیونکہ دینے والا مجبور ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں جب ہم سوال میں ذکر کردہ صورت کو دیکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہائٹ منی (White Money) والا جس قانونی دشواری سے بچنا چاہتا ہے وہ اس پر عائد ہونے والے ٹیکس (Tax) سے بچنا ہے، لہذا یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ ٹیکس جائز اور برحق ہے یا نہیں؟ اگر یہ ٹیکس برحق ہے او رمفاد عامہ کے لئے ضروری

ہے، تو پھر مفاد عامہ کے سلسلہ میں سب کو تعاون کرنا چاہئے، او راس کو وجود میں لانے والی چیز کی ادائیگی کی پابندی کرنی چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (مائدہ: ۲) (تم نیکی اور تقوی میں تعاون کرو، اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو)۔

اور اگر یہ ٹیکس ناحق ہے مثلاً کسی خدمت کے بدلہ نہیں ہے، بلکہ حکومت ناحق ٹیکس لیتی ہے، یا ٹیکس کا استعمال ناجائز اخراجات یا دکھاوے یا خوش عیشی اور تعیش میں ہوتا ہے، تو مجبوراً لون لینے کی گنجائش ہے، سود دینے کو رشوت دینے کے جواز پر قیاس کرتے ہوئے، یعنی جس طرح بدرجۂ مجبوری رشوت دے کر اپنے جائز حق کی تحصیل کی گنجائش ہے، اسی طرح سودی لون لے کر ظالمانہ ٹیکس اور دیگر قانونی دشواری سے بچنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدینؒ لکھتےہیں: ‘‘لو اضطر إلی دفع الرشوة لإحیاء حقہ، جاز لہ الدفع، وحرم علی القابض’’ (رد المحتار ۷۲،۵) (اگر اپنے حق کو زندہ کرنے کےلئے رشوت دینے پر مجبور ہوجائے، تو اس کے لئے دینا جائز ہے، اور لینے والےپر حرام ہے)، البتہ ملک کے ارباب علم وفکر ودانش کو ممکنہ حد تک اس بات کی عملی جدوجہد کرنی چاہئے کہ ملک میں ٹیکس (Tax) کا بہتر نظام قائم ہو، اورمال وملکیت کے سلسلہ میں ایسا قانون بنے کہ لوگ آسانی کے ساتھ اس پر عمل کرسکیں، اور قانون سے فرار کی تدبیریں نہ سوچیں ۔

**متبادل طریقہ (Alternative) :**

پھر بھی موجودہ صورتحال میں بہتر یہ ہے کہ زمین کی خریداری شراکت (Partnership) کے ساتھ ہو، یعنی تمام شرکاء سے سرمایہ اکٹھا کرنے کے بعد زمین کی خریداری ہو، اور زمین کی خریداری کےنتیجہ میں تمام شرکاء کے درمیان ‘‘شرکت ملک ’’ قائم ہوجائے، چنانچہ علامہ تمرتاشی ؒ لکھتے ہیں: ‘‘شرکۃ ملک، وہی أن یملک متعدد: اثنان فأکثر عینا أو دینا بإرث أو بیع أو غیرہما’’ (تمرتاشی، تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب الشرکۃ ۲۹۹،۴۔۳۰۰، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ) (شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد افراد یعنی دو یا دو سے زیادہ افراد وراثت یا بیع وغیرہ کےذریعہ کسی چیز یا دین کے مشترکہ طور پر مالک بن جائیں)۔

اس طرح مختلف مالکین کی طرف سے بڑی مقدار میں وہائٹ منی ( White Money) دکھانے کی صورت میں قانونی دشواری حائل نہ ہوگی۔

**سوال نمبر ۹ کا جواب:**

زمین کی فروختگی کےلئے صرف اتنا کافی ہے کہ جس جگہ کی زمین کو بیچا جارہا ہے ، اس کو بتا کر اس مقدار کی تعیین کردی جائے جو بیچی جارہی ہے، مثلاً دس یا بیس گز زمین، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتےہیں:‘‘وأما الذرعیات ، فإن لم یسم جملۃ الذرعان،

بأن قال:بعت منک ہذا الثوب، أو ہذہ الأرض، أو ہذہ الخشبۃ، کل ذراع منہا بدرہم، فالبیع فاسد فی الکل عند أبی حنیفۃؒ، إلا إذا علم المشتری جملۃ الذرعان فی المجلس، فلہ الخیار إن شاء أخذ، وإن شاء ترک، وإن لم یعلم حتی تفرقا، تقرر الفساد، وعند أبی یوسف ومحمد یجوز البیع فی الکل، ویلزمہ کل ذراع منہ بدرہم.... وجہ قولہما فی مسائل الخلاف أن جملۃ البیع معلومۃ، وجملۃ الثمن ممکن الوصول إلی العلم بالکیل والوزن والعدد والذرع، فکانت ہذہ جہالۃ ممکنۃ الرفع والإزالۃ، ومثل ہذہ الجہالۃ لا تمنع صحۃ البیع... ولأبی حنیفۃؒ أن جملۃ الثمن مجہولۃ حالۃ العقد جہالۃ مفضیۃ إلی المنازعۃ، فتوجب فساد العقد.... وقولہما: یمکن رفع ہذہ الجہالۃ مسلم، لکنہا ثابتۃ للحال إلی أن ترتفع" ( کاسانی، بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل: شرائط الصحۃ۵؍۱۵۹، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء) (بہرحال جو چیز گز سے بکتی ہے، سو اگر مجموعی گز کو بیان نہیں کیا، اس طرح کہ کہا: میں نے تجھ سے اس کپڑے یا اس زمین کو یا اس لکڑی کو بیچا، ان میں سے ہر گز کو ایک درہم کے بدلہ، تو تمام گزوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے، مگر جبکہ خریدار کو مجلس عقد میں تمام گزوں کا علم ہوجائے، تو اسے اختیار ہوگا، اگر چاہے تو لے اور اگر چاہے تو نہ لے، اور اگر اسے علم نہ ہو، یہاں تک کہ عاقدین جدا ہوجائیں، تو فساد مستحکم ہوجائے گا، اور امام ابویوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک سارے گزوں میں بیع جائز ہے، اور خریدار کو ایک درہم کے بدلہ ہرگز لازم ہوگا... اور اختلافی مسائل کے اندر صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ تمام گز معلوم ہیں، اور ناپ، تول، گنتی اور پیمائش کے ذریعہ مجموعی ثمن کے علم تک پہنچنا ممکن ہے، لہذا یہ جہالت ایسی ہے جسے ختم کرنا ممکن ہے، اور ایسی جہالت بیع کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے ...اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کل ثمن عقد کے وقت اس طرح مجہول ہے جو باعث نزاع ہے، لہذا یہ عقد کے فاسد ہونے کو لازم کرے گا.... اور صاحبین کا یہ کہنا کہ اس جہالت کو ختم کرنا ممکن ہے، قابل تسلیم ہے، لیکن وہ عقد کی حالت میں ثابت ہے یہاں تک کہ ختم ہوجائے)۔

اور علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

‘‘اور ایسے ہی اگر مکان خریدے، ہرگز ایک درہم کے بدلہ، اور مجموعی گزوں کو بیان نہ کرے، تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام گزوں میں عقد فاسد ہے؛ اس لئے کہ گزوں کی قیمت گھر کے اگلے اور پچھلے حصے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، لہذا ان میں سے کسی گز میں عقد کو صحیح قرار دینا ممکن نہیں ہے، اور ایسے ہی کپڑے اور لکڑی کی بیع کی صورت میں بھی اختلاف ہے، اور اگر اس مکان میں سے دس گزوں میں سے ایک گزر خریدے، تو صاحبین کے نزدیک عقد جائز ہے؛ اس لئے کہ جو بیان کیاگیا ہے وہ گھر کے دسویں حصہ سے عبارت ہے، جیسے خریدار کہے: دس حصوں میں سے ایک حصہ، یا دس ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا، اور امام

ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ گز اس متعین جگہ کا نام ہے جس پر ناپنے کا پیمانہ پڑے، اور گھر میں سے اس کی جگہ میں تفاوت ہے، برخلاف حصہ اور ٹکڑے کے " (سرخسی، المبسوط، باب البیوع الفاسدۃ ۶،۱۳، بیروت، دار الفکر، ط: ۱، ۱۴۲۱ھ)۔

اور ایک جگہ لکھتےہیں:''وإذا قال الرجل للرجل: بعتک ہذہ الدار، کل ذراع بدرہم علی أنہا ألف ذراع، فہو جائز؛ لأن ببیان جملۃ الذرعان یصیر جملۃ الثمن معلوماً، ولأنہ سمی بمقابلۃ کل ذراع درہماً، وإنمایذرع بذراع وسط ...(لأن) مطلق التسمیۃ فی العقد تنصرف إلی المتعارف، وہو الذراع الوسط'' (سرخسی، المبسوط ۳۳۴،۳۰) (اور اگر ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا: اس گھر کو میں نے تجھ سے بیچا، ہر گز ایک درہم کے بدلہ، اور اس کی مجموعی تعداد ہزار گز ہے، تویہ عقد جائز ہے؛ اس لئے کہ گزوں کی مجموعی تعداد بیان کرنے سے کل ثمن معلوم ہوجائے گا، اور اس لئے بھی کہ اس نے ہر گز کے مقابلہ میں ایک درہم کو بیان کیا ہے، اور متوسط درجہ کے گزسے ناپا جائے گا.... (اس لئے کہ) عقد میں گز کو مطلقاً ذکر کرنے سے عرف میں رائج گز مراد ہوتا ہے ، اور وہ متوسط درجہ کا گز ہے)۔

ان فقہی اقتباسات کی روشنی میں ہم کہہ سکتےہیں کہ پلاٹ (Plat)نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی، بشرطیکہ پلاٹ کتنے گز پر مشتمل ہے، اس کی وضاحت کرکے قیمت کی بھی تعیین کردی جائے، لہذا خریدوفروخت کا یہ عمل درست ہے، البتہ فروخت کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جگہ کو تبدیل کردے، یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر بتایا گیا ہے، اس کو دوسری جگہ ڈال دے؛ کیونکہ پلاٹ نمبر کی وجہ سے جگہ متعین ہے، اور اس لئے بھی کہ سڑک کے سامنے (Front) کے پلاٹ کی قیمت پیچھے (Back) کے پلاٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔

نیز اس جگہ مزید کئی صورتیں ہیں، مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام صورتوں کے احکام قلمبند کردیئے جائیں، جو درج ذیل ہیں:

(الف) کالونی کی مخصوص اور معین زمین مینسے ایک ٹکڑا بیچاگیا اور فروخت کنندہ نے نقشہ پر درج اس ٹکڑے کی لمبائی چوڑائی اور قیمت خریدار کو بتائی، اور اس نے اسے قبول کرلیا، تو اس حالت میں مبیع متعین ہے، اور خریدوفروخت کا یہ عمل بھی درست ہے اور فروخت کنندہ کےلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس جگہ کو تبدیل کردے، یا نقشہ میں جس پلاٹ (Plat) کا جو نمبر بتایاگیا ہے، اس کو کسی اور جگہ ڈال دے۔

(ب) کالونی کی مخصوص اور معین زمین میں سے مختلف قطعے بیچے گئے جو مثال کے طور پر دس دس گز کے ہیں، اور ہر قطعہ کا نقشہ پر کوئی نمبر نہیں ہے تو یہ مشترکہ خریدوفروخت ہے، لہذا کالونی کی زمین تمام مالکین کے درمیان ان کے حصے کے بقدر مشترک ہوگی، جس کی تقسیم انصاف کے ساتھ ہر ایک کے استحقاق کے مطابق ہوگی،

فقیہ علی حیدر حنفیؒ لکھتےہیں: ‘‘یلزم أن تکون القسمۃ عادلۃ، سواء کانت القسمۃ رضاء أو قضاء، أو کان المقسوم مال شرکۃ، أو مالا آخر، أی أن تعدل الحصص بحسب الاستحقاق، وأن لا یکون بإحداہا نقصان فاحش’’ (علی حیدر، درر الحکام ١٥٩،٣، بیروت، العلمیہ) (لازم ہے کہ تقسیم انصاف کےساتھ ہو، خواہ تقسیم باہمی رضامندی سے ہو، یا عدالت کے ذریعہ، اور خواہ تقسیم کردہ مال شرکت کا مال ہو، یا دوسرا مال ہو، یعنی استحقاق کے اعتبار سے حصے برابر کئے جائینگے اور اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ کسی حصہ میں کھلا ہوا نقصان نہ ہو)۔

(ج) اگر کالونی کے نقشہ پر موجود قطعے زمین فروخت کئے گئے جو ابھی عملاً موجود نہیں ہیں، تو یہ عقد استصناع کے قبیل سے ہے، لہذا عقد کے اندر فروخت کی جانے والی زمین کے اوصاف وشرائط واضح ہونے چاہئے، تاکہ کسی طرح کی نزاع پیدا نہ ہو، اور اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بناکر یا حاصل کرکے دی جانے والی چیز کی حوالگی کی متعینہ مدت مہلت کے طور پر ذکر کرنا عقد استصناع میں درست نہیں ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک درست ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ‘‘وجہ قولہما أن العادۃ جاریۃ بضرب الأجل فی الاستصناع، وإنما یقصد بہ تعجیل العمل لا تأخیر المطالبۃ، فلایخرج بہ عن کونہ استصناعا’’ (کاسانی، بدائع الصنائع ٣،٥) (صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں استصناع میں بھی مدت کی تعیین کی جاتی ہے، اور اس سے مقصد کام جلد کرانا ہوتا ہے، مطالبہ مؤخر کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے، لہذا مدت مقرر کرنے سے وہ استصناع ہونے سےباہر نہ ہوگا)، اس لئے حوالہ کرنے کا وقت بھی متعین ہونا چاہئے تاکہ بعد میں کسی طرح کا اختلاف اور جھگڑا نہ ہو۔

واضح رہے کہ بعض اہل علم اس کو عقد سلم میں سے قراردیتے ہیں، او رمجلس عقد میں مکمل ثمن کی حوالگی شرط قرار دیتےہیں۔ لیکن میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ عقد استصناع کے قبیل سے ہے، جسے ہم ‘‘بیع مواصفہ ’’ (یعنی وہ معاملہ و سودا جو کسی چیز کی صفت بیان کرکے کیا جائے، اور پھر وہ چیز حاصل کرکے دی جائے) بھی کہہ سکتےہیں۔

اور استصناع کے معاملات میں حلت اصل ہے، لہذا یہ بیع درست ہے ،اور ثمن کی ادائیگی قسط وار بھی صحیح ہے۔

**سوال نمبر ١٠ کا جواب:**

زمین کے جن حصوں (Real Estate Units) کی بیع مکمل ہوگئی، اس پر اس کے شرعی آثار مرتب ہونگے، یعنی فروخت کنندہ پر لازم ہے کہ وہ مبیع (یعنی فروخت کردہ چیز) کو خریدار کے حوالہ کرے، اور خریدار پر لازم ہے کہ اگر ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر نہ کیاگیا ہو، تو مکمل ثمن (دام) فروخت کنندہ کے حوالہ کرے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:‘‘أما الأول فہو ثبوت الملک للمشتری فی المبیع، وللبائع فی الثمن للحال’’

(کاسانی، بدائع الصنائع ۵،۲۳۳) (بہرحال خیار سے خالی بیع صحیح کا حکم اصلی تو یہ ہے کہ مبیع (فروخت کردہ سامان)میں خریدار کے لئے اور ثمن (قیمت) میں فروخت کرنے والے کے لئے فوراً ملکیت ثابت ہوجاتی ہے)۔

اور ایک دوسری جگہ لکھتےہیں:''وأما بیان صفۃ الحکم فلہ صفتان:إحداہما اللزوم حتی لا ینفرد أحد العاقدین بالفسخ، سواء کان بعد الافتراق عن المجلس أو قبلہ ....والثانیۃ: الحلول، وہو ثبوت الملک فی البدلین فی الحال" (مرجع سابق ۵،۲۴۳) (بہرحال حکم کے درجہ کا بیان تو اس کے دو درجے ہیں: ایک درجہ لزوم ہے، یہاں تک کہ عاقدین میں سے کوئی تنہا بیع کو ختم نہیں کرسکتا ہے، خواہ ختم کرنا مجلس عقد سے جدا ہونے کے بعد ہو، یا جدا ہونے سے پہلے ہو ....اور دوسرا درجہ فوریت ہے، اور وہ یہ ہے کہ فوراً بدلین میں ملکیت ثابت ہوجاتی ہے)۔

اور ایک جگہ لکھتےہیں: ''وأما بیان وقت الوجوب، فالوجوب علی التوسع ثبت عقیب العقد بلا فصل، وأما علی التصییق، وإن تبایعا عینا بدین، یراعی فیہ الترتیب عندنا، فیجب علی المشتری تسلیم الثمن أولاً، إذا طالبہ البائع، ثم یجب علی البائع تسلیم المبیع إذا طالبہ المشتری" (مصدر سابق ۵،۲۴۳-۲۴۴) (رہا حوالہ کرنے کے وجوب کا وقت تو وجوب وسعت وکشادگی کے ساتھ عقد کے بعد ثابت ہوچکا ہے، اور بہرحال تنگی کے ساتھ حوالہ کرنے کا وجوب تو اس میں تفصیل ہے.... سو اگر متعین چیز کو غیر متعین چیز کے بدلہ باہم خریدوفروخت کا معاملہ کرے، تو اس میں ہمارے نزدیک ترتیب کی رعایت ہے، چنانچہ پہلے خریدار پر ثمن کی حوالگی واجب ہے، جبکہ بیچنے والا اس کا مطالبہ کرے، پھر بیچنے والے شخص پر فروخت کردہ سامان کا حوالہ کرنا واجب ہے، جبکہ خریدار اس کا مطالبہ کرے)۔

ان فقہی اقتباسات کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہے کہ زمین کے جن حصوں کی بیع مکمل ہوچکی ہے، خریدار ان کا مالک ہوچکا ہے۔

البتہ اگر ان حصوں پر بیچنے والے کا کاشت کرنا عقد کے بعد خریدار کی اجازت سے ہے تو یہ اس کی طرف سے تبرع ہے۔

اور اگر کاشت کرتے رہنے کی شرط عقد کے اندر لگائی گئی تھی تو یہ شرط فاسد ہے، جس سےعقد فاسد ہوجائے گا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا: ''لایحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک" (نسائی حدیث نمبر: ۴۶۱۱، ابوداود حدیث نمبر: ۳۵۰۴، ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۳۴، ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۱۸۸، مسندا حمد حدیث نمبر: ۶۶۲۸، ۶۶۷۱، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (قرض کی شرط کے ساتھ خریدوفروخت حلال نہیں، اور نہ ہی خریدوفروخت کے اندر دو شرطیں حلال ہیں، اور نہ ہی اس چیز سے نفع

اٹھانا حلال ہے جو اس کی ضمانت میں نہ آئے، اور نہ ہی اس چیز کو بیچنا جائز ہے، جو اس کے پاس موجود نہ ہو)۔

اور امام خطابیؒ لکھتے ہیں:''ولا فرق فی مثل ہذا بین شرط واحد، وبین شرطین، أو شروط ذات عدد فی مذاہب أکثر العلماء، وفرق أحمد بن حنبل بین شرط واحد وبین شرطین اثنین'' (خطابی، معالم السنن ۱۴۱،۳، ط: ۱، حلب، المطبعۃ العلمیۃ، ۱۳۵۱ھ) (اس طرح کی شرط لگانے میں ایک یا دو یا کئی شرطوں کے درمیان اکثر اہل علم کے مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے، اور امام احمد نے (حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے) ایک اور دوشرط کے درمیان فرق کیا ہے)۔ اور اس طرح کی شرط کے جائز نہ ہونے کی وجہ بالکل ظاہر ہے، او روہ یہ ہے کہ شرط کی وجہ سے ثمن مجہول ہوجائے گا، چنانچہ یہ معلوم نہ ہوگا کہ کس قدر زمین کی قیمت ہے، اور کس قدر کاشت کرنے کی اجرت ہے۔

بہرحال ایسی شرط لگانے سے جو مقتضائے عقدکے خلاف ہو، بیع فاسد ہوجاتی ہے، علامہ تمرتاشی لکھتے ہیں: ''ولا بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ، وفیہ نفع لأحدہما، أو فیہ نفع لمبیع ہو من أہل الاستحقاق، ولم یجر العرف بہ، ولم یرد الشرع بجوازہ'' (تمرتاشی، تنویر الابصار مع الدر المختار ۸۴،۵) (اور ایسی شرط کے ساتھ بیع درست نہیں ہے جس کا عقد تقاضا نہ کرے، اور نہ وہ اس کے مناسب ہو، اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا نفع ہو، یا اس میں فروخت کردہ چیز کا نفع ہو جبکہ اس میں نفع اٹھانے کی صلاحیت ہو (مثلاً: غلام ہو)، اور نہ ہی اس شرط کو لگانے کا عرف ہو، اور نہ ہی شریعت اس کے جواز کے ساتھ وارد ہو)۔

**سوال نمبر ۱۱ کا جواب:**

اگر زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میںآگئی تھی، اور اس نے پلاٹس فروخت کئے، تو پلاٹ خریدنے والا پلاٹ متعین ہونے سے پہلے صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر اپنی زمین کسی دوسرے شخص سے فروخت کرسکتاہے؛ اس لئے کہ اموال غیر منقولہ میں قبضہ سےپہلے بیع جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایاجاتا ہو۔ عالمگیری میں ہے: اشتری داراً أو عقاراً، فوہبہا قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل، ولو باع یجوز فی قول أبی حنیفۃؒ وأبی یوسفؒ ولایجوز فی قول محمدؒ ، ولو آجرہا قبل القبض من البائع أو غیرہ، لایجوز عند الکل، وکذا لو اشتری أرضاً فیہا زرع یزرعہا، والزرع بقل، ودفعہا إلی البائع معاملۃ بالنصف قبل القبض لا یجوز'' (ہندیہ ۱۳،۳، بیروت، دار الفکر) (مکان یا زمین خریدے، اور اسے قبضہ سےپہلے اس شخص کوہبہ کردے جو فروخت کنندہ کے علاوہ ہے، تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر بیچ دے تو شیخین کے قول کے مطابق جائز ہے، اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق جائز نہیں ہے۔ اور اگر قبضہ سے پہلے فروخت کنندہ یا دوسرے شخص کو کرایہ پر دے دے، تو یہ سب

کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اسی طرح اگر ایسی زمین خریدے جس میں کھیتی ہو جسے کاشت کررہا ہو، حالانکہ کھیتی کچی ہو، اور فروخت کنندہ کو آدھی پیداوار کے بدلہ قبضہ سے پہلے دے دے، تو یہ جائز نہیں ہے)۔

اور حدیث شریف سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ سےروایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ''نہی أن تباع السلع حتی یحوزہا التجار إلی رحالہم'' (سنن ابی داود حدیث نمبر: ۳۴۹۹، طبرانی، المعجم الکبیر حدیث نمبر: ۴۷۸۲، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۱۶۶۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (سامان کو بیچے جانے سے منع فرمایا یہاں تک کہ تاجر حضرات اسے اپنے ٹھکانے پر لے جائیں)، سو اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایسی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچنے کی ممانعت ہے، جسے منتقل کیا جاسکے، نیز عقلی اعتبا رسے بھی یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے،اس لئے کہ منتقل ہونے والی چیز جب تک خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے، اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ فروخت کردہ چیز اس کے قبضہ میں آہی نہ پائے، اور وہ دوسرے خریدار کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ ہوسکے۔

اور یہ علت اموال غیر منقولہ میں نہیں پائی جاتی ہے، البتہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ معاملہ بالکل واضح اور صاف وشفاف طریقہ سے، اور آئندہ کسی قسم کی نزاع پیدا نہ ہو، لہذا بہتر یہ ہے کہ زمین پر پلاٹ متعین ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد دوسرے سے فروخت کرے۔

(ب): زمین جبکہ مالک زمین سے ''خیار نقد '' کے ساتھ خریدی گئی ہو تو پلاٹنگ (Plating) کرنے والے کا اصل مالک کی اجازت سے پلاٹ بنانا اور اسے بیچنا جائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ ''خیار نقد '' کی صورت ہے، اور خیار نقد یہ ہے کہ خرید وفروخت کا معاملہ اس طرح طے ہو کہ اگر خریدار متعینہ مدت کے اندر ثمن ادا نہ کرے، تو فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان بیع نہیں ہوگی، فقیہ علی حیدر حنفیؒ لکھتےہیں: ''إذا تبایعا علی أن یؤدی المشتری الثمن فی وقت کذا، وإن لم یؤدہ، فلا بیع بینہما، صح البیع، وہذا یقال لہ خیار النقد'' (علی حیدر، درر الحکام ۱،۲۶۱) (اگر عاقدین خریدوفروخت کا معاملہ اس شرط کے ساتھ طے کریں کہ خریدار متعین وقت کے اندر ثمن ادا کرے گا، اور اگر ادا نہ کرسکے تو ان دونوں کے درمیان بیع نہ ہوگی، تو اس خیار کے ساتھ بیع صحیح ہے، اور اسے خیار نقد کہا جاتا ہے)۔

اور خیار نقد کی مدت حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک تین دن ہے، جبکہ امام محمدؒ کے یہاں عاقدین باہم جو مدت طے کرلیں صحیح ہے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: ''خلافاً لمحمد فإنہ جوزہ إلی ما سمیاہ'' (ابن عابدین، رد المحتار ۴،۵۷۱، بیروت، دار الفکر

۱۴۲۱ھ) (اس میں امام محمد کا اختلاف ہے، کیونکہ انہوں نے اس مدت کو جائز قرار دیا ہے جو عاقدین باہم طے کرلیں)۔

اور اس مسئلہ میں امام محمدؒ کا قول ہی راجح ہے، چنانچہ فقیہ علی حیدر رقمطراز ہیں: ''وإنما اختیر قولہ فی ہذہ المسألۃ أیضاً مراعاۃ لمصلحۃ الناس'' (علی حیدر، درر الحکام ۱۱،۱) (اور مسئلہ میں بھی امام محمد کا قول اختیار کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کی مصلحت کی رعایت ہو)۔

لہذا سوال میں یہ کہنا کہ زمین ابھی مالک زمین ہی کی ملکیت میں رہتی ہے درست نہیں ہے، بلکہ خریدوفروخت کا معاملہ طے ہوچکا ہے، اور طے ہونے کے بعد خریدار نے بہ طور اعتماد ثمن کے کچھ حصہ پر فروخت کنندہ کو قبضہ دلا دیا ہے، اور مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنے کا وہ پابند ہے، اور اس مدت میں خریدار اگر فروخت کا معاملہ کرتا ہے، تو پہلی بیع لازم ہوچکی ہے، اور اسے لازماً فروخت کنندہ کو ثمن دیناہوگا، چنانچہ علامہ شامی ''النہر '' کےحوالہ سے لکھتےہیں:''ثم لو باعہ المشتری، ولم ینقد الثمن فی الثلاث، جاز البیع، وکان علیہ الثمن'' (ابن عابدین، رد المحتار ۵۷۱،۴) (پھر اگر خریدار اسے بیچ دے، اور تین دن یعنی متعینہ مدت کےا ندر ثمن ادا نہ کرے، تو اس کی بیع جائز (نافذ) ہے، اور اس پر ثمن ادا کرنالازم ہے)۔

اور پلاٹنگ (Plating)کے سلسلہ میں اصل مالک کی اجازت بھی ضروری نہیں ہے۔

اور قانونی رکاوٹ کی وجہ سے زمین کا اصل مالک زمین کے پاس رہ جانا الگ بات ہے۔

۲۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ''خیار نقد '' کے ساتھ بیع درست نہ ہو ، اس لئے کہ اس میں شرط پر معلق فاسد اقالہ یعنی بیع کو توڑنا مشروط ہے، لیکن بہ طور استحسان اسے جائز قرار دیاگیا ہے، فقیہ علی حیدرؒ لکھتے ہیں: ''ووجہ الاستحسان الاحتراز من مماطلۃ المشتری؛ لأن المشتری إن لم یدفع الثمن، فالحاجۃ تمس إلی فسخ البیع'' (علی حیدر، درر الحکام ۲۶۱،۱) (اور استحسان کی وجہ خریدار کے ٹال مٹول سے بچنا ہے؛ اس لئے کہ خریدار اگر ثمن ادا نہ کرے، تو بیع کو ختم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے)۔

۳۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے خیار نقد کے ساتھ بیع کو درست قرار دیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ''إن ہذا یروی عن عمرؓ ، ولأنہ علق رفع العقد بأمر یحدث فی مدۃ الخیار، فجاز، کما لو شرط الخیار، ولأنہ نوع بیع، فجاز أن یفسخ بتأخیر القبض کالصرف، ولأن ہذا بمعنی شرط الخیار؛ لأنہ کما یحتاج إلی التروی فی البیع، ہل یوافقہ أولا ، یحتاج إلی التروی فی الثمن، ہل یصیر منقوداً أولا؟ فہما سیان فی المعنی متغایران فی الصورۃ'' (ابن قدامہ، المغنی ۱۲۹،۴، ط: ۱، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ) (خیار نقد کے ساتھ بیع کا جواز حضرت عمرؓ سے مروی ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ ایسی بیع ہے جس

میں عقد کو ختم کرنے کو ایسی چیز پر مشروط کیا گیا ہے جو مدت خیار میں ظاہر ہوگی، لہذا یہ بیع جائز ہے، جس طرح خیار شرط کے ساتھ بیع کرے، اور اس لئے کہ یہ ایک قسم کی بیع ہے، لہذا جائز ہے کہ ثمن پر قبضہ کی تاخیر کی وجہ سے فسخ کردی جائے، جیسے عقد صرف میں ہوتا ہے، اور ا س لئے کہ یہ خیارشرط کے معنی میں ہے؛ اس وجہ سے کہ جس طرح خریدوفروخت میں غوروفکر کی ضرورت ہوتی ہے کہ کیا یہ اس کےموافق ہے یا نہیں؟ اسی طرح ثمن میں غوروفکر کی ضرورت ہوتی ہے کہ کیاوہ ادا ہوجائے گا یا نہیں، لہذا دونوں شرط حقیقت کے اعتبار سےبرابر ہیں، لیکن صورت کے لحاظ سے الگ الگ ہیں)، اور جب پلاٹنگ کرنے والے کا پلاٹ بیچنا جائز ہے تو پھر اس سے خریدنے والے شخص کا اگلے شخص سے بیچ دینا بھی جائز ہے، علامہ سرخسیؒ لکھتےہیں:

''بہرحال قبضہ سےپہلے غیر منقولہ جائیداد کو بیچنا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے، اور امام ابویوسف کے پہلے قول کے مطابق جائز نہیں ہے، اور یہی امام محمدؒ اور شافعیؒ کا قول ہے، اس وجہ سے کہ جس چیز پر قبضہ نہ ہو، اس کو فروخت کرنے کی ممانعت عام ہے، اور اس لئے کہ نبی کریمﷺ نے ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے جو آدمی کی ضمانت میں نہ آئے، اور غیر منقولہ جائیدا د کو قبضہ سے پہلے خرید کردہ دام سے زیادہ میں بیچنے کی صورت میں ایسی چیز سے نفع کمانا ہے جو ضمانت میں نہیں آئی ہے.....یہاں تک کہ جب اس کا کوئی حقدار نکل آئے، یا اس کی ہلاکت کا تصور ہوسکے، اور وہ ہلاک ہوجائے، توثمن ساقط ہوجائے گا .....اور امام ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے غیر منقولہ جائداد کو بیچنا، قبضہ کے بعد منقولہ اشیاء کو بیچنے کے حکم میں ہے، لہذا جائز ہے.....اور قبضہ سے پہلے غیر منقولہ جائیداد کو بیچنے کی حالت میں بیچنے والےکی ملکیت میں صرف استحقاق کا غر رپایا جاتا ہے؛ اس لئے کہ غیر منقولہ جائیداد کی ہلاکت، اور اس کی وجہ سے بیع کے فسخ (ختم) ہوجانے کا تصور نہیں ہوسکتا ہے، اور غرر کا اس کےسبب کے بالکل نہ ہونے کی وجہ سے نہ پایا جانا، اس کے سبب کے متصور ہونے اور عمل نہ کرنے کی حالت میں نہ پائے جانے سے زیادہ موثر ہے، اور قبضہ سے پہلے غیر منقولہ اشیاء کی بیع میں صرف استحقاق کے اعتبار سے غرر کا تصور ہوسکتا ہے، اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور ملکیت میں قبضہ سے پہلے تصرف کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ ملکیت میں کوئی غرر نہیں پایا جاتا ہے '' (سرخسی، المبسوط ۱۳،۱۶-۱۷، ط: ۱، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ) ۔

**سوال نمبر ۱۲ کا جواب:**

غیر منقولہ جائیداد میں قبضہ سے پہلے بھی مبیع (فروخت کردہ چیز) پر کامل ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، اور جب ملکیت حاصل ہوگئی تو اس میں تصرف کا حق بھی حاصل ہوگیا، لہذا جب متعین زمین کے اندر جو ہزار گز پر مشتمل ہے،مثلاً پچاس گز کا قطعہ جہت اور سمت کی تعیین کے بغیرخرید لیا گیا، تو یہ مشترکہ طور پر خریداری ہے، اور ساری زمین تمام شرکاء کے درمیان ان کے حصے کے بقدر مشترک ہوگی، جس کی تقسیم انصاف کے ساتھ باہمی رضامندی یا عدالت کے ذریعہ ہوگی۔

اور اصل مالک زمین کے دلال سے خریدنا اصل مالک زمین سے خریدنے کے درجہ میں ہے، کیونکہ اس جگہ دلال زمین بیچنے کا وکیل بھی ہے، اور وکیل کا تصرف موکل کے تصرف کے حکم میں ہے، چنانچہ فقہ کا معروف ضابطہ ہے: ''تصرف الوکیل تصرف الموکل'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۲،۲۳۱)(وکیل کا تصرف موکل کے تصرف کے درجہ میں ہے)۔

اور زبانی سودا بھی درست ہے، ہدایہ میں ہے:''البیع ینعقد بالإیجاب والقبول، إذا کانا بلفظی الماضی'' (مرغینانی، الہدایہ ۳،۲۱، المکتبۃ الاسلامیہ) (بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتی ہے، جبکہ دونوں ماضی کے لفظ سے ہوں)۔

اور زمین خرید کر تجارت کرنا اور پیسے کمانا بھی جائز ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ''وأحل اللہ البیع وحرم الربا'' (البقرہ: ۲۷۵) (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے، اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے)۔

اور تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مشترک چیز کو شریک یا اجنبی کےہاتھ سے فروخت کرنا جائز ہے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: ''جاز بیع المشاع وإیداعہ'' (ابن عابدین، رد المحتار ۸،۳۸۴) (مشترک چیز کو فروخت کرنا اور اسے امانت رکھنا جائز ہے) اور فقیہ علی حیدر حنفیؒ لکھتے ہیں: ''یجوز بیع المشاع للمشارک وللأجنبی، سواء أکان قابلاً للقسمۃ أم لم یکن'' (علی حیدر، درر الحکام ۲،۳۸۸) (مشترک چیز کو شریک اور اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو)، اور شیخی زادہ حنفیؒ لکھتے ہیں: ''بیع المشاع جائز لا رہنہ'' (شیخی زادہ، مجمع الانہر ۴،۲۷۹، بیروت، العلمیہ، ۱۴۱۹ھ) (مشترک چیز کو بیچنا جائز ہے، لیکن اسے رہن رکھنا جائز نہیں ہے)۔

اور علامہ عبد الرحمن شہاب الدین بغدادی مالکی لکھتے ہیں: ''ویجوز بیع المشاع'' (شہاب الدین مالکی، ارشاد السالک إلی اشرف المسالک فی فقہ الامام مالک،۱۸۳، الشرکۃ الافریقیۃ) (اور مشترک چیز کو فروخت کرنا جائز ہے)۔

اور امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: ''یجوز بیع المشاع کنصف من عبد، أو بہیمۃ، أو ثوب، أو خشبۃ، أوأرض، أو شجرۃ،أو غیر ذلک بلا خلاف، سواء کان مما ینقسم أم لا'' (نووی،

المجموع شرح المہذب ۹،۲۴۴، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۷ء) (مشترک چیز کو فروخت کرنا جائز ہے، جیسے آدھے غلام، یا آدھے جانور، یا آدھے کپڑے یا آدھی لکڑی، یا نصف زمین یا آدھے درخت وغیرہ کو بالاتفاق فروخت کرنا جائز ہے، خواہ وہ مشترک چیز قابل تقسیم ہو یا نہ ہو)۔

اور مرداوی حنبلی (و: ۸۸۵ھ) لکھتے ہیں: ''یجوز بیع المشاع ورہنہ'' (مرداوی، الانصاف ۶،۲۶، ط: ۱، بیروت، دار الاحیاء، ۱۴۱۹ھ) (مشترک چیز کو فروخت کرنا اور اسے رہن رکھنا جائز ہے)۔

ان تمام فقہی اقتباسات سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ مشترکہ طورپر قطعۂ زمین خریدنا اور اس کا بیچنا جائز ہے۔

البتہ دلال کا یہ شرط لگانا کہ اسے وہی بیچے گا، باطل شرط ہے، کیونکہ وہ اس کے ذریعہ سے نفع کمانا چاہتا ہے، اور فروخت کرنے والے کو مارکیٹ ریٹ سے کم قیمت دینا چاہتا ہے۔

لیکن اگر یہ شرط عقد مکمل ہونے کے بعد ہے تو عقد کی صحت پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔

**سوال نمبر ۱۳ کا جواب:**

کالونی بنانے والے سے قسطوں میں قیمت ادا کرکے پلاٹ خریدنا جائز ہے، او راس طرح خریدنے سے خریدار کی ملکیت زمین پرثابت ہوجاتی ہے، اور اگر یہ پلاٹ مشترکہ طور پر خریدا گیا ہے، تو پھر فروخت کرنے کی حالت میں اسے خریدنے کا حق تمام شرکاء کو ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے:''قضی رسول اللہ ﷺ بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم، ربعۃ أو حائط، لا یحل لہ أن یبیع حتی یؤذن شریکہ، فإن شاء أخذ، وإن شاء ترک، فإذا باع ولم یؤذنہ، فہو أحق بہ'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۶۰۸، نسائی حدیث نمبر: ۴۷۰۱، سنن ابی داود حدیث نمبر: ۳۵۱۳) (رسول کریم ﷺ نے ہر مشترکہ جائیداد میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو، خواہ مکان ہو یا باغ ہو، شفعہ کا فیصلہ فرمایا، اور یہ فرمایا کہ شریک کے لئے مناسب نہیں کہ شریک کو بتائے بغیر بیچے، سو اگر شریک چاہے تو لے لے، اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، پھر اگر بیچ ہی دے اور شریک کو اطلاع نہ دے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے)۔

لیکن شریک کا اپنے شریک کو یہ بتانا کہ وہ اپنا حصہ بیچ رہا ہے صرف مستحب ہے، ''ہندیہ'' میں ہے: ''وہو محمول عند أصحابنا علی الندب، وکراہۃ بیعہ قبل إعلامہ'' (ہندیہ۵،۳۶۴) (یہ ہمارے علماء احناف کے نزدیک استحباب اور شریک کو بتانے سے پہلے فروخت کرنے کے مکروہ ہونے پر محمول ہے)۔

اور استحباب پر محمول کرنے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ‘‘نسائی ’’ اور ‘‘ابوداود ’’ کی روایت میں ہے: ‘‘لا یصلح لہ’’ (دیکھئے: سنن نسائی حدیث نمبر: ۴۶۴۶، سنن ابی داود حدیث نمبر: ۳۵۱۳، اوریہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (اس کے لئے مناسب نہیں)۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سےمروی ہے کہ ‘‘قضی النبیﷺ بالشفعۃ فی کل مال لم یقسم، فإذا وقعت الحدود، وصرفت الطرق فلا شفعۃ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۲۱۴، ۲۲۵۷، ۲۴۹۵) (نبی کریمﷺنے ہر اس مال میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جس کی تقسیم نہیں ہوئی ہو، سو جب حدود متعین ہوجائیں، اور راستے الگ کردیئے جائیں، تو شفعہ نہیں ہے)۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ شریک کو بتانا واجب نہیں ہے ، اس لئے کہ اس کی اطلاع کے بغیر بیچ دینے کی صورت میں حق شفعہ ثابت کیا گیا ہے، لہذا کالونی بنانے والے اصل مالکِ پلاٹس کا اگر وہ شریک بھی ہو، تو اس کا یہ شرط لگانا کہ خریدنے والا صرف اسی سے بیچے درست نہیں ہے، بلکہ مالکِ پلاٹ کو اختیار ہے کہ وہ جس سے چاہے بیچے۔

اور اگر کالونی بنانے والا خریدنا ہی چاہتا ہے تو اسے مارکیٹ ریٹ سے لینا ہوگا۔

بہرحال اگر یہ شرط عقد کے مکمل ہونے کے بعد ہو تو عقد کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

اور اگر پلاٹ مقدار اور محل وقوع کے اعتبار سے متعین ہے، تو پھر اول فروخت کرنے والے یا دیگر مالکین کا یہ شرط لگانا کہ پلاٹ کا مالک ان ہی سے بیچے یا فلاں سے نہ بیچے درست نہیں ہے، اس طرح کی شرط لگانے سے عام طور سے مالک کا استحصال اور مارکیٹ ریٹ سے کم پر لینا مقصود ہوتا ہے۔

البتہ اگر یہ شرط عقد مکمل ہونے کے بعد ہے تو عقد کی صحت پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

**سو ال نمبر ۱۴ کا جواب:**

قسط پر فروخت کی صورت میں خریدار کی ملکیت مبیع (فروخت کردہ سامان) پر معاملہ مکمل ہونے کے بعد ثابت ہوجاتی ہے، اور ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے، چنانچہ قسط پر خریدوفروخت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مکمل قسطوں کی ادائیگی کے بعد مبیع (فروخت کردہ چیز) پر ملکیت ثابت ہو، کیونکہ یہ ادھار بیع کی ایک شکل ہے، اور ادھار بیع مکمل ہوتے ہی مبیع پر ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، اور ادھار قیمت کی ادائیگی مقررہ مدت میں واجب ہوجاتی ہے، اور ادھار قیمت کی ادائیگی مقررہ مدت میں واجب ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نےایسا کیا:‘‘اشتری طعاماً من یہودی إلی أجل، ورہنہ درعاً من حدید’’ (صحیح البخاری

حدیث نمبر: ۲۰۶۸، ۲۰۹۶، ۲۲۰۰، ۲۲۵۱، ۲۲۵۲، ۲۳۸۶، ۲۵۰۹، ۲۵۱۳، صحیح مسلم: ۱۶۰۳) (ایک یہودی سے متعینہ مدت پر قیمت کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ غلہ خریدا، اور اس کے پاس لوہےکی زرہ رہن رکھی)۔

اس حدیث سےمعلوم ہوا کہ ثمن کی ادائیگی کا وقت مقررکرکے کوئی چیز خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے، اور ادھار قیمت کی ادائیگی کی متعینہ مدت طے ہونے کے باوجود مبیع (فروخت کردہ سامان) پر خریدار کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، اور قسط پر خریدوفروخت بھی ایسی بیع ہے جس کی قیمت کی آئندہ ادائیگی کا وقت مقرر ہے، اور شرعی اعتبا رسے ادھار قیمت یکمشت ادا کی جائے ، یا چند قسطوں میں دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ، وہ کہتی ہیں: ''جاءتنی بریرة، فقالت: کاتبت أہلی علی تسع أواق، فی کل عام أوقیة'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۱۶۸، ۲۷۲۹) (حضرت بریرہ میرے پاس آئیں، اور بتایا کہ میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ یعنی ۳۶۰ درہم پر عقد کتابت (یعنی متعینہ مال کی ادائیگی کے بعد آزاد ہونے کا معاہدہ) کیا ہے، او رہر سال ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ادا کرنا ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیمت چند قسطوں میں ادا کرنا درست ہے۔

البتہ ادھار بیع میں ثمن (دام) کی ادائیگی کی مدت متعین اور معلوم ہونی چاہئے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ رقمطراز ہیں: ''معلومیة الأجل فی البیع بثمن مؤجل'' (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب البیع ۵،۲۸۱) (ادھار ثمن کے ساتھ خریدوفروخت کی حالت میں ادائیگی کی مدت معلوم ہونی چاہئے)۔

لہذا کالونی بنانے والے کا بعض قسطوں کی ادائیگی باقی رہنے کی وجہ سے سودے کو کینسل (Cancel) قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ باقی قسطوں کو ادا نہ کرنے کی حالت مینخریدار کو اختیار دیا جائے کہ وہ باقی ماندہ قسطیں ادا کرکے اپنی زمین حاصل کرلے، یا زمین بیچ کر باقی ماندہ قسطیں ادا کرے، اور فروخت کرنے والے کو چاہئے کہ قسط وقت مقررہ پر نہ ادا کرنے کی بنا پر خریدار کو متنبہ کرے، اور تنبیہ کے بعد بھی وہ ادا نہ کرے، تو پھر موجودہ وقت میں زمین کی مارکیٹ کےاندر جو قیمت ہے اسے ادا کرکے زمین لے لے، اور باقی ماندہ قسطوں سے زائد قیمت خریدا رکو ادا کرے، یا کسی تیسرے شخص سے بیچ کر اپنی باقی ماندہ قسطیں حاصل کرے، اور زائد قیمت خریدا ر کے حوالہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ فروخت کرنے والے کا صرف قسطوں میں ادا کی ہوئی رقم واپس کرنا جبکہ زمین کی قیمت مارکیٹ میں پچاس گنا بڑھ چکی ہو، ظلم شدید ہے، اور ''واللہ لا یحب الظالمین'' (آل عمران: ۵۷) (اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے)، اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:''یا عبادی إنی حرمت الظلم علی نفسی، وجعلتہ بینکم محرما،

فلا تظالموا" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۵۷۷، بخاری، الادب المفرد حدیث نمبر: ۴۹۰، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۴۹۵، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۴۲۵۷، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۱۴۲۰، مسند طیالسی حدیث نمبر: ۴۳، مصنف عبد الرزاق: ۲۰۲۷۲) (اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام ٹھہرایا ہے، اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، لہذا آپس میں ظلم نہ کرو)۔

**سوال نمبر ۱۵ کا جواب:**

**(الف):**

دلالی کی اجرت جائز ہے، علامہ سرخسیؒ لکھتےہیں: ''والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالأجر بیعاً وشراء، ومقصودہ من إیراد الحدیث بیان جواز ذلک" (سرخسی، المبسوط ۲۰۹،۱۵) (دلال اس شخص کا نام ہے جو اجرت کے بدلہ دوسرے شخص کے لئے خریدوفروخت کا معاملہ کرتا ہے اور حدیث بیان کرنے سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اس عمل کے جواز کو بیان کیا جائے)۔

اور علامہ شامی ''حاوی" کےحوالہ سے لکھتے ہیں: ''سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ، وإن کان فی الأصل فاسداً، لکثرۃ التعامل، وکثیر من ہذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ" (ابن عابدین، رد المحتار ۶۳،۶) (محمد بن سلمہ سے دلال کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہو ننے جواب دیا کہ مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ اصل کےاعتبار سے یہ فاسد ہے، اور جواز کی وجہ یہ کثرت اس کا معاملہ ہونا ہے، اور اس نوعیت کے بہت سے معاملات جائز نہیں، لیکن لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے دلال کی اجرت جائز قرار دی گئی ہے)۔

واضح رہے کہ لغت کے اعتبار سے سمسار اور دلال کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن عرف کے اعتبار سے بعض فقہاء نے دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ''سمسار" سامان کی جگہ اور اس کے مالک کے بتانے والے کو کہتے ہیں، اور دلال وہ ہے جو عام طور سے فروخت کرنے والے اور خریدار کے درمیان فروختگی کے عمل میں داخل ہوتا ہے (دیکھئے: ابن عابدین، رد المحتار ۱۳۶،۵)۔

دلالی کے جواز کی شرطیں:

دلال کی اجرت کے جواز کی درج ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ دلال کی اجرت معلوم ومتعین ہو۔

۲۔ جس سے اجرت لے رہا ہے، خواہ وہ فروخت کرنے والا ہو، یا خریدار اسے بتادے؛ اس لئے کہ دلالی اپنی حقیقت کے اعتبا رسےکام کی انجام دہی پراجرت لینا ہے، لہذا کام کی اجرت دینے اور لینے والے کی طرف سے ایجاب وقبول ہونا چاہئے، لہذا جس سے دلالی لے رہا ہے، اس کے علم کے بغیر لینا ناجائز ہے۔

۳۔ جس سےد لالی لے رہا ہے اس سے معاہدہ ہونا چاہئے، دوسرے فریق کو بتانا ضروری نہیں ہے۔

۴۔ دلال کو اس کی متعین اور معلوم اجرت کام کی تکمیل کے بعد ملے گی۔

۵۔ اگر فروخت کرنے والے اور خریدار دونوں سے دلالی لے رہا ہے تو دونوں کو بتانا لازم ہے۔

۶۔ اگر دلال عاقدین میں سے کسی ایک کے لئے کام کررہا ہے،تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے فریق کے ساتھ دام بڑھانے یا گھٹانے کا اتفاق کرلے، اس لئے کہ یہ فریب دہی اور امانت میں خیانت ہے، او رخاص طور پر اس کی شناعت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جبکہ دلال ہی عقد کو انجام دے رہا ہو، اس لئے کہ ایسی حالت میں وہ وکیل بھی ہے، اور وکیل کو قابل اعتماد ہونا چاہئے، اوراسی وجہ سے شریعت کا یہ حکم ہے کہ سپرد کردہ سامان سے اگر وکیل نے نفع حاصل کیا، تو وہ موکل کا ہے نہ کہ وکیل کا، اور اگر وہ عقد انجام نہیں دے رہا ہو، بلکہ اس کا کام محض فروخت کرنے والے یا خریدار کو بتانا ہو، اور اس سے کہا گیا ہو کہ بہتر سے بہتر دام پر خریدنے والے کو ڈھونڈو، یا کم سے کم دام پر بیچنے والے کا پتہ لگاؤ، تو ایسی حالت میں بھی دوسرے فریق کے ساتھ جس کے لئے وہ کام نہیں کررہا ہے، اتفاق کرلینا دھوکہ اور خیانت ہے۔

۷۔ دلال کی اجرت اگر معروف کے مطابق ہو تو اسے ثمن میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ فقہاء نے بیع مرابحہ میں بھی اس کو شامل کرنے کی اجازت دی ہے، حالانکہ وہ ثمن اصلی کےبتانے کے سلسلہ میں امانت پر قائم ہوتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:''لا بأس بأن یلحق برأس المال أجرة القصار والصباغ والغسال والفتال والخیاط والسمسار.... اعتبارا للعرف؛ لأن العادة فیما بین التجار أنہم یلحقون ہذہ المؤن برأس المال، ویعدونہا منہ، وعرف المسلمین وعادتہم حجة مطلقة'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۵،۲۲۳) (کوئی حرج نہیں کہ ثمن میں کپڑے کی سفید کاری کرنے والے، رنگریز، دھوبی، رسی بٹنے والے، درزی اور دلال کی اجرت شامل ہو.... عرف کا اعتبار کرتے ہوئے، اس لئے کہ سودا گروں کا عرف یہ ہے کہ وہ ان اخراجات کو ثمن میں شامل کرتے ہیں، اور اسی میں سے شمار کرتے ہیں، اور مسلمانوں کا عرف کامل درجہ کی حجت ہے)، تو جب یہ ''مرابحہ '' میں جائز ہے، تو دیگر بیوع کے اندر بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

ہاں اہم بات یہ ہے کہ ثمن پر خریدار راضی ہو، اور اسے دھوکہ اور فریب نہ دیا گیا ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دلال کا زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرکے زمین کو اپنی من مانی قیمت پر بیچ کر مالک زمین کی بتائی ہوئی رقم سے زائد رقم خود لے لینا ناجائز وحرام ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا إلی الحکام

لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون" (البقرہ: ١٨٨) (اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، اور ان کو حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ بہ طریقۂ گناہ کھا جاؤ، حالانکہ تم اس کو جانتے ہو)۔

اور دلال کا مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر من مانی قیمت پر بیچنا، او راس کی بتائی ہوئی قیمت کے علاوہ باقی کو خود لے لینا ناحق طریقہ سےمال کھانا ہے جو حرام ہے، اس لئے کہ اس صورت میں وہی عقد بھی انجام دے رہا ہے، لہذا وہ وکیل بھی ہے، اور وکیل کو قابل اعتماد ہونا چاہئے، لہذا زائد قیمت کا مالک، زمین کا اصل مالک ہے نہ کہ دلال۔

٢۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ٢٥٦٤ (ترقیم: محمد فؤاد عبد الباقی)، سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ٤٨٨٢، سنن ترمذی حدیث نمبر: ١٩٢٧، مسند احمد حدیث نمبر: ٧٧٢٧) (ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے)۔

لہذا مالک زمین کی اجازت کے بغیر زیادہ قیمت پر بیچ کر اس کی بتائی ہوئی رقم سے زائد رقم خود لے لینا حرام ہے۔

٣۔ حضرت حنیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا:''لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ'' (مسند احمد حدیث نمبر: ٢٠٦٩٥، او ریہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (کسی شخص کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے)، لہذا دلال کا مالک کی اجازت کے بغیر من مانی قیمت پر بیچ کر زائد رقم خود لے لینا حرام ہے۔

٤۔ ''ہندیہ '' میں ہے: ''ولو وکلہ بأن یبیعہ بألف درہم، فباعہ بأکثر، نفذ البیع، وإن باعہ بأقل لم ینفذ'' (ہندیہ٣،٥٩٠) (اور اگر کسی کو وکیل بنائے کہ سامان ایک ہزار درہم میں بیچ دے، لیکن وہ اسے زیادہ میں بیچ دے، تو بیع نافذ ہوگی، اور اگر کم میں بیچے تو نافذ نہ ہوگی)۔

اس سے پتہ چلا کہ زائد قیمت کا مالک زمین والا ہے نہ کہ دلال، لہذا اس کا باقی کو اپنے لیے جائز سمجھنا درست نہیں ہے۔ البتہ بعض فقہاء کے نزدیک جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ دلال کالونی بنانے والے مالک زمین سے یہ طے کرلےکہ اس قیمت سےزائد میں اگر میں بیچوں تو زائد قیمت ہماری ہوگی، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتےہیں:''لا بأس أن یقول: ''بع ہذا الثوب، فما زاد علی کذا وکذا، فہو لک'' (صحیح البخاری ٥،٥٥٤، ط: ١، دار طوق النجاۃ، ١٤٢٢ھ) (اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کسی سے کہے کہ اس کپڑے کو بیچ دو، سو اتنے دام سے جو زائد رقم ہو، وہ تمہاری ہے)۔

اور محمد بن سیرین فرماتےہیں: ''إذا قال بعہ بکذا، فما کان من ربح فہو لک، أو بینی وبینک، فلا بأس بہ'' (مرجع سابق ٥،٥٥٤) (اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ اسے اتنے

میں بیچ دو، سو جو نفع ہو وہ تمہارا ہے، یا ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، چنانچہ ایساکرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

البتہ اس صورت میں بھی دلال کو چاہئے کہ حد سے زیادہ قیمت نہ بڑھائے، تاکہ لوگ مشقت میں نہ پڑیں، او ریہ سوچے کہ اگر میں خریدا رکی جگہ ہوتا تو کیا پسند کرتا، کہ یہی مومن کی شان ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لایؤمن أحدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۱۳، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۴۵) (تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

**(ب):**

دلال کمپنی کا زمین بیچ کر قبضہ نہ دلانا سراسر ظلم اور سخت گناہ ہے، اس لئے کہ جب خریداری مکمل ہوگئی تو ''مبیع '' (فروخت کردہ سامان) کو حوالہ کرنا واجب ہوگیا، ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: ''وأما أحکامہ فالأصلی لہ الملک فی البدلین، لکل منہما فی بدل ...والتابع وجوب تسلیم المبیع والثمن'' (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب البیع ۲۸۲،۵) (بہرحال بیع پر مرتب ہونے والے احکام تو اس کا اصلی حکم واثر بدلین میں ملکیت کا ثبوت ہے یعنی عاقدین میں سے ہرایک کے لئے ملکیت بدل میں ثابت ہوجاتی ہے، اور ضمنی حکم مبیع (فروخت کردہ سامان) اور ثمن کی حوالگی کا وجوب ہے)۔

اور اگر زمین بیچنے والی دلال کمپنی عقد کے اندر یہ شرط لگاتی ہے کہ زمین ہم سے ہی بیچنا تو یہ شرط باطل ہے، اور اس شرط کے لگانے سے عقد فاسد ہوجائے گا، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں: ''فإن کان فیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین، فالبیع فاسد؛ لأن الشرط باطل فی نفسہ، والمنتفع بہ غیر راض بدونہ، فتتمکن المطالبۃ بینہما بہذا الشرط، فلہذا فسد بہ البیع'' (سرخسی، المبسوط، کتاب البیوع، باب البیوع إذا کان فیہا شرط ۱۳-۱۳-۱۴) (سو اگر شرط کے اندر عاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو، تو بیع فاسد ہے؛ اس لئے کہ یہ شرط بذات خود باطل ہے، اور اس سے فائدہ اٹھانے والا اس کے بغیر راضی نہیں، لہذا دونوں کےدرمیان اس شرط کا مطالبہ راہ پائے گا، سو اسی وجہ سے اس کے سبب بیع فاسد ہوگئی)۔

۲۔ یہ شرط عقد کے مقصود کے خلاف ہے، کیونکہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت کنندہ کی ملکیت ثمن میں، اور خریدار کی ملکیت مبیع (فروخت کردہ سامان) میں اس طرح ثابت ہوجائے کہ دونوں اپنی مملوکہ چیز میں آزادی کے ساتھ تصرف کرسکیں، جبکہ یہ شرط خریدار کی آزادی کو سلب کرتی ہے۔

۳۔ اس شرط کو لگا کر دلال کمپنی خریدار کا استحصال (Exploitation) کرنا

چاہتی ہے تاکہ مارکیٹ ریٹ سے کم پر دوبارہ اس کی مملوکہ زمین حاصل کی جاسکے، جو ظلم ہے، اور ظلم اپنی تمام قسموں اور شکلوں کے ساتھ اسلامی شریعت میں حرام ہے۔

**خلاصہ بحث:**

۱۔ بعض لینڈ گرابرس (Land grabbers)، سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر کا سرکاری اراضی پر قابض ہوکر ان کو فروخت کردینا حرام ہے خواہ رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داروں سے وہ لے آوٹ (Layout) بھی منظور کراچکے ہوں، اور جانتے بوجھتے غصب کردہ سرکاری اراضی کا قابضین یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا ناجائز ہے۔

۲۔ اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو تمام قسموں کے ساتھ اپنے لئے خریدنا حرام ہے۔

۳۔ اگر پھوپھیوں یا بہنوں کو حصہ نہیں دیا گیا تو بیٹوں یا پوتوں سےان کی ایسی موروثی زمین کا خریدنا مکروہ تنزیہی ہے۔

۴۔ جو لوگ حرام خور کے حالات سے واقف ہیں، ان کے لئے حرام خور سے اس کی حرام آمدنی سے حاصل کردہ زمین کو خریدنا ناجائز ہے۔

۵۔ بیچنے والے شخص کے لئے حکومتی ادارہ سے منظور شدہ نقشے میں تبدیلی کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا اور دوسرے لوگوں کا جانتےبوجھتے اس کو خریدنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ لےآوٹ (Layout)یعنی آبادی کا نقشہ منظور کرنے کے لئے کالونی میں گارڈن (Garden)اور پلے گراؤنڈ (Playground)رکھنا قانونی اعتبار سے ضروری ہے، لہذاکالونی بنانے والے پر واجب ہے کہ اس قانون کی تعمیل کرے، اور اس مخصوص جگہ کو دوسرے مقصد کے لئے نہ بیچے، یا نہ دے۔

۷۔ ایک مفاد عام کے لئے مخصوص جگہ کو دوسرے مفاد عام کے لئے دینا مناسب نہیں ہے، البتہ یہ غصب کا معاملہ بھی نہیں ہے، اس لئے اس جگہ مسجد بنانا درست ہے، اور بننے والی مسجد شرعی مسجد ہے۔

۸۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ٹیکس کا نظام ایسا بنائے کہ لوگ اس سے بچنے کی تدبیریں نہ سوچیں۔

۹۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ آسان قانون اور صالح نظام بنائے تاکہ ملک کے ہر باشندہ کو مناسب مکان دستیاب ہوسکے۔

۱۰۔ قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بعد ہی کالونیاں بنانا اور پلاٹ فروخت کرنا مناسب ہے۔

۱۱۔ جائز ٹیکس سے بچنے کے لئے لون لینے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ ظالمانہ ٹیکس اور غیر منصفانہ قانونی دشواری سے بچنے کےلئے لون لینے کی بدرجۂ مجبوری

گنجائش ہے۔

۱۲۔ پلاٹ (Plat)نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی، بشرطیکہ پلاٹ کتنے گز پر مشتمل ہے اس کی وضاحت کرکے قیمت کی بھی تعیین کردی جائے، لہذا خریدوفروخت کا یہ عمل درست ہے۔

البتہ فروخت کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جگہ کو تبدیل کردے، یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر بتایا گیا ہے، اس کو دوسری جگہ ڈال دے۔

۱۳۔ زمین کے جن حصوں کی بیع مکمل ہوچکی ہے، خریدار ان کا مالک ہوچکا ہے، لہذا اگر کاشت کرنے کی شرط عقد کے اندر لگائی گئی تھی تو یہ شرط فاسد ہے، جس سے عقد فاسد ہوجائے گا۔

البتہ اگر ان حصوں پر بیچنے والے کا کاشت کرنا عقد کے بعد خریدار کی اجازت سے ہے، تو یہ اس کی طرف سے تبرع ہے۔

۱۴۔ اگر زمین کالونی بنانےو الے کی ملکیت میں آگئی تھی، اور اس نے پلاٹس فروخت کئے، تو پلاٹ خریدنے والا پلاٹ متعین ہونے سے پہلے، صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر اپنی زمین کسی دوسرے شخص سے فروخت کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ اموال غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع جائز ہے۔

۱۵۔ مالک زمین سے ''خیار نقد '' کے ساتھ جو زمین خریدی گئی، وہ مالک زمین کی ملکیت سے نکل چکی ہے، او رخرید وفروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد خریدار نے بہ طور اعتماد ثمن کے کچھ حصہ پر فروخت کنندہ کو قبضہ دلا دیا ہے، اور مقررہ مدت میں بقیہ رقم اداکرنے کا وہ پابند ہے، اور اس مدت میں خریدار اگر پلاٹ (Plat)بناکر بیچتا ہے، تو پہلی بیع لازم ہوگئی، اور اسے لازماً فروخت کنندہ کو ثمن دینا ہوگا۔

اور پلاٹنگ (Plating)کے سلسلہ میں اصل مالک کی اجازت بھی ضروری نہیں ہے۔

اور قانونی رکاوٹ کی وجہ سے زمین کا اصل مالکِ زمین کے پاس رہ جانا الگ بات ہے۔

او رجب پلاٹنگ کرنے والے کاپلاٹ بیچنا جائز ہے، تو پھر اس سے خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو بیچ دینا بھی جائز ہے۔

۱۶۔ غیر منقولہ جائیداد میں قبضہ سے پہلے بھی مبیع پر کامل ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، اور جب ملکیت حاصل ہوگئی، تو اس میں تصرف کا حق بھی حاصل ہوگیا، لہذا جب متعین زمین کے اندر جو ہزار گز پر مشتمل ہے، مثلاً پچاس گز کا قطعہ جہت اور سمت کی تعیین کے بغیر خرید لیا گیا تو یہ مشترکہ طو رپر خریداری ہے۔

اور اصل مالکِ زمین کے دلال سے خریدنا اصل مالک زمین سے خریدنے کے درجہ میں ہے۔

اور زبانی سودا بھی درست ہے۔

اور زمین خرید کر تجارت کرنے اور پیسے کمانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مشترک چیز کو شریک یا اجنبی کے ہاتھ سے فروخت کرنا جائز ہے۔

البتہ دلال کا یہ شرط لگانا کہ اسے وہی بیچے گا، باطل شرط ہے، اور اگر یہ شرط عقد مکمل ہونے کے بعد ہے، تو عقد کی صحت پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔

۱۷۔ کالونی بنانے والے سے قسطوں میں قیمت اداکرکے پلاٹ خریدنا جائز ہے، اور اس طرح خریدنے سے خریدار کی ملکیت زمین پر ثابت ہوجاتی ہے، اور اگر یہ پلاٹ مشترکہ طور پر خریدا گیا ہے، تو پھر فروخت کرنے کی حالت میں اسے خریدنے کا حق تمام شرکاء کو ہے، لہذا کالونی بنانے والے اصل مالک پلاٹس کا اگر وہ شریک بھی ہو، تو اس کا یہ شرط لگانا کہ خریدنے والا صرف اسی سے بیچے درست نہیں ہے، بلکہ مالک پلاٹ کواختیار ہے کہ وہ جس سے چاہے بیچے۔

اور اگر کالونی بنانے والا خریدنا ہی چاہتا ہے،تو اسے مارکیٹ ریٹ سے لینا ہوگا۔

لیکن اگر یہ شرط عقد کےمکمل ہونے کے بعد لگائی گئی ہو، تو عقد کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

اور اگر پلاٹ مقدار اور محل وقوع کے اعتبار سے متعین ہے، تو پھر اول فروخت کرنے والے یا دیگر مالکین کا یہ شرط لگانا کہ پلاٹ کا مالک ان ہی سے بیچے، یا فلاں سے نہ بیچے درست نہیں ہے۔

البتہ اگر یہ شرط عقد مکمل ہونے کے بعد لگائی گئی ہو، تو عقد کی صحت پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

۱۸۔ قسط پر فروخت کرنے کی صورت میں خریدار کی ملکیت مبیع پر معاملہ مکمل ہونے کے بعد فوراً ہی ثابت ہوجاتی ہے، اور ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے، لہذا کالونی بنانے والے کا بعض قسطوں کی ادائیگی باقی رہنے کی وجہ سے سودے کو کینسل قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ باقی قسطوں کو ادا نہ کرنے کی حالت میں خریدار کو اختیار دیا جائے کہ وہ باقی ماندہ قسطیں ادا کرکے اپنی زمین حاصل کرے، یا زمین بیچ کر باقی ماندہ قسطیں ادا کرے۔

لہذا فروخت کرنے والے کا صرف قسطوں میں ادا کی ہوئی رقم واپس کرنا جبکہ زمین کی قیمت مارکیٹ میں پچاس گنا بڑھ چکی ہو، سراسر ظلم ہے۔

۱۹۔دلال کی زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرکے زمین کو اپنی من مانی قیمت پر بیچ کر مالک زمین کی بتائی ہوئی رقم سے زائد رقم خود لے لینا جرم ہے۔

البتہ بعض فقہاء کے نزدیک جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ دلال کالونی بنانے

والے مالک زمین سے یہ طے کرلے کہ اس قیمت سے زائد میں اگر میں بیچوں تو زائد قیمت میری ہوگی۔

۲۰۔ دلال کمپنی کا زمین بیچ کر قبضہ نہ دلانا سراسر ظلم اور سخت گناہ ہے۔

۲۱۔ زمین بیچنے والی دلال کمپنی عقد کے اندر یہ شرط لگاتی ہے کہ زمین ہم سےہی بیچنا، تو یہ شرط باطل ہے، او راس شرط کے لگانے سے عقد فاسد ہوجائے گا۔ ہذا ما ظہر لی واللہ أعلم بالصواب۔

# زمین کی بیع وشراء سے متعلق چند جدید مسائل

مولانا محمد ظفر عالم ندوی•

زمین کی خرید و فروخت سے متعلق جو سوالات اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے آئے ہیں ان کے جوابات ترتیب وار شرع اسلامی کی روشنی میں ذیل میں درج کیے جارہے ہیں:

جواب نمبر(۱):بعض لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر سرکاری اراضی پر قابض ہوجائیں تو بلا شبہ یہ از روئے شرع اسلامی غصب ہے، غصب کردہ زمین کے بارے میں جب علم ہو اور اس کے مالک کے بارے میں واقفیت ہو تو ایسی صورت میں غاصبین یا غاصبین نے جن کے ہاتھ فروخت کیا ہے ان سے زمین خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس بارے میں درج ذیل فقہی نصوص سے رہنمائی ملتی ہے۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

''لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال بغیر سبب شرعی'' (البحر الرائق۵؍۴۱، کتاب الحدود فی التعزیر)۔

علامہ ابن عابدین شامی اور ابن نجیم مصری دونوں فرماتے ہیں:

''أما شرائط المعقود علیہ.... أن یکون ملک البائع فیما یبیعہٗ لنفسہ'' (رد المحتار ۴/۵۰۵، البحرالرائق ۵/۲۵۹)۔

غصب کردہ زمین خواہ مختلف ہاتھوں بکتی اور منتقل ہوتی رہے، وہ مال حرام ہی رہے گا اور حرمت منتقل ہوتی رہے گی۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

''الحرام ینتقل أی ینتقل حرمتہ وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک'' (رد المحتار ۷؍۳۰۰)۔

علامہ سیوطی الاشباہ والنظائر میں صراحت فرماتے ہیں:

''الحرمۃ تتعدی فی الأموال'' ( ص۔ ۱۵۹)۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''الحرمۃ تتعدی مع العلم بھا إلا فی حق الوارث وقیدہ فی الظہریۃ بأن لا یعلم أرباب الأموال'' (الدر المختار علی رد المحتار ۷ ؍ ۳۰۱)۔

فقہاء نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ غیر کے مال میں بغیر مالک کی اجازت کے تصرف جائز نہیں ہے، اس صورت میں اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی۔

---

• مفتی واستاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

''لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ و لا ولایتہ'' (الدر المختار علی رد المحتار ۶/۲۰۰)۔

'' ولا یجوز التصرف بمال الغیر بدون إذن صریح''(الأشباہ والنظائر ، ۱۵۷)۔

فقہا کی مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ قسم کی اراضی خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

جواب نمبر (۲):موقوفہ غصب کردہ زمین کی خرید و فروخت جائز نہینہے، جن لوگوں نے اوقاف کی زمینوں پر قبضہ کرلیا، انھوں نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، ایسے لوگوں سے جس طرح ممکن ہو وقف کی زمینیں آزاد کرانا متولیان اور ذمہ داران وقف پر ضروری ہے، غصب کردہ زمین خواہ وقف کی ہو یا کسی اور کی ان کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، اگر کسی مسلمان نے موقوفہ زمین پر علم کے باوجود غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ موقوفہ زمین کو واپس کردے، ورنہ وہ عنداللہ و عندالناس مجرم قرار پائیں گے، احادیث میں اس سے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں اور فقہاء نے اس بارے میں صراحت فرمائی ہے۔

'' وأما حکمہ فالإثم والمغرم عندالعلم وإن کان بدون العلم بأن ظن أن الماخوذ مالہ أو اشتریٰ عینا ثم ظہر استحقاقہٗ فالمغرم ویجب علی الغاصب رد عینہٖ علی المالک وإن عجز عن رد عینہ بھلا کہ فی یدہ بفعلہٖ أو بغیر فعلہ فعلیہ مثلہ إن کان مثلیا فإن لم یقدر علی مثلہ بالإنقطاع عن أیدی الناس فعلیہ قیمتہ یوم الخصومۃ عندأبی حنیفۃ وقال أبو یوسف رحمہ اللہ یوم الغصب وقال محمد رحمہ اللہ یوم الإنقطاع''(فتاوی ہندیہ ۵، ۱۹)۔

غاصب چاہے کسی وجہ سے بھی غصب کردہ زمین کامالک ہو اور اسے بیع کردے تو یہ بیع باطل ہوگی۔

'' ولوملک الغاصب المغصوب من جہۃ المغصوب منہ ببیع أوہبۃ أو وارث بعد ما باعہ من غیرہ بطل البیع''(فتاوی ہندیہ۵ ، ۱۲۰)۔

اس مسئلہ میں دراصل بنیادی چیز یہ ہے کہ موقوفہ جائداد کی نہ خرید و فروخت ہوسکتی ہے اور نہ ہبہ اور نہ یہ وراثت مینمنتقل ہوگی جیسا کہ روایات میں صراحتاً موجود ہے، اسی طرح اس کو رہن رکھنا اور اس پر ناجائز قبضہ کرنا وغیرہ ناجائز ہے، لہٰذا اس کی خریدگی بھی جائز نہینہوگی، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

''وإذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہٗ أما إمتناع التملیک فلما بینا ماروی من حدیث تصدق بأصلہا : لا یباع ولا یوہب'' (ہدایہ، کتاب الوقف )۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

''فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولایعار ولا یرہن أی لا یکون مملوکا لصاحبہ ولا یقبل التملیک لغیرہ با لبیع و نحوہ لإستحالۃ تملیک الخارج عن مالکہ''(رد المحتار۳، ۵۰۷)۔

ان کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں یہ تفصیلات موجود ہیں، موقوفہ جائداد کی خرید و فروخت ممکن نہیں ہے۔

جواب نمبر (۳):موروثی زمین جو تقسیم نہ ہوئی ہو بعد کے ورثاء اگر اپنے حصے کے بقدر کسی کے ہاتھ فروخت کردیں تو اس زمین کو خریدنا جائز ہے، کیونکہ بطور وراثت اس زمین کے وہ مالک ہیں اور مالک کو اپنی زمین فروخت کرنے کا حق حاصل ہے اور کسی کے لیے اس کے خریدنے کی اجازت ہے،فقہاء کے یہاں اس کی تصریحات موجو ہیں۔

**حرام مال سے خرید کردہ اراضی خریدنے کا حکم؟**

جواب نمبر (۴)اگر مشتری کو معلوم ہے کہ بائع کے پاس جتنی زمینیں ہیں وہ سب مال حرام سے خرید کردہ ہیں تو تعین کے ساتھ علم رکھنے والے حضرات کے لیے ان زمینونکا خریدنا جائز نہینہے ہاں! اگر متعین طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ زمین مال حلال سے خریدی گئی ہے یا حرام سے، حالانکہ بائع کے پاس دونوں طرح کے اموال ہیں تو اس صورت میں امام کرخیؒ کا قول یہ ہے کہ اس کی خریداری درست ہوگی، علامہ ابن عابدینؒ شامیؒ نے صراحت کی ہے کہ فتویٰ امام خرخیؒ کے قول پر ہے۔

'' رجل اکتسب مالا من حرام ، ثم اشتریٰ فہذا علی خمسۃ أوجہ: إما إن دفع تلک الدراہم إلی البائع أو لا، ثم اشتریٰ منہ بھا أو اشتریٰ مطلقا و دفع تلک الدراہم أو اشتریٰ قبل الدفع بھا ودفعھا أو اشتریٰ قبل الدفع بھا ودفع غیرہا، أو اشتریٰ مطلقا ودفع تلک الدراہم أو اشتری بدراہم أخر، ودفع تلک الدراہم۔ إلی قولہ، وقال الکرخی رحمہ اللہ فی الوجہ الأول والثانی لا یطیب، وفی الثلاث الأخیرۃ یطیب، وقال أبوبکررحمہ اللہ لا یطیب فی الکل، لکن الفتویٰ الآن علی قول الکرخی رحمہ اللہ دفعا للحرج عن الناس'' (رد المحتار ۷ ۴۹۰ زکریا،کتاب البیوع ، مطلب إذا اکتسب حراما)۔

فتاوی ہندیہ میں تقریباً یہی صراحت موجود ہے(فتاوی ہندیہ ۳ ۲۱۵ دارالکتاب دیوبند)۔

**قانونی طور پر منظور شدہ نقشہ کے خلاف خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟**

جواب نمبر (۵):حکومت کے قانون کے مطابق جو لے آؤٹ منظور کرایا گیا ہے اور خریدار کو نقشہ کے مطابق معاملہ بتایا گیا، پھر اس میں تبدیلی کردی گئی، مثلا راستہ کم کردیا گیا یا اس کی بھی قیمت خریداروں سے لی گئی تو یہ از روئے شرع غش میں داخل ہے، لیکن اس غش سے خریدار واقف ہوتے ہیں اور اس کے باوجود خریدتے ہیں تو اگرچہ شرعاً یہ بیع ہوجائے گی، لیکن قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، اور حکومت کی طرف سے کارروائی ہوسکتی ہے اور بڑا نقصان بھی ہوسکتا ہے، اس لیے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے اس قسم کی خریداری کراہت سے خالی نہینہوگی، --- ہاں ! اگر مکان بنانے کی سخت ضرورت ہو اور کوئی فریش کالونی اور زمین نہ مل پارہی ہو تو

بر بنائے ضرورت خریدنے مینکراہت نہینہوگی۔

**گارڈن کےلئے تجویز شدہ جگہ پر مسجد بنوانا:**

جواب نمبر (۶):گارڈن یا پلے گراؤنڈ نقشہ مینجہانہو اگر اس جگہ مالک زمین کی طرف سے مسجد بنادی گئی تو مسجد درست ہوگی اور مسجد شرعی کہلائے گی، البتہ حکومت سے منظور شدہ نقشہ کے مطابق تعمیر نہ کرنے کی وجہ سے وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

**مجبوری اور زیادہ اخراجات کے پیش نظر غیر قانونی کالونی بسانا:**

جواب نمبر (۷): اس مسئلہ میں شرعی نقطہ نظر سے اگرغور کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اراضی ہو تو اس پر کالونی بسانے کے لیے نقشہ کی منظوری یا خرید و فروخت سے متعلق ٹیکسیز شرعاً نہیں ہیں، لیکن ملکی اور شہری قانون کا لحاظ کرنا ایک اچھے شہری کے لیے ضروری ہے، اگر قانون کا لحاظ نہ ہو تو غیر قانونی کالونی بسانے والے خلاف معاہدہ کام کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے اور خلاف قانون کام کرنے کی وجہ سے گرفت میں آنے پر بے عزتی اور تذلیل ہوگی اور اپنے کو ذلت سے بچانا شرعاً ضروری ہے، ترمذی کی روایت ہے:

''عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: لا ینبغی للمؤمن أن یذل نفسہ قالوا کیف یذل نفسہ؟ قال:یتعرض من البلاء لمالا یطیق'' (ترمذی وابن ماجہ)۔

**انکم ٹیکس اور دیگرسرکاری ٹیکسیز سے بچنے کے لیے سودی قرض لے کر زمین کی خرید و فروخت کرنا:**

جواب نمبر (۸):محض سرکاری قوانین، انکم ٹیکس و دیگر سرکاری ٹیکسیز وغیرہ سے بچنے کے لیے استطاعت کے باوجود سودی قرض لے کر زمین خریدو فروخت کرنا درست نہینہے، خواہ غریب مسلمانونکے تعاون کا جذبہ ہو ، سود جیسے موجب لعنت اور حرمت معاملہ میں مبتلا ہوکر غیروں یا مسلم غرباء کی مدد کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' آیت کے تحت ممنوع ہوگا، غیر مسلمونکی ترقیات کو دیکھ کر گمراہ کن راہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل'' (سورہ انعام : ۱۵۴)۔ یہ راہ دراصل شیطان کی راہ ہے، ''ولا تتبعوا خطوات الشیطان'' (بقرہ: ۱۶۸ )، بلکہ غیرونکی چمک دمک کی طرف نظر اٹھانے سے منع کیا گیا ہے ''ولا تمدن عینیک إلی ما متعنا بہ أزواجا منہم زہرۃ الحیاۃ الدنیا'' (سورہ طہ : ۱۳۱)۔

البتہ اگر خود کوئی پریشان حال بے مکان مسلمان مکان کا محتاج ہو اور اسے غیر سودی قرض نہ ملتا ہو تو ضرورت کی بناپر بقدر ضرورت اس کے لیے انفرادی طور پر سودی قرض لے کر مکان یا رہائشی زمین خریدنے کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے

صراحت کی ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

''یجوز للمحتاج الإستقراض بالربح''( الاشباہ والنظائر لابن نجیم۱۰۰)۔

**قطعہ زمین کے نمبر جو نقشہ میں ہوتے ہیں ان کے بجائے پلاٹس نمبر کے اعتبار سے فروختگی کا حکم:**

جواب نمبر (۹):اس بارے میں اصل یہ ہے کہ خرید و فروخت مینمبیع کا تعین ہو، مبیع مجہول نہ ہو، اگر پلاٹس نمبر کی تعیین سے مبیع کی تعیین ہوجائے اور جہالت باقی نہ رہے تو اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ شرعاً درست ہوگا، فتاویٰ بزازیہ مینایک جزئیہ موجود ہے:

''اشتریٰ أرضا و ذکر حدودہا لا ذرعہا طولا و عرضا جاز، وإذا عرف المشتری الحدود لا الجیران یصح وإن لم یذکر الحدود ولم یعرفہٗ المشتری جاز البیع إذا لم یقع بینما تجاحد، وجہل البائع بالمبیع لا یمنع وجہل المشتری یمنع''(فتاویٰ بزازیہ علی الہندیۃ ۴/۳۷۲)۔

اوپر کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ مشتری کو اگر پلاٹ معلوم ہوجائے تو بیع درست ہوجائے گی، ورنہ جہالت کی وجہ سے بیع درست نہینہوگی۔

**زمین پر بائع ہی کاقبضہ ہو، لیکن مشتری نے ثمن ادا کردیا ہو تو کیا مشتری کی ملک ہوگی؟**

جواب نمبر (۱۰): اس بارے میں فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مشتری نے زمین کی خریدگی کا معاملہ کرکے بائع کوثمن ادا کردیا تو زمین پر مشتری کی ملکیت ہوجائے گی، اگرچہ بائع نے قبضہ نہ دیا ہو، بائع اگر فروخت شدہ زمین پر کھیتی کرے تو یہ ان کی طرف سے زیادتی ہے، بائع پر واجب ہے کہ وہ جلد از جلد زمین مشتری کے لیے خالی کردے، یہی وجہ ہے کہ اگر مشتری خرید شدہ زمین پر قبضہ سے قبل تصرف کرلے تو یہ تصرف درست ہوگی۔

شرح المجلہ کی عبارت ہے:

''للمشتری أن یبیع المبیع من آخر قبل قبضہ إن کان عقارا لا یخشی ہلاکہ وکما یجوز بیع العقار قبل قبضہ یجوز أیضا التصرف فیہ بالرہن ، والہبۃ ، غیر أن التصرفات المذکورۃ وإن کانت جائزۃ إلا أنہا لا تکون لازمۃ ونافذۃ إلا بدفع الثمن للبائع أو إجارتہ لہا'' ( شرح المجلۃ ۱ر ۱۲۸ رقم : ۲۵۳)۔

فتاویٰ تاتارخانیۃ میں ہے:

''إذا اشتریٰ دارا أو عقارا فوہبہا قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل ولوباع یجوز فی قول أبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمہما اللہ ولا یجوز فی قول محمد رحمہ اللہ''(فتاوی تاتارخانیۃ ۸/۲۶۶)۔

علامہ ابن عابد شامیؒ لکھتے ہیں:

‘‘لو اشتریٰ عقارا فوہبہ قبل القبض من غیر بائع یجوز عند الکل کما فی البحرعن الخانیۃ ’’ (رد المحتار ۷، ۳۶۹ دارالکتب بیروت)۔

ان کے علاوہ اور فقہاء نے بھی یہی نقطہ نظر پیش فرمایا ہے کہ عقار مینجب مشتری نے ثمن ادا کردیا تو مشتری کی ملک ہوجاتی ہے اور قبضہ کے بغیربھی اس کے لیے تصرف درست ہوجاتا ہے۔

**پلاٹ متعین ہونے سے قبل کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینا:**

جواب نمبر (۱۱)(الف): زمین اگرچہ کالونی بنانے والی کی ملک مینآگئی ہو اور اس نے پلاٹ خریدنے والے کے ہاتھ فروخت کردیا جب تک پلاٹ کی تعیین نہ ہوجائے ، اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں مجہول اور مشاع شئ کی بیع ہوگی جو فاسد ہوگی، البتہ اس صورت میں پلاٹ متعین ہونے کے بعد بائع کی اجازت سے مشتری اس پلاٹ پر قبضہ کرلے تو بائع کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ بیع فاسد مینبائع کی اجازت سے مشتری جب بیع پر قبضہ کرے تو مشتری مبیع کا مالک ہوجائے گا، ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں صراحت موجود ہے:

‘‘ فإن باعہٗ المشتری بالشراء الفاسد نفذ بیعہ، لأنہ ملکہ فملک التصرف فیہ وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثانی ونقض الأول لحق الشرع و حق العبد مقدم لحاجتہ’’ (ہدایہ ۳،۶۵)۔

علامہ ابن ہمامؒ اس پر لکھتے ہیں:

‘‘فان باعہٗ أی باع المشتری ما اشتراہ شراء فاسدا بیعا صحیحا نفذ بیعہٗ لأنہ ملکہٗ فملک التصرف فیہ وسقط حق البائع الأول فی الاسترداد’’ (فتح القدیر ۶/۴۲۷)۔

(ب):دوسری صورت جس میں کہ کالونی بنانے والے کا ابھی قبضہ نہینہوا ہے اور کاشتکار کھیتی کررہا ہے اس صورت کا بھی وہی حکم ہوگا جو پہلی صورت کا ہے، کیونکہ املاک غیر منقولہ کا ثمن سو دا کے بعد اگرادا کردیا جائے تو مشتری کی ملک بغیر قبضہ کے بھی ہوجاتی ہے، جیسے پیچھے فقہا ء کی تصریحات درج کی جاچکی ہیں۔

**بذریعہ دلال زمین کی خرید و فروخت جب کہ زمین پر قبضہ بھی نہ ہو:**

جواب نمبر (۱۲):غیر منقولہ اشیاء مثلاً زمین و مکان وغیرہ جب موجود اور مقدورالتسلیم ہوں تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے، چونکہ اس قسم کی خرید و فروخت میندلالی کے بغیر معاملہ مشکل ہے اور موجود دور میں اس کا رواج بھی ہوگیا ہے، اس لیے اس میں دلالی کی بھی گنجائش ہے اور اس کی اجرت بھی جائز ہے، زمین پر اگرچہ قبضہ نہ ہو، لیکن قیمت ادا کردینے کی وجہ سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، اس لیے آگے دوسرونکے ہاتھ بغیر قبضہ کے بھی اس کی خرید و فروخت بذریعہ دلال درست ہے جیساکہ بذریعہ وکالت اس کی اجازت ہوتی ہے، دلائل اوپر کے مسائل میں درج ہوچکے ہیں۔

قسطوں پر پلاٹ بذریعہ دلال خریدنا اور فروخت کرنا ہے۔

جواب (۱۳): قسطوں مینجب پوری قیمت ادا ہوجائے تو زمین پر ملکیت ثابت ہوجائے گی، پھر انہی کے ہاتھ نفع لے کر فروخت کردی تو یہ درست ہے؛ ‘‘ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمہما اللہ۔۔۔ ولہما أن رکن البیع صدر من أہلہ فی محلہ ولا غیر رقبۃ لأن الہلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول ، والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد والحدیث معلول بہ عملا بدلائل الجواز’’ (ہدایہ ۷۳،۲)۔

‘‘ إذا اشتریٰ دارا أو عقارا فوہبہا قبل القبض من غیر البائع یجوز عندالکل ، ولو باع یجوز فی قول أبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمہما اللہ’’ (تاتارخانیۃ ۸/۲۶۶)۔

الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲، ۳۳۴ میں بھی یہی صراحت ہے۔

پوری قسطیں ادا نہ ہونے کی صورت مینمعاملہ کو کینسل کرنا اور ادا شدہ رقم واپس کرنا اور خریدار کا بوقت واپسی رقم زمین کا مطالبہ کرنا:

جواب نمبر (۱۴):خریدار جب وقت مقررہ پر پوری قیمت ادا نہ کرپائے تو بائع کو معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، بلکہ رقم پوری ادا کرنے کی صورت مینبھی اقالہ کا حق ہوتا ہے، اس صورت میں مشتری دوبارہ بقیہ رقم ادا کرنے کی بات کرے تو یہ بائع کے اختیار مینہے، چاہے تو قبول کرے یا فسخ کردے اور ادا شدہ قیمت واپس کردے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

‘‘إذا الحاجۃ مست إلی الإنفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلۃ فی الفسخ...’’ (ہدایہ ۳/۳۰)۔

‘‘فإذا عزم البائع علی ترک الخصومۃ، تم الفسخ، وبمجرد العزم وإن کان لا یثبت الفسخ فقد اقترن بالفعل وھو امساک الجاریۃ و نقلہا وما یضاہیہ ولأنہ لما تعذر استیفاء الثمن من المشتری فات رضاء البائع فیستبد بفسخہٖ’’(ہدایہ ۱۳۱،۳۔ باب التحکیم ۔ مسائل شتیٰ)۔

ہدایہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ مینیہ بات ملتی ہے کہ اگر مشتری معاہدہ کے مطابق ثمن ادا نہ کرپائے تو بائع کو معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے، اور جب فسخ ہوجائے تو مشتری صرف اتنی ہی رقم کا حقدار ہوگا جو انھوں نے بائع کو سپرد کیا ہے، اس سے زائد نہیں۔

شیخ سہارنپوریؒ صراحت فرماتے ہیں:

‘‘ویرد العربان إذا ترک العقد علی کل حال بالإتفاق’’( بذل الجہود ۲۸۷،۴)۔

**دلال کا مشتری سے من مانی قیمت لے کر زمین فروخت کرنا:**

جواب نمبر (۱۵):جو قیمت بائع سے طے ہوئی ہو اسی پر دلالی کرے اور اپنی اجرت طے کرے تو یہ صورت درست ہے ‘‘وسئل محمد بن مسلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال أرجو أنہ یجوز وإن کان فی الأصل فاسدا لکثرۃ التعامل وکثیر من ہذا غیر جائز فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ’’ (رد المحتار ۶۳،۶)۔

علامہ شامی مزید تحریر فرماتے ہیں:

‘‘اجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فیہ الوقت ولا العمل تجوز

لما کان للناس بہ حاجۃ'' (رد المحتار ۶/۴۷)۔

لیکن بائع سے کچھ طے کیا جائے اور مشتری کچھ لے تو یہ صورت درست نہیں ہے، ہاں اگر یہ صورت ہو کہ دلال کالونی فروخت کرنے والوں سے یہ طے کرلے کہ میں آپ کو ایک متعین قیمت دونگا، مثلاً ایک ہزار روپے اسکوائر فٹ دوں گا اور مشتری سے جو کچھ زیادہ ملے وہ میں لونگا پھر دلال مشتری سے زمین کی قیمت طے کرکے معاملہ کرے اور اس میں جو زائد رقم حاصل کرے وہ اس کی اجرت ہوگی اور درست کہلائے گی، اس صورت مینیہ سمجھا جائے گا کہ دلال نے بائع سے متعین رقم پر زمین خرید کر مشتری کے ہاتھ نفع لے کر فروخت کردیا، شرعاً اس کی گنجائش ہوگی، ہدایہ کی شرح عنایۃ میں ایک جزئیہ ہے:

''أنہ باعۂ مرابحۃ، فإن کان کل ما اشتراہ بہ لہ مثل جاز سواء جعل الربح من جنس رأس المال الدرہم من الدراہم أو من غیر الدرہم من الدنانیر أو علی العکس، إذا کان معلوماً ما یجوز بہ الشراء لأن الکل ثمن''(عنایۃ علی الہدایۃ مع فتح القدیر ۶،۴۹۵)۔

مذکورہ جزئیہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دلال اگر کالونی والے سے زمین خرید کربطور مرابحۃ خریدار کے ہاتھ فروخت کرے تو اس کی گنجائش ہے جبکہ قیمت طے ہو۔

# مختلف النوع اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی•

زمین بیش بہا نعمتِ خداداد ہے، انسان کی بنیادی ضروریات زمین سے ہی وابستہ ہیں، یہی مدفن ومسکن ہے، خوراک وپوشاک اسی کی رہین منت ہیں، ظاہر میں پیروں تلے روندی جانے والی حقیر شئی ہے، مگر ذرا قدموں تلے سے کھسک جائے تو انسان کا سارا زور چکنا چور ہوجائے، اللہ نے بار بار جن نعمتوں کا تذکرہ کرکے بندوں کی تذکیر کی ہے ان میں بہت اہمیت کے ساتھ زمین کا تذکرہ کیا گیا ہے، چونکہ انسانی دسترس سے ماواء بھی نہیں اس لئے ظلم وزیادتی کی شکار بھی خوب رہتی ہے جس کی پاداش میں بہت سے مظلوم انسان پس جاتے ہیں، اس لئے اللہ کے رسولﷺ نے بہت ہی واضح انداز میں متنبہ کردیا ہے کہ جس نے تھوری زمین کا حصہ ہڑپ کیا وہ قیامت کے دن ساتوں تہوں کو طوق بنائے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہوگا۔

''عن سعید بن زید قال: سمعت رسول اللہﷺ یقول: من ظلم من الأرض شیئاً طوّقہ من سبع أرضین'' (بخاری ۳۳۲،۱ کتاب المظالم، باب اثم من ظلم شیئاً من الأرض) (حضرت سعید فرماتےہیں: میں نے اللہ کے رسول کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے تھوڑی زمین بھی غصب کیا تو ساتوں زمین کا طوق بنایا جائے گا)۔

دنیا کے پرستاروں نے اسی کے حصول کے لئے حرب وجنگ کے بہت سے میدانوں کو خون آلود کیا اور یہ سلسلہ نسل در نسل دراز سے دراز ہوتا گیا جس کی وجہ سے دنیا جور وزیادتی کی آماجگاہ بن گئی، لوگوں کی ستم ظریفی کیا کیا ہوتی ہے اور اس بے زبان زمین کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوتا ہے، خواہ ان ظالموں کا فائدہ ہویا نہ ہو، اس پر بسنے والے آہ وبکا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، خواہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری نہ ہو، مگر دل میں جو گھاؤ پڑ جاتا ہے بڑی مشکل سے بھرپاتا ہے، فقہ اسلامی سے اس بابت کیا رہنمائی ملتی ہے مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جارہا ہے:

**(۱) سرکاری زمینوں کے قابضین سے خرید وفروخت:**

اراضی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں:

(۱) ذاتی زمین: جو افراد واشخاص کی زیر ملکیت ہوتی ہے، (۲) اراضی موقوفہ: جو کار خیر میں اللہ کے لئے وقف ہوتی ہے، (۳) غیر آباد وبنجر زمین یہ جس سے آبادی کا

• استاذ حدیث وفقہ جامعہ حسنیہ کایم کلم، کیرالا۔

مفاد وابستہ نہ ہو، (۴) اراضی سلطانیہ یعنی سرکاری زمین جو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہو؛ خواہ اسی کی ملکیت ہو یا اصل مال کے نہ ہونے کی وجہ سے حکومت کی تحویل میں ہو۔

ہر زمین کے احکام الگ الگ ہیں، سرکاری جائیداد جس پر گورنمنٹ کو مالکانہ تصرف کا حق ہے، چونکہ وہ زمینیں سرکاری حکام کی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ صرف تصرف کے مجاز ہیں، کس قسم کا تصرف یہ کرسکتے ہیں وہ سرکاری کاغذات میں فکس ہیں، کس کو زمین بطور ہبہ الارٹ کیا جاسکتا ہے یہ بھی متعین ہے، اگر سرکاری حکام اپنے حدود اور دائرہ کار میں رہتے ہوئے انجام دیتے ہیں تو اس تصرف کو سراہا جائے گا، اگر اپنے دائرہ کار سے متجاوزہوتےہیں تو اسے خرد برد کہا جائے گا، زمینی حقیقت میں اس کی حیثیت نہ ہوگی، عدالت آج نہیں تو کل اس کو کالعدم کردے گی، سرکاری حکام کے لئے وضع کردہ قوانین انتظامی امور کو درست رکھنے کے لئے ایک مسلمان قاضی کے قوانین کے مانند ہیں، اگر کوئی قاضی وسربراہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ فیصلہ نافذ نہیں سمجھا جاتا ہے:

''أو خالف كتاباً أو سنة مشهورة أو إجماعاً لا ينفذ فى الكل'' (الدر المختار ۳۶۷،۴ كتاب القضاء مطلب فى الحكم بما خالف الكتاب الخ) (قاضی کتاب اللہ، یا سنت مشہورہ، یا اجماع کی خلاف ورزی کرے تو کوئی فیصلہ نافذ نہیں ہوگا)۔

اسی طرح سرکاری حکام ملکی قوانین اراضی کی مخالفت کرتے ہوئے کسی غیر مستحق کو زمین الارٹ کرتے ہیں، خواہ رشوت لیا ہو یا نہ لیا ہو، کسی بھی صورت میں اس الارٹمنٹ کو نافذ نہیں ماناجاسکتا، او راس کا مالک علی حالہ حکومت وقت ہوگی، اسی کو بیچنے کا اختیار ہوگا، دوسرے کی بیع بیع فضولی کہلائے گی، جو مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے؛ جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک بیع ہوتی ہی نہیں ہے؛ خواہ مالک اجازت ہی کیوں نہ دے دے۔

''الأول للحنفية والمالكية وأحمد فى رواية عنه: هو أن بيع الفضولى ينعقد موقوفاً على إجازة المالك؛ فإن أجازه نفذ وإن رده بطل، والثانى للحنابلة والشافعية فى المعتمد: وهو أن بيع الفضولى باطل فلا ينقلب صحيحاً ولو أجازه المالك بعد'' (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۷۲،۳۲ ماده: فضل)۔

(بیع فضولی کے سلسلہ میں پہلا نقطہ نظر حنفیہ ومالکیہ کا ہے اور ایک روایت امام احمد کی ہے کہ اس کی بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہوتی ہے، اگر اجازت دے دے تو نافذ اور اگر رد کردے تو باطل۔

دوسرا نظریہ حنابلہ اور شافعیہ کا ہے کہ فضولی کی بیع باطل ہے، پس صحیح نہیں ہوسکتی ہے چاہے بعد میں مالک اجازت ہی دے دے)۔

البتہ سرکاری حکام نے ایسے لوگوں کے نام الارٹ کیا ہے جس کو قانونا الارٹ کیا

جاسکتا ہے تو خواہ رشوت ہی لے کر کیا گیا ہو جس کے نام الارٹ ہوا ہے وہ مالک ہو جائے گا اور اس کےلئے بیچنا بھی جائز ہوگا۔

لہذا جن غنڈہ عناصر نے سرکاری زمینوں پر قبضہ کررکھا ہے ، ان کا یہ قبضہ غاصبانہ سمجھا جائے گا، شئی مغصوب جب تک باقی ہے بعینہ اس شئی کو واپس کرنا ضروری ہے، واپس کردینے سے بریٔ الذمہ ہوجائے گا؛ خواہ دوسرے معلوم ہو یا نہ ہو۔

''یجب رد عین المغصوب ما لم یتغیر تغیراً فاحشاً ویبرأ بردہا ولو بغیر علم، وفی البزازیۃ: ولو سلمہ إلیہ بجہۃ أخری کہبۃ أو إیداع أو شراء'' (الدر المختار ۱۲۸٫۵ کتاب الغصب، رشیدیہ پاکستان)۔

(عین مغصوب کو لوٹانا ضروری ہے جب تک تغیر فاحش نہ ہو، اور اس کو لوٹانے سے بری الذمہ ہوجائے گا خواہ مغصوب منہ کو معلوم نہ ہو، بزازیہ میں ہے: اسی طرح اگر اس کو دوسرے طریقے ہبہ، ودیعت یا شراء کے طریقے سے دے تو بری ہوجاے گا)۔

لہذا جانتے ہوئے ایسی زمینوں کو خریدنے کا اقدام کرنا جائز نہیں ہے، نیز ان قابضین سے خریدنے کی وجہ سے خریدار کو مالکانہ تصرف کا حق بھی نہیں ہوگا۔

**(۲) اوقاف کی اراضی مغصوبہ کی خریدوفروخت:**

وقف مکمل ہوجانے کے بعد وہ انسانوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، اب خریدوفروخت بلکہ کسی بھی قسم کا مالکانہ تصرف کے لائق نہیں رہتا ہے۔

''فإذا تمّ ولزم لا یملک ولا یُملک ولا یعار ولا یرہن ولا یقسم'' (الدر المختار ۴۰۲٫۳ کتاب الوقف، ط: رشیدیہ پاکستان) (جب وقف مکمل ولازم ہوجائے تو نہ کوئی مالک ہوسکتا ہے اور نہ کسی کو مالک بنایا جاسکتا ہے، نہ عاریت پر دیا جاسکتا ہے، نہ رہن کے طور پر رکھا جاسکتا ہے، اور نہ ہی ملکیت والی تقسیم کی جاسکتی ہے)۔

اگر لوگوں کے دوسری جگہ منتقل ہونے کی وجہ سے دور افتادہ ہوجائے، یا کسی وجہ سے مستحقین کے لئے نفع بخش باقی نہ رہ پائے تو ایسے موقع پر فقہاء نے اجازت دی ہے کہ اس کی بیع کردی جائے او راس کی قیمت دوسرے اوقاف میں خرچ کردی جائے۔

''سئل شمس الأئمۃ الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیہ لتفرق الناس ہل للقاضی أن یصرف أو قافہ إلی مسجد آخر أو حوض آخر؟ قال: نعم'' (الفتاوی التاتارخانیۃ ۱۹۶٫۸، الفصل: ۲۴ صرف الغلۃ علی وجوہ، مسئلہ: ۱۱۶۲۴)۔

(علامہ حلوانی سے سوال کیا گیا ایک ایسی مسجد یا حوض کے بارے میں جو ویران ہے اس کی ضرورت باقی نہیں، اس لئے کہ لوگ وہاں پر نہیں ہیں، تو قاضی اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرسکتا ہے، انہو ننے کہا: ہاں)۔

لہذا ایسے اوقاف جن پر مسلمانوں نے یا غیر مسلموں نے ناجائز قبضہ کرلیا ہے یا قبضہ کرنے کا ایسا قوی اندیشہ ہے کہ مقصدِ وقف پامال ہوسکتا ہے، آئندہ بھی اس کا

ناجائز قبضہ کو ختم کرنے کی قدرت نہ ہونے کا ظن غالب ہے تو ناچیز یہ خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے اوقاف کار آمد باقی نہیں رہتے، اس لئے اس کو بیچ دینے میں یا ایسے شخص کو خرید لینے میں حرج نہیں ہے جن کو اتنی استطاعت ہو کہ قبضہ کرسکے گا اور اس میں مالکانہ تصرف کرپائے گا، پھر اس سے حاصل ہونے والی رقم کو کسی دوسرے اوقاف میں لگادیا جائے یا اس سے کسی دوسری زمین وغیرہ خرید کر وقف کردیا جائے، اس سلسلہ میں اس جزئیہ سے استفادہ کیاجاسکتا ہے:

''سئل شیخ الإسلام عن أہل قریۃ افترقوا وتداعی مسجدا لقربۃ إلی الخراب، وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشب المسجد وینقلونہا إلی دیارہم ہل لواحد من أہل القریۃ أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ إلی بعض المساجد أو إلی ہذا المسجد؟ قال: نعم" (الفتاوی التاتارخانیۃ ۱۹۷،۸ الفصل: ۲۴ صر ف الغلۃ علی وجوہ: ۱۱۶۲۶)۔

(شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا: اہل قریہ ادھر ادھر چلے گئے، قریہ کی مسجد ویران ہونے لگی، بعض غاصبین مسجد کی لکڑی وغیرہ پر قبضہ کرلیتے ہیں اور اپنے گھر لے جاتے ہیں تو کسی کے لئے جائز ہے کہ قاضی کی اجازت سے لکڑی بیچ دے اور ثمن کو باقی رکھے تاکہ دوسری مسجد یا اسی مسجد میں صرف کرے؟ تو کہا: ہاں، جائز ہے)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ سابق صدر مفتی دار العلو م دیوبند شامی اور بحر کی مختلف عبارتوں کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

''ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وقف تام اور مکمل ہوجانے کے بعد اس کا بیچنا، خریدنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں ہوتا، ہاں اگر ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہوجائے تو اس کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں اسی موقوفہ کے متوازی ومماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائیں ''۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

''لہذا اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس موقوفہ کے ضیاع کا قوی خطرہ ہو چکا تھا، ایسی حالت میں اس زمین کا وقف کی حفاظت کی خاطر فروخت کردینا درست تھا، اور جب خریدار اول کے لئے اس کا خریدنا ان مذکورہ بالا عبارتوں کے ذریعہ درست تھا تو خریدار اول کو بطور خود مالک ہوجانے کے بعد خریدار ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا بھی درست وجائز ہوگیا، اور خریدار ثانی کو بھی جائز ہوگیا کہ وہ اب جس طرح جائز کاموں میں چاہے استعمال کرے '' (منتخبات نظام الفتاوی ۲۷۶،۲ کتاب الوقف، مطبوعہ ایفا)۔

عام اوقاف کا حکم یہی ہے، اسی طرح مسجد کے مصالح کے لئے جو وقف کیاجاتا ہے اس کا حکم بھی یہی ہے، لیکن جو جگہ مسجد ہوگئی تو پھر وہ تاقیامت تحت الثری سے ثریاتک مسجد ہی رہتی ہے۔

''ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعۃ وبہ

یفتی'' (الدر المختار ۴۰۶٫۳ کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیر،ط: رشیدیہ) (اگر مسجد کے اردگرد ویران ہوجائے، مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو شیخین کے نزدیک مسجد ہی باقی رہے گی ہمیشہ قیامت تک، یہی مفتی بہ ہے)۔

**(۳) قدیم موروثی زمین کو خریدنے کا حکم:**

وہ موروثی زمین جو عرصۂ دراز سے وارثوں کےمابین تقسیم نہیں ہوئی، ایسی زمین ہر وارث کی بقدر حصہ ملکیت سمجھی جائے گی، ہندیہ میں ہے:

''الشرکۃ نوعان: شرکۃ ملک وہی أن یتملک رجلان شیئاً من غیر عقد الشرکۃ بینہما، وشرکۃ عقد وہی أن یقول أحدہما: شارکتک فی کذا ویقول الآخر: قبلت'' (ہندیہ ۳۰۱٫۲ کتاب الشرکۃ، ط: بیروت)۔

(شرکت کی دوقسمیں ہیں: شرکت ملک اور وہ یہ ہے کہ دو آدمی کسی شئی کے مالک ہوں بغیر عقد شرکت کے، اور شرکت عقد یہ ہے کہ ایک کہے میں نے تم کو اس طرح شریک کیا، دوسرا کہے: میں نے قبول کیا)۔

شرکتِ ملک میں ہر شریک دوسرے کے حق میں اجنبی ہوتا ہے، دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے حصے میں تصرف کا حق نہیں رکھتا ہے۔

''وکل منہما أجنبی فی نصیب الآخر حتی لا یجوز لہ التصرف فیہ إلا بإذن الآخر کغیر الشریک لعدم تضمنہا الوکالۃ'' (مجمع الانہر ۵۴۳٫۲ کتاب الشرکۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

(ہر شریک دوسرے کے حصے میں اجنبی ہوتا ہے، اس حصہ میں اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے، جیسے کہ غیر شریک کے لئے، اس لئے کہ اس میں وکالت نہیں ہوتی ہے)۔

البتہ شرک اپنے حصہ میں ایسا تصرف کرسکتا ہے جس سے دوسرے کی حق تلفی نہ ہوتی ہو؛ لہذا اس کے حصہ کے بقدر خریدنے میں حرج نہیں ہوگا، لیکن بعدہ دوسرے شرکاء کو حق شفعہ حاصل ہوگا، اگر وہ لوگ نہیں لیتے ہیں تو پھر خریدار ایک شریک کی مانند ہوجائے گا، لیکن اس پر قابض وارث سے دوسرے کے حصے کو خریدنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ بیع وشراء کی صحت کے لئے بائع کا مالک ہونا شرط ہے، ورنہ تو بیع ما لیس عندک ہوجائے گی۔

''وشرط المعقود علیہ ستۃ: کونہ موجوداً مالاً متقوماً مملوکاً فی نفسہ، وکون الملک للبائع فیما یبیعہ لنفسہ وکونہ مقدور التسلیم۔

ولا بیع ما لیس مملوکا لہ وإن ملکہ بعدہ إلا السلم والمغصوب لو باعہ الغاصب ثم ضمن قیمتہ؛ وبیع الفضولی؛ فإنہ منعقد موقوف، وبیع الوکیل؛ فإنہ نافذ'' (الرد المحتار ۶٫۴ کتاب البیوع ط: رشیدیہ پاکستان)۔

(معقود علیہ کی شرط چھ ہیں: وہ موجود ہو، مال متقوم ہو، فی نفسہ مملوک ہو، بائع

جس چیز کو بیع کررہا ہے اس کا مالک ہو، مقدور التسلیم ہو۔

ایسی شئی کی بیع صحیح نہیں ہے جو مملوک نہ ہو، اگرچہ اس کے بعد مالک ہوجائے، سوائے سلم اور مغصوب کے، اگر غاصب نے بیع کی پھر اس کی قیمت کا ضامن ہوگیا، اور فضولی کی بیع، کیوں کہ وہ موقوف ہو کر منعقد ہوتی ہے، نیز وکیل کی بیع کہ وہ نافذ ہوتی ہے)۔

(۴) حرام آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کو علم کے باوجود خریدنا:

مال حرام سے جو شئی خریدی جاتی ہے اس میں ملکیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں علماء کے اقوال مختلف ہیں، ابن رشد کے بیان کے مطابق شافعیہ کے یہاں بیع کا انعقاد ہی نہیں ہوتا ہے، دوسرا قوال یہ ہے کہ بیع منعقد ہوجاتی ہے (فتاوی ابن رشد،۴۶۷)۔

حنابلہ کے یہاں بھی اقوال مختلف ہیں، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''وإذا غصب أثماناً فاتجر بها، أو عروضاً فباعها واتجر بثمنها قال أصحابنا: الربح للمالک والسلع المشتراة له، وقال الشريف أبو جعفر وأبو الخطاب: إن كان الشراء بعين المال فالربح للمالک، وقال الشريف: وعن أحمد أنه يتصدق به، وإن اشترى فی ذمته ثم نقد الأثمان فقال أبو الخطاب: يحتمل أن الربح للغاصب وهو قول أبی حنيفة والشافعی فی أحد قوليه؛ لأنه اشترى لنفسه فی ذمته فكان الشراء له والربح له وعليه بدل المغصوب وهذا قياس قول الخرقی، ويحتمل أن يكون الربح للمغصوب منه؛ لأنه نماء ملكه فكان له كما لو اشترى بعين المال وهذا ظاهر المذهب '' (المغنی ۴۱۶،۵ كتاب الغصب، مسئلہ: ۳۹۷۷)۔

(جب ثمن غصب کیا پھر اس سے تجارت کی، یا سامان غصب کرے پھر اس کوبیچ دیا اور اس کے ثمن سے تجارت کی تو ہمارے اصحاب (حنابلہ) نے کہا: نفع مالک کا ہوگا، اور خریدی ہوئی اشیاء غاصب کی، شریف ابو جعفر اور ابو الخطاب کہتےہیں: اگر خریداری عین مال سےہوئی ہے تونفع مالک کا ہے، شریف نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اس کو صدقہ کردے، اور اگر خرید کیا اس طرح کہ ثمن کو اپنے ذمہ میں رکھا پھر وہی ثمن دے دیا تو ابو الخطاب نے کہا: احتمال ہے کہ نفع غاصب کا ہو، یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے اور ایک قول امام شافعی کا ہے؛ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے خریدا جو اس کے ذمہ میں ہے تو شراء ونفع اسی کے لئے ہوا، البتہ اس پر مغصوب کا بدل واجب ہے، یہی خرقی کے قول کا قیاس ہے، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ نفع مغصوب منہ کا ہو، اس لئے کہ اس کےملک کا نما ہے تو اس کے لئے ہوا جیسا کہ عین مال سے خریدتا، یہی ظاہر مذہب ہے)۔

احنا ف کے یہاں تھوڑی تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے:

(۱) پہلے بائع کو وہ غصب کیا ہوا مال بطور قرض دے دے تاکہ اس کے ذمہ ہوجائے پھر اس سے کوئی شئی اسی دین کے بدلے خرید لے۔

(۲) وہ حرام نقود جن سےخرید رہا ہے اس کی طرف اشارہ کرے اور وہی ادا کردے۔

(۳) نقود مغصوبہ کو اشارہ کرکے متعین کرے، لیکن دوسرا ثمن ادا کردے۔
(۴) ان نقود کی طرف اشارہ تو نہ کرے، مگر انہی کو ثمن کے طور پر دے دے۔
(۵) دوسرے نقود کی طرف اشارہ کرے، لیکن بائع کو نقود مغصوبہ ہی دے۔

خلاصہ ان پانچ صورتوں کا یہ ہوا کہ یا تو نقود مغصوبہ یا یوں کہہ لیں وہ مال جو کہ حرام طریقے سے کمایا گیا ہے اور جو واجب الرد یا واجب التصدق ہے ان ہی سے خریدا جارہا ہے یا ان کی طرف اشارہ کرکے ثمن بنایا جارہا ہے؛ خواہ دینے کے وقت دوسرے مال سے ادا کررہا ہے۔

علامہ کرخیؒ پہلی دونوں صورتوں میں (یعنی پہلے نقود بائع کو بطور قرض دیا پھر ان سے ہی خرید لیا، یا واجب التصدق وواجب الرد رقوم کی طرف اشارہ کیا اور انہی کو ادا کیا) نہ تو نفع ہی اس کے لئے حلال ہےاور نہ ہی خریدی ہوئی شئی کا مالک ہے، البتہ بقیہ تینوں صورتوں میں جن میں اشارہ وادا جمع نہیں ہورہے ہیں حلال ہیں، علامہ کاسانی نے پہلی صورت کے ماسوا چار صورتوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ کرخی کا مسلک لکھا ہے:

''ولو اشترى بالدراهم المغصوبة شيئاً هل يحل له الانتفاع به أو يلزمه التصدق؟ ذكر الكرخي وجعل ذلك على أربعة أوجه: إما أن يشير إليها وينقد منها، وإما أن يشير إليها وينقد من غيرها، وإما أن يشير إلى غيرها وينقد منها؛ وإما أن يطلق إطلاقاً وينقد منها، وإذا ثبت الطيب في الوجوه كلها إلا في وجه واحد وأن يجمع بين الإشارة إليها والنقد منها'' (بدائع ۱۵۰،۶ کتاب الغصب، ط: زکریا دیوبند)۔

(اگر دراہم مغصوبہ سے کوئی چیز خریدی تو کیا اس سے انتفاع حلال ہے؟ یا واجب التصدق ہے، کرخی نے اس کی چار صورتیں ذکر کی ہیں: یا تو اس کی طرف اشارہ کیا اور اسی کو ادا کردیا، یا اس کی طرف اشارہ کیا اور دوسرا ثمن دے دیا، یا دوسرے مال کی طرف اشارہ کیا اور دراہم مغصوبہ سے ادا کردیا، یا مطلق رکھا اور دراہم مغصوبہ سے ادا کردیا، تمام صورتوں میں حلت آئے گی، صرف پہلی صورت جس میں اشارہ وادا جمع ہوئے ہیں نہیں آئے گی)۔

علامہ کاسانی کہتےہیں:بعض مشائخ نے فتوی اسی پر دیا ہے۔

''ومن مشايخنا من اختار الفتوى في زماننا بقول الكرخي تيسراً للأمر على الناس لازدحام الحرام'' (بدائع ۱۵۰،۶ کتاب الغصب، ط: زکریا دیوبند)۔

(بعض مشائخ نے ہمارے زمانے میں کرخی کے قول پر فتوی دیا ہے لوگوں کی آسانی کے لئے؛ کیوں کہ حرام کی کثرت ہوگئی ہے)۔

ابو نصر صفار اور فقیہ ابو اللیث نے ہر صورت کو حلال کیا ہے جبکہ ابوبکر اسکاف نے تمام صورتوں کو حرمت کے دائرے میں رکھا ہے، علامہ کاسانی کا رجحان ابوبکر اسکاف کے قول یعنی تمام صورتوں میں حرمت کی طرف ہے (بدائع ۱۵۰،۶ زکریا دیوبند)۔

علامہ کاسانی نے اسکاف کے قول کی تصحیح پر دلیل بھی پیش کی ہے کہ یا تو حقیقتاً حرام مال کے ذریعہ ایک شئی کو حاصل کیا گیا ہے یا کم ازکم شبہ حرمت ضرور پایاجاتا ہے، اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ ابوبکر اسکاف کی تصحیح کی جائے۔

علامہ کاسانی کی تصحیح بہت حد تک کتاب وسنت کے مزاج سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے، امام کرخی کے قول میں احتمال ہے کہ ان کے پیش نظر وہ نفع ہو جو ادائے ضمان سے پہلے حاصل ہوا ہو، مگر ضمان ادا کردینے کے بعد اس کا حکم کیا ہوگا؟ مثلاً ایک شخص نے ایک شئی حرام مال سے خریدی، اس کی قیمت دس ہزار روپے تھی، پھر اس کو پندرہ ہزار روپے میں بیچ دیا، بعدہ وہ حرام مال کے بقدر یا تو مالک کو لوٹا دیا یا پھر صدقہ کردیا، پانچ ہزار کا جو نفع ہے یہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں، طرفین کے نزدیک یہ نفع حلال نہیں ہے، امام کرخی کے نزدیک ادائے ضمان کی وجہ سے حلال ہوگیا۔

اگر ضمان ادا نہیں کیا گیا یا اصل حرام مال کو صدقہ نہیں کیا گیاتو وہ حلال وطیب ہوگایانہیں اس سے اس نظریہ میں بحث ہی نہیں کی گئی ہے۔

نیز کتاب وسنت کا لب لباب بتاتا ہے کہ ابوبکر اسکاف کا قول راجح ہے؛ اس لئے کہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

"الذین یأکلون الربا لا یقومون إلا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس" (بقرہ: ۲۷۵)۔

"یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا أضعافاً مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" (آل عمران: ۱۳۰)۔

یہ ربا القرض ہے، اس کے کھانے کا تصور بالخصوص اضعافاً مضاعفہ کی شکل میں اسی وقت ہوگا جب کہ اس سے غذائی وخوردنی اشیاء خرید کر کھائی جائے یا لباس وپوشاک کی ضرورت پوری کی جائے، اسی کو وعید شدید کا مصداق بنایاگیا ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

"إنہ لا یدخل الجنۃ لحم نبت من سحت، النارأولی بہ" (مسند احمد ۳۲۱٫۳ حدیث : ۱۴۴۸۱، رجالہ ثقات)۔

(ایسا شخص جنت میں نہیں داخل ہوگا جس کی نشو ونما حرام مال سے ہوئی ہے، جہنم ہی اس کے لئے مناسب ہے)۔

خلاصہ یہ کہ حرام مال سےحاصل ہونے والی جائیداد بھی حرام ہے، اصل مالک کو لوٹانا اگر ممکن ہو تو اسے لوٹایا جائے گا، ورنہ صدقہ کردیا جائے گا۔

جب ایسی جائداد کا وہ شخص مالک ہی نہیں، نیز خریدار کو معلوم بھی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسے جائز ہوگا، لیکن بعض فقہاء نے کرخی کے قول کو اختیار کیا ہے، اس لئے اگر حاجت ہو، یا معلوم رہتے ہوئے خرید لیا ہو تو امام کرخی کے قول کے مطابق حکم لگانے میں حرج بھی نہیں معلوم ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت مفتی عزیز الرحمن اول مفتی دار العلوم دیوبند کے مختلف فتاوی میں اسی کے مطابق فتوی بھی دیا گیا ہے، وقف

کے مسئلہ کو دیکھتے ہوئے ایک فتوی اس طرح دیتے ہیں:

‘‘اگر ناجائز آمدنی سے زمین اور جائیداد خریدی تو وہ خریدنے والا اس زمین وجائداد کا مالک ہوگیا، اگرچہ ملک خبیث ہوگی پس وقف کرنا اس جائداد کا صحیح ونافذ ہے، یعنی وہ جائیداد وقف ہوجائے گی ’’ (فتاوی دار العلوم جدید ۱۴۰،۱۳ کتا ب الوقف)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

‘‘یہ جو امام کرخی سے روایت ہے اس میں وسعت ہے، اور اس زمانہ میں بوجہ غلبہ حرام اور عدم امکان احتراز اسی روایت کے موافق عمل ہوجانا غنیمت ہے .... اور فتاوی رشیدیہ میں اس مال کی نسبت حکم لکھا ہے جو بعینہ مال حرام موجود ہو او رظاہر ہے کہ مبادلہ کے بعد کچھ خفت آجاتی ہے، مثلاً ایک صورت تو یہی ہے کہ بعینہ مال رشوت یا سود کسی کو دیا جائے اور ایک یہ کہ مال سود سے کوئی زمین خرید لے اور پھر وہ زمین مزارعت پر دی جائے ان دونوں میں فرق ہوجاتا ہے، اور پھر امام کرخی کی روایت کے بہ موجب اس زمین خرید شدہ میں حلت کی شکل نکل سکتی ہے؛ جب کہ ثمن سامنےکرکے زمین نہ خریدی جائے الخ ’’ (فتاوی دار العلوم جدید ۳۹۶،۱۴ کتاب البیوع)۔

**(۵) پلاٹنگ سے پہلے نقشے میں موجود عوامی مفاد کی جائیداد: مسجد، سڑک وغیرہ کا حکم:**

اگر زمین حکومت کی ہے، حکومت نے کسی کےنام الارٹ کیا ہے تاکہ وہ کالونی بنائے ، حکومت نے راستہ کی چوڑائی متعین کردی ہے، مسجد کی جگہ فکس کردی ہے، اسی طرح دوسرے عوامی مفاد کے لئے پارک وگراؤنڈ کی تحدید کردی ہے، تو ایسی صورت میں کالونی بنانے والے کو عوامی مفادات سے وابستہ یا مسجد ومدرسہ کے لئے مختص زمین کی ملکیت حاصل ہی نہیں ہوئی، اس لئے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ سابقہ پروگرام میں رد وبدل کرے، او رنہ دوسروں کے لئے جائز ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے اس کو خریدے، کیونکہ کالونی بنانے والا اس کا مالک نہیں تو اس کو بیچنے کا حق بھی نہیں۔

لیکن زمین کالونی بنانے والے کی ہے، گورنمنٹ سے صرف کالونی کا پرمٹ لیا ہے، حکومت نے پرمٹ کے لئے عوامی مفادات سے وابستہ قطعات کو چھوڑنے کی شرط لگائی ہے، بظاہر کالونی بنانے والے کو منظور بھی ہے ، مگر دل سے شاید راضی نہیں ہے، اسی لئے بعد میں اس کو بیچ دیتا ہے، حکومت کی اس قسم کی شرط سے اس شخص کی ملکیت ختم نہیں ہوتی ہے، الا یہ کہ وہی خود برضا ورغبت ان اراضی کو مسلمانوں کے لئے وقف کردے، لیکن وہ شخص ایسا نہیں کرتا ہے تو بدستور اس کی ملکیت ہے اور وہ اس کو بیچ سکتا ہے، دوسرے لوگوں نے خرید لیا ہے تو خریدنا جائز بھی ہے، صرف اتنا ہوا کہ حکومت کے جائز قانون کی خلاف ورزی کی جس کا وبال اس کو پہنچ سکتا ہے۔

یہ بھی اس وقت ہے جب کہ صرف نقشہ پر ہے، اگر زمین پر نشان ڈال دیا کہ یہ مسجد ومدرسہ کی جگہ ہے، یا لوگوں کی ترغیب کےلیے ہی سہی اس کا ذکر کیا ہے تو

گویا کہ وہ اپنی زبان سے وقف کرچکا ہے، اب اس کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا حق بھی نہیں ہے، نیز مسلک مفتی بہ کے مطابق صرف زبان سے کہہ دینا ہی ملکیت سے نکلنے کےلئے کافی ہوجاتا ہے، اس لئے اب اس میں ردوبدل کرنا جائز نہیں اور نہ خریدنے سے بیع وشراء کا حکم جاری ہوگا۔

''ولا یشترط أیضاً وجود الموقوف علیہ حین الوقف حتی لو وقف علی مسجد ہیأ مکانہ قبل أن یبنیہ فالصحیح الجواز'' (رد المحتار ۳۹۵،۳ کتاب الوقف، رشیدیہ پاکستان)۔

(موقوف علیہ کا وقف کے وقت موجود ہونا ضروری نہیں ہے؛ حتی کہ اگر مسجد پر وقف کیا، اس کی جگہ کو تیار کردیا بنایا نہیں ہے تو بھی صحیح یہ ہے کہ جائز ہے)۔

اسی طرح معاملہ راستہ کا بھی ہے، راستہ کو تنگ کرنا یا راستہ نہ دینا نادرست ہے، عرف کےمطابق جتنا بھی حق بنتا ہے یہ کالونی کے حقوق میں سے ہے، اس لئے اس حق کو ضائع نہیں کرسکتا، حدیث ہے:

''قضی النبیﷺ إذا تشاجروا فی الطریق بسبعۃ أذرع'' (بخاری۳۳۶،۱ کتاب المظالم، باب: إذا اختلفوا فی الطریق) (جب راستہ کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے سات ذراع کا فیصلہ کیا)۔

اس کا اصل محمل تو اخلاف ہے، مگر لوگوں پر تنگی کرنا اس سے زیادہ شنیع ہے، اس لئے ایسے موقع پرا س سے بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے، اور کم ازکم سات ہاتھ راستہ چھوڑنا لازمی ہوگا، اس کی خریدوفروخت کے سلسلہ میں محجور کی طرح ہوگا، راستہ کالونی کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔

البتہ پارک، پلے گراؤنڈ وغیرہ بھی آج کل ضروریات میں شامل ہیں؛ مگر بنیادی ضروریات میں سے نہیں ہیں، اس لئے اگر ان کو بیع کرتا تو چونکہ وہ اس کا مالک ہے، اس لئے بیع نافذ ہوگی، خریدنے والے کے لئے خریدنا بھی جائز ہوگا، واللہ اعلم۔

**(۶) قانونی طور پر جو جگہ مفاد عامہ کے لئے تھی اس پر مسجد بنا دی گئی:**

مسجد بننے کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ جگہ اللہ کے لئے وقف ہے، جس کی منفعت اللہ کے بندوں کے لئے مختص ہے اور واقف وبانی اس موقوف کا وقف کرتے وقت مالک ومختار بھی ہے۔

''شرطہ (الوقف) شرط سائر التبرعات کحریۃ وتکلیف، أفاد أن الواقف لابد أن یکون مالکہ وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد وأن لا یکون محجوراً عن التصرف حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح وإن ملکہ بعد بشراء أو صلح'' (رد المحتار۳۹۴،۳ کتاب الوقف، ط: رشیدیہ پاکستان)۔

(وقف کی شرط وہی ہے جو دوسرے تبرعات کی ہے، جیسے واقف کا آزاد ومکلف

ہونا، اس سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ واقف کے لئے ضروری ہے کہ اس وقف کا مالک ہو، خواہ سبب فاسد کے ذریعہ ہی ہو، اور یہ کہ محجور عن التصرف نہ ہو؛ حتی کہ اگر غاصب مغصوب کو وقف کرے تو صحیح نہیں، خواہ اس کے بعد شراء یا صلح کے ذریعہ مالک ہوجائے)۔

قانونی طور پر جس قطعۂ ارض کو مفاد عامہ کے لئے حکومت نے مختص کیا ہے اس کا مالک درحقیقت حکومت نہیں بائع ہے، بات صرف اتنی ہے کہ حکومت نے مفاد عامہ کے لئے مختص کرنے کی شرط لگائی ہے، اگر اس شرط کی مخالفت کرتا ہے اور اس حصہ کو مسجد بنادیتا ہے تو حکومت کی مخالفت ہوگی، فی نفسہ وقف پر اثر انداز نہیں ہوگی، بہت سے معاملات میں جو حکومت کی شرط کے خلاف اگر تصرف کیا جائے تو وہ نافذ ہوجاتے ہیں، انہی میں سے تسعیر الحاکم کا مسئلہ بھی ہے ۔

''فإن سعر فباع الخباز بأكثر ما سعر جاز بيعه'' (ہندیہ ۱۰۲،۳) (اگر خباز نے زیادہ قیمت میں بیع کی تو بیع جائز ہوگی)۔

مسلم کالونی میں مسجد ایک بنیادی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کرنا مفاد عامہ سے زیادہ اہم ہے، اس لئے وہ مسجد شرعی بھی ہوجائے گی، کچھ بزرگوں نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، احسن الفتاوی میں ہے:

''حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ بوقت ضرورت اہل محلہ راستہ کو بھی مسجد بناسکتےہیں، بشرطیکہ گزرنے والوں کو اس سے ایذاء نہ ہو، اس لئے کہ راستہ بھی انہی لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے، لہذا وہ اس میں تصرف کرنے کے مجاز ہیں، بناء علیہ خالی پلاٹ میں جو اہل محلہ ہی کے مفاد وراحت کے لئے چھوڑا گیا ہے، اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے مسجد کی تعمیر بطریق اولی جائز ہے، مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے '' (احسن الفتاوی ۴۴۵،۶ کتاب الوقف)۔

ہاں وہ پبلک مقامات جو حکومت کی تحویل میں ہیں یا تو اس کے قبضہ میں ہیں یا اس کی ملکیت ہیں، ان مقامات پر مسجد بنانے کےلئے حکومت کی اجازت ضروری ہے۔

''مسجد بني على سؤر المدينة قالوا:لايصلى فيه لأن السؤر حق العامة وينبغى أن يكون الجواب على التفصيل:إن كانت البلدة فتحت عنوة وبنى مسجد بإذن الإمام جازت الصلاة فيه لأن للإمام أن يجعل الطريق مسجداً فهذا أولى'' (ہندیہ ۱۱۰،۱ کتاب الصلاۃ، الباب السابع، الفصل الثانی، ط: بیروت)۔

(کوئی مسجد سؤر البلد پر بنائی گئی تو فقہاء نے کہا کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس لئے کہ یہ عامۃ الناس کا حق ہے۔

مناسب ہے کہ جواب اس تفصیل سے ہو: اگر شہر عنوۃ فتح ہوا ہے اور مسجد حاکم کی اجازت سے بنائی گئی ہے تو اس میں نماز جائز ہے،اس لئے کہ امام کو حق ہے کہ

راستہ کو مسجد بنادے، یہ تو بطریقہ اولی ہوگا)۔

**(۷) غیر قانونی کالونیاں:**

اسلام کا نظام معیشت دیگر نظامہائے معیشت سے بالکل جدا ہے، ایک طویل عرصہ تک سرمایہ دارانہ نظام واشتراکی نظام کی یکے بعد دیگرے اجارہ داری رہی، دونو نہی نظام معیشت کے توازن کو برقرار رکھنے میں ناکام ہوگئے، عالمی منڈی کا رخ بتا رہا ہے کہ قوم ان دونوں نظاموں سے اگتا چکی ہے، کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں جس طرح کی کھلی چھوٹ دی گئی کہ ہر شخص خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہے، مقصود سرمایہ کو بڑھانا اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے، چو نکہ کسی فرد یا جماعت حتی کہ حکومت تک کو اس کی اجازت نہیں کہ دوسرے کے معاملات میں دخیل ہوں جس کا نتیجہ قمار وسٹہ، رشوت وسود کی کالابازاری نکلا، پھر مکر وفریب، خیانت ودغا کا پرکشش جال تان دیا گیا کہ کسی کا کسی پر اعتماد باقی نہ رہا، اس کےبالمقابل اشتراکی نظام نے لوگوں کی ساری دولت اور ہر فرد کا پائی پائی چھین کر حکومت کی جھولی میں ڈا ل دیا، اب ملک کی ساری معیشت کا ٹھیکیدار حاکم وقت اور سربراہ مملکت ٹھہرا، حکومت نے لوگوں پر ڈیوٹیاں مسلط کردی، لوگ ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں، ملک کا کتنا نفع ہوگا، معیشت پر اس کا اثر کیسا مرتب ہوگا اس سے کسی کو مطلب نہیں، اس نظام نے تو معیشت کی چولیں ہلادیں، بالآخر لوگوں نے اس نظام کو نکار دیا۔

لیکن اسلامی نظام معیشت میں ہر شخص کی حریت وآزادی باقی رکھی گئی، مالک ہونے کی حیثیت تسلیم کرکے مذکورہ نظامہائے معیشت میں جو بے راہ روی وافراط وتفریط در آئے تھے ان پر لگام کس دیا گیا، چنانچہ کچھ پابندیاں الہی فرمان وشرعی قانون کے طور پر عائد کی گئیں، سود، قمار، رشوت جیسے لعنتی معاملات کا قلعہ ہی قمع نہیں کیا گیا؛ بلکہ ان کے ذرائع کا بھی سد باب کردیا گیا، جھوٹ، خیانت،دھوکہ وغرر وغیرہ چور دروازوں پر مضبوط پہرا بیٹھا دیا گیا، انسانوں کی بالادستی کو تسلیم کرنے کے ساتھ حکومتی پابندی کا بھی ایک حد تک پاس ولحاظ رکھا گیا؛ حتی کہ حکومت کو یہ حق دیا گیا کہ اگر ظلم وزیادتی یا ناقابل برداشت نقصان محسوس ہوتو مناسب پابندی لگا سکتی ہے، اس کی رعایت کرنا ہر شخص پر ضروری ولازم ہوگا، لیکن حکومت کی پابندی بھی اسی وقت تک قابل لحاظ ہے جب اصحاب ثروت کی جانب سے حدود کو برقرار رکھنے میں کوتاہی ولاپرواہی ہورہی ہو، اگر سرمایہ داروں نے توازن کو برقرار رکھنے میں خود ہی بھرپور کوشش کررکھی ہے تو حکومت کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، معیشت کا یہ اسلامی نظام ہے جو فقہی ابواب میں پورے شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے ان کالونیوں جن کو دنیا کے قانون میں غیر قانونی سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر وجود میں آئی ہیں، ان کے سلسلہ میں ایک نتیجہ تک پہنچ

سکتے ہیں۔

ان کالونیوں کے ذمہ داروں کی طرف سے اجازت نہ لینے کا اقدام اس لئے ہوتا ہے کہ اجازت کے حصول میں لمبے مراحل اور مختلف منازل سے گزرنا پڑتا ہے، ایک خطیر رقم کچھ تو فیس کے نام پر تو کچھ رشوت کے طور پر خرچ کرنی پڑتی ہے، پھر بھی ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کب اس کے خلاف کیس درج ہوکر مزید رقموں کا بوجھ آجائے، اگر ان سب خرچوں کو زمین پر جوڑا جائے تو یقینا زمین کی قیمت گراں سے گراں تر ہوجائے گی، لیکن اجازت کے بغیر کالونیاں بن گئیں تو حکومت چار وناچار اجازت دے ہی دے گی، ناچیز یہ سمجھتا ہے کہ جن وجوہات کی وجہ سے حکومت کی دخل اندازی برداشت کی جاتی ہے، یہاں وہ وجوہات حکومت کی دخل اندازی سے زیادہ ہوجاتی ہیں، اس لئے مالکان اراضی کا بغیر اجازت وپرمٹ کالونیاں بنانا، اور فروخت کرنا اور ان سے دوسرے حضرات کا خریدنا شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہے، واللہ اعلم۔

**(۸) گورنمنٹ کی پکڑ سے محفوظ رہنے کے لئے لون لینا اور زمین خریدنا:**

بعض اوقات زمین خریدنا آسان نہیں ہوتا ہے، قانونی دشواریاں بھی ہوتی ہیں، اگر یک مشت قیمت ادا کی گئی تو حکومت کی گرفت میں بھی آسکتا ہے، مختلف قسم کے ٹیکس کا بوجھ الگ برداشت کرنا پڑسکتا ہے، اس کے لئے آسان شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان بینک سے قرض لے لے اور اس سے زمین خرید لے اس میں شرعی نقطہ نظر سے دو پریشانیاں ہیں:

(۱) بینک سے قرض لینا جس پر سود دینا ناگزیر ہے، عام حالات میں سودی قرض لینا ودینا جائز نہیں ہے۔

(۲) ایک انسان روپیہ ہوتے ہوئے اپنے آپ کو غریب وفقیر ظاہر کررہا ہے جو بظاہر جھوٹ ہے، کیا کسی مسلمان کے لئے جھوٹ کے ساتھ اس قسم کے اقدام کی گنجائش ہے؟

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عام مسلمانوں کو زمین کی حصولیابی بلا اس حیلہ کے آسان بھی نہیں ہوگی، آبادی کی کثرت کے تناسب میں رہائشی علاقوں کی جس قدر قلت ہورہی ہے کہ روز بروز قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں مگر اس سے مفر بھی نہیں ہے، اس لئے رہائشی علاقوں کی خریدکے لئے اگر ایسا اقدام کیا جائے تو ناگزیر حالات میں سود کے وبال کو انگیز کیا جاسکتا ہے۔

اب رہا مسئلہ جھوٹ کا تو بعض اوقات جھوٹ بولنا یا یوں کہہ لیاجائے تعریض یعنی جھوٹ کی شکل بنانا مباح بھی ہوجاتا ہے۔

‘‘والکذب مباح لإحیاء حقہ ودفع الظلم عن النفس والمراد:التعریض؛ لأن عین الکذب حرام’’ (رد المحتار ۳۰۳،۵ کتاب الحظر والاباحہ، فروع، ط: رشیدیہ)۔

(کذب اپنےحق کو پانے اور نفس سے ظلم کو دور کرنے کےلئے مباح ہے، مراد تعریض ہے، اس لئے کہ خالص کذب تو حرام ہے)۔

اس کے تحت علامہ شامی تشریح فرماتے ہیں:

''أن کل مقصود محمود یمکن التوصل إلیہ بالصدق والکذب جمیعاً فالکذب فیہ حرام، وإن أمکن التوصل إلیہ بالکذب وحدہ فمباح إن أبیح تحصیل ذلک المقصود، وواجب إن وجب تحصیلہ کما لو رأی معصوماً اختفی من ظالم یرید قتلہ أو إیذاءہ فالکذب ہنا واجب، وکذا لو سألہ عن ودیعۃ یرید أخذہا یجب إنکارہا، ومہما کان لا یتم مقصود حرب أو إصلاح ذات البین أو استمالۃ قلب المجنی علیہ إلا بالکذب فیباح'' (رد المحتار ۳۰۳،۵ کتاب الحظر والاباحہ، ط: رشیدیہ پاکستان)۔

(ہر وہ نیک مقصد جس تک صدق وکذب دونوں کے ذریعہ رسائی ممکن ہو تو کذب وہاں حرام ہے، او راگر صرف کذب کے ذریعہ رسائی ممکن ہے، پس اگر اس کی تحصیل مباح ہو تو کذب مباح ہے، اور اگر اس کی تحصیل واجب ہے تو واجب ہے، جیسا کہ ایک شخص نے کسی بری شخص کو دیکھا کہ ظالم سے چھپ گیا ہے جو کہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے یا تکلیف پہنچانا چاہتا ہے تو کذب یہاں واجب ہے، اسی طرح اگر کسی امانت کے بارے میں کوئی ظالم پوچھتا ہے جو اس کو چھیننا چاہتا ہے تو انکار واجب ہے، اورجب تک جنگ یا دو شخصوں کے مابین صلح، یا مجنی علیہ کے قلب کو مائل کرنا کذب کے بغیر ممکن نہ ہوتو مباح ہے)۔

نیز حکومت جو ظالمانہ ٹیکس عائد کرتی ہے اس کی ادائیگی واجب بھی نہیں ہے، اگر اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ٹیکس سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے تو کرنے میں گناہ بھی نہیں ہے، حضرت تھانویؒ کے مختلف فتاوی میں اس طرح کی تصریح موجود ہے (دیکھئے ایک فتوی بابت: ٹیکس تشخیص کرنے والے سے اپنا مال چھپانا، امداد الفتاوی ۱۵۲،۴ کتاب الحظر والاباحہ)۔

اس لئے مذکورہ بالا صورت حال میں اگر لون کی ادائیگی وقت پر کردی جائے اور زمین کو اس لون سے خرید لیا جائے تاکہ عام مسلمانوں کو سستی قیمت میں پلاٹ حاصل ہوجائے تو سرمایہ چھپانے سے جو جھوٹ لازم آرہا ہے عند اللہ اس کے وبال سے بچ سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

**(۹) صرف پلاٹ نمبر سے قبضہ کا تحقق؟**

بیع وشراء کی وجہ سے ایک تو ملکیت منتقل ہوتی ہے، دوسرے مبیع بائع کے ضمان سے منتقل ہوکر مشتری کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہے، ملکیت کی منتقلی کے لئے ایجاب وقبول کافی ہے، مگر ضمان کا منتقل ہونا اس وقت ہوتا ہے جبکہ قبضہ وتسلیم پائے جائیں، قبضہ وتسلیم کی جو تفصیل فقہاء نے ذکر کی ہے اس کا خلاصہ علامہ کاسانی کے الفاظ میں اس طرح ہے:

''التسلیم والقبض عندنا ہو التخلیۃ والتخلی وہو أن یخلی البائع المبیع والمشتری برفع

الحائل بینہماعلی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ" (بدائع ۴۹۸،۴، کتاب البیوع، تفسیر التسلیم والقبض، ط: زکریا دیوبند)۔

(ہمارے نزدیک قبضہ وتسلیم کی حقیقت تخلیہ ہے، نیز تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع ومشتری کے مابین حائل موانع کو ختم کرکے چھوڑ دے، اس طور پر کہ مشتری کو اس میں تصرف پر قدرت ہو، توبائع کو حوالہ کرنے والا اور مشتری کو اس پر قبضہ کرنے والا سمجھا جائے گا)۔

اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر گھر کی بیع ہوئی تو چابی دے دینے سے قبضہ سمجھا جائے گا، لہذا زمین خریدوفروخت کی وہ صورت جو رائج ہے کہ پلاٹ کا خاکہ کاغذ پر بنا کر اس پر نمبر ڈال دیا، ہر خریدار کا حصہ اس نمبر سے متعین کیا، لیکن بائع جب پلاٹنگ کرتا ہے تو اس نقشہ کا پابند نہیں رہتا، نمبر میں رد وبدل کردیتا ہے، یہ قبضہ کی حقیقت کے منافی ہے، تاآنکہ پلاٹنگ کرکے مشتری کے لئے ایک حصہ فکس نہ کردیاجائے او ریہ نہ کہہ دیا جائے کہ یہ حصہ تمہارا ہے۔

شیخ مصطفی الزرقاء نے اس بابت کچھ اختلاف کیا ہے، انہوں نے عرف کو مدار بناتے ہوئے محض تسجیل کو بھی قبضہ کے حکم میں رکھا ہے (دیکھئے: المدخل الفقہی العام ۹۵۴،۲ الباب التاسع، نظریۃ العرف)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب بائع کو تصرف کا اختیار ہے تو تخلیہ کہاں پایا گیا جو کہ قبضہ کے لئے لازمی واساسی شرط ہے، یہ مسئلہ الگ ہے کہ بیع وشراء کے لئے قبضہ ضروری نہیں ہے، بیع وشراء کا تحقق ہوچکا ہے، لیکن تصرف کرنے کےلئے اس خریدار کو پہلے قبضہ کرنا چاہئے، ویسے زمین وجائیداد کے باب میں قبضہ سے پہلے بھی بیع کرنے میں فقہاء احناف نے حرج نہیں سمجھا ہے، کیونکہ اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں ہے، ہاں جہاں ہلاک ہونے کا خطرہ ہو بایں طور کہ بائع کبھی بھی اس معاملۂ خریدوفروخت کو ختم کرسکتا ہے، جیسا کہ بعض شکلو نمیں ہوتا ہے تو پھر آگے فروخت کرنے کے لئے بھی قبضہ ضروری ہوگا، ابن الہمام نے اس کی تصریح کی ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۵۱۳،۶، کتاب البیوع ، ط: مصر)۔

**(۱۰) اگر بائع کاشت بھی کرتا رہے:**

جس حصہ کو خریدار نے خریدا ہے اگر بائع اس میں کاشت کر رہا ہے تو بائع کا قبضہ ہی سمجھا جائے گا، لہذا اس کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوگا، لیکن اس طرح سے اگر بیع ہوئی ہے تو خریدار اس کا مالک ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ اس لئے پیدا ہورہا ہے کہ بائع جب پلاٹنگ سے فارغ نہیں ہوا ہے تو گویا ابھی تک مبیع متعین نہیں ہوپائی ہے، مبیع کی جہالت مفسد عقد ہوا کرتی ہے:

"وأما الثالث وہو شرائط الصحۃ فخمسۃ وعشرون منہا عامۃ ومنہا خاصۃ فالعامۃ لکل

بیع شروط الانعقاد المارۃ؛ لأن ما لا ینعقد لا یصح؛ وعدم التوقیت، ومعلومیۃ المبیع، ومعلومیۃ الثمن بما یرفع المنازعۃ فلا یصح بیع شاۃ من ہذا القطیع الخ" (رد المحتار ۶،۴ کتاب البیوع، ط: رشیدیہ پاکستان)۔

(شرط کی تیسری قسم تو وہ شرائط صحت ہیں، اور وہ پچیس ہیں بعض عام ہیں، اور بعض خاص، ہربیع کے لئے عام شرطیں وہی شرائط انعقاد ہیں جن کا ذکر سابق میں ہو، اس لئے کہ جو منعقد نہیں ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اور توقیت کا نہ ہونا، مبیع کا معلوم ہونا، ثمن کا معلوم ہونا جس سے نزاع ختم ہوجائے، لہذا اس ریوڑ سے ایک بکری کی بیع صحیح نہیں ہے الخ)۔

صاحب ہدایہ نے جہالت مبیع کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں، جس صورت میں مبیع کی تعیین عند العقد ہوجائے اس کو امام صاحب کے نزدیک جائز ونافذ قرار دیا ہے، او رجس صورت میں تعیین بروقت نہیں ہو خواہ مجلس عقد میں تعیین ہو جارہی ہو اس کو نافذ نہیں کیا ہے، جبکہ صاحبین دونوں ہی صورتوں کونافذ مانتے ہیں؛ خواہ متفاوت العدد والقدر ہو یا متساوی العدد والقدر ۔

فقیہ ابو اللیث نے صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے:

"ثم قال الفقیہ: والفتوی علی قولہما تیسیرا للأمر علی الناس" (فتح القدیر ۲۷۱،۶ کتاب البیوع)۔

(فقیہ ابو اللیث نے فرمایا: فتوی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی آسانی کےلئے)۔

لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ جہالت کی وجہ سے نزاع پیدا نہ ہو، اگر مستقبل میں نزاع کا خطرہ ہے تو بیع کسی کے نزدیک نافذ نہیں ہوگی، اسی بنیاد پر ایک گھر کا ہر حصہ قدر وقیمت میں دوسرے سے متفاوت ہے، اگر اس سے قدر معین کی بیع ہوئی یعنی قدر شائع نہیں، تو بیع جائز نہیں ہے، کیونکہ نزاع ہونا یقینی ہے۔

"من اشتری عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع من دار أو حمام فالبیع فاسد عند أبی حنیفۃ وقالا: ہو جائز، وإن اشتری عشرۃ أسہم من مائۃ سہم جاز فی قولہم جمیعاً۔

ومبنی الخلاف علی أن المؤدی من عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع معین أو شائع، فعندہما شائع کأنہ باع عشر مائۃ وبیع الشائع جائز اتفاقا کما فی بیع عشرۃ أسہم من مائۃ سہم، وعندہ مؤادہ قدر معین، والجوانب مختلفۃ الجودۃ فتقع المنازعۃ فی تعیین مکان العشرۃ ففسد البیع، فلو اتفقوا علی أن مؤدی عشرۃ أذرع من مائۃ من ہذہ الدار شائع لم یختلفوا، ولو اتفقوا علی أنہ متعین لم یختلفوا" (فتح القدیر مع الہدایہ ۲۷۵،۶ کتاب البیوع)۔

(جس نے سو ذراع والے دار یا حمام میں سے دس ذراع خریدا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے، صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور اگر سو حصے میں سے دس حصوں کو خریدا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دس ذراع جو ادا کیا جائے گا یہ معین ہے یا

شائع؟ صاحبین کے نزدیک شائع ہے، تو گویا کہ اس نے سو کا دسواں حصہ بیچا (جو کہ بیع المشاع ہے) اور شائع کی بیع جائز ہے بالاتفاق جیسا کہ سو سہم میں سے دس سہم کی بیع،امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو ادا کیا جائے گا وہ متعین ہے، حالانکہ گھر کا ہر جانب صفت جودت میں مختلف ہے، تو دس ذراع کی تعیین میں جھگڑا ہوگا، اس لئے بیع فاسد ہوگی، اگر سب متفق ہوں کہ ادا کیا جانے والا حصہ شائع ہے تو اختلاف نہیں ہوگا، اسی طرح اگر متعین ہے تو اختلاف نہیں ہوگا)۔

لہذا جو زمین بیچی گئی ہے اس کے حصہ کی تعیین میں اختلاف نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ سب برابر حیثیت وقدر کے ہیں، تو یہ بیع صحیح ہوگئی، لیکن ضمان منتقل نہیں ہوا، اور اگر زمین کی پوزیشن ایسی ہے کہ حصوں کی تعیین میں غیر معمولی حیثیت عرفی کے لحاظ سے فرق ہے جس کو عام طور پر گوارہ نہیں کیا جاتا ہے تو اس وقت بیع ہی منعقد نہیں ہوئی، اور جب بیع ہوئی ہی نہیں تو آگے خریدار کو بیچنے کا حق ہی نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

**(۱۱) (الف) کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آنے کے بعد پلاٹس فروخت کیا تو خریدار دوسرے سے بیع کرسکتا ہے:**

کالونی بنانے والے نے زمین خرید لی اور اپنے قبضہ میں کرلیا ہے، لیکن پلاٹنگ کرنے سے پہلے وہ دوسرے سے زمین کا ایک حصہ فروخت کرتا ہے اور قبضہ نہیں دلاتا تو خریدار اپنے اس حصہ کو بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر معاملہ منقولات کا ہوتا تو احناف متفق ہوتے کہ قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ ربح مالم یضمن ہے جس کی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے، کیا جائیداد اور غیر منقولی اشیاء میں بھی یہی حکم جاری ہوگا اور خریدار دوسرے سے فروخت کرنے کا مجاز نہیں ہوگا؟

اس بابت حنفیہ میں سے امام محمدؒ منقول پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز کہتے ہیں، جبکہ شیخین کے نزدیک جائز ہے؛ کیونکہ ربح مالم یضمن کی حرمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے مبیع ہلاک ہوجائے تو معاملہ ہی اصل سے ختم ہوجائے، لیکن جو غیر منقولی ہے اس میں ضیاع کا خطرہ موہوم ہے؛ اس لئے جائز ہے۔

''یجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃ وأبی یوسف، وقال محمد: لا یجوز رجوعاً إلی إطلاق الحدیث واعتباراً بالمنقول وصار کالإجارۃ، ولہما أن رکن البیع صدر من أہلہ فی محلہ ولا غرر فیہ؛ لأن الہلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۵۱۴،۶ کتاب البیوع، ط: مصر)۔

(زمین جائیداد کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے شیخین کے نزدیک، امام محمد نے کہا: جائز نہیں، کیونکہ حدیث مطلق ہے، نیز منقول پر قیاس کا مقتضی یہی ہے تو یہ اجارہ کی طرح ہوگئی۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ رکن بیع، بیع کے اہل سے اس کے محل میں صادر ہوا

ہے، نیز اس میں غرر نہیں ہے؛ اس لئے کہ عقار میں ہلاکت نادر ہے برخلاف منقول کے)۔

اجارہ میں اصل چونکہ منافع ہیں اور منافع منقول کی طرح ہو ا کرتے ہیں، اس لئے اجارہ بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

لہذا شیخین کی رائے کے مطابق ایسے پلاٹ کی بیع جو مجہول نہ ہو، یا پھر مشاع ہو قبل القبض بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔

(ب) کالونی بنانےو الے کی ملکیت میں آنے سے پہلے پلاٹ کی بیع ہوئی تو خریدار بیچ سکتا ہےیا نہیں؟

جہاں تک اس صورت کا حکم ہے کہ کالونی بنانے والے نے ابھی زمین خریدنے کا محض وعدہ کیا ہے خریدا نہیں ہے، اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم ادا کردی ہے، کوئی ضروری نہیں ہے کہ وقت مقررہ پر ادا کرسکے، اگر وقت مقرر پر ادا نہیں کرسکا تو معاملہ ختم بھی ہوسکتا ہے، یہ صورت بعینہ اس عقار کی ہے جس میں اندیشہ ضیاع ہوتا ہے، جس کو غرر انفساخ سے تعبیر کیا جاتا ہے، قبل القبض بیع کی ممانعت کی علت یہی غرر انفساخ ہے جو اس صورت میں موجود ہے، اس لئے کالونی بنانے والا بھی نہیں فروخت کرسکتا او راس سے خریدنے والا بھی دوسرے سے نہیں بیچ سکتا ہے۔

علامہ ابن الہمام لکھتےہیں:

‘‘إلا إذا صار بحراً ونحوہ حتی قال بعض المشایخ: إن جواب أبی حنیفۃ فی موضع لا یخشی علیہ أن تصیر بحراً أو یغلب علیہ الرمال، فأما فی موضع لا یؤمن علیہ ذلک فلا یجوز’’ (فتح القدیر ۵۱۳،۶کتاب البیوع، ط: مصر)۔

(مگر یہ کہ بحر وغیرہ ہوجائے حتی کہ بعض مشایخ نے کہا: امام ابوحنیفہ کا جواب ایسی زمین کے بارے میں ہے جس کے تئیں یہ خدشہ نہیں ہے کہ بحر ہوجائے گی یا اس پر ریت غالب آجائے، بہرحال ایسی جگہ جہاں اس کا اطمینان نہ ہو تو جائز نہیں ہے)۔

**(۱۲) دلالوں کے ذریعہ زمینوں کی خریدوفروخت:**

زمین کی خریدوفروخت کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ سارا معاملہ دلال وایجنٹ کے ذریعہ طے ہوتے ہیں، زمین کس کی ہے ، خریدار کو اس کا علم تک نہیں ہوتا، خریدار اور دلال کے مابین صرف زبانی سودا ہوجاتا ہے، کوئی رجسٹری یا قبضہ وغیرہ نہیں ہوتا ہے، ہاں اتنا ہوتا ہے کہ دلال کہہ دیتا ہے کہ ایک حصہ آپ کا ہے، پھر یہ خریدار اگر اس کو بیچنا چاہے تو اسی دلال کے ذریعہ بیچوائے گا، دلال اب اس سے بھی اپنا کمیشن وصول کرے گا۔

یہ پیسہ کمانے کا ایک دھندا ہے، نہ زمین مقصود ہے، نہ اس کی خریدوفروخت، جب دلال خود معاملہ کررہا ہے تو وہ دلال نہیں بلکہ بائع کا وکیل ہے جو کہ بائع کا قائم مقام ہے، لیکن اس وکیل کے پاس وہ زمین نہیں ہے جس پر قبضہ دلاسکے، وکالت کے

مجموعی احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیل کو اس شئی پر قدرت حاصل ہو، لیکن زمین کی خریدوفروخت کی مذکورہ بالا شکل میں ایسا نہیں ہے۔

نیز خریدار نے جس حصۂ ارض کو خریدا ہے وہ معلوم ومتعین نہیں، جس سے مبیع مجہول ہوجارہی ہے، جس کی وجہ سے بیع ہی صحیح نہیں تو آگے فروخت کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا، یہاں یہ بھی ہے کہ وہی دلال بیچ سکتا ہے، اگر زمین خریدا رکی ہوگئی تو ملکیت کیوں منتقل نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ مالک بننےسے پہلے یہ بیع ہورہی ہے جو غیر مملوک کی بیع ہے، غیر مملوک کی بیع صحیح نہیں ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس معاملہ میں گوناگوں محظور لازم آتے ہیں:

(۱) معاملہ دلال کا نہیں وکالت کا ہے، اور وکیل قبضہ دلانے پر قادر نہیں ہے۔

(۲) مبیع مجہول ہے، مفضی الی النزاع بھی ہوسکتا ہے، مگر اس لئے نہیں ہورہا ہے کہ بیع مقصود نہیں۔

(۳) خریدار ثانی جس کی بیع کرنا چاہ رہا ہے اس کا وہ مالک ہی نہیں ہے۔

(۱۳) کالونی بنانے والا صرف قسط وصول کرتا ہے تو خریدار کی ملکیت ثابت ہوگی؟

اگر کالونی بنانے والا پلاٹ کو بیچتا ہے او رخریدارسے قسطوار قیمت بھی وصول کرلیتا ہے، نیز زمین کی وہ مقدار جو اس نے بیچی ہے متعین ہے، یعنی اس نے کتنا اسکوائر فٹ فروخت کی ہے اور وہ مشاع ہے، کوئی جانب فکس نہیں ہے کہ غیر مشاع ہوکر مجہول ہوجائے تو ایسی صورت میں خریدار اس کا مالک ہوچکا ہے، اور کالونی بنانےوالے کا شریک سمجھا جائے گا، الا یہ کہ زمین کی جانب متعین ہو اور مبیع کو مجہول رکھا گیا ہو تو بیع ہی فاسد ہوجائے گی، جیسا کہ تفصیل سے سطور سابقہ میں گزرا ہے۔

اور جب کالونی بنانے والا شریک فی المبیع ہوگیا تو اگر وہی خریدنا چاہتا ہے تو بحق شفعہ اس کو خریدنے کا حق بھی ہے، دوسرے گاہکوں کو اگر الگ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ سکتا ہے، ہاں الجھن اس وقت پیدا ہوگی، جبکہ صلب عقد میں شرط ہو کہ خریدار کالونی بنانے والے سے ہی بیع کرسکتا ہے، یہ حقیقت میں بائع کے آزادانہ تصرف پر پابندی عائد کرنا ہے جو کہ بیع وشراء کے اصول کے خلاف ہے، اس لئے پلاٹنگ کرنے والے کا اس شرط کے ساتھ بیچنا ہی صحیح نہیں ہوا تو خریدار کی ملکیت میں بھی داخل نہیں ہوگا جیسا کہ اس کے طرز عمل سے یہی ظاہر ہورہا ہے کہ صلب عقد میں شرط ہے، نیزاس میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ خریدار نے جس قدرسے ادا کیا ہے اب اس کو اس کے عوض میں زیادہ پیسے کالونی والے سے ملینگے جو سود نہ بھی ہو تو شبہ سود سے پاک نہیں ہے، اس لئے ایسے حضرات سے معاملہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

**(۱۴) قسط وار ادا کرنے کی صورت میں تمام قسطوں کے ادا کرنے سے پہلے دست برداری:**

پلاٹ کو قسطوں پر خریدنے کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر خریدار نے

مقررہ مدت میں قسطوں کو ادا نہیں کیا تو معاملہ کینسل سمجھا جاتا ہے، پلاٹنگ کرنے والا جو رقم لیتا ہے اسے واپس کردیتا ہے، بعض اوقات خریدار کو اس معنی کر نقصان ہوتا ہے کہ زمین کی قیمت اس مدت میں دوچند ہوجاتی ہے، جبکہ قسطونپر دیئے گئے پیسے پرانی قیمت کے حساب سےواپس ملتے ہیں۔

بیع وشراء کی صحت کے لئے جہاں بہت سی شرائط ہیں وہاں یہ بھی شرط ہے کہ بیع منجز ہو، اور مستقبل پر معلق نہ ہو، مذکورہ بالا صورت بیع معلق یا مستقبل کی طرف منسوب بیع کی ہے، کہ اگر مقررہ مدت میں قیمت ادا کردی گئی تو بیع ہوگی ورنہ نہیں، اس سے بیع ہی منعقد نہیں ہوتی ہے، ایسی صورت میں جتنی رقم دی گئی ہے وہی مل سکتی ہے، اس سے زیادہ کا مطالبہ صحیح ہی نہیں ہے۔

یا اس کو یوں کہا جائے کہ پلاٹنگ کرنے والے نے بیع کا وعدہ کیا ہے حقیقتاً بیع اس وقت ہوگی جب مکمل قیمت ادا کردی جائےگی خواہ وہ تعاطی کے ذریعہ ہو یا باقاعدہ ایجاب وقبول کے ذریعہ، جب خریدار نے وعدہ کا ایفاء نہیں کیا تو پلاٹ کے مالک پر وعدہ کا ایفاء کیوں کر واجب ہوگا، زیادہ سے زیادہ اس سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جتنے روپے تم نے لئے ہیں اس کو واپس کردو اور وہ اسی قدر واپس کرے گا جتنا لیا ہے، راقم کا خیال ہے کہ اس کی فقہی صورت یہی زیادہ مناسب ہے کہ وعدۂ بیع قرار دیا جائے، تاکہ وقت مقرر پر ادائیگی کی صورت میں بیع کی تکمیل میں کوئی محظور لازم نہ آئے، کیونکہ بیع معلق باطل ہوتی ہے، لہذا اس کو ختم کرنا ہی ضروری ہوگا اور نفاذ کی شکل نہیں بن سکے گی۔

**(۱۵) (الف) دلال کا، زمین کی خرید وفروخت میں کذب بیانی سے کام لینا:**

دلال کی اجرت عرف کے مطابق تعامل کی وجہ سے جائز ہے، لہذا دلال چاہے تو بائع ومشتری دونوں سے اجرت لے سکتا ہے، اگر اس کا عرف ہو، لیکن اس میں کذب بیانی کرنا، معاملہ چھپاناکسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے ، حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری کے فتاوی میں ہے:

‘‘یہ پیشہ مباح ہے اور اپنی محنت اور کام کے موافق پہلے سے مناسب اجرت طے کردی جائے تو طے کردہ اجرت لے سکتا ہے اور اجرت ایک فریق سے بھی لے سکتا ہے اور دونوں فریق سے بھی، البتہ اجرت طے اور متعین ہونا چاہئے، معاملہ مبہم نہ رہنا چاہئے۔

فتاوی دار العلوم قدیم مینہے: دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے، بشرطیکہ ظاہر کرکے رضاء سے لیا جائے، اور جو خفیہ طرفین سے لیا جاتا ہے وہ جائزنہینہے ’’ (فتاوی رحیمیہ ۲۹۹،۹ کتاب الاجارہ دلال کی اجرت)۔

متاخرین فقہاء کے یہاناسی قسم کافتوی ہے، لہذاکذب بیانی، یا اجرت کو خفیہ رکھنا اور لینا جائز نہیں۔

(ب) دلال کمپنیونکا یہ کہناکہ جب بیچناہو ہمیندینا اورقبضہ نہیندلانا، کیایہ روا ہے؟

قبضہ دلانا بیع کے مقتضیات مینسے ہے، لہذا قبضہ نہ دلانا جائز نہیں ہے، نیز یہ شرط لگانا کہ جب آپ کو بیچنا ہو ہم سے معاملہ کرو، یہ شرط فاسد ہے جس مینایک عاقد یعنی دلال کا فائدہ ہے، شرط فاسد سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے، موطا امام مالک میں حضرت عمرؓکا فتوی باینالفاظ وارد ہے:

''إن عبد الله بن مسعود ابتاع جاریۃمن امرأتہ زینب الثقفیۃ واشترطت علیہ أنک إن بعتہافہی لی بالثمن الذی تبیعہا بہ، فسأل عبد الله بن مسعود عن ذلک عمر بن الخطاب فقال: لاتقربہا وفیہا شرط لأحد'' (موطا امام مالک،۲۵۳ کتاب البیوع،باب ما یفعل فی الولیدۃإذابیعت)۔

(حضرت ابن مسعودؓ نے اپنی بیوی زینب ثقفیہ سے ایک جاریہ خریدا،زینب نےیہ شرط لگائی کہ اگرآپ اس کوبیچیں تو میناسی قیمت مینلے لونگی جس قیمت پرآپ بیچیں گے،عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس بابت حضرت عمرؓ سے پوچھا توحضرت عمرؓ نےفرمایا:اس کے قریب مت جانا،اس میں ایک کے لئے شرط لگی ہوئی ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی شرط لگاناجائزنہیں ہے، واللہ اعلم۔

**خلاصۂ جوابات:**

(۱)سرکاری زمینیںجن غنڈہ عناصر کے قبضہ میں ہیں ان کا قبضہ غاصبانہ ہے، وہ ان اراضی کے مالک نہیں ہیں، لہذا ان کو بیچنے کا حق بھی نہیں ہے، جانتے ہوئے ایسی اراضی کو خریدنا بھی جائز نہیں ، نیزایسی زمینیں حکومت کی املاک ہیں،قانون اراضی کے مطابق جس کوچاہے وہ دے سکتی ہے۔

(۲)وقف کے مکمل ہونے کے بعد بیع وشراء جائز نہیں،لیکن وقف کامقصد فوت ہوجائے اور وہ مسجد نہ ہو تو بیچ کر دوسرے وقف میں خرچ کرنے کی اجازت ہے،یا ا س سے کوئی زمین وغیرہ خریدکر وقف کردینےکی ہدایت ہے، چنانچہ اوقاف کی جائیداد جن پر دوسروننے ناجائز قبضہ کررکھا ہے، ایسی جائیداد سے چونکہ مقصد وقف مکمل نہیں ہوپاتا ہے، لہذا اس کو بیچنا جائز ہے، اس کی رقم سے دوسری جائیدادخرید کر وقف کردی جائے، یا دوسرے وقف کی ضروریات میں خرچ کردیاجائے۔

(۳) قدیم موروثی زمین تمام ورثہ کے مابین مشترک ہوگی، کوئی خریدار بعض وارث سے اس کے حصہ کے بقدر خرید سکتا ہے، قدر حصہ سے زیادہ خریدنے سے اس پر ملکیت اس وقت ہوگی جبکہ جن کا حصہ ہے وہ اس کی اجازت دے دیں۔

(۴) حرام مال کا اگر انسان مالک بھی ہوجائے تو ملک خبیث ہے جس کو مالک تک پہنچانا ضروری ہے یا صدقہ کرنا لازم ہے، اگر اس حرام مال سے کوئی جائیداد خریدی جائے تو حنفیہ میں سے امام کرخی نے اس کا مالک قرا ردیا ہے، الا یہ کہ بعینہ حرام مال کو ثمن کے لئے اشارہ کرکے متعین کیا ہو پھر اسی کو ادا کردیا ہو۔

(ب) فقہاء احناف میناکثر حضرات کی رائےمیں کسی بھی صورت میں خریدار اس جائداد کا مالک نہیں ہوگا، فقہاء شافعیہ کے یہاں بھی بیع صحیح نہیں ہوتی ہے، قرآن وحدیث سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے، لہذا ایسی جائداد خریدار کی ملکیت میں نہیں ہے، کوئی دوسرا شخص خریدتا ہے تو غیر مالک سے خریدنے کی وجہ سے مالک نہیں ہوگا۔

(ج)بہت سے حضرات نے علامہ کرخی کے قول کو اختیار کیاہے، یعنی خریدار مالک ہوجائے گا، اور اس سے کسی اور کا خریدنا بھی جائز ہوگا، چنانچہ حاجت کے وقت، یا ایک شخص نے ناواقفیت میں خرید لیا ہے تو جواز کا قول اختیار کرنا مناسب ہوگا۔

(۵) اگر زمین سرکاری ہے، حکومت نے کسی کو دیتے وقت یا بیچتے وقت راستہ، مسجد وغیرہ کے لئے زمین کو مستثنی کردیا ہے، بایں طور کہ اس کی تحدید وتعیین کردی ہے تو خریدنےوالے کی ملک مینوہ حصہ نہیں آئے گا، لہذا کسی کااس خریدار سے خریدنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

(ب) اگر زمین کالونی بنانے والے کی ہے، سرکارسے پرمٹ کے وقت عوامی مفادات سےوابستہ قطعات کو چھوڑنے کی شرط لگی تھی تو وہ حصے بدستور زمین والے کی ملک میں ہونگے اور وہ اپنی اس ملک کو بیچ سکتا ہے، دوسرے حضرات خرید سکتےہیں۔

(ج) البتہ اس نے مدرسہ ومسجد کے لئے زمین کے وقف کا زبانی اقرار کرلیا ہے تو قول مفتی بہ کے مطابق اس حصہ کو نہیں بیچ سکتا ہے۔

(د) نیز راستہ کو بھی تنگ نہیں کرسکتا ہے، اس کی چوڑائی کم ازکم سات ہاتھ ہوگی۔

(ہ) البتہ دوسرے مفاد عامہ سے وابستہ، پارک وغیرہ چونکہ بنیادی ضرورتیں نہیں ہیں، اس لئے ان کو بیچنے اور خریدنے میں حرج نہیں ہے۔

(۶) جو جگہ مفاد عامہ کے لئے ہے، اس کا مالک حقیقت میں وہ شخص ہے جس کاپورا پلاٹ ہے،چوں کہ مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے، اس لئے ایسی جگہ کو مسجد بنانا جائز ہے، او راس کا حکم مسجد شرعی کا ہوگا۔

(ب) البتہ پبلک مقام پر جو حکومت کی تحویل میں ہے اس پر مسجد بنانے کے لئے حکومت سے اجازت ضروری ہے۔

(۷) جو کالونیاں حکومت کی اجازت کے بغیر بنی ہیں، جن کو غیر قانونی باور کیا جاتا ہے، اسلامی نقطہ نظر میں حکومت کی اجازت کی اہمیت ہے، مگر وہاں جہاں توازن بگڑتا نظر آئے، کالونیوں کی بابت اجازت کی جو لمبی دوڑ ہے اس سے توازن ٹھیک ہونے کے بجائے مزید پگڑنے کا خطرہ ہے، اس لئے بغیر اجازت کالونیاں بنانا جائزہیں، ان کو فروخت کرنا اور خریدنا بھی جائز ہے۔

(۸) حکومت کی گرفت سےبچنے کے لئے بینک سے قرض لے کر زمین خریدنا

اورکالونیاں بسانا جائز ہے۔

(۹) قبضہ کے لئے ضروری ہے کہ مشتری کو اس مبیع میں تصرف کرنے کا پورا اختیار ہو، اگر بائع نے زمین بیچی، مگر قبضہ کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ ایک کاغذ پر محض نمبر ڈال دیا، جب پلاٹنگ کا وقت آئے گا وہ نمبر زمین کے کسی بھی حصہ پر ڈالا جاسکتا ہے، اس طرح قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔

(۱۰) اگر بائع بیچی ہوئی زمین میں کاشت کررہا ہے تو قبضہ کا تحقق نہیں ہوگا، بیع ہوئی یا نہیں یہ اس بات پر موقوف ہے کہ بیچا ہوا حصہ شائع ہے یا غیر شائع، اگر شائع ہے تو بیع ہوگئی، اور اگر شائع نہیں ہے اور سب حصے آپس میں متفاوت ہیں جو جھگڑا کا باعث ہے تو مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع منعقد نہیں ہوئی۔

(۱۱) زمین جائیداد کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، صرف مبیع کی اتنی تعیین ضروری ہے کہ نزاع نہ ہو، یا پھر حصہ شائع ہو۔

(ب) زمین جائیداد کی بیع قبل القبض اس وقت فاسد ہوجاتی ہے جبکہ زمین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، لہذا صرف مشتری کی جانب سے خریدنے کا وعدہ کرنے کی وجہ سے خریدنا متحقق نہیں ہوا، ہوسکتا ہےوہ پیسے ادا نہ کرسکے اور مبیع اس کی نہ ہوسکے، اس لئے ایسی زمین کو دوسرے خریدار کے لئے خریدنا جائز نہیں ہے۔

(۱۲) بعض اوقات دلالوں کے ذریعہ خریدوفروخت ہوتی ہے، مگر زمین زمین والے کے قبضہ میں ہی رہتی ہے، دلال دونوں ہی جانب سے معاملات کرتا ہے، بلکہ خریدار کو بیچنے کی ضرورت ہو تو وہی دلال معاملہ کرسکتا ہے، اس قسم کے معاملات میں گونا گوں خرابیاں لازم آتی ہیں، اس لئے ایسے دلالوں سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

(۱۳) کالونی بنانے والے نے قسط وصول کرلیا ہے تو خریدار اس حصہ ارض کا مالک ہوگیا، لیکن کالونی بنانے والے نے اگر شرط لگائی ہے کہ اگر خریدار کو بیچنا ہو تو اسی سے بیچے گا، یہ شرط فاسد ہے جو کہ مفسد عقد ہے۔

(۱۴) مقررہ مدت میں قسط وار ادا نہ کرنے کی صورت میں اگر معاملہ کینسل کردیاجاتا ہو اور جتنی رقم اس نے ادا کی ہے واپس مل جاتی ہو تو یہ بیع معلق ہے یا بیع مضاف الی المستقبل ہے جو کہ باطل ہے، یا یوں کہا جائے کہ یہ صرف وعدۂ بیع ہے جس سے ملکیت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔

(۱۵) دلال کا کذب بیانی سے کام لینا، یا خفیہ طو رپراجرت وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

(ب) دلال کمپنیوں کی یہ شرط کہ جب بھی بیچنا ہو کمپنی سے ہی رابطہ کرنا ہوگا، نیز یہ کہہ کرقبضہ دلانے سے گریز کرنا قانون بیع وشراء کی خلاف ورزی ہے، اور شرط فاسد ہونے کی وجہ سے مفسد عقد ہے۔

# پلاٹ وزمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل

مفتی محمد عثمان بستوی•

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، ومن تبعه بإحسان إلی یوم الدین أما بعد!

قال الله تبارک وتعالی:''یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم''۔

وقال النبیﷺ: ''إنما أنا بشر، إنکم تختصمون إلیّ ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض فأقضی له علی نحو ما أسمع منه، فمن قضیت له بشیئی من حق أخیه فلایأخذنّه، فإنما أقطع له قطعة من النار'' (مشکوۃ،۳۲۷)۔

مذکورہ بالا آیت وروایت اس باب میں صریح ہیں کہ دوسرے کا مال بغیر رضا کے حلال نہیں ہوتا خواہ وہ زمین کی قبیل سے ہو یا کسی اور جنس سے، جب تک صاحب حق کی طرف سے رضا نہ پائی جائے اس کی حرمت باقی رہتی ہے، اور جب صاحب حق کی طرف سے رضا پالی جائے خواہ معاوضہ ادا کرکے یا صاحب حق کی طرف سے ایثار واحسان کے ذریعہ، رضا خواہ کسی بھی طرح سے پائی جائے جب رضا کا تحقق ہوجائے گا مال حلال ہوجائے گا اور اگر رضا کا تحقق نہ ہو تو مال کی حرمت باقی رہے گی، نیز اگر کوئی کسی صاحب حق کا حق قانونی غلبہ یا کسی اور طریقہ سے لے لے لیکن صاحب حق اس پر راضی نہ ہو تو قانون وغیرہ سے اباحت اور حلت ثابت نہیں ہوسکتی جیسا کہ نبی پاکﷺ نے ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ میں جس کے لئے اس کے بھائی کے کسی حق کا فیصلہ کردوں تو میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا ہی دے رہا ہوں اس پر مقدمہ لانے والے حضرات میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ میرا حق میرے فریق کے لئے ہے تو آپﷺ نے فرمایا کہ اس طرح نہیں بلکہ جاؤ تقسیم کرو اور تقسیم میں یسر وسہولت سے کام لو پھر قرعہ اندازی کرو اس کے بعد ہر ایک دوسرے کے لئے مباح کردے (مشکوۃ)، اس روایت میں صاف وضاحت ہے کہ کسی جبردباؤ خواہ قانون کا ہو یا کسی اور طرح کا اس سے مال کی حلت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ حرمت علی حالہ باقی رہے گی، حلت کے تحقق کے لئے رضا لازم ہے چاہے جس طرح سے بھی حاصل ہو۔

**سوال نمبر ۱ کا جواب:**

رشوت کے ذریعہ سرکاری زمین کا لے آوٹ (نقشہ) منظور کروانا یہ حقیقت میں

• ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی۔

غصب ہے اور اس پر غصب کے احکام نافذ ہونگے، کیونکہ رشوت کے ذریعہ جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ کالعدم ہے، اس لئے شرعاً یہ منظوری اور اجازت معدوم ہوگی اور بلااجازت کسی کی زمین پر قابض ہوجانا یہ غصب میں داخل ہے۔

''ارتشی ہو أو أعوانہ بعلمہ وحکم لا ینفذ حکمہ وہو الصحیح ولو قضی لم ینفذ وبہ یفتی وفی الخانیۃ أجمعوا أنہ إذا ارتشی لا ینفذ قضاءہ فیما ارتشی فیہ'' (الدر المختار مع رد المحتار ملخصا ۳۵،۸)۔

اور غصب کی ہوئی چیز کی خریدوفروخت شرعاً باطل ہے، البتہ اگر مغصوب منہ کی طرف سے اجازت پالی جائے تو اجازت کے بعد یہ خریدوفروخت شرعاً صحیح ہوجاتی ہے، لہذا کسی دوسرے کے لئے غاصب سے اس کے غصب کو جانتے ہوئے خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی کو غصب کا علم نہ ہو تو خریدنے پر کوئی گناہ نہیں اور علم ہونے پر اصل مالک سے مصالحت شرعا واجب ہوگی، خواہ یہ مصالحت شئی مغصوب کو واپس لوٹانے کے ذریعہ ہو یا اس کے عوض اور معاوضہ کی ادائیگی کےذریعہ ہو۔

''إن کان المغصوب عرضاً،و ہو قائم بید الغاصب، فلایجوز لآخر أن یشتریہ منہ، ولو اشتری فالبیع موقوف عند الحنفیۃ علی إجازۃ المالک، فلو فسخ المالک البیع انفسخ، ووجب علی المشتری أن یردہ، وعلی البائع أن یردّ الثمن '' (فقہ البیوع ۱۰۰۸،۲)۔

''وحکمہ (أی الغصب) الإثم لمن علم أنہ مال الغیر وردّ العین قائمۃ والغرم ہالکۃ، ولغیر من علم الأخیر ان أی وحکمہ لغیر من علم أنہ مال الغیر الرد أو الغرم فقط دون الإثم، فلا إثم لأنہ خطأ وہو مرفوع بالحدیث، وہو قولہ علیہ الصلاۃ والسلام: ''رفع عن أمتی الخطأ والنسیان'' (الدر المختار مع رد المحتار ۲۶۳،۹)۔

''وقف بیع مال الغیر ولو الغیر بالغاً عاقلاً وہذا إن باعہ علی أنہ لمالکہ، أما لو باعہ علی أنہ لنفسہ أو باعہ من نفسہ فالبیع باطل... لو باعہ لنفسہ، فاللام بمعنی من ..... وقد صرحوا بأن الواحد لا یتولی الطرفین فی البیع'' (شامی ۳۱۴،۷)۔

سوال میں درج صورت کا حکم:

سوال میں دو چیزیں اہم ہیں: (۱) ایک تو رشوت دے کر لے آوٹ منظور کروا کر فروخت کرنا۔ (۲) دوسرے خریداروں کاان سے خریدنا، پہلی صورت شرعاً غصب ہے، جس کے ناجائز وحرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں، جیسا کہ تفصیل مذکور سے معلوم ہوچکا ہے، اور دوسری صورت شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اور جن کو حقیقت کا پورا علم نہیں ہے کہ اجازت نامہ وغیرہ رشوت دے کر کے حاصل کیا گیا ہے تو ان کے لئے خریدنا جائز ہے، کیونکہ جب حقیقت کا علم نہیں اور اجازت پر مشتمل سرکاری کاغذات ودستاویزات کا موجود ہونا ظاہری طور پر اس کی خریدوفروخت کی اجازت اور اباحت کو ثابت کرتا ہے،

لہذا ظاہر کو دیکھتے ہوئے ناواقف کے لئے خریداری کی اجازت ہوگی؛ کیونکہ حضرات فقہاء نے ایسی صورت میں ظاہر پر مدار رکھ کر خریدوفروخت کی اجازت دی ہے۔

''لا یعمل بالخط والخاتم فقط، أما إذا کان سالماً من شبہۃ التزویر والتصنیع فیکون محمولاً بہ أی یکون مداراً للحکم، ولا یحتاج للإثبات بوجہ آخر'' (شرح المجلہ لعلی حیدر ۱۲-۱۶،۴۲۶، الماده: ۱۷۳۶)۔

''فإن وضع الید حجۃ قاطعۃ، وأما قولہم وضع یدہ کان بطریق المصادقۃ وقد مات المصادقون فبطلت المصادقۃ الخ'' (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۱،۱۲۱)۔

اسی طرح اگر کسی کو حقیقت کا پورا علم ہو، لیکن اس خریدوفروخت کو بعد میں قانونی منظوری حاصل ہوگئی ہو یعنی آبادی سے متعلق شہری سہولیات ہو جو حکومتوں کی طرف سے مہیا کرائی جاتی ہیں وہ فراہم کرادی گئی ہوں تو اس صورت میں سرکاری سہولیات واسکیموں کا فراہم کردینا یہ حکومت کی طرف سے اجازت کے درجہ میں ہوگا، لہذا اس کےبعد جس کو حقیقت کا علم ہو اس کے لئے بھی خریدنا جائزہوگا، کیونکہ اصل مالک کی طرف سے اجازت ہونے کے قرائن قویہ موجود ہیں۔

''قال فی الفتاوی الخیریۃ: والقول قولہ بیمینہ فی ما تحت یدہ لأن أقصی ما یستدل بہ علی الملک وضع الید''(الفتاوی الخیریۃ علی تنقیح الحامدیہ ۲،۹۶)۔ ''دلیل الشئی فی الأمور الباطنۃ یقوم مقامہ، یعنی أنہ یحکم بالظاہر فیما یتعسر الاطلاع علی حقیقتہ'' (الماده: ۶۸)، القرینۃ القاطعۃ أحد أسباب الحکم أیضاً، أسباب الحکم سبعۃ:(۱) القرینۃ (۲) الشہادۃ (۳) الإقرار (۴) الیمین (۵) النکول عن الیمین (۶) القسامۃ (۷) علم القاضی علی قول (المادۃ: ۱۷۴۰)۔ إذاباع أحد مالاً علی أنہ ملکہ فی حضور شخص آخر لشخص وسلمہ ثم ادعی الحاضر بأنہ ملکہ مستقلاً، أو أن لا حصہ فیہ مع أنہ کان حاضراً فی مجلس البیع ورأی ذلک وسکت بلا عذر ینظر فإذا کان الحاضر من أقارب البائع أو زوجہا أو زوجتہ فلا تسمع دعواہ ہذہ مطلقاً وإذا کان من الأجانب فلا یکون حضورہ وسکوتہ فی مجلس البیع مانعاً لاستماع دعواہ علی ہذا الوجہ، أما إذا کان حاضراً مجلس البیع ورأی أن المشتری یتصرف فی ذلک الملک تصرف المالک مدۃ بإنشائہ أبنیۃ فیہ أو ہدمہ أو غرسہ أشجاراً وسکت بلا عذر، ثم ادعی بعد ذلک علی الوجہ المبین أعلاہ بأن الملک ملکہ أو أن لہ حصۃ فیہ فلا تسمع دعواہ'' (الماده: ۱۶۵۹)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ قرائن اور ظاہر پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے، لہذا رشوت دے کر سرکاری زمین کا لے آوٹ منظور کروانے کے بعد فروخت کرنے والوں سے خریدنے کا حکم یہ ہوگا: (۱) خریدنے والے کو کچھ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے ظاہر حال پر عمل کرتے ہوئے خریدنا شرعاً جائز ہے، (۲) جس کو پوری حقیقت کا علم ہے اس کے لئے اس صورت میں ایسی زمین خریدنا جائز ہے جب اس پر بسنے والی کالونی کو سرکاری وشہری سہولیات دے دی گئی ہوں، کیونکہ سرکاری سہولیات کے ملنے کے بعد

ظاہر یہی ہے کہ حکومت کی طرف سے اجازت دی گئی ہے، کیونکہ سرکاری سہولیات کو اجازت کا قرینۂ قویہ مانا جاسکتاہے، (۳) جس کو پوری حقیقت کا علم ہو اور سرکاری سہولیات نہ دی گئی ہوں تو اس کے لئے خریدنا جائز نہیں، کیونکہ یہ غصب ہے اور مال مغصوب کو علم ہوتے ہوئے اپنے لئے خریدنے کی اجازت نہیں۔

**سوال نمبر ۲ کا جواب:**

اوقاف کی خریدوفروخت کی صورتیں اور اس کے احکام:

(۱) وقف سے آمدنی ہورہی ہو اور واقف کا مقصد پورا ہورہا ہو اور واقف نے وقف کرتے وقت اس کے فروخت کرنے کی اجازت صراحۃً نہ دی ہو تو ایسی صورت میں وقف کی خریدوفروخت شرعاً باطل ہے اور یہ وقف ایک آزاد یا مدبر انسان کے حکم میں ہے، اس کو فروخت کرکے عوض حاصل کرنا شرعاً حرام ہے۔

''الحاصل أن ہہنا مسئلتین: الأولی: بیع الوقف باطل، ولو غیر مسجد، خلافاً لما أفتی بفسادہ، لکن المسجد العامر کالحر وغیرہ کالمدبر، وحاصلہ أن المسجد قبل خرابہ کالحریس بمال من کل وجہ، بخلافہ بعد خرابہ لجواز بیعہ إذا خرب فی أحد القولین فصار مجتہداً فیہ کالمدبر، فیصح بیع ما ضم إلیہ، ومثلہ سائر الأوقاف ولو عامرۃ فإنہ یجوز بیعہا عند الحنابلۃ یشتری بثمنہا ما ہو خیر منہا''۔

یعنی مسجد جو آباد ہوں وہ ایک آزاد انسان کے حکم میں ہے اس کی بیع شرعاً باطل ہے، اور مسجد جب ویران ہوجائے یا مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف چاہے وہ مسجد ہی کے نفع کے لئے وقف ہوں، اگرچہ وہ آبادہوں، مدبر کے حکم میں ہیں یعنی جس طرح مدبر کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح ویران مسجد اور دوسرے اوقاف کی خریدوفروخت کے بارے میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک ویران مسجد ہو یا آباد اوقاف دونوں کی بیع باطل ہے، لہذا اوقاف کے متولی یا کسی دوسرے کے لئے آباد وقف کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت وصول کرنا حرام ہے اور وصول کی ہوئی قیمت پر ملکیت کا تحقق نہیں ہوگا، اسی طرح خریدنے والے کی بھی وقف پر ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

(۲) وقف آباد ہو لیکن واقف نے وقف کرتے وقت اس کی خریدوفروخت کی اجازت دی ہو اور یہ اجازت وغیرہ وقف نامہ میں تحریر ہو تو واقف کی شرائط کے مطابق اس کی خریدوفروخت شرعاً جائز ہے:''اعلم أن الاستبدال علی ثلاثۃ وجوہ: الأول: أن یشرطہ الواقف لنفسہ أو لغیرہ أو لنفسہ وغیرہ، فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً'' (شامی ۵۸۳،۶)۔

(۳) غاصب وقف کو غصب کرلے اور اس کے منافع کو بالکل معطل کردے تو ایسی صورت میں متولی کے لئے اس کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں دوسرا وقف قائم کرنا جائز ہے اگر یہ ممکن ہو۔

''الثانیۃ: إذا غصبہ غاصب وأجری علیہ الماء حتی صار بحراً فیضمن القیمۃ ویشتری

المتولی بہا أرضاً بدلاً'' (شامی ۵۸۸،۶)۔

(۴) غاصب نے غصب کیا اور وقف کے منافع غصب کے بعد بھی باقی ہوں، لیکن غاصب سےواپس لینا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اس کا عوض اگر ممکن ہو حاصل کرلینا جائز ہے۔

''الثالثۃ:أن یجحدہ الغاصب ولا بینۃ وأراد دفع القیمۃ فللمتولی أخذہا لیشتری بہا بدلاً'' (شامی ۵۸۸،۶)۔

(۵) وقف اس طرح سے معطل ہوجائے کہ اس سے کوئی آمدنی نہ ہو اور وقف پر آنے والے اخراجات اس کی آمدنی سے بھی پورے نہ ہوسکیں اور مصلحت اس کے خریدوفروخت کردینے میں ہو تو اس کا فروخت کردینا جائز ہے۔

''أن لا یشرطہ سواء شرط عدمہ أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بأن لا یحصل منہ شئی أصلاً أو لا یفی بمؤنۃ فہو أیضاً جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأی المصلحۃ فیہ'' (شامی ۵۸۳،۶۔۵۸۴)۔

(۶) وقف سے آمدنی ہو رہی ہو، لیکن قلیل ہو اور اس کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں اسی مقصد کے لئے اس سے بہتر وقف کا قیام ممکن ہو تو اس کی فروختگی کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، حضرت امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے اور فتوی بھی اس قول پر دیا گیا ہے، لیکن وقف کی ضیاع اور اوقاف کے محافظین کی بددیانتی کی وجہ سے اس صورت میں ترجیح عدم جواز والے قول کو دی گئی ہو۔

''والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطہ، فإن کان لخروج الوقف عن انتفاع الوقوف علیہم، فینبغی أن لا یختلف فیہ،وإن کان لا لذلک بل اتفق أنہ أمکن أن یؤخذ بثمنہ ما ہو خیر منہ مع کونہ منتفعاً بہ، فینبغی أن لا یجوز، لأن الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ، ولأنہ لا موجب لتجویزہ، لأن الموجب فی الأول الشرط وفی الثانی الضرورۃ ولا ضرورۃ فی ہذا إذ لاتجب الزیادۃ بل نبقیہ کما کان'' (شامی ۵۸۹،۶)۔

وقف سے خریدوفروخت سے متعلق کل چھ شکلیں ذکر کی گئی ہیں جن میں سے ایک بالاتفاق عدم جواز کی ہے اور چار شکلیں جواز کی ہیں اور ایک شکل مختلف فیہ ہے جس میں ترجیح عدم جواز کی ہے، لیکن ضرورت کے وقت جواز والے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

وقف کے فروخت کرنے کی ایک احتیاطی شرط:

جن صورتوں میں وقف کو فروخت کرنے کی اجازت ہے وہ اجازت مشروط ہے کہ فروختگی کا فیصلہ ایسے قاضی نے کیا ہو جو احکام شریعت سے واقف، دین دار اور عمل کا پابند بھی ہو، لہذا جن ممالک میں حکومت اسلامیہ یا اس طرح کے قضاۃ مفقود ہوں ان جگہوں میں اوقاف کی حفاظت کے لئے فروختگی میں یہ شرط لازمی ہےکہ فروختگی کا

فیصلہ متدین اصحاب بصیرت علماء پر مشتمل کوئی جماعت کرے، ورنہ عمومی طو رپر اوقاف کو خرد برد سے محفوظ رکھنا ممکن نہیں۔

موقوفہ زمین کو خریدنا:

اوقاف کی زمین فروخت کرنے سے متعلق حضرات فقہاء کی ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں اس کی تمام شکلوں کو جمع کردیاگیا ہے تاکہ خریدنےکاحکم بآسانی معلوم ہوسکے، ذیل میں خریدنے سے متعلق حکم عرض کیا جاتا ہے، سوال میں درج شکلوں کا حکم سوال کی ترتیب کےمطابق ملاحظہ ہو:

(۱) وقف کی زمین اتنی دور افتادہ ہو کہ جس سے مقصد وقف کو کوئی نفع نہ پہنچ رہا ہو، نیز ساتھ ساتھ غیر مسلم حضرات کے قابض ہوجانے کا ظن غالب ہو یا قبضہ ہوچکا ہو خواہ کل پر ہوا ہو یا بعض پر تو ایسی صورت میں اس وقف پر اوقاف معطل کے احکام نافذ ہونگے اور اوقاف معطل کوخریدنا اور بیچنا دونو نجائز ہے، لہذا ایسے وقف کو خرید لینا جائز ہے بشرطیکہ اہل بصیرت متدین علماء کی جماعت نے اس کی فروختگی کا فیصلہ کردیا ہو۔

‘‘سئل شیخ الإسلام عن أہل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدہا إلی الخراب، وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبۃ، وینقلونہ إلی دورہم ہل لواحد لأہل المحلۃ أن یبیع الخشب بأمر القاضی، ویمسک الثمن لیصرفہ إلی بعض المساجد أو إلی ہذا المسجد؟ قال نعم ’’ (شامی ۵۵۰،۶)، ‘‘الوقف صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بأن لا یحصل منہ شئی أصلاً أو لا یفی بمؤونتہ فہو أیضاً جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأی المصلحۃ فیہ’’ (شامی ۵۸۴،۶، طحطاوی علی الدر ۵۴۵،۲)۔

(۲) وقف سے مقصد وقف حاصل ہورہا ہو، یعنی وقف آباد ہو لیکن کسی مسلمان نے اس پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہو تو اس مسلمان سے ایسے وقف کی زمین خریدنا جائز نہیں اگرچہ متولی کے لئے غاصب سے اگر ممکن ہو تو اس کا عوض حاصل کرلینا جائز ہے، خریدنا اس لئے جائز نہیں کہ وہ مال نہیں، اور عوض لینے کی اجازت مجبوری کے درجہ میں ہے، حاصل یہ کہ عوض وصول کرنا مجبوری ہے، لیکن خریدنا کوئی مجبوری نہیں ہے جیسے کہ خنزیر کے بال سے نفع اٹھانے کی اجازت ہے اور مفت حاصل نہ ہونے کی صورت میں مجبوراً خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح جب آباد وقف پرکسی مسلمان کا قبضہ ہوجائے او روہ اس کا کچھ عوض ادا کرے تو مجبوراً عوض لینے کی تو گنجائش ہے لیکن غاصب سے خریدنے میں کوئی مجبوری نہیں، خریدنا یہ ضرورت سے زائد ہے، نیز اس کے فعل غصب کی تائید بھی ہے، مزید یہ کہ وقف مال نہیں، آباد ہونے کی صورت میں مدبر کی طرح ہے اور مدبر کی بیع باطل ہے، لہذا آباد وقف کو غاصب سے خریدنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس دوسری شکل کے علاوہ جتنی بھی شکلوں میں وقف کو فروخت کرنے کی اجازت ہے ان سب شکلوں میں خریدنے کی بھی شرعاً اجازت ہوگی، کیونکہ بیع وشراء لازم وملزوم ہے، کیونکہ اگر فروخت کرنے کی اجازت ہو اور خریدنے کی اجازت نہ ہو تو فروخت کرنے کی اجازت بے معنی اور لغو ہوجائے گی۔

**سوال نمبر ۳ کا جواب:**

موروثی زمین کی خریدوفروخت:

ایسی موروثی زمین جس میں اولاد مؤنث کو ان کا حصہ نہ دیے جانے کا تحقیقی علم ہو اور اولاد اناث کی طرف سے مطالبہ باقی ہو اور خریدنے والے کو اس کا علم بھی ہو تو ایسی صورت میں موروثی زمین کا خریدنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ جب اس زمین میں دوسرے کا استحقاق معلوم ہو تو ایسی صورت میں بغیر اس کے رضا کے خریدنے کی صورت میں اس کے حصہ کا غصب ہے، اس لئے اس کا خریدنا جائز نہیں ہوگا، اگر خرید لیا تو اس کے حصہ کے بقدر بیع موقوف ہوگی، اگر اس کی طرف سے رضااور اجازت پائی جائےگی تو مکمل طور پر نافذ ہوجائے گی اوراگر اس کی طرف سے رضا اور اجازت نہ پائی گئی تو اولاد اناث کا حصہ باقی رہے گا جس میں تصرف اس کےلئے جائز نہ ہوگا اور اولاد اناث اپنے حصہ کے بقدر اس میں شریک اورحصہ دار ہوجائے گی۔

''بخلاف بیع قن ضم إلی مدبر فإنہ یصح أی فیصح فی قن بحصتہ، لأن المدبر محل للبیع عند البعض فیدخل فی العقد ثم یخرج فیکون البیع بالحصۃ فی البقاء دون الابتداء .....إذا ضم البائع إلیہ مال نفسہ وباعہما لہ صفقۃ واحدۃ یجوز البیع فی المضموم علی الأصح'' (شامی ۲۴۳،۷)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ کی رائے:

لیکن حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ کے نزدیک چونکہ ہندوستانی زمینوں پر قبضہ، قبضۂ مالکانہ نہیں ہے، بلکہ وہ فرماتےہیں کہ ہندوستانی زمینوں پر قبضہ، قبضۂ انتظامی ہے اور یہ زمینیں قابضین کے قبضہ میں حکومت کی طرف سے بطور عاریت ہیں، لہذا ہندوستانی زمینوں میں حکومت کے قوانین کے مطابق عمل ہوگا، ملکیت کے احکام شرعیہ یعنی عشر وخراج وراثت وغیرہ ہندوستانی زمینوں پر مرتب نہ ہونگے، حضرت مفتی صاحب کے فتاوی ملاحظہ کئے جائیں (فتاوی نظامیہ اور ندویہ ۱۳۹،۱، ۲۱۷)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی یہ رائے دیگر علماء محققین کے موافق نہیں ہے، ان سے پہلے اور ان کے بعد کے بھی علماء کرام نے ہندوستانی زمینوں میں قابضین کومالک ہونے کا ہی حکم لگایا ہے اوران کی زمینوں پر عشر وخراج، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ کے احکام نافذ فرمائے ہیں، بندہ کو حضرت مفتی صاحبؒ کے علاوہ کسی اور کےبارے میں اختلاف کا علم نہیں، تمام اکابر مفتیان کرام نے موروثی زمینوں پر قبضہ مالکانہ ہی مانا ہے، اور اس کے احکام ذکر فرمائے ہیں۔

ہندوستان میں موروثی زمین کو خریدنا:

حضرت مفتی نظام الدین صاحب ؒ کی رائے کے مطابق زمین داروں کے زمانوں سے ان کی نسلوں میں زمینداری کی جو زمین باقی ہیں ان میں وراثت جاری ہوگی، اس کے علاوہ دوسری زمینوں میں وراثت جاری نہیں ہوتی ہے، اس لئے ان کی رائے کے مطابق ہندوستانی زمینوں کی خریدوفروخت حکومتی ضابطے کے مطابق صحیح اور درست ہے، اس مینکوئی کراہت نہیں، البتہ زمینداری والی زمین میں چونکہ اولاد مؤنث کا بھی حق ہوتا ہے، اس لئے اس زمین کا حکم کچھ علاحدہ ہوگا، یعنی اس کا حکم دیگر علماء جو عام زمینوں کے بارے میں فرماتے ہیں وہی حکم اس کا بھی ہوگا۔

البتہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی رائے کے برعکس ہندوستان کی تمام موروثی زمینوں کا خواہ وہ زمینداری والی ہوں یا بھوم دھری ہوں یا سیر دھری کی ہوں سب کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں اولاد مؤنث کا حصہ دیا جانا معلوم نہ ہواور اولاد مؤنث او ران کے ورثاء کی طرف سے کسی قسم کے مطالبے کا بھی علم نہ ہو تو ظاہر حال کے مطابق قابض ومتصرف کو مالک مختار مجاز مان کرکے اس کا خریدنا جائز ہے، لیکن اگر خریدنے کے بعد اولاد مؤنث میں سے کوئی مطالبہ پیش کرے اور اس کا مطالبہ صحیح ودرست طریقے سے ثابت بھی ہوجائے تو اس کے حصے کے مطابق بیع کالعدم مانی جائے گی، اس کے حصے کی زمین دے کر یا اس کا معاوضہ دے کر اس کو راضی کرنا لازم اور واجب ہوگا، کیونکہ جب ان کا استحقاق ثابت ہوگیا تو پھر استحقاق کا حکم بھی عائد ہوگا اور اگر موروثی زمین میں اولاد مؤنث کی طر ف سے مطالبہ ہو اور مطالبے کا علم بھی ہو تو اس کو راضی کئے بغیر اس کے حصے کی زمین خریدنا شرعاً غصب ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، اس صورت میں اگر زمین خریدی گئی تو چونکہ ان کا حق باقی اور معلوم ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو ان کا حق ادا کرنا لازم ہوگا۔ ہذا ماعندی ولعل عند غیری أحسن منہ۔

**سوال نمبر ۴ کا جواب:**

مال حرام سے خریدی ہوئی زمینوں کی خریدوفروخت:

مال حرام سے خریدی ہوئی زمین کا حکم یہ ہے کہ اگر مال حرام، حلال سے مخلوط نہ ہو بلکہ مکمل حرام ہو، غصب، رشوت وغیرہ کےذریعہ حاصل کیا گیا ہو اور اس سے کوئی زمین وغیرہ خریدی جائے تو اگر مال حرام کا عوض ادا کردیا جائے، یعنی اگر مالک معلوم ہو تو ان کو واپس لوٹا دیا گیا ہو ورنہ صدقہ کردیا گیا ہو تو اس کے بعد اس کا خریدنا او ربیچنا دونوں جائز ہے اور اس کا نفع حلال ہے، کیونکہ مال حرام کا حکم شرعی انجام دینے کے بعد اس سے خریداہوا مال حلال ہوجائے گا اور اس مال میں کوئی خبث باقی نہ رہے گا جیسے کہ مال مغصوب عوض ادا کرنے کے بعد حلال ہوجاتا ہے اور اس کی

خریدوفروخت جائز ہوجاتی ہے۔

‘‘مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال، ثم رمز وقال: لا نأخذ بہذہ الروایۃ، وہو حرام مطلقاً علی الورثۃ فتنبہ اھ ح۔ ومفادہ الحرمۃ وإن لم یعلم أربابہ’’ (شامی۳۰۲،۷)۔ ‘‘مایأخذہ من المال ظلماً ویخلطہ بمالہ وبمال مظلوم آخر یصیر ملکاً لہ وینقطع حق الأول فلا یکون أخذہ عندنا حراماً محضا، نعم لا یباح الانتفاع بہ قبل أداء البدل فی الصحیح من المذہب’’ ۔

اور اگر مال حرام کے حکم شرعی پر عمل نہ کیا گیا ہو، اس صورت میں اس سے خریدی ہوئی زمین کو خریدنا جمہور کے مطابق جائز نہیں، کیونکہ ملکیت میں خبث ہے،ا لبتہ امام کرخی کے قول کےمطابق اگر زمین کی خریداری میں مال حرام پہلے دےکر پھر اسی کے عوض خریداری نہ ہوئی ہو اور مال حرام کی طرف اشارہ کرکے اس کو نہ دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں مال حرام سے خریدی ہوئی زمین امام کرخی کے قول مطابق حلال ہے، اس میں کوئی خبث نہیں، خبث صرف سبب میں ہے، عین مال میں نہیں اور مال حرام کا تعلق اس کے ذمہ سے ہے نہ کہ زمین کے عین سے، اس لئے امام کرخی کے نزدیک وہ زمین حلال ہے، لہذا اس کی خریدوفروخت بھی شرعاً جائز ہے اور اس کا نفع بھی طیب ہے اور اس زمانے میں مشائخ نے مال حرام کے غلبہ کی وجہ سے یسر وسہولت کے لئے امام کرخیؒ کے قول پر فتوی دیا ہے، لہذا مال حرام سے خریدی ہوئی زمین کو خریدنے کی گنجائش ہے، البتہ احتیاط کرنا بہتر ہے (الہندیہ ۲۱۵،۳ باب الاحتکار، نیز دیکھئے: ہندیہ باب الغصب ۲۴۱،۵)۔

مال حرام سے خریدا ہوا مال عین حرام کےحکم میں ہے یانہیں؟ اس میں اختلاف ہے، راجح اور احوط یہی ہے کہ وہ عین حرام کے حکم میں ہے، لہذا س کو خریدنا جائز نہیں، لیکن علامہ کرخی وغیرہ کے نزدیک عین حرام کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے اس کا خریدنا جائز ہے اور مال حرام کی کثرت کے زمانہ میں یہی لائق عمل ہے جیسا کہ مشائخ نے اس پر فتوی بھی دیا ہے اور یہ اوسع ہے، مال حرام سے خریدے ہوئے مال کے سبب میں خبث ہے، عین میں نہیں لہذا خریدنا مکروہ ہے۔

‘‘إن لم یردّہ یکرہ للمسلمین شراءہ منہ لأنہ ملک خبیث بمنزلۃ المشتری فاسداً إذا أراد بیع المشتری بعد القبض یکرہ شراءہ منہ وإن نفذ فیہ بیعہ وعتقہ لأنہ ملک حصل لہ بسبب حرام شرعاً’’ (شامی ۳۰۱،۷)۔

**سوال نمبر ۵ کا جواب:**

حکومت کے قانون کے مطابق جو نقشہ منظور ہوتا ہے اس کی حیثیت حکومت سے وعدہ اور معاہدہ کی ہے کہ پلاٹر حکومت سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم خریداروں کو اس نقشہ کے مطابق پلاٹ فراہم کرینگے، اور خریداروں سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ اس نقشے کے مطابق پلاٹ فراہم کیاجائے گا اور حکومت کا نقشہ سازی کےبعد پلاٹنگ کی اجازت

دینا اور پلاٹنگ کو نقشہ کے ساتھ منظور کرنا عوامی مصالح اور فائدے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اس کی پابندی پلاٹر کے ذمہ واجب ہوتی ہے او راس کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح دوطرفہ عہد ومعاہدہ کی پابندی بھی واجب ہےمعاہدہ کی خلاف ورزی حرام ہے۔''وأوفوا بالعہد إن العہد کان مسئولا'' کا حکم ہے، اس لئے منظور شدہ نقشہ کے خلاف فروخت کرنا شرعاً معاہدے کی خلاف ورزی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے، چنانچہ ایفاء عہد پر تفصیلی گفتگو کے بعد محقق عصر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی ''نتائج بحث '' کے عنوان سے خلاصہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نتائج بحث''

وعدہ اور معاہدہ کی مذکورہ بالا بحث سے جو صورت حال واضح ہوتی ہے وہ درج ذیل ہیں: (۱) وعدہ کا ایفاء عام حالات میں صرف دیانۃ واجب ہوتا ہے قضاء نہیں، اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر کے وعدہ خلافی کرے تو گنہ گار ہے، اور اگر وعدہ کرتے ہوئے ہی نیت وعدہ خلافی کی ہو تو اسے حدیث میں نفاق کہا گیا ہے، (۲) دوطرفہ وعدہ جسے معاہدہ کہا گیا ہے اس کو بعض فقہاء عصر نے وعدہ سے ممتاز کرکے لازم قرار دیا ہے یعنی یک طرفہ وعدے کو قضاء لازم نہیں کہا، لیکن دو طرفہ وعدے کو قضاء بھی لازم قرار دیا ہے، (۳)بعض معاملات میں حاجت کی وجہ سے یک طرفہ وعدے کو قضاء بھی لازم کیا جاسکتا ہے، (۴) اگر کسی خلاف شرع بات کا کوئی وعدہ کیا گیا ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، مثلاً ایک شریک دوسرے شریک سے یہ وعدہ کرے کہ اگر کاروبار میں کوئی نقصان ہوگا تو میں اس کی تلافی کرکے تمہیں دونگا تو یہ وعدہ بھی چونکہ سارا نقصان ایک فریق پرڈالنے کا موجب ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ وعدہ بھی جائز نہیں، (۵) تجارتی معاملات میں وعدے کے قضاء لازم ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کے قضاء لازم ہونے پر فریقین وعدے کے وقت ہی متفق ہوجائیں۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ منظور شدہ نقشہ کے خلاف خریدوفروخت معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، لہذا جب پلاٹر منظور شدہ نقشہ میں تبدیلی کرکے دی گئی سہولیات کو ختم کردے اور سہولیات کے لئے جو جگہیں متعین کی گئی تھیں ان کو جان بوجھ کر خریدنا شرعاً منع ہوگا، کیونکہ علم کے باوجود اس جگہ کا خریدنا تعاون علی الاثم میں داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، لیکن چونکہ زمین پلاٹر کی ملک ہے، راستہ یا عمومی مفاد کی جگہ ابھی اس کے لئے خاص نہیں ہوئی ہے؛ بلکہ منصوبہ میں داخل ہے اور صرف منصوبہ سے وہ جگہ راستہ وغیرہ نہیں بنے گی، لہذا جب ملکیت پلاٹر کی باقی ہے تو خریدنے والے کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، لیکن معاہدے کی خلاف ورزی میں معین ہونے کی وجہ سے علم کے ہوتے ہوئے خریدنا منع ہوگا، البتہ

نقشہ دکھلا کر پلاٹوں کو فروخت کردینے کے بعد عمومی منافع کی جگہوں کو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ عمومی منافع کی جگہیں خریدے ہوئے پلاٹ کے تابع ہونگے۔

''اعلم أن الحق فی العادة یذکر فیما ہو تبع للمبیع ولابد لہ منہ ولا یقصد إلا لأجلہ کالطریق والشرب للأرض.... وفی النہر المذکور: ودخول شرب البرکة الجاری إلیہا وقت البیع وإن لم ینصوا علی ذلک ولا سیما ماء البرکة فإنہ مقصود بالشراء حتی إن الدار بدونہ ینقص ثمنہا نقصاً کثیراً وقد مر آنفاً عن الکافی أن الأحکام تبتنی علی العرف وأنہ یعتبر فی کل إقلیم وعصر عرف أہلہ'' (شامی ۴۲۴،۷، ۴۲۷)۔

کسی جگہ کو مسجد کے لئے مقرر کرنا:

پلاٹر کا اپنے پلاٹ میں کسی جگہ کا مسجد کے لئے متعین کرنا یہ مسجد شرعی ہونے کے لئے کافی نہیں، نقشہ میں مسجد کا پلاٹ متعین کردینےسے وہ جگہ نہ تو وقف ہوگی نہ مسجد شرعی بنے گی، کیونکہ وقف کے لئےضروری ہے کہ باقاعدہ کسی چیز کووقف کیا جائے، صرف نیت اور ارادہ کرلینے سے کوئی چیز وقف نہیں بنتی جب تک یہ نہ کہہ دیا جائے کہ یہ چیز وقف ہے، اس وقت تک وقف نہیں بنے گی (انعام الباری ۱۰۳۵،۶)، اور کسی جگہ کے مسجد ہونے کےلئے تین شرطیں ہیں: (۱) افراز (۲) اذن صلاۃ (۳) تابید۔ یعنی مسجد کی جگہ کو علیحدہ کرکے ہمیشہ کےلئے اذان ونماز کی اجازت کے ساتھ وہ جگہ نماز پڑھنے کے لئے حوالہ کردی جائے، لہذا جس جگہ پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو اور وہ جگہ قوم ومتولی کے حوالہ بھی نہ کی گئی ہو، صرف مجوّزہ نقشہ اور ارادہ میں کسی جگہ پر مسجد بنانا ہو تو اس نقشہ اور ارادہ سے وہ جگہ شرعاً مسجد نہیں بنےگی۔

''لو بنی مسجداً وسلمہ إلی المتولی لایصیر مسجداً بالتسلیم إلی المتولی وہو قول البعض واختارہ شمس الأئمة السرخسی ....وقال بعضہم یصیر مسجداً کسائر الأوقاف کذا فی الخانیة وفی فتح القدیر والوجہ الصحة لأن بالتسلیم إلی المتولی أیضاً یحصل تمام التسلیم إلی تعالی لرفع یدہ عنہ فکأنہ لم یطلع علی تصحیح وفی الاختیار والصحیح أنہ یصیر مسجداً، فأفاد بالاقتصار علی الشروط الثلاثة (الإفراز،إذن الصلاة، التابید) أنہ لا یحتاج فی جعلہ مسجداً إلی قولہ وقفتہ ونحوہ لأن العرف جار بالإذن فی الصلاة علی وجہ العموم، والتخلیة بکونہ وقفاً علی ہذہ الجہة فکان کالتعبیر بہ'' (البحر الرائق۲۴۹،۵)۔

تائیدکے لئے چند فتاوی:

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحبؒ اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے بسانے کی غرض سے وسیع قطعہ زمین خریدی گئی اور مسجد، مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جگہ بھی تعیین بھی کردی گئی ..... صرف سنگ بنیاد رکھنے پر جبکہ نہ وہاں اذان ہوئی، اور نہ نماز پڑھی گئی ..... شرعی مسجد کےاحکام جاری نہ ہونگے (فتاوی

رحیمیہ ۹،۱۰۰) ۔

اسی طرح حضرت مفتی صاحب کے ایک دوسرے فتوی سے بھی صرف نقشہ سے مسجدیت کے تحقق کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے (رحیمیہ جدید ۹،۹۷)۔

منظور شدہ نقشے کے خلاف فروخت کرنا اور اس کا خریدنا:

منظور شدہ نقشے کے خلاف خریدوفروخت کے کل تین مراحل ہوتے ہیں:

(۱) نقشہ کے منظور ہونے کے بعد ہی لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ کرنے سے پہلے ہی نقشہ میں تبدیلی کردے، راستوں کو چھوٹا کردینا وغیرہ ابتداء ہی سےہو، چونکہ یہ حکومت سے کئے گئے اس معاہدے کے خلاف ہے جس میں لوگوں کا نفع ہے اس لئے اس معاہدہ کی خلاف ورزی شرعاً منع ہے، لیکن چونکہ زمین اس کی مملوک ہے اس لئے صاحب زمین کو اس میں اپنے من چاہے تصرف کا حق حاصل ہے او ر اس میں کسی کا اضرار اور نقصان بھی نہیں اور نہ ہی کسی صاحب حق کے حق کا ضیاع ہے، اس لئے خریدنے والے کے لئے خریدنا جائز ہے، خریدنے میں کوئی گناہ نہیں، جیسے کہ حکومت کے طرف سے متعینہ نرخ سے زائد میں خریدنا شرعاً جائز ہے۔

(۲) نقشۂ منظور شدہ کے مطابق پلاٹ کو فروخت کیاجاچکا ہو اس کے بعد اس میں سہولیات کے لئے جو جگہیں مقرر تھیں مثلاً پلے گراؤنڈ، سوئمنگ پل وغیرہ کو بیچنا پلاٹ خریدنے والوں سے معاہدے کی خلاف ورزی اور ان کی حقو ق تلفی کی وجہ سے شرعاً جائز نہیں اور نہ ہی جان بوجھ کر کے اس کو خریدنا جائز ہوگا، کیونکہ خریدنے کی صورت میں تعاون علی الاثم بہرحال پایا جائے گا، لیکن اگر خریدے گا تو مالک ہوجائے گا، کیونکہ یہ جگہیں کالونی آباد ہونے سے پہلے پہلے بیچنے والے کی ملکیت ہیں۔

(۳) کالونی آباد ہونے کے بعد اس کی سہولیات کی جگہوں کا فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کو خریدنا جائز ہے، کیونکہ آباد ہونے کے بعد ان جگہوں سے لوگوں کے حقوق متعلق اور وابستہ ہوگئے ہیں او رجن جگہوں سے عوامی حقوق وابستہ ہوں اس کا خریدنا بیچنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ وقف کے درجہ میں ہیں: ‘‘ولا یجوز إحیاء ما قرب من العامر بل یترک مرعی لہم ومطرحاً لحصائدہم لتعلق حقہم بہ’’ (شامی ۶،۱۰)۔

**سوال نمبر ۶ کا جواب:**

منظور شدہ نقشے میں گارڈن کی جگہ پر مسجد بنانا:

نقشے میں جو جگہ گارڈن کی حیثیت سے متعین ہے، اس جگہ پرمسجد بنادینا شرعاً جائز ہے، کیونکہ گارڈن ہو یا مسجد دونوں سے عمومی حق ونفع متعلق ہے، لیکن گارڈن کے مقابلہ میں مسجد کی اہمیت بڑھی ہوئی ہے، اس لئے گارڈن کے بجائے مسجد بنانے کی اجازت ہے اور وہ جگہ چونکہ پلاٹر کی ملکیت ہوتی ہے، اس لئےاس پر بنائی گئی مسجدمسجد شرعی بن جائے گی، تاہم مناسب اور بہتر یہ ہے کہ گارڈن کی جگہ پر

گارڈن ہی باقی رکھا جائے اور مسجدکے لئے کوئی الگ پلاٹ مخصوص کیاجائے اور اس کی قیمت پلاٹ خریدنے والوں کے پلاٹ کی قیمت پرکچھ اضافہ کرکے وصول کی جاسکتی ہے، اس طرح کرنے سے مسجد کی بھی ضرورت پوری ہوجائے گی اورحکومت سے کئے گئے معاہدہ کی بھی پابندی بھی ہوجائے گی۔

''عن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر ؓ أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه'' (الكشاف ۳۱۰،۲،سورة التوبہ: ۱۰۷، دار الكتاب العربى بيروت) ۔

''جعل شئى من الطريق مسجداً لضيقه ولم يضر بالمارين جاز لأنهما للمسلمين كعكسه كما جاز جعل الإمام الطريق مسجداً لا عكسه لجواز الصلاة فى الطريق لا لمرور فى المسجد توخذ أرض بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها'' (الدر المختار ملخصا ۵۷۴،۶ تا۵۷۷)۔

**سوال نمبر ۷ کا جواب:**

حکومت کے جو قوانین نظم وانتظام سے متعلق ہوں حتی الامکان اس کی پابندی کرنی ضروری ہوتی ہے، تاہم اگر کوئی قانون لوگوں کی دشواری کا باعث ہو تو اس کی خلاف ورزی کی صورت میں جان ومال آبرو وغیرہ پر حرف نہ آئے تو دشواری کی وجہ سے اس قانون کی خلاف ورزی جائز ہے، لہذا کالونی بسانے کےلئے حکومت کے جو قوانین ہیں اگر ان کو نظر انداز کرکے زمین کے مالکین پلاٹ بناکر فروخت کردیں اور لوگ اپنی سہولت کے مطابق خرید کر آباد ہوجائیں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، اس طرح سے فروخت کرنا اور خریدنا دونوں جائز ہے، البتہ اگر عزت وآبرو کا خطرہ ہو تو احتراز ضروری ہے:

''لا يمنع الشخص من تصرفه فى ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضرراً بيناً'' (شامى ۱۵۲،۸ زكريا) ۔

''إذا سعّر وخاف البائع ضرب الإمام لو نقص لا يحل للمشترى (لعدم رضا البائع) وحيلته أن يقول له: بعنى بما تحب، فحينئذ بأى شئى باعه يحل، لأنه قد أخذه بطيب نفسه ورضاه، وظاهره لوباعه بأكثر يحل، ولو باعه بقليل يحل أيضاً بشرط أن يخشى البائع بلوغ الخبر للسلطان وانتقامه منه'' (الدر مع الرد مع تقريرات الرافعى۵۷۳،۹-۵۷۴)۔

''إن أكثر النوائب فى زماننا بطريق الظلم، فمن تمكن من دفع الظلم عن نفسه فذلك خير له'' (الدر مع الرد۲۷۹،۳-۲۸۰)۔

''عن حذيفة قال قال رسول اللهﷺ لاينبغى (أى لا يجوز) للمؤمن أن يذل نفسه (أى باختياره) قالوا كيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق'' (مشكاة مع مرقاة آخر ابواب الدعاء ۴۱۷،۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کے قانون سے اگر کچھ لوگوں کا نفع ہے، تو دوسرے

بہت سے لوگو نکا اس طرح کے قانون سے نقصان بھی ہوتا ہے،زمین فروخت کرنے والے کی ملک ہے اس لئے قانونی پابندی لازم نہیں اور خریدنا وبیچنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

**سوال نمبر ۸ کا جواب:**

قانونی گرفت سے بچنے کے لئے سرکاری سودی قرضے حاصل کرنے کی شرعاً اجازت ہے، کیونکہ قانونی گرفت سے بچنا انسان کی مجبوری ہے اور مجبوری کے وقت سودی قرض حاصل کرنے کی فقہاء نےرخصت واجازت دی ہے، چنانچہ انکم ٹیکس کی گرفت سے محفوظ رہنے کےلئے حکومتی قرض لینے کی حضرات مفتیان کرام نے اجازت مرحمت فرمائی ہے، نیز ‘‘یجو ز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ کی کتب فقہیہ میں صراحت بھی موجود ہے، یعنی حاجت مند شخص کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے اور حاجت سے مراد وہ تنگی اور مشقت ہے جو مطلوب ومقصود کے فو ت ہونے سے پیش آتی ہے اور محنت کی کمائی کا ایک اچھا حصہ ضبط ہوجانے سے یا قانون اور مقدمہ میں ماخوذ ہونے سے مشقت کا لاحق ہونا ظاہر ہے، لہذا مال کی حفاظت کے لئے، اسی طرح قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت ہوگی، ‘‘وأما الحاجيات فمعناها أنها مفتقر إليها من حيث التوسعة ورفع الضيق المؤدى فى الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب’’ (الموافقات للشاطبی)۔

نیز رشوت کے باب میں بھی حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ دفع مضرت او رجلب منفعت کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، لہذا سودی قرض میں جو سود دیاجائے اسکو رشوت کےقائم مقام مان کرکے دفع مضرت کے لئے دینے کی بدرجہ اولی گنجائش ہوگی:‘‘أخذ المال ليسوّى أمره عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع وهو حرام على الآخذ فقط’’ (شامی ۳۵،۸) ۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے فتوی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات رقم موجود ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص بڑا سرمایہ لگا کر کاروبار کرتا ہے تو حکومت کے قوانین کی وجہ سے پکڑکااندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسلمان کیا کرے؟ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں: مثلاً اپنے جائز روپے سے بھی بڑاکاروبار کرنے میں قانون حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہوکر اپنا جائز روپیہ کالا روپیہ شمار ہوکر قابل ضبطی وغیرہ ہورہا ہو تو قانونی رو سے او راپنے حلال روپے کو بچانے کے لئے مجبوری میں بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہوجاتی ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۱۸۹،۱)۔

**سوال نمبر ۹ کا جواب:**

زمین فروخت کرنے کے وقت پلاٹ کی لمبائی چوڑائی اس کے راستے وغیرہ متعین کردینے سے اس طرح کی تعیین ہوجاتی ہے جو رافع نزاع ہو، لہذا اس صورت میں جو

جہالت ہوتی ہے وہ جہالت یسیرہ ہے جس کا دور کرنا ان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس کی تعیین میں عموماً پلاٹ میں یکسانیت کی وجہ سے اختلاف بھی نہیں ہوتا ہے، لہذا اس طرح سے معاملہ کرنا جائز ہے اور اس کی نظیر غلے کے ڈھیڑ میں سے چند صاع غلہ فروخت کردینا یا ایسی زمین جس کی چہار سمت یکساں ہو، کا کچھ گز بغیر تعیین کے فروخت کردیا جانے والا مسئلہ ہے جس میں حضرت امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، حضرت امام صاحب کے نزدیک مبیع کی جہالت کی وجہ سے یہ بیع جائز نہیں اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور امام صاحب کے نزدیک بھی اگر حوالگی او رتعیین مجلس عقد میں پالی جائے تو بیع صحیح ہوجاتی ہے اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ بیع صحیح اور درست ہے، کیونکہ جہالت یسیرہ ہے جس کا دور کرنا دونوں کے اختیار میں ہے:

''فسد بيع عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام وصححاه وإن لم يسم جملتها على الصحيح، لأن إزالتها بيدهما، لا يفسد بيع عشرة أسهم من مائة سهم لشيوع السهم لا الذراع بقي لو تراضيا على تعيين الأذرع في مكان لم أره، وينبغي انقلابه صحيحاً لو في المجلس ولو بعده فبيع بالتعاطي (الدر) وفي الرد: ذكر في غاية البيان نقلاً عن الصدر الشهيد والإمام العتابي أن قولهما بجواز البيع إذا كانت الدار مائة ذراع، ويفهم هذا من تعليلها أيضاً حيث قال: لأن عشرة أذرع من مائة ذراع عشر الدار فأشبه عشرة أسهم من مائة سهم .... قلت وجه كون الموضع مجهولاً أنه لم يبين أنه من مقدم الدار أو من مؤخرها وجوانبها تتفاوت قيمة فكان المعقود عليه مجهولاً جهالة مفضية إلى النزاع فيفسد كبيع بيت من بيوت الدار'' (شامی ۷۱،۷)۔

''وفی تقریرات الرافعی:والظاہر اعتماد قولہما الآن لموافقۃ العرف حملاً کلام العاقد علی عرفہ'' (تقریرات الرافعی علی احر الشامی ۱۱۶،۷)۔

**سوال نمبر ۱۰ کا جواب:**

زمین کی خریدوفروخت کے جائز ہونے کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے، بغیر قبضہ کے بھی زمین کی خریدوفروخت شرعاً جائز ہے، لہذا زمین کے کسی حصہ کو خریدنے والے کے لئے قبضہ سے پہلے فروخت کردینا شرعاً جائز ہے، جب پلاٹر نے پلاٹ کی نوعیت تو متعین کی ہے، لیکن جگہ کی تعیین نہیں کی تو یہ حصۂ شائعہ کی بیع ہوگی اور حصۂ شائعہ کی خریدوفروخت کی صورت میں خریدار اپنے حصہ کے بقدر زمین میں مالک اور شریک ہوجائے گا اور خریدار کے لئے اپنے اس حصۂ شائعہ کو فروخت کرنے کی اجازت ہوگی، گرچہ اس پر قبضہ کا تحقق نہ ہو، اس لئے اگر زمین فروخت کرنے والا فروخت کی ہوئی زمین پر اپنی کاشت کرتا رہے تو بھی خریدنے والے کے لئے اس کو فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ فروخت شدہ زمین پر کاشت کرنے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوگا، لیکن ملکیت تو بہرحال ثابت ہوجائے گی۔

''(ويلزم بإيجاب وقبول) وقال الشافعيؒ: لا يلزم به بل لهما خيار المجلس لقوله عليه

السلام: ‘‘المتبایعان بالخیار ما لم یتفرقا’’ إذ ہما متبایعان بعد البیع وقبلہ متساویان، ولنا أن العقد تم من الجانبین ودخل المبیع فی ملک المشتری والفسخ بعدہ لا یکون إلا بالتراضی لما فیہ من الإضرار بالآخر بإبطال حقہ لسائر العقود’’ (تبیین الحقائق ۲۷۶،۴-۲۷۷)۔

‘‘صح بیع عقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ لعدم الغرر لندرۃ ہلاک العقار، قولہ (صح بیع عقار الخ) أی عندہما وقال محمد لایجوز وعبر بالصحۃ دون النفاذ واللزوم لأنہا موقوفان علی نقد الثمن أو رضا البائع وإلا فللبائع إبطالہ أی إبطال بیع المشتری وکذا کل تصرف یقبل النقص إذا فعل المشتری قبل القبض أو بعدہ بغیر إذن البائع فللبائع إبطالہ أی بعد القبض الواقع بلا إذنہ لأن قبض المبیع قبل نقد الثمن بلا إذن البائع غیر معتبر لأن لہ استردادہ وحبسہ إلی قبض الثمن’’ (شامی ۳۶۹،۷)۔

حاصل یہ کہ زمین میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، لیکن بائع کو اگر ثمن حاصل نہ ہوتو اسکے لئے مشتری کے کئے ہوئے تصرفات کو ختم کرنے کا حق ہے، البتہ جو تصرفات فسخ کو قبول نہیں کرتے ہیں ان میں بائع کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا (نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۲۸۶،۴ م زکریا)۔

‘‘وبیع قفیز من صبرۃ یجوز لعدم التفاوت فلا تفضی الجہالۃ إلی المنازعۃ .... ومن اشتری عشرۃ أذرع من مائۃ ذراع من دار أو حمام فالبیع فاسد عند أبی حنیفۃ، وقالا: ہو جائز .... وعلی قول آخرین یجوز لأنہا جہالۃ بیدہما إزالتہا فیذرع الکل فیعرف نسبۃ العشرۃ وصحح ہذا بناء علی ما تقدم لہما من بیع صبرۃ لجواز أن یکون العاقد یری الرأی الأول.... والصحیح أنہ یجوز لأنہا جہالۃ بأیدیہما إزالتہا بأن تقاس کلہا فیعرف نسبۃ الذراع أو العشرۃ منہا فیعلم قدر المبیع’’ (ہدایہ مع فتح القدیر ملخصاً ۲۷۱،۶، ۲۷۸، ۲۷۶، ہکذا فی البدائع ۳۵۹،۴، ۳۶۰)۔

حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں حصۂ شائعہ کی بیع ہوتی ہے اور خریدنے والا جب حصۂ شائعہ کا مالک ہوگیا تو اس کے لئے بھی فروخت کرنا شرعاً جائز ہوگا، چاہے اس پر قابض ہو یا قابض نہ ہو، قبضہ سے یا عدم قبضہ سے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

‘‘فتحرر أن بیع الشائع جائز من الشریک ومن الأجنبی إلا فی الحصۃ الشائعۃ من الغرا س والزرع وقال العلامۃ قاسم فی رسالتہ فی مسائل الشیوع سئلت عن بیع حصۃ شائعۃ من عقار فأجبت بالجواز، ثم أخبرت عن بعض من یزعم العلم بالفقہ أن ذلک غیر جائز فقلت لا أعلم خلافاً فی المذہب فیما ذکروا إنما اختلف فی بیع الحصۃ الشائعۃ من العمارۃ والصحیح الجواز’’ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۲۳۵،۱)۔

**سوال نمبر ۱۱ کا جواب:**

(الف) کالونی بنانے والے کی ملکیت میں زمین آگئی ہو اور اس سے کسی خریدار نے کاغذی نقشے کی بنیاد پر زمین خرید لی ہو اور پلاٹ کی لمبائی چوڑائی، جہت، راستہ وغیرہ ہر چیز متعین کردی گئی ہو تو ایسی صورت میں اس کی خریدوفروخت شرعاً صحیح

اوردرست ہے، اس لئے خریدنے والے کی ملکیت بغیر قبضہ کے بھی ثابت ہوجائے گی، ثبوت ملکیت کےبعد اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہوگا جس کی توجیہ سوال ۱۰ کے تحت کی جاچکی ہے او رملکیت ثابت ہونے کے بعد قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، حاصل یہ کہ جب بیع صحیح ہو فاسد نہ ہو تو قبضہ میں آنے سے پہلے اس کو دوسرے کو فروخت کردینا بھی شرعاً جائز ہے۔

''ویلزم بإیجاب وقبول، وقال الشافعی: لا یلزم بہ بل لہما خیار المجلس لقولہ علیہ السلام: ''المتبایعان بالخیار ما لم یتفرقا'' إذ ہما متبایعان بعد البیع وقبلہ متساویان، ولنا أن العقد تم من الجانبین ودخل المبیع فی ملک المشتری والفسخ بعدہ لا یکون إلا بالتراضی لما فیہ من الإضرار بإبطال حقہ کسائر العقود'' (تبیین الحقائق ۲۷۶،۴-۲۷۷، نیز دیکھئے: حوالہ سابق ۲۸۶،۴، ہدایہ مع فتح القدیر ۵۱۳،۶)۔

(ب): سوال کی دوسری شکل جس میں مالکِ زمین اور کالونی بنانے والے کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے کہ اتنی مدتِ متعینہ میں زمین کی قیمت ادا کردی جائے تو ٹھیک، جس کے لئے خریدار بیعانہ کےنام سے کچھ پیشگی رقم بھی دیدیتا ہے اور اگر اس متعینہ مدت میں قیمت ادا نہ کی جاسکی تو معاملہ ختم، کاروبار کا یہ طریقہ کثر ت سے رائج ہے، اس شکل کو کتب فقہیہ میں درج صورتوں میں سے کس صورت پر منطبق کیا جائے اس میں مختلف احتمالات ہیں، لہذاان احتمالات مختلفہ کو ذکر کرکے شکل اور اس کےحکم کے انطباق کی کوشش کی جاتی ہے، واللہ المؤید والمیسر۔

احتمال (۱) یہ شکل خیار نقد پر زیادہ منطبق ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح خیارِ نقد میں بائع اپنا سامان اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اگر قیمت مدتِ متعینہ میں ادا نہیں ہوسکی تو یہ معاملہ فسخ ہوجائے گا، اسی طرح زمین کی خریداری میں بھی یہ شکل اپنائی جاتی ہے، کہ اگر خریدی ہوئی زمین کی قیمت متعینہ مدت میں ادا نہیں ہوئی تو یہ بیع کالعدم ہوجائے گی، تو یہ دونوں شکل تقریباً یکساں ہیں جس کو اصطلاح شریعت میں خیار نقد کہا جاتا ہے اور خیار نقد کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متعینہ مدت تین دن کی ہو تو بالاتفاق صحیح اور درست ہے (الحاقاً بخیار الشرط)، اور اگر تین دن سے زائد ہو تو شیخینؒ کے یہاں بیع بشرط الاقالہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہے، لیکن امام محمدؒ کے یہاں معاملہ صحیح اور درست ہے، البتہ اگر مدتِ متعینہ میں قیمت ادا نہ کی جاسکی تو یہ معاملہ شرعاً فاسد ہوجائے گا، اس لئے ہر ایک کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن اگر فسخ نہ کیا گیا اور خریدار نے اسی معاملے کی بنیاد پر قبضہ کرلیا تو قبضہ سے ملکیت ثابت ہوجائے گی۔

''إن اشتری شیئاً علی أنہ إن لم ینقد ثمنہ إلی ثلاثۃ أیام فلا بیع صح استحساناً... وإن اشتری کذلک إلی أربعۃ أیام لا یصح خلافاً لمحمد فإن نقد فی الثلاثۃ جاز اتفاقا لأن خیار النقد ملحق بخیار الشرط'' (الدر المختار ۱۱۷،۷)۔

‘‘إذا تبایعا علی أن یؤدی المشتری الثمن فی وقت کذا وإن لم یؤده فلا بیع بینهما صح البیع وہذا یقال لہ خیار النقد’’ (المادۃ: ۳۱۳)، ‘‘إذا لم یؤد المشتری الثمن فی المدۃ المعینۃ کان البیع الذی فیہ خیار النقد فاسداً ’’ (شرح مجلہ لعلی حیدر ۱،۲۶۱، ۲۶۲، المادہ: ۳۱۴)۔

مجلہ میں خیار نقد کے لئے کسی مدت کی تحدید نہیں کی گئی ہے، بلکہ جواز کے لئے صرف تعیین مدت کافی ہے چاہے جتنی ہو۔

خیارِ نقد پر مرتب ہونے والے چند احکام:

(۱) خیار نقد میں من لہ الخیار خریدار ہوتا ہے، فروخت کرنے والا نہیں، گرچہ یہ شرط فروخت کرنے والے کی طرف سےاپنے نفع کے لئے لگائی جاتی ہے، لیکن اس شرط کو پوری کرنے اور نہ کرنے کا اختیار مشتری کو ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو متعینہ مدت میں قیمت ادا کرکے بیع کو لازم کردے اور اگر چاہے تو قیمت ادا نہ کرکے معاملہ کو فسخ یا فاسد کردے تو جب معاملہ کی تکمیل کا اختیار مشتری کو ہے بائع کو نہیں تو من لہ الخیار مشتری ہوگا بائع نہیں۔

‘‘ومقتضی ہذہ المادۃ أنہ إذا عقد البیع بخیار النقد فللمشتری دفع الثمن وإمضاء البیع وفسخ البیع وعدم دفع الثمن فیکون الخیار ثابتاً للمشتری مع أن الغریب فی ذلک أن الذی ینتفع من الخیار إنما ہو البائع۔ إیضاح شرط البائع، إذاأسلم المشتری ثمن المبیع إلی البائع واشترط البائع أنہ إذا رد الثمن إلی المشتری إلی أجل معین فلا یکون بینهما بیع فالبیع صحیح ویکون المشتری ضامناً للمبیع بقیمتہ وإذا قبض المبیع وعقد البیع علی ہذا الوجہ فالبائع ہو صاحب الخیار وہو قادر علی فسخ البیع الخ’’ (شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱،۲۶۱)۔

(۲) اگر من لہ الخیار (مشتری) مبیع میں کوئی تصرف کردے تو خیار ساقط ہوجاتا ہے اور بیع لازم ہوجاتی ہے۔

‘‘لو باعہ المشتری ولم ینقد الثمن فی الثلاث جاز البیع وکان علیہ الثمن وتصرف فیہ المشتری فی المدۃ المعینۃ قبل نقد الثمن أو تلف فی یدہ أو استہلکہ فالبیع یصیر لازماً’’ (شامی ۷،۱۱۷)۔

‘‘ولا یبقی حق الفسخ فلذلک یجب علی المشتری أن یؤدی ثمن المبیع لأن البیع بخیار النقد بمنزلۃ البیع بخیار الشرط’’ (شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱،۲۶۲)۔

سوال میں درج صورت پر مرتب ہونے والا حکم:

جب یہ بات منقح ہوگئی کہ مذکورہ صورت خیار نقد میں داخل ہے اور خریدار من لہ الخیار ہے اور من لہ الخیار کے تصرف سے معاملہ لازم ہوجاتا ہے تو مذکورہ صورت میں خریدار کا خریدوفروخت کرنا یہ اپنی زمین کی خریدوفروخت ہوگی، لہذا اس کا فروخت کردینا جائز ہے، اور اس سے خریدنے والے کےلئے بھی اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، کیونکہ جب بیع صحیح ہوگئی تو زمین میں بغیر قبضہ کے بھی آگے فروخت کرنے کی اجازت ہے، شرعی اور اصولی اعتبا رسے اس معاملہ پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے، لیکن اس

میں ایک احتمال معاملہ کے ختم ہونے کا بھی رہتا ہے، اس لئے خریدار کا اپنے آگے کیا ہوا معاملہ اور اس کے بعد کیے جانے والے معاملات کے فسخ ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لیے خریدار سے آگے کئے جانے والے معاملات غرر انفساخ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز معلوم ہوتے ہیں۔

اشکال وجواب: جب خریدار او راس سے آگے کئے جانے والے معاملات میں غررِ انفساخ موجود ہے تو پھر یہ معاملات جواز کے دائرے میں کس طرح آسکتے ہیں؟

جواب: اس اشکال کا حل دو طرح سے ممکن ہے:(۱) جب خیارِ نقد میں من لہ الخیار آگے فروخت کردے تویہ معاملہ لازم ہوگیا اور قانونی بنیاد پر اس کو فسخ کرنے کا جو احتمال ہے وہ عموماً پایا نہیں جاتا ہے، خریدار عام طور پر معاملے کی تکمیل کر ہی لیتا ہے فسخ کی نوبت کم ہی آتی ہے اور جو احتمالات نادر ہوں وہ معتبر نہیں ہوا کرتے جیسے کہ مبیع میں ملکیت غیر کا احتمال باقی رہتا ہے، لیکن اس احتمال کو نادر مان کر اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں بھی اس احتمال کو نادر مان کر کالعدم قرار دیاجائے، دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ معاملات کی تکمیل سے پہلے خریدار نے او راس سے معاملہ کرنے والوں نے جو آگے معاملات کئے ہیں ان کو بیع پر نہ محمول کرکے صرف معاہدے پر محمول کیا جائے کہ ہر ایک نے بیع نہیں کیا ہے بلکہ معاہدۂ معلق کیا ہے کہ اگر فلاں زمین ہمارے قبضہ اور ملکیت میں آگئی تو ہم آپ سے اس کو فروخت کرینگے تو اس کو ایک معاہدہ مانا جائے پھر جب رکاوٹ دور ہوجائے تو ہر ایک معاملہ تعاطی کے طور پر خود بخود انجام پاجائے، او رجب یہ معاہدہ اس وضاحت کے ساتھ ہوگا کہ اس کی تکمیل قانونی رکاوٹ کے دور ہونے کی صورت میں کی جائے گی، تو جب قانونی رکاوٹ دور نہ ہو اور معاہدے کی تکمیل ممکن نہ ہوسکے تو شرط کے مطابق معاہدے کی ایفاء سے معذوری ظاہر کردی جائے گی اور اس میں کوئی گناہ بھی نہیں، حاصل یہ کہ اس کو حدّ جواز میں داخل کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ خریدار اور اس سے آگے کئے جانے والے معاملات کو معاہدۂ معلقہ میں داخل مانا جائے اور پوری صورتحال کو واضح کردیاجائے تو یہ معاملہ حدّ جواز میں آسکتا ہے، لیکن معاملہ کرنے والوں کا خداع، دھوکا، فریب، جھوٹ وغیرہ سےکام لے کر اس طرح معاملات کرنا کہ صورتحال کا کچھ علم نہ ہو شرعاً جائز نہیں، بلکہ یہ کذب وفریب میں داخل ہونے کی وجہ سے شرعاً حرام وناجائز ہے۔

معاہدے والی توجیہ: مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ کے اس بیان سے سمجھ میں آتی ہے۔

بیع کا معاہدہ کرنا: یعنی بیچا نہیں، مگر بیچنے کا اقرار کرلیا اور خریدا نہیں مگر خریدنے کا اقرار کرلیا اور دونوں اپنے اپنے قول وقرار کے پابند ہوگئے، نہ اس میں بیع

ختم کی جاتی ہے کہ مبیع کا موجود ومقدار کا معلوم ہونا لازم ہو اور ایجاب وقبول قطعی ہوجائے، آئندہ پر اٹھ نہ رہے اور نہ محض وعدہ ہے کہ دونوں مختار ہیں اور ضرورتیں اس کی اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ تجارتی کام ہوں یا ذاتی سلطنت کا انتظام ہو یا امر رفاہ عام، غرض کوئی کام بھی بدون ایسے معاہدوں کے انجام نہیں پاسکتا مثلاً زید کو کسی محکمے یا کارخانے یا فوج کےلئے ایسی اشیاء کی ضرورت ہے کہ جو نہ عام طور پر کارآمد ہیں کہ بازاروں میں موجود رہیں نہ بدون فرمائش واطمینان کوئی اسے تیار ومجتمع کرتا ہے، جیسے گودڑ، ردی، ہڈیانو غیرہ، او ربہت چیزیں ایسی ہیں کہ سوائے فصل کے، وہ بھی بعض مقامات پر دستیاب نہیں ہوتیں یا گراں ہوجاتی ہیں، پس اگر ایسے معاہدہ نہ کئے جائے تو نہ ہر وقت او رہر جگہ یہ چیزیں کافی طور پر ملینگی اور اتنے دام ایک وقت میں دیے جاسکتے ہیں او رنہ اس کی فراہمی اور نگرانی کا اہتمام آسان ہے، پس ایسی سخت ضرورتیں یوں ہی پوری ہوسکتی ہیں کہ زید وبکر میں معاہدہ ہوجائے کہ ہم نے اتنا مال اس قسم وصفت کا اس قیمت پران قسطوں سے ان ان مقاموں پربیچنے اور خریدنے کا معاہدہ کیا، اس میں شرط ہے کہ تمام امو رکی تصریح ہوجائے مثلاً فلاں شئی، فلاں صفت اور قسم کی، اس قدر ان قسطوں سے، ان وقتوں اور مقاموں پر اس نرخ سے بیچیں اور خریدینگے، اولی یہ ہے کہ ایسی شروط وعہود قلم بند ہوجایا کریں جیسا کہ باب سلم میں تحریرمناسب ہے، پھر عقد بیع اور عہد میں فرق ہے، بیع میں مبیع مشتری کی ملک میں آجاتا ہے قبضہ ہو یا نہ۔ (۲) مشتری جب چاہے قبضہ کرنے اور نفع اٹھانے کا مستحق ہے، بائع حاضر ہو یا غائب، زندہ ہو یا میت، راضی ہو یا ناخوش۔ (۳) وہ تمام حقوق جو کسی وجہ سے بائع کی ذات یامال پر عائد ہو مبیع سے متعلق نہیں ہوتے۔ (۴) مشتری کی ذمہ داریوں کا اثر مبیع پر پہنچتا ہے مقبوض ہو یا نہ۔ (۵) بائع کو مبیع کا روک رکھنا اور اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں، لیکن عہد بیع میں نہ مبیع خریدار کی ملک ہوتا ہے، نہ اسے انتفاع اور قبضے کا حق ہے، نہ ورثاء بائع ومشتری پر دعوی، نہ ان ذمہ داریوں سے مستثنی ہیں جو بائع کی ذات یا مال سے متعلق ہوں، البتہ بائع کو مجبور کیا جائے گا کہ بحکم عہد وہ اشیاء اپنی شروط واوقات پر موجود کردے اور اس موجود کرنے میں اس کے نقصان اور معذوری پر توجہ نہ کی جائے گی، اور ایسے ہی مشتری لینے اور دام دینےپر مجبور ہوگا، ضرورت رہے یا نہ اور وہی رضاء سابق بحکم عہد رضاء حال سمجھ لی جائے گی، پس ظاہر ہوگیا فرق درمیان وقوع اور اقتضاء وقوع کے (عطر ہدایہ۱۱۰۔۱۱۱)۔

حاصل یہ کہ خریدار نے اپنے آگے جو معاملات کئے ہیں اس کو معاہدۂ معلقہ پر محمول کیا جائے اور جب وہ خریدار کے قبضے میں آجائے تو بیع تعاطی کے ذریعہ جس سے معاہدہ کیا گیا ہے اس کی ملکیت بن جائے گی، چنانچہ مفتی سعید صاحب لکھنوی فرماتے ہیں:

''یہ دونوں معاہدے شرعاً جائز اور فریقین پر (دیانۃً وقضاءً) پابندی اس کی واجب ہے حتی کہ اگر وقت معہود آنے پر بجبر اور بطور تعاطی بھی بیع منعقد ہوجائے گی توصحیح ہوجائے گی (عطر ہدایہ،۱۱۰)۔

احتمال (۲) کالونی بنانے والا، صاحب زمین سے جو معاملہ کرتا ہے اگر اس کو خیار نقد پر نہ محمول کیا جائے، بلکہ اس کو صرف ایک معاہدہ مانا جائے تو اس صورت میں کالونی بنانے والے کا زمین کا پلاٹ دوسرے سےفروخت کرنے کی صورت میں ''بیع ما لیس عند الانسان '' کاحکم صادق آئے گا اور یہ بیع شرعاً باطل ہوگی، لہذا کالونی بنانے والوں کا یا اس سے خریدنے والوں کا کیا ہوا معاملہ شرعاً باطل وکالعدم ہوگا، اس لئے کہ یہ ''مال غیر '' اور ''بیع ما لیس عند الانسان '' ہے جو شرعاً باطل ہے۔

''بطل بیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم ومالہ خطر العدم لا بطریق السلم فإنہ صحیح لأنہ علیہ الصلاۃ والسلام نہی عن بیع ما لیس عند الإنسان ورخص فی السلم'' (الدر المختار ۲۴۶،۷)۔

جواز کی توجیہ:

کالونی بسانے والے کا صاحب زمین سے جو معاملہ ہے اگر اس کو خیار نقد میں داخل نہ مانا جائے تو اس کے کئے ہوئے معاملات اور اس کے بعد کے معاملات کے جواز کی توجیہ اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اس کو خرید وفروخت پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ جتنے بھی معاملات ہوئے ہیں سب کو معاہدہ معلقہ میں داخل مانا جائے اورصاحب زمین اورپلاٹر کے درمیان جب معاہدے کی تکمیل ہوجائے تو اس کے بعد کئے جانے والے معاملات کو تعاطی کے طور پر انجام پانے پر محمول کردیاجائے، یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ ہر ایک سے معاملے کی نوعیت اچھی طرح واضح کردی جائے، کسی قسم کا دھوکا، فریب، کذب بیانی سے احتراز کیا جائے، لیکن اگرمعاملہ کی نوعیت واضح نہ کی جائے بلکہ سامنے والے کو دھوکا دے کر مال حاصل کرنے کے ایک طریقہ اور بہانہ کے طور پر اختیار کیا جائے تو یہ شرعاً حرام اورناجائز ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمدصاحب لکھنوی معاہدہ بیع کے سلسلہ میں تحریر فرماتےہیں کہ یہ دونوں معاہدے شرعاً جائز اور فریقین پر (دیانۃً وقضاء ً) پابندی اس کی واجب ہے، حتی کہ اگر وقت معہودہ آنے پر بجبر او ربطور تعاطی بھی بیع منعقد کی جائے گی تو صحیح ہوجائے گی، بعذر خواہ بلا عذر (قولاً وفعلاً) کسی طرح سے انعقاد صحیح نہ ہوگا، خرید کرنے والے کی رقم جو اس نے پیشگی بغرض استحکام معاہدہ بیع دی تھی واپس کرنا واجب ہوگا، چونکہ حسب تصریح مشائخ ''بمجر النیۃ لاینعقدالبیع'' محض نیت سے بدون طریقے اربعہ قولیہ، تحریریہ، ضمنیہ، فعلیہ بیع منعقد نہیں ہوتی ہے الخ (عطر ہدایہ

،۲۴۳-۲۴۴)۔

**سوال نمبر ۱۲ کا جواب:**

زمین کی خریدوفروخت میں زمین فروخت کرنے کے لئے جو دلال ہوتا ہے وہ اصولی اعتبا رسے مالک زمین کا وکیل ہوتا ہے، لہذا اس کے کیے ہوئے معاملات خود مالکِ زمین کےکئےہوئے معاملات کے حکم میں ہونگے اور زمین یا کسی چیز کی خریدوفروخت میں رجسٹری یا کاغذی تحریر شرعاً لازم وضروری نہیں، بغیر تحریر اور رجسٹری کے صرف زبانی کئے ہوئے معاملات اگر اصول وضابطے کے مطابق ہوں تو شرعاً ان کا اعتبار ہے اور زمین کی خریدوفروخت میں معاملہ کے صحیح ہونے کے لئے قبضہ کا پایا جانا ضروری نہیں، زمین کی بیع بغیر قبضہ کے بھی صحیح ودرست ہے، لہذا جب خریدار نے دلال کے واسطے سے زمین خریدلیا تو خریدار اپنی خریدی ہوئی زمین کا مالک ہوگیا اور اس کا نفع ونقصان خریدنے والے سے متعلق ہوگیا، لہذا خریدنے والے کو شرعاً رجسٹری سے قبل اپنی خریدی ہوئی زمین کو فروخت کرکے نفع نقصان کا حاصل کرنا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، چاہے وہ معاملہ خود کرے یا دلال کے واسطے سے کرے شرعی مالک کو پورا اختیار ہے۔

‘‘کل عقد جاز أن یعقدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یوکّل بہ غیرہ، ویجوز التوکیل بالخصومۃ فی سائر الحقوق’’ (قدوری،۶۶ مع اللباب فی شرح الکتاب)۔

‘‘یلزم بإیجاب وقبول .... ودخل المبیع فی ملک المشتری والفسخ بعدہ لایکون إلا بالتراضی لما فیہ من الإضرار بالآخر بإبطال حقہ کسائر العقود’’ (تبیین الحقائق ۴،۲۷۶-۲۷۷)۔

‘‘النطق لیس بشرط لانعقاد البیع والشراء ولا لنفاذہما وصحتہما فیجوز بیع الأخرس وشراءہ إذا کانت الإشارۃ مفہومۃ فی ذلک، لأنہ إذا کانت الإشارۃ مفہومۃ فی ذلک قامت الإشارۃ مقام عبارتہ’’ (بدائع الصنائع ۴،۳۲۲)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بیع کے انعقاد اور ثبوت ملکیت کے لئے رجسٹری وغیرہ کرانا شرعاً لازم نہیں ہے، بلکہ صرف ایجاب وقبول کے پالیے جانے سے ملکیت ثابت ہوجائے گی اور ملکیت کے احکام اس پر مرتب ہونگے، ایجاب وقبول خواہ لفظاً پائے جائیں یا عملاً پائے جائیں یااشارہ پائے جائیں، ثبوت ملکیت کے لئے ایجاب وقبول کافی ہے، رجسٹری وغیرہ ضروری نہیں۔

**سوال نمبر ۱۳ کا جواب:**

جب پلاٹس فروخت کردیئے گئے اور خریدنے والوں نے پیسے اداکردیئے تو ان کی ملکیت کےثبوت میں کوئی شبہ نہیں، ایجاب وقبول سے ملکیت کاتحقق ظاہر ہے، لہذا کالونی بنانے والے جب اپنے پلاٹس بیچ کر پیسے وصول کرلیں تو اب بیچنے والوں کا اس پلاٹ سے کوئی حق وابستہ نہیں رہ جاتا ہے، خریدار کو اس پرپورا اختیار حاصل ہوجاتا ہے،

چاہے وہ خود فروخت کرے یا فروخت کرنے میں کسی سے مدد حاصل کرے، چاہے کسی اجنبی سے فروخت کرے یا جس سے خریدا ہے اسی کو فروخت کرے، لہذا فروخت کرنے والے کی طرف سے اگر خود اسی سے فروخت کرنے کی شرط لگائی جاتی ہے تو یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مفسد ہوگی اور اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر معاملہ میں کوئی شرط نہ ہو اور خریدار خود اپنی آسانی کے لئے فروخت کرنے والے سے خواہ خریدار کی پیشکش کے ذریعہ یا بغیر پیشکش کے فروخت کردیتا ہے تو شرعاً یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر معاملہ میں اسی سے فروخت کرنے کی شرط لگ جائے تو معاملہ ناجائز ہوگا۔

''ولو باع عبداً على أن يعتقه المشترى أو يدبره أو يكاتبه أو أمة على أن يستولدها فالبيع فاسد لأن هذا بيع وشرط وقد نهى النبىﷺ عن بيع وشرط ثم جملة المذهب فيه أن يقال: كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشترى لا يفسد العقد لثبوته بدون الشرط وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسد كشرط أن لا يبيع المشترى العبد المبيع لأنه فيه زيادة عارية عن العوض فيؤدى إلى الربا أو لأنه يقع بسببه المنازعة فيعرى العقد عن مقصوده إلا أن يكون تعارفاً لأن العرف قاض على القياس ولو كان لا يقتضيه العقد ولا منفعة فيه لأحد لايفسده'' (ہدایہ مع فتح القدیر ۶،۴۴۲)۔

نوٹ: اگر ایسی شرط لگائی گئی جس سے مشتری کا تو نقصان ہو لیکن اس میں کسی کا فائدہ نہ ہو تو اس کے مفسد ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، طرفین کے یہاں مفسد نہیں، امام ابویوسفؒ کے یہاں مفسد ہے۔

''ومثّل فى البحر لما فيه مضرة بماإذا اشترى ثوباً على أن لا يبيعه ولايهبه، والبيع فى مثله جائز عندهما خلافاً لأبى يوسف'' (شامی۷،۲۸۴)۔

**سوال نمبر ۱۴ کا جواب:**

قسطوں پر خریدوفروخت کی شکل میں بعض قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر فروخت کرنے والے کو معاملہ کو یک طرفہ ختم کرنے کا شرعاً کوئی اختیار نہیں، اس کا ختم کرکے صرف اس کی رقم کا واپس کرنا شرعاً ظلم، غصب ناجائز اور حرام ہے، البتہ اگر معاملے میں قسط کی ادائیگی وقت پر نہ ہونے کی صورت میں معاملہ کو ختم کرنے کی شرط لگی ہو تو اس کو خیار نقد میں داخل مان کر کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، نیز اگر اس کو بیع پرمحمول نہ کیا جائے، بلکہ معاملہ پر محمول کیا جائے کہ بائع اور مشتری کےدرمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اگر خریدار کی طرف سے تمام قسطیں اپنے وقت مقررہ پرادا کردی گئیں تو معاہدہ کی بنا پر وہ زمین خریدار کی ملکیت قرار پائے گی اور اگر وقت مقرر ہ پر قسط کی ادائیگی نہ ہوسکی تو از روئے معاہدہ زمین خریدار کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوگی، بلکہ مالک کی ملکیت میں باقی رہے گی تو اس توجیہ سے بھی

گنجائش نکل سکتی ہے، حاصل یہ کہ خیار نقد یا معاہدے پرمحمول کرکے جواز کے دائرے میں لانے کی گنجائش ہے۔

''إذا تبایعا علی أن یؤدی المشتری الثمن فی وقت کذا، وإن لم یؤده فلا بیع بینهما صح البیع وہذا یقال لہ خیار النقد'' (المادة: ۳۱۳)۔

''إذا لم یؤد المشتری الثمن فی المدة المعینة کان البیع الذی فیہ خیار النقد فاسداً'' (المادة: ۳۱۴)۔

**سوال نمبر ۱۵ کا جواب:**

(الف):

دلال کا زمین کے مالک سے اس کی قیمت معلوم کرکے مالک زمین کی طرف سے بتلائی ہوئی قیمت سےزائد میں فروخت کرنا، زائد خود رکھ لینا اور بتلائی ہوئی قیمت مالک کو واپس کردینا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ دلال وکیل ہے اور وکیل کو موکل کے سامان کا جو عوض حاصل ہو اس عوض کا حقدار موکل ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ، لہذاصاحب زمین سے بغیر معاملہ کی وضاحت کئے ہوئے زائد کو خود رکھ لینا شرعاً جائزنہیں، البتہ اگر وکیل مالک سے صاف صاف یہ وضاحت کردے کہ آپ کی متعینہ قیمت آپ کو ملے گی اور اس سے زائد جو حاصل ہوگا وہ میرا ہوگا یہ وضاحت خواہ صراحۃً ہو یا عرفاً، تو زائد خودرکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جو زائد ہے وہ اجرت ہے، البتہ حاصل ہونے والی زیادتی کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے عدم جواز کا شبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن اگر اس جہالت کو فیصد میں پائی جانے والی جہالت کی طرح مانا جائے تو پھر عدم جواز کا شبہ ختم ہوسکتا ہے، نیز جعالہ پر محمول کرکے بھی حد جواز میں داخل ہونے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

''وصح الزیادة فیہ، لو ندم بعدما زاد أجبر، والحط منہ والزیادة یلتحقان بأصل العقد'' (الدر المختار ۳۷۸٫۷-۳۷۹)۔

''لو أمر رجلاً أن یشتری لہ جاریة بألف فاشتراہا ثم ان البائع وہب الألف من الوکیل فللوکیل أن یرجع علی الآمر، ولو وہب منہ خمس مائة لم یکن لہ أن یرجع علی الآمر إلا بخمس مائة الأخری لأن الأول حط والثانی ہبة'' (البحر الرائق ۱۵۵٫۷)۔

''والجعالة تختلف عن الإجارة:الأول صحة الجعالة علی عمل مجہول والثانی صحة الجعالة مع عامل غیر معین والثالث کون العامل لایستحق الجعل إلا بعد تمام العمل، الرابع: لایشترط فی الجعالة تلفظ العامل بالقبول، الخامس جہالة العوض فی الجعالة فی بعض الأحوال، السادس: یشترط فی الجعالة عدم التوقیت لمدة العمل، السابع: الجعالة عقد غیر لازم، الثامن: سقوط کل العوض بفسخ العامل تمام العمل المجاعل علیہ'' (الموسوعة الفقہیہ ۲۰۹٫۱۵-۲۱۰)۔

(ب): فروخت کرنے والے کا اپنے سے فروخت کرنے کی شرط لگانا:

بیچنے والا اگر خریدنے والے سے یہ شرط لگائے کہ اگر اس زمین کو بیچنا ہو تو مجھ سے بیچنا پڑے گا، کسی دوسرے سے بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا یہ مفسد بنے گی یا نہیں، اس کو سمجھنے سے پہلے اس چیز پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ شرط عاقدین یا ثالث کے لئے مفید ہے یا مضر اگرمفید ہوگی تو مفسد اور اگر مضر ہوگی تو مفسد نہیں، غورکرنے سےیہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط خریدنے والے کے حق میں مضر ہے، کیونکہ اس کا اختیار سلب ہورہا ہے جو مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور بائع یا اس کے وکیل کے لئے یہ مفید ہے یانہیں یہ چیز محل غور ہے؟ اگر بائع یا اس کا وکیل اس کی پوری قیمت جو رائج ہے ادا کرتا ہے تو پھر اس کےحق میں یہ مفید نہیں، لہذا اگر بائع یا اس کا وکیل خریدنے کی صورت میں پوری قیمت ادا کرنے کی شرط لگاتا ہے تو اس سے معاملے میں فساد نہیں آئے گا۔

''فیصح بشرط لایقتضیہ ولا نفع فیہ لأحد، وشمل مافیہ مضرۃ لأحدہما، قال فی النہر: کان ثوباً علی أن یخرقہ أو جاریۃ علی أن یطأہا أو داراً علی أن یہدمہا فعند محمد: البیع جائز والشرط باطل، وقال أبویوسف: البیع فاسد کذا فی الجوہرۃ ، ومثّل فی البحر لما فیہ مضرۃ بما إذا اشتری ثوباً علی أن لا یبیعہ ولا یہبہ، والبیع فی مثلہ جائز عندہما خلافاً لأبی یوسف'' (شامی۷؍۲۸۴)۔

نیز اگر یہ شرط مفید بھی ہو تو بھی مفسد نہیں، کیونکہ یہ شرط معلق ہے مبرم نہیں، بیچنا اس کی مرضی پر موقوف ہو، بہرحال نہیں، البتہ اگر اس سے فروخت کرنے کی صورت میں مروجہ قیمت نہ دی جائے تو پھر یہ ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے شرعاً جائز نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

**خلاصہ جواب:**

(۱) رشوت دے کر سرکاری زمین کا لے آوٹ منظور کروانا او راس کو فروخت کرنا اور علم کے ہوتے ہوئےاس کوخریدنا شرعاً جائز نہیں، البتہ اگر علم نہ ہو یا علم ہو لیکن اس زمین پرکالونی کی تمام سہولیات دےدی گئی ہوں تو ان کو اجازت کے درجہ میں مان کر خریدنا جائز ہوگا۔

(۲)جو وقف آباد ہو،مقصد وقف حاصل ہو اس وقف کا خریدنا بیچنا شرعاً جائز نہیں، اگر کسی غاصب نے ایسے وقف کو غصب کرلیا ہو تو کسی دوسرے کےلئے اس کا خریدنا بھی جائز نہیں، البتہ متولی کے لئےا گر غاصب سے اس کا معاوضہ حاصل کرنا ممکن ہو تو معاوضہ کا حاصل کرنا جائز ہے اور اگر وقف معطل ہوجائے یعنی اس وقف سے کوئی نفع نہ ہو خواہ دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے یا اس پر غیروں کے قبضہ کا شدید خطرہ ہو تو ایسے وقف کو خریدنا جائز ہے، کیونکہ وقف کے معطل ہوجانے کی

صورت میں وقفیت ختم ہوجاتی ہے۔

(۳) موروثی زمین جس میں اولاد مؤنث کو حصہ دیے جانے اور نہ دیےجانے کسی کا علم نہ ہو او رکسی کی طرف اس زمین پر دعوی اور مطالبہ بھی نہ ہو تو ایسی زمین کو خریدنا جائز ہے، البتہ اگر کوئی اس کا مستحق اپنے استحقاق کو ثابت کرکے دعوی کرے تو اس کا حصہ دینا پڑے گا، اور اپنے پیسے کے مطالبہ کا حق بائع سے ہوگا اور اگر موروثی زمین میں اولادمؤنث کا حصہ نہ دیا جانا معلوم ہو اوران کی طرف سے اس کا مطالبہ بھی باقی ہو تو پھر علم ہوتے ہوئے اس کا خریدنا جائز نہیں، اگر خریدے گا تو بغیر اس کو راضی کئے اس کے حصے میں تصرف حرام ہوگا، اس کا حصہ دینا بہرحال ضروری ہوگا۔

(۴) جس نے حرام آمدنی سےکوئی زمین بنائی ہو تو اس زمین کا خریدنا خلاف احتیاط تو ہے لیکن شرعاً جائز ہے۔

(۵) حکومت سے منظور شدہ نقشے میں تصرف کردینا، راستوں وغیرہ کو چھوٹا یاکم کردینا یا بعض سہولیات کو ختم کردینا حکومت سے کئے گئے معاہدے کی خلاف ورزی پرمبنی ہونے کی وجہ سے منع ہے۔ اور کالونی بن جانے کے بعد راستے، پارک، مسجد کے لئے متعین جگہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان چیزوں سے کالونی کے لوگوں کا حق متعلق ہے اور پلاٹ خریدنے میں ان سہولیات کا بھی دخل ہے، لہذا یہ اس کے حقوق او رمرافق کی قبیل سے ہیں ان کو بیچنا خریدنا شرعاً جائز نہیں۔

(۶) نقشے میں گارڈن کی جگہ پر مسجد بنادینے کی شرعاً اجازت ہے، البتہ گارڈن کو باقی رکھتے ہوئے دوسری مسجد کاانتظام کرنا یہ افضل اور بہتر ہوگا۔

(۷) کالونی سے متعلق حکومت کے پیچیدہ اور مشکل قوانین کو نظرانداز کرکے پلاٹ کی خریدوفروخت جائز ہے، البتہ اگر عزت آبرو وغیرہ کا خطرہ ہو تو احتراز لازم ہے۔

(۸) قانونی مجبوری کی وجہ سے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔

(۹) نقشے پر درج پلاٹ کو غیر متعین طو رپر خرید لینا جائزہے بشرطیکہ پلاٹ کی اس طرح سے تعیین ہوجائے کہ اس کی تعیین میں نزاع کااندیشہ باقی نہ رہے۔

(۱۰) زمین خریدنے والا خریدتےہی اس کا مالک ہوجائے گا اگرچہ اس پر قبضہ بیچنے والا ہی کا باقی رہے۔

(۱۱) (الف) خریدے ہوئے غیر متعین پلاٹ کو فروخت کردینا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ حصہ شائعہ کی بیع کےحکم میں ہے۔

(ب) بظاہر یہ خیار نقد کی شکل ہے، لہذا اس طرح سے خریدنا اور خریدنے کے بعد دوسرے سے فروخت کردینا بھی جائز ہے، نیز اس کو معاہدۂ معلقہ پر محمول کرکے معاملہ کو حد جواز مینلانے کی گنجائش ہے۔

(۱۲)دلال کے ذریعہ سےزمین فروخت کرنا اور اس کو خریدنا جائز ہے، خواہ اصل مالک کو معلوم ہویا معلوم نہ ہو بشرطیکہ دلال کو زمین فروخت کرنے کا مالک کی طرف سے اختیار حاصل ہو، زمین کی خریدوفروخت کے لئے رجسٹری کا ہونا لازم اور ضروری نہیں۔

(۱۳) جب معاملہ کے ساتھ زمین فروخت کردی گئی او راس کی قیمت وصول کرلی گئی تو ثبوت ملکیت سے کوئی چیز مانع نہیں اور جب ملکیت ثابت ہوگئی تو اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے خواہ صاحب زمین سے فروخت کرے یا کسی اورسے۔

(۱۴) زمین کے مالک کا کسی قسط کے مؤخر ہونے کی صورت میں معاملہ کو یک طرفہ طور پر ختم کردینا شرعاً جائز نہیں، یہ طریقہ ظلم وغصب پر مبنی ہے، البتہ اگر معاملے میں کسی قسط کی عدم ادائیگی پر معاملہ کو ختم کرنے کی شرط ہو تو گنجائش ہے۔

(۱۵) (الف) مالک کی طرف سے متعینہ قیمت سے زائد قیمت میں فروخت کرکے زائد کو خود رکھ لینا اور مالک کی طرف سے متعینہ قیمت کو حوالہ کردینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ کذب، خداع وغیرہ سے معاملہ بالکل صاف وپاک ہو۔

(ب) زمین کو اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ اگر فروخت کرنا ہوگا تو بیچنے والے ہی سے فروخت کرنا پڑے گا او راس وقت کی جو قیمت ہوگی وہ دی جائے گی تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، البتہ اگر شرط میں یہ بھی داخل ہو کہ اس کو خود اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں بیچنا بہرحال لازم ہوگا، تو یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف او ربائع کے لئے نفع بخش ہونے کی وجہ سے معاملے کے لئے مفسد ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

# زمین کی بیع وشراء سے متعلق چند غور طلب مسائل

مولانا ریاست علی قاسمی رامپوری•

الحمد للّٰہ علی إحسانہ، أما بعد۔ شریعت اسلامیہ کا ماخذ قرآن وحدیث اور اجماع امت ہے، قرآن وحدیث میں دوقسم کے حقوق ''حقوق اللہ ، حقوق العباد '' کی تعلیم دی گئی ہے اور حقوق العباد کے دائرہ میں بیع وشراء، شفعہ، کفالہ، حوالہ، وقف، ہبہ، عاریت، ودیعت، رہن، اجارہ، مضاربت، وکالت وغیرہ بے شمار ابواب آتے ہیں جن میں بیع وشراء اور خریدوفروخت کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے کہ اس کا وقوع کثرت سے ہے، اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع وشراء کو بہت زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، پیش نظر تحریر میں اسلامی فقہ اکیڈمی کی جانب سے آئے ہوئے ایک سوالنامہ کی روشنی میں خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل کی تنقیح اور ان سے متعلق حکم شرعی کی وضاحت پیش کرنا مقصود ہے۔

**سیاسی لیڈران اوردبنگ عناصر کے سرکاری اراضی کو قبضہ کرکے فروخت کرنے کاحکم:**

سیاسی لیڈران، دبنگ عناصر، لینڈ مافیا افراد کا سرکاری اراضی پر قبضہ کرنا اور پھر اس کو فروخت کرنا یا سرکاری اراضی پر قبضہ کرنا اور پھر اس کو فروخت کرنا یا سرکاری عہدیداران اور افسران کو رشوت دے کر لے آوٹ منظور کرالینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لئے کہ یہ زمین سرکاری ملکیت ہے، سرکارکے قبضہ میں ہے اور غیر کی مملوکہ چیز پر قبضہ کرنا غصب ہے اور شئی مغصوب کو فروخت کرنا ناجائز اور حرام ہے، خریداران اس زمین کو خرید کر مالک نہیں قرار دیئےجائینگے، بلکہ خریدار ان کے ذمہ اگر علم ہو تو ان اراضی کو واپس کرنا ضروری ہوگا، دوسرے لوگوں کے ہاتھ اس کوفروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

''عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ ﷺ : من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع أرضین'' (متفق علیہ، مشکوۃ۱/۲۵۴)۔

''عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ألا لا تظلموا ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ'' (رواہ البیہقی، مشکوۃ ۱/۲۵۵)۔

''عن سالم عن أبیہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من أخذ من الأرض شیئاً بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ إلی سبع أرضین'' (رواہ البخاری ۱/۲۵۶)۔

---

• مفتی واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، یوپی۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار: ‘‘وبیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم وما لہ خطر العدم، لأنہ علیہ السلام نہی عن بیع ما لیس عند الإنسان’’ (۲۴۶،۷ زکریا)۔

وفی رد المحتار: ‘‘ شرط المعقود علیہ أن یکون موجوداً مالاً متقوماً مملوکاً فی نفسہ وأن یکون ملک البائع فیما یبیعہ لنفسہ وأن یکون مقدور التسلیم’’ (۲۴۶،۷ زکریا)۔

‘‘لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغر إذنہ’’ (قواعد الفقہ،۱۱۰)۔

**ارض مغصوبہ کو خرید کر فروخت کرنے کاحکم:**

اگر کوئی شخص عدم جواز کےباوجود اراضی مغصوبہ کو خرید لے تو دیکھا جائے گا کہ مشتری کو اس اراضی کے مغصوبہ ہونے کا علم ہے یا نہیں، اگر مشتری کو اس اراضی کےمغصوبہ ہونے کا علم نہیں ہے تو وہ خریدار شخص گنہگار نہ ہوگا، اور خریدی ہوئی زمین کا مالک ہوجائے گا اور اس کا دوسرے شخص کو فروخت کرنا اور دوسرے شخص کا اس زمین کو خریدنا بھی جائز ہوگا، لیکن اگر مشتری کو اس کا یقین یا ظن غالب ہے کہ فروخت ہونے والی زمین چوری یا غصب شدہ ہےتو مشتری کے لئے نہ اس کا خریدنا جائز ہے اور نہ خرید کر دوسرے کو فروخت کرنا ہی جائز ہے، ایسی صورت میں اگر ممکن ہو تو اصل مالک تک واپس کرنا ضروری ہے، ورنہ فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر غلط فہمی میں زمین خرید لی ہے تو صورت حال واضح ہونے کے بعد اس زمین کو اصل مالک تک واپس لوٹا دے اور اپنی ادا کردہ ثمن کو واپس لے لے۔

وفی رد المحتار: ‘‘والحاصل أنہ إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیہم وإلا فإن علم عین الحرام لایحل لہ’’ (۳۰۱،۷ زکریا)۔

‘‘ویجب رد عین المغصوب لقولہ علیہ السلام علی الید ما أخذت حتی ترد ولقولہ علیہ السلام:لا یحل لأحدکم أن یأخذ مال أخیہ لاعباً ولا جاداً وإن أخذہ فلیردہ علیہ وظاہرہ أن رد العین ہو الواجب الأصلی’’ (۲۶۶،۷ زکریا)۔

وفی الہدایۃ: ‘‘ وعلی الغاصب رد العین المغصوبۃ معناہ ما دام قائماً’’ (۳۵۷،۳)۔

**وقف کی تعریف اور اس کی خریدوفروخت کا حکم:**

اصطلاح فقہ میں وقف نام ہے کہ چیز کو اپنی ملکیت سے نکال کر رب العالمین کی ملکیت میں دیدینا اور اس کی منفعت کو رب ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی کی خاطر دائمی طور سے کار خیر کےلئے خاص کردینا، اس کے بعد شئی موقوفہ میں کسی بھی شخص کو کسی بھی طرح کا مالکانہ تصرف بیع وشراء، ہبہ، عاریت وغیرہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اس لئے وہ شئی موقوفہ واقف کی ملکیت سے خارج ہوگئی اور دوسرے کسی شخص کی ملکیت ثابت نہیں ہے۔

وفی الہدایۃ: ‘‘وإذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ’’ (۶۴۰،۲)۔

وفی الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ‘‘فإذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرہن’’۔

وفی فتح القدیر: ‘‘وإذا صح الوقف خرج عن ملک الواقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ ہو بإجماع الفقہاء، وأما امتناع التملیک فلما بینا من قولہ علیہ السلام تصدق بأصلہا لا یباع ولایورث ولا یوہب ومن المعنی وہو أن الحاجۃ ماسۃ إلی آخرہ ولأنہ باللزوم خرج عن ملک الواقف وبلا ملک لا یتمکن من البیع’’ (۲۰۴،۶، اشرفیہ دیوبند)۔

**مدرسہ یا مسجد کی موقوفہ زمین اگر ناقابل انتفاع ہوجائے:**

اگر کسی وجہ سے مسجد یا مدرسہ کی وقف شدہ زمین کلی طور پر ناقابل انتفاع ہوجائے اور مقاصد وقف میں اس کا استعمال ناممکن یا دشوار ہوجائے یا اس وقف شدہ زمین سے منفعت کم ہو اور ا س کے بدلہ میں دوسری زمین زیادہ منفعت والی حاصل ہورہی ہو تو اس زمین کو فروخت کرکے دوسری زمین خرید لی جائے یا اس موقوفہ زمین کی قیمت کو مسجد یا مدرسہ کےدیگر تعمیراتی امور میں صرف کردیا جائے تو شرعاً یہ عمل درست ہے، نیز اگر واقف نے وقف کرتے وقت اس زمین کو دوسرے زمین سے تبادلہ کرنے یا اس موقوفہ زمین کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو مسجد یا مدرسہ کےدوسرے امور میں صرف کرنے کی اجازت دیدی ہو تو اس صورت میں بھی موقوفہ زمین کو فروخت کرنا او راس کی ثمن کوحسب شرائط واقف صرف کرنا درست ہوگا۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار:‘‘اعلم أن الاستبدال علی ثلاثۃ وجوہ: الأول أن یشترطہ الواقف لنفسہ أو لغیرہ أو لنفسہ وغیرہ فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً، والثانی أن لا یشرطہ سواء شرط عدمہ أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بأن لا یحصل منہ شئی أصلاً أو لا یفی بمؤنتہ فہو أیضا جائز علی الأصح’’ (۵۸۳،۶، ۵۸۴ زکریا)۔

**موروثی زمین کو تقسیم سے پہلے خریدنے کا حکم:**

اگر وہ ورثہ جن کو حق وراثت نہیں دیا گیا ہے اس زمین کی خرید وفروخت کےوقت موجود ہوں اور اس وقت وہ صراحۃً بیع وشراء کی اجازت دیدیں یا خاموش رہیں تو ان کی خاموشی کو دلیل اجازت قرار دیا جائے گا اور ایسی موروثی زمین کی خریدوفروخت شرعاً درست ہوگی اور اگر ورثہ اپنے حق شرعی کا مطالبہ کریں تو ایسی موروثی زمین کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

وفی الہدایۃ: ‘‘وکل ما جاز بإجازۃ الوارث یتملکہ المجاز لہ’’ (۶۳۹،۴ کتاب الوصایا)۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار: ‘‘لا یجوز التصرف فی مال غیرہ بلاإذنہ ولاولایتہ’’ (۲۹۱،۹ کتاب الغصب)۔

‘‘بخلاف الأجنبی فإن سکوتہ ولو جارا لا یکون رضا إلا إذا سکت الجار وقت البیع والتسلیم وتصرف المشتری منہ زرعاً وبناء فحینئذ لا تسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوی قطعا للأطماع الفاسدۃ’’ (الدر المختار علی رد المحتار ۴۶۹،۱۰-۴۵۰ زکریا)۔

**حرام مال سے خرید کردہ زمین کا حکم:**

اگر کسی شخص کےپاس حرام مال اورحرام آمدنی تھی، بعد میں اس شخص نے اس حرام آمدنی سے کچھ زمین خرید لی تو اگرچہ یہ زمین حرام ذریعہ آمدنی سےخریدی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود وسرے لوگوں کےلئے اس مالک زمین سےخریدنا شرعاً درست ہے، البتہ جو مال حرام اس نے زمین کی خریداری پر لگایا ہے اس کو اصل مالک اور صاحب حق تک پہنچانا شرعاً ضروری ہے، لیکن اگر صاحب حق تک پہنچانا متعذر ہے تو مال حرام کی مقدار کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

وفی رد المحتار: ‘‘ویردونہا علی أربابہا إن عرفوہم وإلا تصدقوا بہا لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ’’ (۵۵۳،۹ زکریا)۔

**منظور شدہ لےآوٹ کی خلاف ورزی کا حکم:**

اگرکوئی مالک زمین شخص حکومت سےایک کالونی کا نقشہ منظور کرائے پھر اسی نقشہ کے مطابق عوام میں تشہیر کرے کہ ہم کالونی میں رہنےوالوں کو اتنی چوڑی سڑک دینگےجس کو لے آوٹ کہتےہیں اورایسا پلے گراؤنڈ دینگے، اتنے فاصلہ پر مسجد دینگے، ہسپتال اور اسکول دینگے، پھر ان اعلانات اور سہولتوں پراعتماد کرتے ہوئے لوگوں نے پلاٹ خریدے، لیکن بعد میں مالک زمین کی نیت میں خرابی آگئی، اس نے منظور شدہ نقشہ کےمطابق راستوں کی چوڑائی بھی کم کردی، سوئمنگ پول، پلے گراؤنڈ، مسجد، اسکول اور ہسپتال کو بھی نقشہ سے ہٹا دیا تو اس کا یہ عمل سرکاری معاہدہ کے خلاف ورزی بھی ہے، اور خریدار ان کے ساتھ صریح دھوکہ دھڑی اور غداری بھی ہے، جس کی شریعت مطہرہ میں قطعاً گنجائش نہیں ہے ، ارشاد نبوی ہے: ‘‘من غش فلیس منا’’ (ترمذی ۲۴۵،۱)۔

‘‘عن أبی بکر الصدیق قال قال رسول اللہ ﷺ ملعون من ضار مؤمناً أو مکر بہ’’ (ترمذی ۱۵،۲)۔

**معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے زمینوں کو فروخت کرنے کاحکم:**

منظور شدہ لے آوٹ کی خلاف ورزی، نقشہ میں تبدیلی اور عوام الناس کے ساتھ واضح غداری اور دھوکہ دھڑی کے باوجود اگر اس زمین کےمالکان اپنی زمین کو فروخت کردیں تو یہ خرید وفروخت کا عمل شرعاً درست ہے، کیونکہ مالک اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے، لہذا اس مالک زمین کا زمین کو فروخت کرنا اور دوسرے لوگوں کا اس سےخریدنا بھی درست ہوگا، اگرچہ معاہدہ کی خلاف ورزی اور دھوکہ دھڑی کا گناہ اس کے ذمہ عائد ہوگا۔

وفی رد المحتار: ‘‘وشرط المعقود علیہ ستۃ: کونہ موجوداً ما لاً متقوماً مملوکاً فی نفسہ وکون الملک للبائع فیما یبیعہ لنفسہ’’ (۱۵،۷ زکریا)۔

**گارڈن کی جگہ پر مسجد بنانا:**

اگر کالونی کے نقشہ مسجد کو حکومت آسانی سے منظور کرلیتی ہے او راس میں کوئی دقت اور دشواری نہیں ہے تو مالک کا گارڈن کے نام منظور شدہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست نہیں ہے ، بلکہ یہ معاہدہ شکنی ہوگی اور قانون کی خلاف ورزی قرا ردی جائے گی اور معاہدہ شکنی او رقانونی مخالفت سے بچنا چاہئے اور اس معاہدہ شکنی کی وجہ سے وہ قانون کی زد میں کسی بھی وقت آسکتا ہے اور اس کی گرفت ہوسکتی ہے، اگرچہ مسجد بنانا شرعاً درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور کی جائے گی، کیونکہ یہ مالک کا اپنی ملکیت میں تصرف ہے جس میں وہ مختار ہے اور اگر کالونی کے نقشہ پر مسجد کے نام سے حکومت کی طرف سے منظوری نہ ملتی ہو، بلکہ وہ کالونی کا نقشہ ہی رد ہوجاتا ہو اورپلاٹ خریدنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مسجد کےنام پر منظوری حاصل نہیں ہوسکتی کسی اور نام سے زمین خالی رکھی جائے گی اور اسی جگہ پر مسجد تعمیر ہوگی تو ایسی صورت میں گارڈن کے نام سے خالی شدہ زمین یا اس کے کسی حصہ پر مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہوگی۔

''المالک ہو المتصرف فی الأعیان المملوکۃ کیف شاء'' (بیضاوی،۷)۔

وفی الدرالمختار علی رد المحتار:''ولا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ إلا إذا کان الضرر بجارہ ضرراً بینا فیمنع من ذلک وعلیہ الفتوی واختارہ فی العمادیۃ'' (۸،۱۵۲ زکریا)۔

وفی رد المحتار:''القیاس فی جنس ہذہ المسائل أن من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع ولو أضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیرہ ضرراً بیناً وقیل بالمنع وبہ أخذ کثیر من مشائخنا وعلیہ الفتوی'' (۸،۱۵۳ زکریا)۔

**قانونی مراحل کی تکمیل کے بغیر رشوت دے کر پلاٹنگ شروع کرنا:**

ہر مسلمان بلکہ ہرملکی باشندہ کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ تمام مراحل قانونی اعتبا رسے انجام پذیر ہوں، کیونکہ ملک کا شہری ہونے کے ناطے تمام ہی ملکی قوانین کا پاس ولحاظ ہماری ذمہ داری ہے اور عافیت اور تحفظ بھی اسی میں ہے کہ ہمارے تمام ہی منصوبے اور پروجیکٹ اصول وقوانین کے دائرہ میں پروان چڑھیں، ورنہ کسی بھی وقت حد درجہ دشواری پیش آسکتی ہے؛ لیکن اگر تمام مراحل کی تکمیل قانونی طور سے دشوار اور ناممکن ہو اور سرکاری اداروں کے مسلمانوں کے ساتھ تعصب کی بنیاد پر باضابطہ کالونی کی منظوری دشوار ہو تو باضابطہ منظور کرائے بغیر پولیس اور متعلقہ محکمہ کے افسران کو رشوت دے کر کالونی بنانے کا عمل شروع کرنا اور زمین کی پلاٹنگ کرنا شرعاً درست ہوگا، کیونکہ اپنے جائز حق کو حاصل کرنا اگر بغیر رشوت دیئے ممکن نہ ہو تو فقہاء کرام نے رشوت دے کر اس حق کو حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، نیز ہمارے ملکی باشندہ ہونے کے لحاظ سے جائز حقوق کا حاصل نہ ہونا ہمارے ساتھ

ظلم اور ناانصافی ہے اور رفع ظلم کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے۔

وفی الہدایۃ: ‘‘ودفع الرشوۃ لدفع الظلم أمر جائز’’ (۲۲۹،۳ کتاب الصلح)۔

وفی رد المحتار: ‘‘دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع’’ (۶۰۷،۹ زکریا)۔

‘‘ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع حرام علی الآخذ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولایجوز أخذ المال لیفعل الواجب’’ (۳۵،۸ زکریا)۔

**مجبوری اور اضطرار کی حالت میں سرکاری بینک سے سودی قرض لینا:**

بینک سے سودی لین دین کرنا اور سودی معاملات طے کرنا ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر اضطراری حالات ہوں اور انتہائی درجہ کی مجبوری ہو، مثلاً اگر وائٹ منی دے کر زمین خریدے گا تو حکومت کی نگاہ میں وہ شخص آجائے گا اورحکومت اس سے محاسبہ اور پوچھ گچھ کرے گی او رپھر اس رقم پر اس شخص کو ٹیکس بھی دینا پڑے گا جو ناقابل برداشت ہوگا اور سرکاری بینک سے اگر سودی قرض نہ لے تو مسلمان کا اس کاروبار میں رہنا دشوار ہوجائے گا، اس لئے اس طرح کی سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جتنی مقدار سے ضرورت پوری ہوجائے اس مقدار میں سودی قرض لینا شرعاً درست ہوگا، اس سے زیادہ مقدار میں لینا درست نہ ہوگا۔

‘‘یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح’’ (الاشباہ والنظائر القاعدۃ الخامسۃ)۔

پلاٹ نمبر کی تعیین کے ساتھ مبیع کا تعین اور اس کی بیع وشراء کا حکم:

اگر کسی قطعۂ زمین سے متعلق کالونی کا مجوزہ نقشہ موجود ہو اور اس میں پلاٹ کے نمبرات متعین ہوں اور پلاٹ نمبر کی تعیین کےساتھ کسی شخص کے ہاتھ اس کو فروخت کیاجائے، تو اگرچہ زمین پر پلاٹ موجود نہ ہوں اور کالونی بسانے والوں کے لئے اس میں تبدیلی کی بھی گنجائش ہو اور کاغذی نقشہ کے خلاف اس پلاٹ کو کسی دوسری جگہ ڈالنے کا بھی امکان ہو، پھر اس کو فروخت کرنا درست ہے، اس لئے کہ بائع نے زمین کے ایک حصہ کی رجسٹری کراکر مشتری کو کاغذی نقشہ پر اس کا مالک بنادیا اور زمین وجائیداد سرکاری رجسٹری کرکے اس کے کاغذات پر قبضہ دیدینا زمین پر قبضہ دینے کے مانند ہے، اس لئے صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور خریدوفروخت کا یہ عمل درست ہوگا۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار:‘‘ثم التسلیم یکون بالتخلیۃ علی وجہ یتمکن من القبض بلا مانع ولا حائل’’ (۹۴،۷ زکریا)۔

وفی البدائع:‘‘وأما تفسیر التسلیم والقبض فالتسلیم والقبض عندنا ہو التخلیۃ والتخلی وہو أن یغلی البائع بین المبیع وبین المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ وکذا تسلیم الثمن من المشتری إلی البائع’’ (۴۹۸،۴ زکریا)۔

**فروخت شدہ زمین پر بائع کا کاشت کرنا:**

اگر فروخت شدہ قطعۂ اراضی اور پلاٹ پر بائع کاشت کرے تب بھی مشتری سرکاری رجسٹری ہونے کے بعد اس کا مالک تصور کیا جائے گا، کیونکہ ایجاب وقبول کے بعد بیع مکمل ہوگئی اور وہ مشتری ہر وقت اس پر قبضہ کرنے پر قادر ہے اور بائع کا کاشت کرنا اگر مشتری کی صراحت اجازت سے ہے یا مشتری کاشت کا علم ہونے کےباوجود خاموش ہے اور اس کی دلالۃ اجازت موجود ہے تو ایسی صوت میں بائع کے لئے اس قطعہ ٔ اراضی پر کاشت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر مشتری بائع کو کاشت کرنے سے منع کرے یا اس کی اجرت متعین کرے تو مشتری کےلئے ایسا کرنا درست ہے، کیونکہ مشتری اس قطعۂ زمین کا کلی طور سے مالک ہوچکا ہے۔

وفی الہدایۃ:''وإذاحصل الإیجاب والقبول لزم البیع و لا خیار لواحد منہما إلا من عیب أو عدم رؤیۃ'' (۴،۳)۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار: ''وإذا وجد لزم البیع بلا خیار إلا لعیب أو رؤیۃ'' (۴۷،۷ زکریا)۔

''صح بیع عقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ لعدم الغرر لندرۃ ہلاک العقار'' (ایضاً ۳۶۹،۷زکریا)۔

وفی الہدایۃ: ''ویجوز بیع العقار قبل القبض'' (۵۸،۳)۔

**خریدار شخص کا خرید شدہ پلاٹ کو صرف نقشہ کی بنیاد پر دوسرے کو فروخت کرنا:**

پلاٹ خریدنے والے صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر رجسٹری کے ذریعہ پلاٹ کا مالک ہوجاتا ہے، اب اس خریدار شخص کےلئے اس پلاٹ اور قطعۂ زمین کو دوسرے شخص کو فروخت کرنا درست ہے، خواہ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں ہو یا زمین کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو اور کالونی بنانے والے شخص مالک زمین کی اجازت سے پلاٹ فروخت کئے ہوں، دونوں صورتوں میں پلاٹ خرید کر دوسرے شخص کو فروخت کرنا درست ہے، کیونکہ اصل مالک کی رضامندی پائی گئی۔

وفی البدائع: ''أما تفسیر التسلیم والقبض فالتسلیم والقبض عندنا ہو التخلیۃ والتخلی وہو أن یخلی البائع بین المبیع وبین المشتری برفع حائل بینہما علی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتری قابضاً لہ'' (۴۹۸،۴ زکریا)۔

دلال کے واسطہ سے زمین اور پلاٹ کی خریدوفروخت کی صورتیں:

زمینوں کی خریدوفروخت میں ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ کالونی بنانے والا کچھ دلالوں سے گفتگو کرتا ہے کہ ہماری زمین بکوائے، یہ دلال مارکیٹ میں خریدار اور گراہک تیار کرتےہیں کہ آپ ہم سے زمین خریدیئے او رجب اس کی قیمتیں بڑھ جائینگی تو فروخت کردینا، زمین خریدنے والوں کو زمین مقصود نہیں ہوتی، بلکہ صرف نفع کا حصول

مقصود ہوتا ہے، وہ خریدار شخص اصل مالک زمین کو جانتا بھی نہیں ہے، نہ رجسٹری ہوتی ہے، نہ کوئی کاغذی تحریر ہوتی ہے، بلکہ صرف دلال اور خریدار کے درمیان زبانی سودا ہوتا ہے اور دلال اس زمین کا ایک قطعہ اور پلاٹ اس شخص کو رقم وصول کرکے فروخت کردیتا ہے، اب اگر یہ شخص اپنے پلاٹ کو فروخت کرنا چاہے تو اس دلال کے ذریعہ فروخت کرے گا اور وہ دوسرا خریدار بھی تیسرے شخص کو اسی دلال کے ذریعہ فروخت کرے گا اور اس طرح سلسلہ چلتا رہے گا اور دلال ہر مرتبہ میں اپنی دلالی وصول کرے گا، تو اس صورت کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ دلال اصل مالک کی جانب سے مجاز اور اجازت یافتہ ہے، لہذا اس کا ہر عمل مالک کی اجازت ہی سے مانا جائے گا، موجودہ دور اس طرح کا کاروبار عام ہے، اور چونکہ اس طرح کے معاملات میں تحریر کا سہارا نہیں لیا جاتا ہے اور محض زبانی ایجاب وقبول پر اکتفا ہوتا ہے او رکاغذی اعتبار سے زمین اصل مالک کے نام ہوتی ہے، اس لئے مشتری اگر اس زمین کو اپنے نام رجسٹری کرانا چاہے تو اس کو اختیار ہے، لیکن اگر اسی حالت میں فروخت کرنا چاہے، تو دلال سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اگر اگلا خریدار اس زمین کو اپنے نام کرانا چاہے تو ظاہر ہے کہ مشتری اول اس میں اس کی مدد نہیں کرے گا، کیونکہ زمین اس کے نام نہیں ہے، لامحالہ دلال کا سہارا لینا پڑے گا، کیونکہ اصل مالک کا نمائندہ وہی ہے، اور اس کا مالک سے رابطہ ہے، بہرحال اس طرح معاملات شرعاً درست ہیں۔

وفی رد المحتار:''وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل ، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال أرجو أنہ لا بأس بہ'' (۹؍۸۷ زکریا)۔

وفی الدر المختار علی ہامش ر دالمحتار: ''وأما الدلال فإن باع العین بنفسہ بإذن ربہا فأجرتہ علی البائع وإن سعی بینہما وباع المالک بنفسہ یعتبر العرف''۔

وفی رد المحتار:''قولہ یعتبر العرف فتجب الدلالۃ علی البائع أو المشتری أو علیہما بحسب العرف'' (۷؍۹۳ زکریا)۔

**خریدار شخص کا اپنے پلاٹ کو فروخت کرنے کے لئے کالونی بنانے والوں سے رابطہ کرنا:**

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کالونی بنانے والے پلاٹ فروخت کرکے قسطوں پر رقم وصول کرلیتے ہیں، اب خریدار اپنےپلاٹ کو فروخت کرنا چاہے ، تو کالونی والوں ہی سے رابطہ کرتے ہیں، اگر کوئی خریدار علیحدہ سے لاتا ہے توبھی کالونی بنانے والوں سے ہی ملانا ہوتا ہے، خود کالونی بنانے دوسرے گراہک کا آنا پسند نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ خود ہی اس کو خرید لیتے ہیں، تو اس صورت میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب ایجاب وقبول ہوگیا اور رقم وصول ہوگئی او رمبیع مشتری کے حوالہ ہوگئی تو اب بیع کے مکمل ہونے مینکوئی شبہ باقی نہیں رہا، تو اب مشتری کے لئے اس پلاٹ کو کسی بھی شخص کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہے، کالونی والوں کا مشتری پر یہ دباؤ بنانا کہ پلاٹ کے خریدار ہم ہی

رہینگے اور ہمارے ہاتھ ہی پلاٹ فروخت کرنا ہوگا درست نہیں ہے، بلکہ اگر یہ مشتری سے شرط کے درجہ میں ہے تو یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے، اس کا اعتبار نہ ہوگا؛ لیکن اگر مشتری سے بائع کی جانب سے کوئی دباؤ اور شرط نہ ہو، بلکہ بیع کے بلاشرط مکمل ہونے کے بعد کالونی والوں کی جانب سے مشتری کے پاس یہ بات آئی ہو کہ اگر فروخت کرنا ہو تو ہم سے رابطہ کرلیا جائے اور مشتری اس کا وعدہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وفی البحر الرائق: ''وإن ذکر البیع بلاشرط ثم شرطاہ علی وجہ المواعدۃ جاز البیع'' (۸،۶)۔

**پلاٹ قسطوں پر خریدنے کے بعد قسطوں کاٹوٹ جانا:**

کسی شخص نے پلاٹ خریدا اور خریدار نے آٹھ دس قسطیں اس پلاٹ کی قیمت کی ادا کردیں، باقی قسطیں ادا کرنے سےعاجز ہوگیا اور اس کی گنجائش باقی نہ رہی تو اب سودا مکمل ہونے کے باوجود صرف بعض قسطوں کے ادا نہ ہونے کی وجہ سے کالونی والوں نے سودا کینسل کردیا، اب اگر بعد میں وہ خریدار قسطیں ادا کرنا چاہے،یا اپنی زمین کا مطالبہ کرے تو مالک بجائے قسطیں وصول کرنے اور خریدار کو زمین حوالہ کرنے کے صرف وصول شدہ قسطوں کی رقم واپس کرتا ہے، تو اس کا اس طرح معاملہ کو فسخ کرنا شرعاً درست ہے، کیونکہ یہ اقالہ کی ایک صورت ہے اور اقالہ کی شریعت نے اجازت دی ہے، اس صورت میں بائع نے مشتری کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اس کی رضامندی سے کیا ہے، اس لئے اس صورت کے جواز میں کوئی تردد نہ ہونا چاہئے۔

وفی الہدایۃ:''الإقالۃ جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الأول لقولہ علیہ السلام:''من أقال نادماً بیعتہ أقال اللہ عثراتہ یوم القیامۃ'' لأن العقد حقہما فیملکان رفعہ دفعاً لحاجتہما'' (۵۲،۳)۔

**دلال کا زمین کو مشتری کے ہاتھ اپنی من مانی قیمت پر فروخت کرنا:**

اگر دلال گراہک اور خریدار کو مالک زمین کے پاس لاکر سودا کرادے اور اپنی دلالی وصول کرے تو اس صورت کے جواز میں تو کوئی تردد ہی نہیں ہے، لیکن اگر دلال کالونی بسانےو الے یا مالک زمین سے زمین کے ریٹ معلوم کرے، پھر خریدا رکو اپنی من مانی قیمت پر فروخت کرے، اس کے بعد زمین والے کو اس کے بتلائے ہوئے ریٹ کے مطابق قیمت ادا کردے اور باقی قیمت کو اپنے پاس رکھ لے تو دلال کے لئے ایسا کرنا بھی درست ہے، اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ دلال نے بائع سے یہ زمین مثلاً ایک لاکھ میں خریدی ہے او رپھر مشتری کو ایک لاکھ دس ہزار میں فروخت کردی، لہذا اس صورت میں یہ شخص دلال نہیں ہوگا، بلکہ تاجر کہلائے گا، اوریہ معاملہ شرعاً درست ہوگا۔

''وفی العنایۃ فی الإیضاح والمحیط أنہ باعہ مرابحۃ فإن کان ما اشتراہ بہ لہ مثل جاز سواء جعل الربح من جنس رأس المال الدراہم من الدراہم أو من غیر الدراہم من الدنانیر أو علی العکس إذا کان معلوماً یجوز بہ الشراء لأن الکل ثمن '' (عنایہ مع فتح القدیر ۴۵۶،۶ زکریا)۔

**دلال کمپنیوں کا زمین فروخت کرکے قبضہ نہ دینا:**

اگر دلال کمپنیاں زمین فروخت کرکے خریدار ان کو زمین پر قبضہ نہیں دیتی ہیں، بلکہ خریدار ان سے یہ کہہ دیتی ہیں کہ جب آپ کا زمین فروخت کرنے کا ارادہ ہو تو آپ یہ زمین ہم کو واپس کرینگے، کسی دوسرے کو فروخت نہ کروگے، تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ بیع بالشرط میں داخل ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں مبیع کو واپس کرنے کی شرط لگائی ہے اور یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے، اس لئے یہ بیع درست نہ ہوگی، جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دلال کمپنی خریدا رسے بیع تو بلاشرط کرے پھر بعد میں علاحدہ سے زمین کو واپس کرنے کا معاہدہ کرلیں تو شرعاً یہ بیع درست ہوگی۔

وفی الہدایہ: ‘‘وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیہ وہو من أہل الاستحقاق یفسدہ’’ (۴۳،۳)۔

وفی الدر المختار علی رد المحتار:‘‘الأصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لأحدہما أو فیہ نفع لمبیع ہومن أہل الاستحقاق للنفع’’ (۲۸۲،۷ زکریا) ، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

# موجودہ دور میں زمین کی خریدوفروخت سے متعلق اہم مسائل

مفتی محمد عفان منصورپوری•

جواب (۱): سیاسی لیڈران اور لینڈ مافیا کا سرکاری زمینوں پر قبضہ کرکے فروخت کرنا یا سرکاری عہدہ داروں کو رشوت دے کر لے آؤٹ منظور کرا لینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ زمین سرکار کے قبضہ اور اس کی ملکیت میں ہے اور غیر کی مملوکہ چیز پر قبضہ غصب ہے اور شئی معضوب کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حرةالرقاشی عن عمہ قال:قال رسول اللہ ﷺ ''ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفسہ'' (مرقاۃ المفاتیح مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۶؍۱۳۵)۔

''لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنہ '' (قواعدالفقہ ۱۱۰)۔

''و منہا أن یکون مملوکا؛ لأن البیع تملیک فلا ینعقد فیما لیس بمملوک '' (بدائع الصنائع زکریا ۴؍۳۳۹)۔

''ومنہا: ہو شرط انعقاد البیع للبائع أن یکون مملوکاً للبائع عندالبیع؛ فإن لم یکن لاینعقد، وإن ملکہ بعد ذالک بوجہ من الوجوہ إلا السلم خاصۃ، و ہذا بیع مالیس عندہ'' (بدائع الصنائع زکریا ۴؍۳۴۰)۔

عدم جواز کے باوجود اگر اراضی مغصوبہ کو فروخت کیا گیا تو دیکھا جائے گا کہ مشتری کو اس شئی کے مغصوب ہونے کا علم ہے یا نہیں؟ اگر علم نہیں ہے تب تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا اور خریدی ہوئی چیز کا مالک بن جائے گا اور اس سے دوسرے کا خریدنا بھی جائز ہوگا؛ لیکن مشتری کو اگر اس بات کا یقین یا ظن غالب ہے کہ بیچی جانے والی چیز مسروقہ یا مغصوبہ ہے تو نااس کا خریدنا جائز ہے اور نہ ہی خریدکر دوسرے کو فروخت کرنا جائز ہوگا، ایسی صورت میں اگر ممکن ہو تو مال کا اصل مالک کی طرف لوٹانا ضروری ہے، ورنہ صدقہ کرنا لازم ہوگا، اگر کسی شخص نے غلط فہمی میں مال خرید لیا تو حقیقت واضح ہونے کے بعد وہ مال اصل مالک کو لو ٹا دے اور ادا کردہ قیمت بائع سے واپس لے۔

''قال فی ردالمحتار لوظہر غیر حلال أی مسروقا أومغصوبا یرجع علیہ المشتری'' (ردالمحتار ۵؍۴۲سعید)۔

بدائع میں ہے:

---

• استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ۔

‘‘ولو باع السارق المسروق من إنسان أو ملک منہ بوجہ من الوجوہ فإن کان قائما فلصاحبہ أن یأخذہ لأنہ عین ملکہ و للماخوذ منہ أن یرجع علی السارق’’ (بدائع ۸۵،۷)۔

جواب (۲): وقف کہتے ہیں کسی چیز کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ کی ملک میں دے دینا اور اس کی منفعت کو رضاء الٰہی کی خاطر دائمی طور پر کارخیر کے لیے مخصوص کر دینا، جو چیز وقف کر دی گئی اس میں کسی کو مالکانہ تصرف یعنی بیع، شراء،ہبہ عاریت وغیرہ میں سے کسی کی اجازت نہ ہوگی اور اگر کسی نے ایسا کیا تو باطل ہوگا، اس لیے کہ شئی موقوفہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی اور کسی دوسرے کی ملکیت بھی ہونا ثابت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

‘‘فإذا تم و لزم لایملک ولا یملک ولایعار ولا یرہن، و في الشامیۃ: قولہ لا یملک أی لایکون مملوکا لصحابہ ولا یملک أی لایقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ’’ (درمختار مع ردالمحتار ۳۵۲،۴)۔

قال في الہدایہ:و إذاصح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ: قال ابن الہمام لم یجز بیعہ ولا تملیکہ وہو بإجماع الفقہاء أما انتفاع التملیک فلما بینا من قولہ علیہ السلام:‘‘تصدق بأصلہا لا یباع ولایورث ولا یوہب’’(فتح القدیر مع الہدایۃ ۲۲۰،۶) ۔

ہاں! البتہ اگر مسجد یا مدرسے کے لیے وقف شدہ زمین بالکل ناقابل انتفاع ہوجائے اور مقصد وقف کو اس زمین سے کوئی نفع نہ پہنچ رہا ہو تو اس کو بیچ کر یا تو دوسری جگہ خرید لی جائے یا پھر اس زمین سے حاصل شدہ رقم کو مدرسے یامسجد کے دیگر کاموں میں صرف کر دیا جائے۔

‘‘والثانی أن لا یشترطہ، سواء شرط عدمہ أوسکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بأن لایحصل منہ شیئ أصلا أو لایفی بمؤنتہ فہوأ یضاجائز علی الأصح’’ (شامی زکریا ۵۸۳،۶)۔

جواب (۳): اگر وہ ورثاء جن کو حق وراثت نہیں دیا گیا ہے بوقت بیع و شراء موجود ہوں اور اس وقت یا تو وہ خاموش رہیں یا صراحتاً بیع کی اجازت دے دیں تو ایسی موروثی زمین کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیںہے، اس لیے کہ اگر وہ صراحتاً اجازت دے دیں تو پھر تو کوئی بات ہی نہیں ہے اور اگر وہ خاموش رہیں تو ان کی خاموشی کو ہبہ سکوتی بالقرائن کی دلیل قرار دے دیا جائے گا؛ لیکن اگر وہ ورثاء اپنے حق کا مطالبہ کریں تو پھر ایسی موروثی زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

‘‘الأجنبي سکوتہ ولو جاراً لا یکون رضاء إلا اذا سکت الجار وقت البیع والتسلیم و تصرف المشتری فیہ زرعاً و بناء اً فحینذ لا تسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی قطعا للأطماع الفاسدۃ’’ (شامی ۴۶۹،۱۰)۔

‘‘وکل ماجاز باجازۃ الوارث یتملکہ المجاز لہ’’ (ہدایہ کتاب الوصایا مکتبہ اشرفی دیوبند

۴۵۶،۴ بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ ۵۴۶،۲۵)۔

جواب(۴): اگر کسی شخص کے پاس حرام آمدنی تھی، بعد میں اس نے اس حرام آمدنی کے ذریعے کچھ زمین خریدلی تو اگرچہ یہ زمین حرام آمدنی کے ذریعے خریدی گئی ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کو فروخت کرنا اور حالات سے واقف لوگوں کے لیے اس کو خریدنا جائز ہے، البتہ جو مال حرام اس نے زمین کی خریداری میں لگایا ہے اس کو صاحب حق تک پہنچانا ضروری ہے؛ لیکن اگر صاحب حق تک پہنچانا متعذر ہوجائے تو پھر اس مال کو صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے (مستفاد فتاویٰ قاسمیہ ۲۵۶،۲۵)۔

''صرح الفقہاء بأن من اکتسب مالا بغیر حق، فإمّا أن یکون کسبہ بعقد فاسد، کالبیوع الفاسدۃ والاستئجار علی المعاصی والطاعات أو بغیر عقد، کالسرفۃ والغصب والخیانۃ والغلول ففی جمیع الأحوال المال الحاصل لہ حرام'' (بذل المجہود قدیم ۳۷،۱،باب فرض الضوء) ۔

''ویردونہ علی أربابہ إن عرفوالہم، وإلایتصد قوا بہ، لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد'' (تکملۃ البحرالرائق زکریا ۳۶۹،۹، ہندیۃ زکریا ۳۴۹،۵) ۔

جواب (۵): اس سوال کے دو جز ہیں: (۱) منظور شدہ لے آؤٹ کی خلاف ورزی کرنا، (۲) نقشہ میں تبدیلی کرکے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کی بیع و شراء۔

پہلے جزء کے بارے میں یہ عرض ہے کہ جب مالک نے کالونی کا ایک نقشہ منظور کرایا پھر اسی کے مطابق عوام میں تشہیر کی کہ ہم کالونی میں رہنے والوں کو اتنی چوڑی سڑک دینگے، ایسا پلے گراؤنڈ دینگے، اتنے رقبہ پر مشتمل مسجد دینگے، پھر ان سہولیات اور اعلانات پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں نے پلاٹ خریدے؛ لیکن بعد میں مالک کی نیت بدلنے لگی، اس نے سڑک کی چوڑائی بھی کم کرنے کا ارادہ کیا، سوئمنگ پول، پلے گراؤنڈ اور مسجد کو بھی نقشے سے ہٹادیا تواس کا یہ عمل حکومتی معاہدہ کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ عوام کے ساتھ صریح دھوکہ دھڑی ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، ارشاد نبوی ہے: ''من غشنا فلیس منا'' (جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

رہا دوسرا جزء یعنی نقشہ میں تبدیلی کرکے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو بیچنا اور اس کا خریدنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی اور دھوکہ دھڑی کا گناہ اپنی جگہ؛ لیکن مالک اگر ایسا کررہا ہے تو وہ اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے؛ اس لیے اس کا بیچنا بھی جائز ہوگا اور خریدنا بھی درست ہوگا۔

جواب (۶): صورت مسئولہ میں دیکھا جائے گا کہ حکومت کالونی کے نقشہ میں مسجد کو بآسانی منظوری دیتی ہے یا نہیں؟ اگر مسجد کے نام پر منظوری مل جاتی ہے تو مالک کا گارڈن کے نام پر منظورشدہ زمین میں مسجد تعمیر کرنا معاہدہ شکنی ہوگی اور قانون کے خلاف ورزی ہوگی جس سے بچنا چاہیے، اگرچہ مسجد بنانا شرعاً درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی ہی تصور کی جائے گی، کیونکہ یہ مالک کا اپنی ملکیت میں تصرف ہے

جس میں وہ مختار ہے؛ البتہ معاہدہ شکنی کی وجہ سے وہ قانون کی زد مینبھی آسکتا ہے۔

اور اگر حکومت کی طرف سے کالونی کے نقشہ پر مسجد کے نام سے منظور ملتی ہی نہ ہو اور پلاٹ خریدنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہو اور سب کو یہ معلوم ہو کہ مسجد کے نام پر منظوری نہیں مل سکتی، کسی اور نام پر زمین خالی رکھی جائے گی اور وہیں مسجد کی تعمیر ہوگی تو ایسی شکل میں گارڈن کے نام پر خالی پڑی زمین میں یا اس کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے۔

''ولا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ إلا إذا کان الضرر بجارہ ضرراً بینا فیمنع من ذالک وعلیہ الفتوی'' (شامی زکریا ۱۵۲،۸)۔

''القیاس فی جنس ہذہ المسائل أن من تصرف فی خالص ملکہ لایمنع ولو أضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیرہ ضرراً بیناً و قیل وبہ أخذ کثیر من المشایخ وعلیہ الفتوی''(شامی زکریا ۴۹۲،۷)۔

جواب (۷): اولاً تو بھرپور کوشش اسی بات کی ہونی چاہیے کہ تمام مراحل قانونی اعتبار سے انجام پائیں، اس لیے کہ ملک کے باشندے ہونے کے ناطے ان قوانین کا پاس ولحاظ ہماری ذمہ داری ہے اور عافیت وتحفظ بھی اسی میں ہے کہ ہمارے پروجیکٹ ملکی اصول وقانون کے دائرے میں آگے بڑھ رہے ہوں، ورنہ آگے چل کر کبھی بھی بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور اس وقت پانی کی طرح پیسا بہانے کے باوجود بھی کام نہیں بن پاتا؛ لیکن موجودہ ملکی حالات کو دیکھتے ہوئے جبکہ ہر سطح پر مسلمانوں کو تعصب کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور مسلمانوں سے جڑے ہوئے منصوبوں کو منظوری دلانا جوء شیر لانے کے مرادف ہورہا ہے، اگر کاغذی و دستاویزی اور قانونی طور پر مضبوط ہونے کے باوجود حکومتی ادارے محض تعصب کی بناء پر کسی زمین کو کالونی کی حیثیت سے منظور کرنے میں آناکانی کر رہے ہیں اور ٹال مٹول کا رویہ اپناکر معاملہ کو طول دینے کی اور ٹھنڈے بستے میں ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں، تاکہ پیروکار بھی تھک ہار کر اپنے گھر بیٹھ جائے، تو اس طریقے کو اپنایا جاسکتاہے جس کا ذکر سوالنامہ میں موجود ہے، یعنی گورنمنٹ سے منظور کرائے بغیر پولیس اور متعلقہ محکمہ کو رشوت دے کر کالونی بنانے کا عمل شروع کرنا، اس لیے کہ اپنے جائز حق کو حاصل کرنا بھی اگر رشوت دئیے بغیر ممکن نہ ہو تو فقہاء نے اس کی گنجائش دی ہے۔

''دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع'' (شامی زکریا ۶۰۷،۹) ۔

''ومنہا إذا دفع الرشوۃ خوفا علی نفسہ أو مالہ فہو حرام علی الأخذ غیر حرام علی الدافع'' (البحرالرائق زکریا ۴۴۱،۶)۔

جواب (۸): بینک سے سودی معاملات کرنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر اضطراری

اور انتہائی درجے کی مجبوری ہوتو جتنی رقم سے ضرورت پوری ہوجائے بس اتنی مقدار میں سودی قرض لینا جائز ہے، اس سے زیادہ سود لینا درست نہیں ہے اور مذکورہ سوال میں بھی ایک طرح کی مجبوری ہے، کیونکہ اگر وائٹ منی دے کر زمین خریدے گا تو حکومت اس سے پوچھ گچھ کرے گی اور پھر اس رقم پر حکومت کو ٹیکس دینا پڑے گا اور اگر بینک سے سودنہ لیں تو مسلمان اس کاروبار میں نہیں رہ پائینگے، اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے دشواری سے بچنے کے لیے بینک سے لون لیا جاسکتا ہے (مستفاد فتاویٰ رحیمہ ٩،٢٣٧)۔

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح و ذالک نحو أن یقترض عشرة دنانیر مثلا و یجعل لربہا شیئا معلوماً فی کل یوم ربحا'' (حاشیہ الأشیاہ والنظائر مکتبہ فقیہ الأمۃ ١،٣٢٧، بحرالرائق کوئٹہ ٦،١٢٦)۔

جواب (٩): سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے کہ کالونی میں زمین کا جو حصہ فروخت کیا جاتا ہے وہ نقشہ پر تو درج ہوتا ہے اور زمین کے ہر ٹکڑے کا ایک نمبر بھی ہوتا ہے؛ لیکن زمین پر پلاٹس نہیں بنائے جاتے ہیں، اسی طرح کالونی بسانے والوں کے لیے اس بات کی بھی گنجائش ہوتی ہے کہ وہ اس جگہ کو تبدیل کر دیں یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر بتایا گیا ہے اس کو کسی اور جگہ ڈال دیں، ان سب باتوں کے باوجود صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور خرید و فروخت کا یہ عمل بھی درست ہوگا، اس لیے کہ بائع نے زمین کے ایک حصہ کی رجسٹری کراکر مشتری کو کاغذی نقشہ پر اس کا مالک بنا دیا اور زمین جائیداد میں سرکاری رجسٹری کراکر اس کے کاغذات پر قبضہ دے دینا یہ زمین پر قبضہ دینے کے مانند ہے، اس لیے صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع بھی متعین ہوجائے گی اور خرید و فروخت کا یہ عمل بھی درست ہوگا۔

''وتفسیر التسلیم والقبض، فالتسلیم والقبض عندنا ہو التخلیۃ، والتخلی وہو أن یخلی البائع بین المبیع والمشتری برفع الحائل بینہما علی وجہ یتمکن للمشتری معہ التصرف فیہ۔

فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضاً لہ'' (بدائع الصنائع زکریا ٤،٤٩٨)۔

''والقبض الکامل فی المنقول ماینا سبہ أوفی العقار ماینا سبہ'' (شرح المجلۃ مکتبہ اتحاد ١،٤٦٣ بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ ٢١،٢٢٧) ۔

''و إذا وجدالزلم البیع بلاخیار إلا لعیب أورؤیۃ'' (شامی زکریا ٧،٤٧) ۔

جواب (١٠):صورت مسئولہ میں اگر فروخت شدہ قطعہ اراضی پر بائع کاشت کرتارہے تب بھی مشتری اس کا مالک ہوجائے گا؛ کیونکہ بیع مکمل ہوچکی ہے اور وہ جب چاہے اس پر قبضہ کر سکتا ہے، رہا بائع کا کاشت کرنا تو اگر مشتری بائع کے اس عمل کو سن کر خاموش ہے یا صراحتا اجازت دے رہا ہے تو کاشت کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر وہ بائع کو اس عمل سے روکے یا کوئی اجرت متعین کرے تو مشتری کو اس کا

حق ہے، کیونکہ وہ اس زمین کا مالک بن چکا ہے۔

''وإذا وجدا (أی الإیجاب والقبول) لزم البیع بلا خیار إلا لعیب أو رؤیۃ''(شامی زکریا ۴۷٫۷، البحرالرائق کوئٹہ ۲۶۲٫۵)۔

''صح بیع عقار لایخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ لعدم الغرر لندرۃ ہلاک العقار'' (شامی زکریا ۳۶۹٫۷)۔

''و أما بیع المشتری العقار قبل القبض فجائز عند أبی حنیفۃ'' (بدائع الصنائع ۳۹۶٫۴)۔

جواب (۱۱): اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پلاٹ خریدنے والا صرف کاغذی نقشہ کی بناء پر زمین کا مالک ہوجاتا ہے، چنانچہ اب اگر یہ شخص اس پلاٹ کو کسی دوسرے کو فروخت کر دے تو یہ درست ہے، کیونکہ زمین و جائیداد میں کاغذاتی نقشہ پر قبضہ دے دینا قبضہ کے درجے میں ہوتا ہے، اس لیے یہ بیع درست ہوجائے گی۔

(الف) پہلی صورت میں تو مسئلہ واضح ہے جبکہ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی اور اسی نے پلاٹس فروخت کئے ہوں۔

(ب) اور دوسری صورت میں جبکہ زمین ابھی مالک زمین ہی کی ملکیت میں ہو اور کالونی بنانے والا اصل مالک کی اجازت سے پلاٹنگ کررہا ہو تو بھی فروختگی جائز ہوگی، اس لیے کہ اصلی مالک کی رضامندی پائی جارہی ہے۔

''والقبض الکامل فی المنقول ماینا سبہ و فی العقار ماینا سبہ'' (شرح المجلۃ مکتبہ اتحاد ۴۶۳٫۱)۔

''و تفسیر التسلیم والقبض فالتسلیم والقبض عندناہو التخلیۃ، والتخلی وہو أن یخلی البائع بین المبیع والمشتری برفع حائل بینہما علی وجہ یتمکن المشتری من التصرف فیہ فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضالہ'' (بدائع الصنائع ۴۹۸٫۴)۔

جواب (۱۲): صورت مسئولہ میں دلال مجاز من المالک ہے؛ اس لیے اس کا ہر عمل مالک کی رضامندی سے مانا جائے گا، موجودہ دور میں اس طرح کا کاروبار عام ہے اور چونکہ ان معاملات میں تحریر کا سہارا نہیں لیا جاتا محض زبانی ایجاب و قبول پر اکتفا ہوتا ہے اور کاغذی طور پر زمین اصل مالک ہی کے نام پر چڑھی ہوتی ہے، اس لیے اگر مشتری اس کو اپنے نام پر چڑھاناچاہتا ہے تو الگ بات ہے؛ لیکن اگر اسی حال میں فروخت کرنا چاہتا ہے تو دلال سے رجوع کرنا ہوگا؛ کیونکہ اصل مالک کا نمائندہ وہی ہے اگر اگلا خریدار زمین کو کاغذی طور پر اپنے نام اتارنا چاہے گا تو ظاہر سی بات ہے مشتری اول اس سلسلہ میں اس کی مدد نہیں کر پائے گا۔ کیونکہ خود اس کے نام زمین چڑھی ہوئی نہیں ہے، لامحالہ دلال کا سہارا لینا ہوگا جس کا رابطہ مالک سے ہے، بہرحال اس طرح کے معاملات شرعاً جائز ہیں۔

''وفی الدلال والسمسار یجب أجرالمثل'' (شامی زکریا: ۸۷٫۹،ہندیۃ زکریا قدیم ۴۵۰٫۴)۔

‘‘سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال:أرجو أنہ لا بأس بہ’’ (شامی زکریا ۸۷،۹، تاتارخانیہ زکریا ۱۳۷،۱۵)۔

جواب (۱۳): صورت مسئولہ میں جب ایجاب و قبول ہوگیا اور پیسے بھی وصول کر لیے گئے، مبیع بھی مشتری کے حوالہ کر دی گئی تو بیع کی تمامیت میں کوئی شبہ ہی نہیں رہ گیا، اب کالونی بنانے والے کا مشتری سے یہ کہنا کہ ہم نے اس شرط پر تم سے معاملہ کیا ہے کہ اگر تم اس جگہ کو بیچوگے تو ہم ہی خریدار ہونگے، یہ شرط مقتضاء کے عقد کے خلاف ہے، اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور مشتری جس کو چاہے فروخت کر سکتا ہے؛ لیکن اگر شرط کے طور پر نہیں، بلکہ بہ طور وعدہ کالونی بنانے والے کی طرف سے یہ بات آئی ہو کہ اگر بیچنے کا ارادہ ہو تو ہم سے ہی رابطہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

‘‘وإن ذکرالبیع بلاشرط ثم شرطاہ علی وجہ المواعدۃ جازالبیع’’ (بحرالرائق کوئٹہ ۸،۶)۔

‘‘ولو بشرط لایقتضیہ العقد وفیہ نفع لأحد المتعاقدین أو لمبیع یستحق فہو فاسد’’ (مجمع الانہر ۹۰،۳، فقیہ الأمۃ)۔

‘‘ولا بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لأحدہما’’ (شامی زکریا ۲۸۲،۲۸۱،۷)۔

جواب (۱۴): سوال میں خرید و فروخت سے متعلق جو معاملہ لکھا گیا ہے، مثلاً زید نے بکر سے کوئی پلاٹ خریدا اور بکر نے یہ کہا کہ آپ دس قسطوں میں ۲۰۱۶ء تک میرے روپئے ادا کردینا، چنانچہ دونوں اس معاملہ پر راضی ہوگئے، اس کے بعد زید نے پانچ یا آٹھ قسطیں ادا کر دیں، بقیہ قسطیں ادا کرنے سے زید عاجز و قاصر ہوگیا، اسی حال میں وقت نکل گیا، چنانچہ اب بکر یہ کہتا ہے کہ تمہارے اور میرے درمیان جو معاملہ ہوا تھا وہ کینسل ہوگیا، اب اگر بعد میں خریدار بقیہ قسطیں ادا کرنا چاہے یا اپنی زمین کا مطالبہ کرے تو اس کو کہہ دینا ہے کہ آپ نے چونکہ میرا روپیہ وقت پر ادا نہیں کیا، اس لیے وہ سودا کینسل ہوگیا اور جتنی رقم قسطوں میں ادا کی گئی تھی اتنی رقم بکر کو واپس کر دیتا ہے تو اس کا اس طرح معاملہ کو فسخ کرنا درست ہے، اس لیے کہ یہ اقالہ کی ایک صورت ہے اور اقالہ کرنا درست ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ بالکل درست ہے۔

‘‘عن عمروبن عوفؓ عن أبیہ عن جدہ أن رسول اللہ ﷺ قال:والمسلمون علی شروطہم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراماً’’ (سنن الترمذی أبواب الأحکام باب ماذکر عن رسول اللہ فی السلم بین الناس (النسخۃ الہندیۃ ۳۵۱،۱)۔

‘‘الاقالۃ جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الأول لقولہ ‘‘من أقال نادما بیعتہ، أقال اللہ عثراتہ یوم القیامۃ’، لأن العقد حقہما فیملکان رفعہ دفعا لحاجتہما’’ (ہدایۃ ۶۹،۳)۔

جواب (۱۵) (الف): سوال میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے کہ دلال زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کر لیتا ہے، پھر اس زمین کو اپنی من مانی قیمت پر فروخت

کر دیتا ہے، اس کے بعد زمین والے کو اس کی بتائی ہوئی قیمت کے برابر قیمت دے دیتا ہے، یہ شکل بالکل درست ہے اور اس کے لیے باقی قیمت کو اپنے پاس رکھ لینا بھی درست ہے، اس لیے کہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ دلال نے بائع سے یہ زمین مثلاً: پچاس ہزار روپئے میں خریدی ہے اور پھر مشتری کو ساٹھ ہزار روپئے میں فروخت کردی ہے، لہٰذا اس صورت میں دلال کو دلال نہینکہا جائے گا، بلکہ تاجر کہا جائے گا اور یہ معاملہ شرعاً درست ہوجائے گا (مستفاد فتاویٰ قاسمیہ ۲۱،۶۵۸)۔

''أنہ باعہ مرابحۃ، فإن کان مااشتراہ بہ لہ مثل جاز سواء جعل الربع من جنس رأس المال الدرہم من الدراہم أو من غیر الدراہم من الدنانیر، أو علی العکس إذا کان معلوماً یجوز بہ الشراء؛ لأن الکل ثمن...''(فتح القدیر زکریا ۶،۴۵۶) ۔

''وفی الدلال والسمسار یجب أجرالمثل'' (ہندیہ زکریا قدیم ۴،۴۵۰، جدید ۴،۴۸۷)۔

سوال نمبر ۱۵ کے دوسرے جز میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ دلال کمپنیاں زمین کو بیچ دیتی ہیں؛ لیکن قبضہ نہیں دیتے اور ان کو کہہ دیتے ہیں کہ جب بھی آپ کو بیچنا ہو تو آپ یہ زمین ہم کو ہی واپس کرینگے، کسی اور کو نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیع مشروط جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں بیع کو واپس کرنے کی شرط لگادی ہے اور یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے، اس لیے یہ بیع درست نہیں ہوگی۔

ہاں! البتہ اس کے جواز کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بیع تو بلاشرط کر لی جائے، مگر بعد میں ایک معاہدہ کر لیا جائے کہ آپ یہ زمین ہم کو ہی واپس کرینتو یہ بیع صحیح ہوجائے گی (فتاویٰ محمودیہ ۲۴،۱۰۱،۱۰۲) ۔

''وإن ذکرالبیع بلاشرط ثم شرطا علی وجہ المواعدۃ جازالبیع ولزم الوفاء'' (تبیین الحقائق ۵،۱۸۴، کتاب الاکراہ، شامی کراچی ۵،۲۷۷ بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۲۴،۱۰۱،۱۰۲، البحرالرائق کوئٹہ ۶،۸)۔

''ولا بیع بشرط لایقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لأحدہما''(شامی زکریا ۷،۲۸۱،۲۸۲)۔

''ولو بشرط لا یقتضیہ العقد و فیہ نفع لأحد المتعاقدین أو لمبیع یستحق فہو فاسد'' (مجمع الأنہر ۳،۹۰، مکتبہ فقیہ الأمۃ) ۔ فقط واللہ اعلم

# موجودہ اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل کے جوابات

مفتی ابصار احمد ندوی•

**تمہید:**

زمین اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے، جو انسانوں کا مسلک ومدفن اور رز ق کی فراہمی کا ذریعہ ہے، جس کی عظمت کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ قرآن میں تقریباً دوسو (۲۰۰) مقامات پر زمین کا ذکر ہے، اللہ تعالی نے انسانوں پر اپنے انعامات واحسانات کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولقد مکناکم فی الأرض وجعلنا لکم فیہا معایش قلیلاً ما تشکرون" (سورہ اعراف: ۱۰)۔

(ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور اس میں تمہارے لئے سامان زیست فراہم کیا، لیکن تم کم ہی شکریہ ادا کرتے ہو)۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس زمین کے ناجائز حصول کے لئے اسی زمین پر سیکڑوں تنازعات نے جنم لیا ہے، آپسی خوریزی ہوئی ہے، اور مختلف مسائل سے لوگوں کو گذرنا پڑا ہے، مگر جب تک لوگ شریعت سے دور رہ کر اپنے مسائل کو حل کرینگے، وہ مسائل مسائل ہی بنے رہینگے اور تاقیامت حل نہیں ہونگے، اس لئے ان مسائل میں شرعی رہنمائی اور ان پر عمل درآمد ضروری ہے، تاکہ لوگ اپنے مسائل حل کرسکیں اور پرامن زندگی گزار سکیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

**سوال نمبر (۱) کا جواب:**

سرکاری اراضی پر قابض ہونا اور ان کی خریدوفروخت کا حکم:

لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران، غنڈہ عناصر یا کسی کا بھی سرکاری اراضی پر قابض ہونا، انہیں فروخت کرنا، رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داروں سے لے آوٹ کروالینا، یہ تمام چیزیں ناجائز اور حرام ہیں، کیونکہ سرکاری اراضی مال عام کا ایک جز ہیں، اور ان میں تمام لوگوں کو برابر انتفاع کا حق ہے، مال عام کسی خاص کا ملک نہیں ہوتا، بلکہ سارے لوگوں کی وہ مشترکہ دولت ہوتا ہے۔

زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے اور اس نے بغیر کسی تمییز اور تخصیص کے زمین اور زمین کی چیزوں کو انتفاع کے لئے پیدا کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

---

• چترپور،رام گڑھ، جھارکھنڈ۔

''ہو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً'' (سورہ بقرہ: ۲۹)۔
(زمین میں جو کچھ ہے اس نے تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے)۔
اور ''ولله ملک السموات والأرض وما بینهما وإلیه المصیر'' (سورہ مائدہ: ۱۸)۔
(آسمانوں وزمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور اسی کی طرف (تم کو) لوٹ کر جانا ہے)۔

لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین اور زمین کی فطری چیزوں کا حقیقی مالک اللہ تعالی ہے، اور انتفاع کا حق عامۃ الناس کو ہے، ہاں مصالح کے پیش نظر حاکم وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ رعیت کے سلسلہ میں مال عام پر تصرف کرے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ رقمطراز ہیں:

''تصرف الإمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ'' (الاشباہ والنظائر لابن نجیم،۱۲۳)۔
یعنی رعیت کے امور میں مال عام میں امام مصلحت کے مطابق تصرف کرسکتا ہے۔

یاجائز انفرادی حق کے ذریعہ اس کو حاصل کیا ہو جیسے میراث، ہبہ، وصیت، تبادلہ کے عقود وغیرہ۔

ان جائز صورتوں کے علاوہ مال عام کو ذاتی ملکیت بنالینا ظلم وعدوان، اللہ کے مال میں ناجائز تصرف، حقوق العباد کی پامالی او رخیانت ہے، دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ سرکاری اراضی مال عام میں سے ہیں، اور ان میں انتفاع کا حق ہر ایک کو یکساں ہے، لہذا انتفاع کو اپنے لئےمخصوص کرنا گویا دوسروں کے حق کو فوت کرنا اور ظلم ہے، کیونکہ اس میں دوسروں کا حق مارا جاتا ہے اور دوسروں کا حق مارنا گناہ اور عدوان میں تعاون کرنے کے مترادف ہے، اور اللہ تعالی کا قول ہے: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) (گناہ اور ظلم وزیادتی کے کام میں تعاون نہ کرو)۔

(۲) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل ....'' (سورہ بقرہ: ۱۸۸) (اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے نہ کھاؤ)۔

قرآن کی اس آیت میں واضح دلیل موجود ہے کہ لوگوں کے مال کو باطل طریقہ سے کھانا جائز نہیں ہے، ناحق طریقہ سے کھانا ناجائز اور حرام ہے، اور چونکہ سرکاری اراضی میں عوام الناس کو انتفاع کا حق حاصل ہے، اس انتفاع کے حق کو چھین لینا اور اپنے لئے خاص کرلینا باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانا ہے، اس لئے بھی ایسا طریقہ حرام ہے۔

(۳) امام بخاریؒ کی روایت ہے:''عن خولۃ الأنصاریۃ قالت سمعت النبیﷺ یقول: إن رجالاً یتخوضون فی مال الله بغیر حق فلهم النار یوم القیامۃ'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۱۱۸، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۷۳۱۸)۔

(حضرت خولہ انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناجائز تصرف کرتےہیں، ایسے لوگوں کے لئے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہے)۔

چونکہ سرکاری زمین کا مالک اصلاً اللہ ہے، انتفاع کا حق عوام الناس کو ہے، اب اسے اپنے لئے خاص کرلینا ناحق حاصل کرنا ہے اور یہ اللہ کے مال میں ناجائز تصرف ہوگا، ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی وعید ہے، اس لئے بھی سرکاری زمین پر قابض ہونا اور اس کی خریدوفروخت ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) مال غنیمت مال عام میں سے ہوتا ہے، جس کی شرعی تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے، کسی کے لئے جائزنہیں ہے کہ وہ اس مال عام میں سے ذرہ برابر بھی از خود لے لے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو مال عام میں خیانت کرتا ہے اور ایسے شخص کے لئے جہنم کی وعید ہے، چنانچہ قرآن واحادیث میں اس تعلق سے سخت وعیدیں ہیں، اور مال غنیمت کو اپنےطور پر لے لینا مال عام ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

سرکاری زمین بھی مال عام کی ایک صنف ہے، اور اسے اپنے طور پر لے لینا مال عام میں خیانت کرنا ہے، ایسے شخص کے لئے وہی وعیدیں ہیں جو اوپر گزریں، اس لئے بھی سرکاری اراضی پر قابض ہونا اور ان کی خریدوفروخت حرام ہے۔

**سوال نمبر (۲) کا جواب:**

اوقاف کی زمین غصب کرنا اور اس سے متعلق احکام:

اوقاف کی زمین غصب کرنا حرام ہے، کیونکہ موقوفہ چیزیں کسی انسان کی ملکیت نہیں ہوتیں، بلکہ وہ انسان کی عارضی ملکیت سے بھی نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے:

''فإذا تم ولزم لایُملّک ولایملک ولا یعار ولا یرہن'' (الدر المختار ۳۵۱،۴)۔

''لا یملک أن لایکون مملوکاً لصاحبہ ولایملّک أی لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ'' (رد المحتار ۲۰۹،۷)۔

یعنی وقف جب مکمل ہوجائے تو پھر واقف اس کا مالک ہوسکتا ہے، نہ دوسرے کو بیع وغیرہ کے ذریعہ سے ملکیت حاصل ہوسکتی ہے۔

اور ظاہر ہے انسان جب عارضی طور پر کسی چیز کا مالک ہوتا ہے (حقیقی مالک اللہ ہے)تو ایسی صورت میں غصب کرنا جائز نہیں تو پھر جو چیز انسان کی ملکیت ہی میں نہیں اس کا غصب کرنا کس قدر جرم ہوگا، یہی وجہ ہے کہ موقوفہ چیز کو بیچنا، ہبہ وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث ہے:

''تصدق بأصلہ لا یباع ولا یوہب ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ'' (صحیح البخاری حدیث

نمبر: ۲۶۱۳-۲۷۶۴)۔

یعنی حضورﷺ نے حضرت عمرؓسے فرمایا کہ اس کی اصل کو صدقہ کردو (یہ کنایہ ہے وقف سے)، اس کی نہ تو خرید وفروخت ہوسکتی ہے، نہ اسے ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے، ہاں اس کے پھل (آمدنی)کو خرچ کیا جائے گا۔

باوجود اس کے اگر کوئی شخص غصب کرتا ہے تو اسے موقوفہ زمین کو لوٹانا واجب ہے، جیسا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث ہے:

''علی الید ما أخذت حتی تؤدی'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۵۶۳، مسنداحمد: ۲۰۶۶۴، سنن الترمذی: ۱۲۶۶)۔

(ایسے ہاتھ پر واجب ولازم ہے جس نے ناجائز کوئی چیز لی ہو، وہ اسے لوٹا دے)۔

اس پرتمام فقہاء کاا تفاق ہے، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ (اردو) میں ہے:

''چہارم:غصب اور ضمان

اس پر فقہاء کااتفاق ہے کہ جو شخص کسی آدمی کا مال غصب کرلے تو وہ اس کا ضامن قرار پائے گا، پھر اگر غصب کی ہوئی چیز موجود اور اپنی حالت پر قائم ہو تو غاصب پر اس کے عین کو واپس کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ اس میں ایسا عیب داخل نہ ہوجائے جو اس کی منفعت کو کم کردے، اس لئے کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ نے نبی کریمﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: ''علی الید ما أخذت حتی تؤدی'' (انسان پر وہ واجب ہے جو وہ لے، یہاں تک کہ اسے ادا کردے) '' (الموسوعۃ الفقہیہ (اردو) باب مثلیات ۳۶،۱۵۷)۔

لہٰذا اوقاف کی زمینوں کو غصب کرنا بہت بڑا جرم ہےا ور ان کو لوٹانا واجب ولازم ہے۔

اب اگر کوئی شخص موقوفہ زمین کو لوٹاتا نہیں ہے، تو وہ عند اللہ بڑا مجرم ہوگا، اورایسے شخص سے اس زمین کو خریدنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ موقوفہ زمین بغیر کسی مصلحت حقیقی کے نہ تو بیچی جاسکتی ہے اور نہ ہی خریدی جاسکتی ہے، اور ایسی صورت تو اور سنگین ہوجاتی ہے جب کہ موقوفہ زمین کو غصب کرلیاگیا ہو اور پھر اسے بیچا یا خریدا جاتا ہو، خریدنے والا اگر یہ جانتے ہوئے خرید رہا ہے کہ یہ موقوفہ اور مغصوبہ زمین ہے تو وہ بھی اس جرم میں برابر شریک ہوگا اور ایسی بیع باطل ہوگی۔

**سوال نمبر (۳) کاجواب:**

وراثت کی شرعی تقسیم ا یک دینی فریضہ ہے، جس طرح نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ فرض ہیں اسی طرح وراثت کی شرعی تقسیم بھی فرض ہے۔

جو شخص مستحق وارث کو میراث نہیں دیتا وہ عند اللہ مبغوض ہے اورایسے شخص کے لئے رسوا کن عذاب ہے، جیسا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث ہے:

‘‘عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللہﷺ من فرّ من میراث وارثہ، قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ’’ (سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا رقم الحدیث: ۲۷۰۳)۔

(حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے وارث کی میراث سے راہِ فرار اختیار کرے گا، اللہ تعالی قیامت کے دن جنت کی میراث سےاس کو محروم کردے گا)۔

یہ انتہائی سخت وعید ہے،اس لئے تمام لوگوں کے لئے لازم ہے کہ میراث کی تقسیم شرعی طو رپر عمل میں لائیں، بسااوقات میراث میں عورتوں کو ان کا حصہ نہیں دیا جاتا اوریہ متصور کیا جاتا ہے کہ وہ لینا نہیں چاہتیں، اس تعلق سے صرف تصور کرلینا یا کسی طرح کے دوسرے بہانے کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی عورت صراحتاً لینے سےانکار کردے تو پھراس کو ہبہ تصور کیاجائےگا، لیکن اگر وہ کچھ عوارض کی بنا پرکچھ نہیں کہتی، تو دوسرے وارثین رجال پر لازم ہے کہ اس کی رائے واضح طور پر معلوم کرے، نیز بوقت تقسیم تمام شرکاء یاان کے وکیل کاہونا لازم ہے، ورنہ کسی ایک کی بھی عدم موجودگی میں تقسیم صحیح نہیں ہوگی، جیسا کہ درر الحکام میں ہے:

‘‘یشترط فی لزوم ونفاذ قسمۃ الرضاء رضاء کل واحد من المتقاسمین، بناء علیہ إذا غاب أحد المتقاسمین ولم یکن لہ نائب وقسّم الحاضرون وأفرزوا حصۃ الغائب فلاتصح قسمۃ الرضاء أی لا تکون لازمۃ’’ (درر الحکام ۱۲۷٫۳،فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ ۱٫۱۴)۔

(رضامندی کے ساتھ ہونے والی تقسیم کے نافذ اور لازم ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ تقسیم کرنے والے میں سے ہر ایک راضی ہو، اس بنا پر یہ کہا جائے گا کہ اگر ان میں سےکوئی غائب ہو اور اس کا کوئی نائب وکیل بھی موجود نہ ہو، ایسی صورت میں حاضرین تقسیم کرلیں اور غائب کا حصہ بھی الگ کردیں تورضامندی کی یہ تقسیم درست نہیں ہوگی، یعنی لازم نہیں ہوگی (ہاں اگر غائب اس تقسیم پرراضی ہوجائے تو لازم ہوجائے گی)۔

الغرض تمام وارثین کایا ان کے وکلاء کا تقسیم کے وقت موجود ہونا لازم ہے، خواہ وارثین میں سے کوئی عورت ہی کیوں نہ ہو،اگر وہ نہیں لینا چاہتی تو اسکی صراحت لازم ہے، بصورت دیگر اس کو غصب تصور کیا جائے گا، اس تعلق سےفتاوی شبکۃ اسلامیہ میں ہے:

‘‘إن الغصب نوعان: غصب استیلاء وغصب استحیاء، فغصب الاستیلاء أخذ الأموال علی جہۃ القہر والغلبۃ، وغصب الاستحیاء ہو أخذہ بنوع من الحیاء، وہما حرامان، لأنہ لافرق بین الإکراہ علی أخذ الأموا ل بالسیاط الظاہرۃ وبین أخذہ بالسیاط الباطنۃ’’ (فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ، حرمۃغصب الاستحیاء ۸۱۲۸٫۱۲)۔

(یعنی غصب کی دوقسمیں ہیں:(۱) بہ طور جبر وتسلط غصب، (۲) بہ طور شرم

وحیاء غصب، بہ طور جبر وتسلط غصب یہ ہے کہ کسی کا مال اس کو دبا کر اور اس پر غالب ہوکر لے لیاجائے، اوربہ طور شرم وحیاء غصب یہ ہے کہ کسی کا مال اس کی حیاء کی وجہ سے لے لیا جائے، اوریہ دونوں حرام ہیں، کیونکہ ظاہری کوڑے (یعنی دباکر) کےذریعہ مال لینے اور باطنی کوڑے (یعنی شرم کی وجہ سے) کے ذریعہ مال لینےمیں کوئی فرق نہیں ہے)۔

غصب کی مذکورہ دونوں صورتوں میں لازم ہے کہ حق دار وارث کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے، کیونکہ غصب کا لوٹانا واجب ہے، حق دار وارث اگر مرچکا ہو تو اس کے وارثین کو حق دینا ہوگا، لہذا اگر بالفرض باپ نے اپنی بہنوں (پھوپھیوں)یا دادا نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیاتھا تو مورث کے بیٹوں او رپوتوں پر لازم ہے کہ اگر ان کی پھوپھیاں یا دادا کی بہنیں موجود ہوں تو ان کو ان کا حق دے دیں، تاکہ عند اللہ گناہ میں تعاون کرنا لازم نہ آئے، او راگر وہ مرگئی ہوں تو ان کے وارثین کو دےدیں۔

لیکن اگربیٹا یا پوتا حق داروں کو حق نہیں دیتا ہے تو وہ بھی گناہ میں شریک ہے، لہذا صورت مسئولہ میں بیٹوں یا پوتوں سے ان کی ایسی زمینوں کو نہ خریدنا اولی ہے، کیونکہ اس کے مال میں اشتباہ ہے کہ آیا زیادہ حصہ حلال کا ہے یا حرام کا، اور اشتباہ کےکام سے بچنا ہی چاہئے، جیسا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث ہے:

‘‘عن النعمان بن بشیر قال:سمعت رسول اللہﷺ یقول: إن الحلال بین وإن الحرام بین وبینہما مشتبہات لا یعلمہن کثیر من الناس فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشک أن یرتع فیہ’’ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۱۷۸، مسنداحمد،رقم الحدیث: ۱۸۳۷۴)۔

(حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کوبہت سارے لوگ نہیں جانتے ہیں، لہذا جو مشتبہ چیزوں سے بچے گاگویا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلیا، لیکن جو مشتبہ چیزوں میں پڑ جائےوہ حرام میں پڑسکتا ہے، جیسے چرواہا ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد (اپنے جانوروں کو) چرائے، تو ہوسکتا ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں چرنے لگیں)۔

نیز اگر یہ ظاہر ہوجائے کہ اس کا اکثر حصہ حلال ہے، تو ایسی موروثی زمین کا خریدنا حلال اور جائز ہوگا، اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ اس کا اکثر حصہ حرام ہے تو اس کا خریدنا مکروہ تحریمی ہوگا، اوراگر اس میں اشتباہ ہو تو نہ خریدنا اولی ہے، حنفیہ کا مسلک ہدیہ کے مال کےسلسلہ میں یہی ہے (الفتاوی الہندیہ، باب فی الہدایا والضیافات ۵؍۳۴۲)۔

**سوال نمبر (۴) کا جواب:**

حرام آمدنی کے ذریعہ خریدی ہوئی زمین کا خریدنا اور اس کا حکم:

حرام آمدنی کے ذریعہ خریدی ہوئی زمین کو اگر کوئی شخص باوجود علم کے خریدتا ہے تو وہ گناہ گار ہے، اور ایسی زمین کا خریدنا (اس کی حالت کے معلوم ہوتے ہوئے) ناجائز اور حرام ہے، دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے اور گناہ کے کام میں تعاون کرنا حرام ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت ہے: ‘‘ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (سورہ مائدہ: ۲) (گناہ اور ظلم وزیادتی کے کام میں تعاون نہ کرو)۔

۲۔ حرام آمدنی کے ذریعہ خریدی ہوئی زمین کو خریدنے کی صورت میں حرام کمائی والے کی حوصلہ افزائی ہوگی، اس لئے اس سے بچنا لازم ہے۔

۳۔ جو چیز حرام ہے اس کی قیمت لینا بھی حرام ہے، صورت مسئولہ میں حرام کمائی کی زمین حرام ہے، اس لئے اس کی قیمت لینا بھی حرام ہوگا۔

لہذا اگر مال مبیع (زمین) کا حرام مال سے خریدنا معلوم ہو تو اس کا دوسرے کے لئے خریدنا بھی حرام ہوگا، لیکن اگر شک ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور نہ خریدنا افضل ہے، جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

‘‘فإن علم أن المبیع من حلال مالہ فہو حلال وإن علم أنہ حرام فہو حرام، لأن الظاہر أن ما فی ید الإنسان ملکہ، فإن لم یعلم من أیہما ہو، کرہناہ لاحتمال التحریم فیہ، ولم یبطل البیع لإمکان الحلال قل الحرام أو کثر’’ (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ باب معاملۃ من غالب مالہ حرام ۱۲۹٫۳۱، المغنی لابن قدامہ ۳۳۳٫۴)۔

(اگر یہ معلوم ہوجائے کہ مبیع اس کے حلال مال سے ہے تو وہ حلال ہے، اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ حرام ہے تو وہ حرام ہوگا، اس لئے کہ ظاہراً جو انسان کے قبضہ میں ہو وہ اس کی ملکیت ہوتی ہے، اور اگر یہ معلوم نہ ہوکہ مبیع حلال وحرام میں سے کس میں سے ہے تو اس میں تحریم کے احتمال کی وجہ سےہم نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، اور بیع باطل نہ ہوگی، اس لئے کہ حلال کا بھی امکان ہے، خواہ حرام کم ہو یا زیادہ)۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

‘‘ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کرنے کا مسئلہ جس کا اکثرمال حرام ہو، اگر عین حرام معلوم نہ ہو تو اصح قول کی رو سے اس کے ساتھ معاملہ کرنا حرام نہ ہوگا، لیکن مکروہ ہوگا، اور یہی حکم بادشاہ کے عطایا لینے کا ہے، جبکہ اس کے قبضہ میں زیادہ حرام مال ہو۔ جیسا کہ شرح مہذب میں ہے کہ اس سلسلہ میں مشہور مکروہ ہونا ہے، نہ کہ تحریم برخلاف امام غزالی کے ’’ (الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۰۷٫۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مبیع کو بائع نے مکمل حرام مال سے خریدا ہے تو پھر اس کا

خریدنا حرام ہوگا، لیکن اگر اس میں حلال وحرام دونوں کا امکان ہو تو اس مبیع کا خریدنا مکروہ ہے، لیکن ایسے مال کا نہ خریدنا اولی ہے۔

**سوال نمبر (۵) کا جواب:**

پلے گراؤنڈ، سوئمنگ پل وغیرہ کی زمین بیچنے اور خریدنے کاحکم:

حکومت کےقانون کے مطابق جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے اس کی پابندی لاز م ہے، حکومت کے قانون کے برخلاف راستوں کی چوڑائی کم کرکے بیچ دینا، پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پل وغیرہ کی جگہ بیچ دینا ناجائز ہے، اور ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہے۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ حکومت کے قانون کے مطابق راستوں وغیرہ کے تعلق سے جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے وہ عوامی مفادات کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے، اور عوامی مفادات کی بحالی لازم ہے، اور یہ بھی بھلائی کے کام میں تعاون ہے، اس میں خالق کی معصیت نہیں، بلکہ انسانوں کے مفادات مضمر ہیں، خود رسول اللہﷺ نے انسانی مفادات کے پیش نظر راستوں کی چوڑائی سات گز مقرر کی ہے جیسا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث ہے:

''عن أبی ہریرۃ قال: قال رسول اللہﷺ: اجعلوا الطریق سبعۃ أذرع'' (سنن الترمذی حدیث نمبر: ۱۳۵۵، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۰۲۷۳) ( رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ راستوں کی چوڑائی سات گز رکھو)۔

لہذا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مصلحت عامہ کے پیش نظر سڑکوں وغیرہ کی چوڑائی طے کرے اور اس میں حکومت کی اطاعت لازم ہے۔

۲۔ یہ ایک طرح سے عوامی مفادات کی چوری ہے، کیونکہ اس میں عوام کا مفاد مضمر ہے، یہ کسی ایک کی جاگیر نہیں ہوئی، بلکہ وہاں لینے والے تمام لوگوں کا اس میں حق ہوتا ہے، اور اس کا ناجائز استعمال کرنا اور بیچ دینا گویا عوام الناس کی حق تلفی ہے، اور حقوق العباد میں کوتاہی بلکہ حق تلفی بڑا جرم ہے جس میں معافی کی امید نہیں، جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے ایک مضمون ''سڑکوں کاناجائز استعمال '' میں لکھا ہے کہ ''جو چیزیں سرکاری املاک کہلاتی ہیں، ان کے بارے میں واقعی ''مال مفت دلِ بے رحم '' کی مثل صادق آتی ہے، ان پر قبضہ کرلینا، ان کو خلاف قانون استعمال کرنایا بے دردی سے استعمال کرنا، ایسی عام بات ہوگئی ہے جس پر ہر کوئی چشم پوشی کرتا ہے، حالانکہ سرکاری اشیاء برسر اقتدار افراد کی نہیں، پوری قوم کی ملکیت ہوتی ہیں اور ان کا ناجائز استعمال صرف کسی ایک شخص کی نہیں سارے عوام کی حق تلفی ہے، اوریہ حقوق العباد کا اس قدر نفی ہے کہ اس میں اگر کوئی حق تلفی ہوجائے تو اس گناہ کی معافی انتہائی مشکل ہے ''، اس لئےہم کہینگے کہ بیچنے والا کسی ایک کا حق نہیں مارتا، بلکہ

دسیوں او ر سیکڑوں لوگوں کے حقوق کو مارتا ہے، او ریہ بڑا جرم ہے۔

۳۔ یہ عوام الناس کی ملکیت کا غصب بھی ہے اور غصب حرام ہے، مال عام اور غصب کے تعلق سے دلائل ما قبل میں گذر چکے ہیں، اس لئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کرنے والا غاصب اور ان زمینوں کو خریدنے والے غصب میں شریک ہیں۔

۴۔ اس عمل سے دوسروں کو تکلیف دینا لازم آتا ہے اور دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے، اللہ کو ایسے لوگ محبوب ہیں جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، چنانچہ حدیث رسول ﷺ ہے:

''الخلق عیال اللہ فأحب الخلق إلی اللہ من أحسن إلی عیالہ'' (شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر: ۷۴۴۸، کنز العمال حدیث نمبر: ۱۶۱۷۱)۔

(مخلوق اللہ کی عیال ہے، لوگوں میں اللہ کا سب سے محبوب اور پسندیدہ وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے)۔

اسلام میں راستوں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا صدقہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں خبر دی ہے جس نے راستہ سے کانٹے دار ٹہنی ہٹا دی تھی تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو اللہ تعالی نے اس کے گناہوں کو معاف کردیا، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوک علی الطریق فأخرہ، فشکر اللہ لہ، فغفر لہ'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر : ۶۵۲، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۶۸۳۵)۔

(ایک شخص راستہ پر چلاجارہا تھا، اسے راستہ میں ایک کانٹے دار ٹہنی ملی، اس نے اس کو ہٹادیا، اللہ نے اس کے اس عمل کو قبول کیا اور اس کی مغفرت فرمادی)۔

۵۔جو لوگ ایسی زمینوں کو خریدتے ہیں، ان کی صحت متاثر رہتی ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ آئے دن ان میں جھگڑے ہوتے ہیں، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے، پڑوسی کو تکلیف دینا اللہ کو تکلیف دینا ہے، جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے:

''من آذی جارہ فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ'' (کنز العمال، فی حق الجار، حدیث نمبر: ۲۴۹۲۷)۔

(جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی گویا اس نے اللہ کو تکلیف دی)۔

۶۔ بالعموم پلاٹ کی قیمت کے ساتھ راستہ، پلے گراؤنڈ، سوئمنگ پل وغیرہ کی قیمت شامل ہوتی ہے، پھر بیچنے والے کے لئے دوبارہ اس کی قیمت لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی زمینوں کو فروخت کرنا اور دوسرے لوگوں کا جانتے ہوئےانہیں خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

البتہ مسجد کے تعلق سے تھوڑی تفصیل ہے:

اگر سرکاری اور قانونی طور پر مسجد کی تعمیر لازمی ہو تو مسجد تعمیر کرنا لازمی ہے، لیکن اگر کالونی بنانے والا محض ترغیب کے لئے مسجد کی جگہ مقرر کرتا ہے، حالانکہ اس زمین کی قیمت دوسرے پلاٹ میں شامل نہیں کی ہے، اور اسے فروخت کرتا ہے تو اسے فروخت کرناجائز ہے اور دوسرے لوگوں کا اسے خریدنا بھی جائز ہے، کیونکہ محض قول وقرار یا نقشہ میں مسجد دکھانے سے کوئی زمین مسجد نہیں ہوجاتی، جب تک کہ اس کو وقف نہ کردیاجائے اور اس میں نماز کی اجازت نہ دے دی جائے، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: ''ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجداً، وشرط محمد الصلاۃ فیہ بجماعۃ وقیل: یکفی واحد وجعلہ فی الخانیۃ ظاہر الروایۃ'' (الدر المختار ۳۵۵،۴)۔

(وقف کرنے والے کی ملکیت مسجد اور مصلیٰ سے ختم ہوجائے گی جب کہ اس میں عملاً نماز ہو (امام یوسف ؒ کے) نزدیک یہ کہنا کافی ہے کہ ) میں نے اسے مسجد قراردیا، امام محمدؒ اس میں جماعت کے ساتھ نماز کی شرط لگاتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک شخص کا نماز پڑھنا کافی ہے، اور اسی آخری قول کو فتاوی خانیہ میں ظاہر الروایہ قرار دیا گیا ہے)۔

اس لئے عملاً اس میں کم از کم ایک آدمی کا نماز پڑھنا لازم ہے، ورنہ وہ مسجد تصور نہیں کی جائے گی۔

**سوال نمبر (۶) کا جواب:**

کالونی میں گارڈن کی جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم:

قانونی اعتبا رسے کالونی میں گارڈن اور پلے گراؤنڈ رکھنا ضروری ہے، اس لئے کالونی بنانے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ اس قانون کو روبہ عمل لائے، یہ قانون وہا نرہنے والوں کی صحت اور دیگر سہولیات کا خیال رکھ کر بنایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک اچھا کا ہے اور اچھے کام میں حتی الامکان تعاون کرنا چاہئے، اس لئے کالونی بنانے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ حکومت کے اس قانون کو عملی جامہ پہنائے، یہ بھلائی کے کام میں تعاون بھی ہوگا۔

زمین بیچنے والے یا کالونی بنانے والے کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ گارڈن یا پلے گراؤنڈ کی زمین کو مسجد کے لئے دے دے، پھر بھی وہ اگر ایسا کرتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ کیا کالونی میں بسنے والے سب کے سب مسلمان ہیں، اگر سب مسلمان ہوں اور سب بالاتفاق مسجد بنانے کے لئے راضی ہوں تو مسجد بنائی جاسکتی ہے جبکہ صحت کے اعتبا رسے کوئی خلل نہ ہو، اور اگر کالونی میں مسلمان کےعلاوہ غیر مسلم افراد بھی ہوں اور وہ راضی نہ ہوں تو پھر مسجد بنانادرست نہیں، اورایسی مسجد شرعی تصور نہیں کی

جائے گی، کیونکہ یہ مشترکہ زمین ہے اور مشترکہ زمین میں ہر ایک کی اجازت لازم ہے، ہاں ہرا یک شخص اجازت دے دے اور اپنا حصہ مسجد کے لئے وقف کردے تو مسجد بنانا درست ہے، جیسا کہ ملک مشاع کے وقف کا مسئلہ ہے۔

**سوال نمبر (۷) کا جواب:**

ملکی قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیاں بنانے اور پلاٹ فروخت کرنے کا حکم:

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں قانونی تقاضوں سے گزر کر کالونیاں بنانا اور غریبوں کے لئے ان میں پلاٹ خریدنا انتہائی دشوار ترین مرحلہ ہے، کیوں کہ جگہ جگہ یہاں رشوت ستانی کا بازار گرم رہتا ہے، اس پر مزید ٹیکسز ادا کرنا تو ستم بالائے ستم ہے، اس لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ غریبوں کو مد نظر رکھ کر ایسے قوانین لائے جن سے غریبوں کو مکان میسر ہوسکے، ٹیکسوں کا ظالمانہ نظام ختم ہو، رشوت لینے والوں اور دینے والوں پر قانونی کارروائی ہو، کیونکہ یہ سب حکومت کی ذمہ داریونمیں شامل ہے، غریبوں کو مکان فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے، تاکہ غریب ذمہ دار شہری کی طرح زندگی گزار سکےاور عزت کے ساتھ اپنے گھر میں رہ سکے۔

لیکن جہاں تک قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بعد کالونیاں بنانے او رپلاٹ فروخت کرنے کا مسئلہ ہے تو اس میں حکومت کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کی اطاعت کرنی چاہئے، کیونکہ یہ دنیاوی امور ہیں اور دنیاوی امور میں غیر مسلم حاکم کی اطاعت درست ہے، بلکہ ملکی قوانین کی اطاعت لازمی ہے جب تک کہ کوئی معصیت نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

‘‘وأن تناصحو ا من ولّاہ اللہ أمرکم’’ (مسند احمد عن أبی ہریرۃ حدیث نمبر: ۹۰۳۴، موطأ مالک حدیث نمبر: ۱۸۳۳)۔

(اللہ نے جن کو تمہارے معاملات کا حاکم بنایا ہے ان کے ساتھ خیر خواہی کرو)۔

اور ظاہر ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل حکام کے ساتھ خیرخواہی ہے، اس لئے ایک مسلمان کو تو ضرور اس کی پاسداری کرنی چاہئے، جہاں تک قانونی تقاضوں کی تکمیل میں عہدہ داروں کو رشوت دینے کی بات ہے، تو اس کے خلاف پُرزور اور پرقوت آواز اٹھانی چاہئے اورایسے عہدہ داروں کے خلاف قانونی کارروائی بھی کرنی چاہئے۔

قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیوں کی تعمیر میں بالعموم پولیس اور متعلقہ محکمہ کو رشوت دینا پڑتا ہے، اورایسی صورت میں رشوت دینا حرام ہے، کیونکہ اس میں پلاٹ خریدنے والے یاکالونی میں مکان لینے والے کا کوئی حق متعلق نہیں ہوتا ہے، کالونی ہی میں سکونت اختیار کرنا ضروری نہیں ہے، جہاں آدمی حلال طریقہ پر رہ سکتا ہے وہیں سکونت اختیار کرنی چاہئے، ہاں اگر حق متعلق ہو تو جمہور کے نزدیک رشوت دے سکتے ہیں، جیسا کہ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ (اردو) میں ہے کہ ‘‘جمہور کے نزدیک آدمی کسی

حق کی حصولیابی یاظلم یانقصان کے ازالہ کے لئے رشوت دے سکتا ہے، اس کا گناہ رشوت لینے والے پر ہوگا، دینے والے پر نہیں " (الموسوعۃ الفقہیہ (اردو) ۲۶۴،۲۲)۔

الغرض یہاں پر کوئی مذکورہ صورت نہیں ہے، اس لئے رشوت دینا حرام ہے، اور بغیر قانونی تقاضوں کی تکمیل کے پلاٹ خریدنا او ربیچنا اور کالونی بنانا درست نہیں ہے۔

**سوال نمبر (۸ ) کاجواب:**

زیادہ سے زیادہ کمانے کی ہوس انسان کو برباد کرکے رکھ دیتی ہے اور ایسا شخص نہ دنیا کا رہتا ہے اور نہ دین کا۔

سوال یہ ہے کہ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد پلاٹ خریدنے کے لئے وہائٹ منی(White Money) دکھانا کیوں دشوار ہے؟ اپنی مکمل آمدنی کا ٹیکس ادا کرنےکےبعد وہائٹ منی دکھانے میں دشوری سمجھ سے بالاتر ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ آدمی اپنی کل آمدنی ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور ٹیکس سے بچنا چاہتا ہے، یہ ٹیکس کی چوری ہے، اور ٹیکس کی چوری اور اس سے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ ٹیکس مفاد عامہ، دفاع اور دیگر امور سلطنت کےا خراجات کے لئے ادا کرنا ہوتاہے، اور اس میں حکومت کی مدد کرنی چاہئے، جیسا کہ حدیث ماقبل میں گزری، اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ پورا پورا ٹیکس اداکیاجائے ۔

ہاں اگر ٹیکس ظالمانہ ہو، تو اس کے خلاف مؤثر آواز اٹھانی چاہئے۔

الغرض پیسے ہونے کے باوجود قانونی دشواریوں سے بچنے کے لئے سودی قرض (Loan) نہیں لیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس طرح سے زمین خریدنا درست ہے اور نہ کالونی بنانا، کیونکہ اس میں دوبڑی خرابیاں ہیں: ایک سود جیسے گناہ کا ارتکاب بغیر کسی اضطرار کے، دوسری ٹیکس سے راہ فرار اختیار کرنا۔

**سوال نمبر (۹) کا جواب:**

پلاٹس کا نقشہ بننے اور حدود اربعہ کی تعیین کے بعد زمین کی خریدوفروخت کا حکم:

صورت مسئولہ میں صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی، اور خریدوفروخت کا عمل درست ہوگا، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مبیع کی مقدار مثلاً گز وغیرہ، اور قیمت متعین کردی جائے۔

البتہ فروخت کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس جگہ کو تبدیل کردے یا نقشہ میں پلاٹ کا جو نمبر دکھایا گیا ہے، اس کو کسی اور جگہ ڈال دے، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)مبسوط میں علامہ سرخسی رقمطراز ہیں: ‘‘وإذا قال الرجل للرجل بعتک ہذہ الدار، کل ذراع بدرہم علی أنہا ألف ذراع، فہو جائز، لأن ببیان جملۃ الذرعان یصر جملۃ الثمن معلوماً، ولأنہ سمی بمقابلۃ کل ذراع درہماً’’ (المبسوط للسرخسی، کتاب الشروط ۴۲۴،۳۳)۔

(اگر ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا: میں نے اس گھرکو تجھ سے بیچا، ہر گز ایک درہم کے بدلہ، او راس کی مکمل پیمائش ایک ہزار گز ہے تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ گز کی مکمل تعداد بیان کرنے کے ساتھ کل قیمت بھی معلوم ہوجائے گی، اور اس وجہ سےبھی کہ اس نے ہر گز کے مقابلہ میں ایک درہم کا ذکر بھی کردیا ہے)۔

(۲) زمین جائیداد وغیرہ میں اگر نقشہ تیار ہوگیا ہو، مبیع کے حدود اربعہ بھی متعین ہوں، کسی طرح ضرر یا دھوکہ کااندیشہ نہ ہو تو پھر خریدوفروخت کا عمل درست ہے، شرط یہ ہے کہ اس کو عرفاً قبضہ سمجھا جاتا ہو، چنانچہ دار العلوم دیوبند سے اسی طرح کے ایک مسئلہ میں فتوی دیا گیا ہے:

''عقار (جائیداد) میں منقولات کی طرح قبضے کی شرط نہیں ہے، بلکہ جائیداد میں اگر عرفاً نقشہ تیار ہونے اور مبیع کے حدود اربعہ کے متعین ہونے کے بعدبایں طور کہ اس میں ضرر یا غرر کا اندیشہ نہ ہو، بائع کی جانب سےقبضہ دلانا سمجھا جاتا ہو تو مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا'' (دیکھئے دیوبند فتوی آن لائن، سوال وجواب نمبر: ۱۴۵۸۳۸)۔

الغرض پلاٹ کا نقش تیار ہو، حدود اربعہ کی تعیین بھی ہو، زمین کے ہر ایک ٹکڑے کا نمبر بھی ہو، اور اس کو عرف عام میں قبضہ بھی سمجھا جاتا ہو تو اس کی خریدوفروخت درست ہے۔

لیکن نقشہ میں دکھائے گئے پلاٹ کو بدل کر دوسرا پلاٹ دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نقشہ میں جو پلاٹ دکھایا گیا تو پھر وہ متعین ہوگیا، اور متعین شئی کو بدل دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ مبیع مجہول ہوگیا، اور مجہول شئی کی بیع درست نہیں ہے، نیز ایسی صورت میں نزاع بھی ہوگا، کیونکہ قیمتیں جگہ کے اعتبار سے بدلتی ہیں، نیز اس میں مشتری کو دھوکہ دینا بھی ہے اور بیع میں دھوکہ اور غرر جائز نہیں ہے، لہذا بائع کو چاہئے کہ نقشہ میں جو پلاٹ جیسا دکھایا گیا ہے ویسا ہی مشتری کو حوالہ کرے، بصورت دیگر مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا قبول کرے یا نہ کرے۔

**سوال نمبر (۱۰) کا جواب:**

جب بائع اور مشتری کے درمیان ایجاب اور قبول ہوجائے تو بیع متحقق ہوجاتی ہے، جیسا کہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: ''وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع...'' (الفتاوی الہندیہ ۳۸۷،۱۹)۔

یعنی جب ایجاب وقبول ہوجائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے۔

اب بائع پرلازم ہے کہ وہ مبیع مشتری کے حوالہ کردے، اور مشتری ثمن کو بائع کے سپرد کردے، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ (اردو) میں ہے:''مبیع کو سپرد کرنا وہ اہم نتیجہ ہے جس کا عقد بیع میں بائع پابند ہوتا ہے اور یہ نتیجہ نقد ثمن کے سپرد کرنے کے وقت ثابت ہوتا ہے '' (موسوعہ فقہیہ (اردو) ۶۱،۹)۔

نیز عقار (زمین یاجائیداد) میں قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں ہے: ‘‘چنانچہ عقار پر قبضہ کے لئے تخلیہ کافی ہے ’’ (موسوعہ فقہیہ (اردو) ۹؍۶۱)۔

یعنی اگر زمین ہو تواس پر قبضہ اس کو چھوڑ دینے سے ہوگا۔

جہاں تک ملکیت کی بات ہے تو مبیع میں مشتری کی ملکیت اسی وقت ثابت ہوجاتی ہے جبکہ ایجاب وقبول ہو اور بیع لازم ہوگئی، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

‘‘مشتری مبیع کا مالک اور بائع ثمن کا مالک ہوگا، مبیع میں مشتری کی ملکیت محض بیعِ صحیح کرلینے سے ہوجاتی ہے، آپسی قبضہ ہونے پر موقوف نہیں، اگر قبضہ کا ضمان میں اثر ہے ’’ (موسوعہ فقہیہ کویتیہ (اردو) ۹؍۵۶)۔

الغرض صورت مسئولہ میں خریدار بیع کے انعقاد کے ساتھ ہی اس زمین کا مالک ہوگیا۔

جہاں تک بات بیچنے والے کے کاشت کرنے کی ہے، تو یہ خریدار کی اجازت پر موقوف ہے، اگر خریدار اجازت دیتا ہے، تو فبہا ونعمت، اور ایسی صورت میں اس کی طرف سے تبرع سمجھا جائے گا۔

لیکن بیچنے والا کاشت کی شرط نہیں لگا سکتا، کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور اس سے عقد فاسد ہوجائے گا، جیسا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث ہے:

‘‘لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک’’ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۳۵۰۶، مسنداحمد: ۶۶۷۱، نسائی، حدیث نمبر: ۴۶۳۰)۔

(قرض کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں، اور نہ ہی بیع میں دو شرطیں جائز ہیں، اور نہ ہی اس چیز سے نفع اٹھانا درست ہے جو اس کی ضمانت میں نہ آئے، اور نہ اس چیز کی بیع درست ہے جو آپ کے پاس نہ ہو)۔

اس لئے عند الاحناف اور عند الشوافع (راجح قول کے مطابق) سامان کی حوالگی کو موخر کرنے کی شرط درست نہیں ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

‘‘حنفیہ کا مسلک اور شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ سامان کی حوالگی کو موخر کرنے کی شرط صحیح نہیں ہے، ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ ‘‘نہی عن بیع وشرط ’’ (رسول اکرمﷺ نے بیع اور شرط یعنی مشروط بیع سے منع فرمایا)، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنی بیوی زینب ثقفیہ سے ایک باندی خریدی، ان کی بیوی نے بیچتے وقت یہ شرط لگائی کہ اگر آپ اسے فروخت کریں تو میرے ہاتھ اسی قیمت پر فروخت کریں، عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس معاملہ کےبارے میں حضرت عمرؓ سے استفتاء کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ‘‘لا تقربہا وفیہا شرط لأحد’’ (اس پابندی کے قریب نہ ہوجاؤ جب کہ اس میں کسی کے لئے کوئی شرط لگی ہو) ’’(موسوعہ فقہیہ (اردو) ۲؍۷۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمین بیچنے والا مشتری کی جانب سے تبرعاً اجازت دیئے جانے کی وجہ سے کاشت کررہا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کاشت کی شرط لگا کر بیع کرتا ہے تو یہ نقلاً اور عقلاً درست نہیں ہے۔

**سوال نمبر (۱۱) کاجواب:**

(الف) زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں اسی وقت آگئی تھی جب اس نے پلاٹ خریدا تھا، کیونکہ ایجاب وقبول کےساتھ ہی بیع لازم ہوجاتی ہے اور مشتری مبیع کا مالک ہوجاتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا کہ ''مشتری مبیع کا مالک اور بائع ثمن کا مالک ہوگا، مبیع میں مشتری کی ملکیت محض بیع صحیح کرلینے سے ہوجاتی ہے، آپسی قبضہ ہونے پر موقوف نہیں'' (موسوعہ فقہیہ (اردو) ۵۶،۹)۔

الغرض ملکیت اور چیز ہے اور قبضہ ایک دوسری چیز، سوال نمبر گیارہ کے پہلے جزو(الف) میں وضاحت نہیں ہے کہ زمین قبضہ مینآئی تھی کہ نہیں۔ اگر زمین قبضہ میں آگئی تھی تو پھراس کو فروخت کرنے مینکوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک بھی تھا اور اس کے قبضہ میں بھی تھی، لیکن اگر زمین اس کے قبضہ میں نہیں تھی تو اس میں اختلاف ہے،جس کاذکر آگے آرہا ہے، اور میں سمجھتا ہو نکہ شاید دوسرا جز (ب) اس سے متعلق ہے۔

جواب (ب):

زمین مالک زمین (بائع)کی ملکیت میں ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ بیع کےساتھ ہی اس کی ملکیت ختم ہوگئی، جیسا کہ دلیل اوپر گزری، ہاں بائع کے قبضہ میں ہوسکتی ہے، ایسی صورت میں اختلاف ہے۔

شافعیہ، حنابلہ اور امام محمدکے نزدیک غیر منقولہ چیز کو بھی قبضہ سےپہلے فروخت کرنا درست نہیں، لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کےنزدیک غیر منقولہ چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست ہے۔

دلائل کی روشنی میں شوافع، حنابلہ اور امام محمد کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں مذکور ہے:

''بیع ما لم یقبض ''

۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریمﷺ نےارشاد فرمایا:''من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ'' (جو اناج خریدے، قبضہ کرنے سے قبل اس کو فروخت نہ کرے)، ایک روایت میں ہے: ''حتی یکتالہ '' (یہاں تک کہ اس کوناپ لے)، ایک اور روایت میں ہے: ''حتی یستوفیہ '' (یہاں تک کہ اس کو وصول کرلے)، راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر چیز اناج ہی کے مثل ہے، ایک اور روایت میں ہے: ''إذا اشتریت بیعاً فلا تبعہ حتی تقبضہ'' (جب تم کوئی چیز خریدو

تو قبضہ کرنے سے قبل اس کو فروخت نہ کرو)۔

قبضہ سے قبل مبیع کو فروخت کرنے کے بارے میں فقہاء کے چند مذاہب ہیں:

۲۔ شافعیہ کا مذہب، امام ابویوسف کا قول اول، اما م محمد کا قول اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع کو فروخت کرنا صحیح نہیں، خواہ منقول ہو یا جائیداد غیر منقولہ، گو کہ بائع اجازت دے دےا ور ثمن پر قبضہ کرچکا ہو، اس کی دلیل حکیم بن حزامؓ کی یہ روایت ہے: ‘‘میں نے عرض کیا: ‘‘اے اللہ کے رسولﷺ میں کچھ چیزیں خریدتا ہوں، ان میں سے میرے لئے کیا حلال او رکیاحرام ہیں؟ تو آپﷺ نے فرمایا: ‘‘إذا اشتریت بیعاً فلا تبعہ حتی تقبضہ’’، اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک ’’ (ایک ساتھ قرض اور بیع حلال نہیں، اور نہ بیع میں دوشرطیں حلال ہیں، نہ اس چیز کا نفع حلال ہے،جو آدمی کے ذمہ نہ ہو، اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے، جو آپ کے پاس نہ ہو)۔

‘‘غیر مضمون کے نفع ’’ سے مراد قبضہ سے قبل فروخت کی گئی چیز کا نفع ہے، مثلاً کوئی سامان خریدے او ربائع کی طر ف سے اس پر قبضہ ملنے سے قبل دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، تو یہ بیع باطل ہے اور اس کا نفع ناجائز ہے، اس لئےکہ مبیع بائع اول کے ضمان میں ہے، اس سے خریدنے والے کے ذمہ میں نہیں، اس لئےکہ قبضہ نہیں ہے۔

نیز زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے: ‘‘أن النبیﷺ نہی أن تباع السلع حیث تبتاع، حتی یحوزہا التجار إلی رحالہم’’ (نبی کریمﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سامانوں کو اس جگہ فروخت کیا جائے، جہاں خریدے گئے ہیں، یہاں تک کہ تاجر اس کو اپنے قبضہ میں کرلیں)، اور تاجر کے محفوظ کرنے سے مراد قبضہ کا پایا جانا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے۔

نیز اس لئے کہ قبضہ سے قبل ملکیت کمزور ہے، کیونکہ مبیع کے تلف ہونے سے عقد فسخ ہوجاتا ہے، شافعیہ نے قبضہ سےقبل بیع کی ممانعت کی علت یہی بتائی ہے۔

حنفیہ میں شیخین (امام ابوحنیفہ وابویوسف) جائیداد غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے قبل استحساناً جائز قرار دیتےہیں، ان کااستدلال جواز بیع کے عمومی دلائل سے ہے، جن میں کوئی تخصیص نہیں، اور کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے ناجائز ہے، نیز اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ میں ہلاکت کے ذریعہ عقد کے فسخ ہونے کا وہم نہیں ہوتا، برخلاف اموال منقولہ کے، نیز اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ کو حوالہ کرنے پر قدرت حاصل ہے، اور پانی اور ریت کے بھرجانے سے اس کی تباہی شاذ ونادر ہی ہوتی ہے اور نادر کااعتبار نہیں، اس کی ایک دلیل قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف پرقیاس کرنا بھی ہے،

اس لئے کہ وہ جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی غرر نہیں، جیسا کہ مہر، بدل خلع، بدل عتق اور بدل صلح عن دم العمد (عمداً خون کرنے کےسلسلہ میں صلح کا بدل) میں تصرف کرنا، اس لئے کہ تصرف کی اجازت دینے والی چیز ملکیت ہے اور وہ پائی گئی، لیکن حتی الامکان غرر سے احتراز واجب ہے، او ریہ اس صورت میں ہےجس میں غرر کا تصور ہو، اور وہ منقول مبیع ہے، غیر منقولہ جائیداد نہیں۔

امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے غیر منقولہ جائیداد میں بھی قبضہ سے قبل بیع کی اجازت نہیں دی، اور یہی امام ابویوسفؒ کاپہلا قول ہے، اور امام شافعیؒ کا بھی قول ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے، اس کی دلیل حدیث کا مطلق ہونا اورا موال منقولہ پر قیاس ہے۔

نیز ایک دلیل اجارہ پر بھی قیاس ہے ، کیونکہ اجارہ جائیداد غیر منقولہ میں قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اور دونوں میں مشترک علت یہ ہے کہ دونوں میں غیر مضمون کا نفع پایا جارہا ہے، اس لئے کہ فروختگی میں مقصود نفع ہے، اور غیر مضمون کا نفع شرعاً ممنوع ہے، اورممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے، لہذا قبضہ سے قبل بیع فاسد ہوگی، کیونکہ وہ خریدار کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی۔ جیسا کہ اجارہ میں ہے (موسوعہ فقہیہ (اردو) ۹،۱۴۴-۱۴۷)۔

الغرض مذکورہ دلائل کی روشنی میں شوافع، حنابلہ اور امام محمدؒ کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے غیر منقولہ جائیداد کو بھی بیچنا درست نہیں ہے۔

**سوال نمبر (۱۲) کا جواب:**

مسئولہ شکل درست نہیں ہے، کیونکہ کالونی بنانے والے کا زمین پر قبضہ نہیں ہے او رقبضہ سے پہلے دلائل کی روشنی میں غیر منقولہ جائیدادکا بھی بیچنا درست نہیں ہے، جیساکہ دلائل اوپر گذرے، نیز اس میں دلال کا شرط لگانا بھی غلط ہے کہ وہی اس کو فروخت کرے گا، کیونکہ بیچنے کا اصل اختیار اس کو ہے جس کی چیز ہوتی ہے ہاں اس کی اجازت سے دلال فروخت کرسکتا ہے، لیکن چونکہ صورت مسئولہ میں بائع کا قبضہ زمین پر نہیں ہے، اس لئے اس کی بیع درست نہیں ہے۔

**سوال نمبر (۱۳) کا جواب:**

کالونی بنانے والے کا اگر پلاٹس پر قبضہ تھا تو وہ اپنے پلاٹس کو جس سے چاہے بیچ سکتا ہے او رقبضہ سے مراد اس طو رپر استیلاء اور عمل دخل ہو کہ اس میں کوئی چیز مانع نہ ہو، ہر طرح کے تصر ف کا وہ مجاز ہو، اور عرف میں اس کی شکلیں بدل سکتی ہیں۔

الغرض کالونی بنانے والے کا قبضہ حسی یا معنوی ہو او روہ پلاٹ کسی کے ہاتھو نبیچتا ہے تو پلاٹ خریدنے والے کی اس میں ملکیت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ ایجاب وقبول

کےساتھ ہی بیع کاانعقاد ہوگا اور اسی وقت کالونی بنانے والے سے زمین خریدنے والا مالک ہوگیا، جیسا کہ اس کی دلیل گزر چکی ہے۔

لیکن کالونی بنانے والے کا یہ شرط لگانا کہ جب بھی وہ زمین فروخت کرے تو اسی سے فروخت کرے یا پھر دوسرے خریدار کو اس سے ملانا ہوگا یہ شرط فاسد ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت ہے، جیسا کہ اس کی دلیل بھی ماقبل میں گزرچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشروط بیع سے منع فرمایا ہے۔

لہذا کالونی بنانے والے نے جس وقت زمین بیچا تھا، اسی وقت خریدنے والا اس کا مالک ہوگیا تھا، اب اگر اس خریدنے والے کا اس زمین پر قبضہ ہوچکا تھا تو وہ جس سے چاہے فروخت کرسکتا ہے، اور خود کالونی بنانے والا بھی اس سے خرید سکتا ہے۔

**سوال نمبر (۱۴) کا جواب:**

ادھار یا قسطوں میں بیع جائز ہے، بشرطیکہ کل قیمت، ماہانہ قسطیں اور مدت، بیع کے وقت طے کرلی جائیں، جیسا کہ بخاری کی حدیث ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''جاءتنی بریرة فقالت: کاتبت أہلی علی تسع أواق فی کل عام أوقیة'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۶۰، ۲۵۷۹)۔

(میرے پاس بریرہ آئیں اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے نو اوقیہ میں عقد کتابت کیاہے، ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا ہے)۔

مدت کے تعلق سے علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:''فمنہا معلومیة الأجل فی البیع بثمن مؤجل ففسد إن کا ن مجہولاً'' (البحر الرائق ۴۲،۱۵)۔

(ادھار خریدوفروخت کی صورت میں ادائیگی کی مدت معلوم ہونی چاہئے، مدت اگر مجہول ہو تو بیع فاسد ہے)۔

الغرض قسطوں میں بیع درست ہے، او ربیع کے وقت ہی خریدار مبیع کا مالک ہوجاتا ہے، بائع کو چاہئے کہ اسی وقت مشتری کو مالکانہ قبضہ دے، تاکہ مشتری کو اپنی ملکیت کی چیز میں تصرف کا مکمل اختیار ہو۔

اب اگر کسی وجہ سے خریدنے والا وقت پر باقی قسطیں ادا نہیں کرپارہا ہے، تو اسے مہلت دینی چاہئے، جیسا کہ حدیث میں تنگدست مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت آئی ہے، یہاں بھی اس کو مہلت دینا مثل قرض کے انشاء اللہ باعث ثواب ہوگا۔

اس کے بعد بھی خریدنے والا باقی قسطیں ادا نہیں کررہا ہے تو بائع کو چاہئے کہ مشتری کے سامنے اور کچھ لوگوں کی موجودگی میں اس کی زمین فروخت کرو ادے، اور اپنی باقی ماندہ رقم لے لے، اپنی رقم سے زائد لینا ظلم اور سود کے مشابہ ہے، اسی طرح سودے کو کینسل ماننا بھی ظلم ہے اور اللہ تعالی ظالمین کو پسند نہیں کرتا۔

**سوال نمبر (١٥) کا جواب:**

(الف) شریعت میں دلالی، دلال کی اجرت جائز ہے، دلال اس کو کہا جاتا ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان واسطے کا کام کرتا ہے۔ چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''والسمسار ہو الذی یدخل بین البائع والمشتری متوسطاً لإمضاء البیع، وہو المسمی الدلال، لأنہ یدل المشتری علی السلع، ویدل البائع علی الأثمان'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ (عربی) ١٥٢،١٠)۔

(سمسار وہ شخص ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان بیع کو نافذ کرانے کے لئے بہ طور واسطے کے کام کرتا ہے، اس کو دلال بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ سامان کی خریداری میں مشتری کی رہنمائی کرتا ہے، اسی طرح (سامان فروخت کرواکے) قیمت (ثمن) کی طرف بائع کی رہنمائی کرتا ہے)۔

بعض معاملات میں لوگوں کو دلالی کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے کہ ہر شخص خرید وفروخت کی مہارت نہیں رکھتا، اسی لئے شریعت نے دلالی اور اس کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ رد المحتار میں ہے: ''سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال أرجو أنہ لا بأس'' (رد المحتار ٣١٨،٢٤)۔

(محمد بن سلمہ سے دلال کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اس لئے جمہور فقہاء نے دلالی کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، اور وہ اجرت پہلے سے طے شدہ ہونی چاہئے۔

صورت مسئولہ کے اعتبا رسے دلال کا کالونی بنانے والے کی زمین اپنی من مانی بیچنا اور زائد رقم اپنے پاس رکھ لینا ناجائز اور حرام ہے، دلائل حسب ذیل ہیں:

(١) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (سورہ بقرہ: ١٨٨) (آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ)۔

(٢) حدیث رسول ﷺ ہے:''لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ'' (مسند احمد، حدیث نمبر: ٢٠٦٩٥، ٢١٢٣٧) (کسی شخص کا مال اس کی رضامندی اور خوشی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے)۔

(٣) یہ ایک طرح کی چوری اور جھوٹ ہے، اور یہ دونو نحرام ہیں، ہاں، اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کالونی بنانے والا اس کو اجازت دے کہ اس متعینہ قیمت سے زائد میں اگر تو بیچے گا، تو زائد قیمت تیری ہوگی، یا پھر دلال کالونی بنانے والے سے پہلے طے کرلے کہ اگر اس سے زائد قیمت پر بیچا تو اس کا مالک میں ہونگا، تو پھر اس صورت میں اس کا زائد قیمت اپنے پاس رکھنا جائز ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

‘‘لا بأس أن یقول: بع ہذا الثوب، فما زاد علی کذا وکذا فہو لک، وقال ابن سیرین: إذا قال بعہ بکذا فما کان من ربح فہو لک، أو بینی وبینک، فلا بأس بہ’’ (صحیح البخاری، باب أجر السمسرۃ، حدیث نمبر: ۲۲۷۳۱۴)۔

(اس میں کوئی حرج نہیں کہ (مالک سامان) دلال سے کہے کہ آپ یہ کپڑا فروخت کریں، جو اس قیمت سے زائد ہوگی، وہ تیری ہے، ابن سیرینؒ فرماتےہیں کہ اگر بائع دلال سے کہے کہ اس سامان کو اتنا میں فروخت کرو، اس سے زائد جو فائدہ ہو وہ تمہارا ہے، یا میرے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں)۔

لیکن دلال کا من مانی قیمت پر بیچنا جائز نہیں ہے، اور اگر بیچ دیا تو پورا پیسہ کالونی بنانے والے کو لوٹانا واجب ہے، باقی رقم اپنے پاس رکھ لینا ناجائز ،حرام، چوری اور دوسرے کو دھوکہ دینا ہے۔

(ب) جب بیع مکمل ہوجائے تو مبیع خریدار کے حوالے اور ثمن بائع کے حوالہ کرنا لازم ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم، علامہ ابن عابدین اور تقریباً تمام فقہاء لکھتے ہیں، چنانچہ رد المحتار میں ہے:

‘‘وحکمہ ثبوت الملک أی فی البدلین، لکل منہما فی بدل، وہذا حکمہ الأصلی، والتابع وجوب تسلیم المبیع والثمن’’ (رد المحتار، کتاب البیوع ۲۰۵،۱۸)۔

(بیع کا حکم اصلی یہ ہے کہ بدلین میں ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، عاقدین میں سے ہر ایک کی ملکیت بدل میں ثابت ہوجاتی ہے، اور اس کاضمنی حکم یہ ہے کہ مبیع اور ثمن ایک دوسرے کے حوالہ کرنا لازم ہے)۔

جہاں تک بات دلال کمپنی کا یہ شرط لگاکر بیچنا کہ جب بھی آپ کو بیچنا ہو تو ہمارے پاس بیچنا، شرط باطل ہے اور اس سے عقد فاسد ہوجائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

‘‘لا یحل سلف وبیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک’’ (سنن ابی داود، حدیث نمبر: ۳۵۰۶،مسند احمد، حدیث نمبر: ۶۶۷۱)۔

(قرض کی شرط کےساتھ بیع جائز نہیں، اور نہ ہی بیع میں دوشرطیں جائز ہیں، اور نہ ہی اس چیز سے نفع اٹھانا درست ہے جو اس کی ضمانت میں نہ آئے، اور نہ اس چیز کی بیع درست ہے جو آپ کے پاس نہ ہو)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے :

‘‘.... أن عبد اللہ بن مسعود ابتاع جاریۃ من امرأتہ زینب الثقفیۃ، واشترطت علیہ أنک إن بعتہا فہی لی بالثمن الذی تبیعہا بہ، فسأل عبد اللہ بن مسعود عن ذلک عمر بن الخطاب فقال عمر بن الخطاب:لا تقربہا وفیہا شرط لأحد’’ (موطأ مالک، حدیث نمبر: ۱۲۹۷، ۲۲۸۰)۔

(حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنی بیوی زینت ثقفیہ سے ایک باندی خریدی، ان کی

بیوی نے بیچتے وقت یہ شرط لگائی کہ اگر آپ اسے فروخت کریں تو میرے ہی ہاتھ اسی قیمت پر فروخت کریں، عبد اللہ ابن مسعودؓ نے اس معاملہ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کے قریب نہ جاؤ جب کہ اس میں کسی کے لئے کوئی شرط لگی ہو)۔

اس تعلق سے امام سرخسیؒ لکھتےہیں:

''بیع میں ایسی شرط ہو جس سے عاقدین میں سے کسی ایک کا نفع متعلق ہو، تو ایسی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ شرط فی نفسہ باطل ہے، اور اس سے فائدہ اٹھانے والا اس کے بغیر راضی بھی نہیں، اوراس شرط سےدونوں کے درمیان مطالبہ راہ پارہا ہے، اس لئے بیع فاسد ہے '' (المبسوط للسرخسی، باب البیوع إذا کان فیہا شرط ۱۵،۲۷۸)۔

الغرض اس طرح کی مشروط بیع جائز نہیں ہے۔

**خلاصہ بحث:**

۱۔ کسی کا بھی سرکاری اراضی پرقابض ہونا، ان کی خریدوفروخت کرنا، رشوت کے ذریعہ لےآوٹ کروانا، ان پر مکان تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہے،ایسا کرنے والا گناہ گار، ظالم، خائن اور غاصب ہے۔

۲۔ اوقاف کی زمینوں کا غصب کرنا حرام اور جرم عظیم ہے، اور جانتے بوجھتے ایسی مغصوبہ زمینوں کا خریدنے والا بھی اس جرم مینبرابر کا شریک ہے۔

۳۔ میراث کی شرعی تقسیم لازم ہے، اگر مستحق وارث کو وراثت نہیں ملی تھی اور وہ زندہ ہو تو اس کو وراثت دینا لازم ہے، اور اگر وہ مرچکا ہو تو اس کے وارثین کو ان کاحق دینا لازم ہے، کوئی اگر نہیں دیتا ہے تو ایسی موروثی زمین جس کا زیادہ تر حصہ شرعی طور پر منقسم ہو، اس کا خریدنا جائز اور درست ہوگا، لیکن اگر اس کا زیادہ حصہ غیر شرعی طو رپر منقسم ہو اور غیر مستحق اس پر قابض ہوں تو اس کا خریدنا مکروہ ہے، اور اگر اس میں اشتباہ ہو تو نہ خریدنا اولی ہے۔

۴۔ اگر کسی کی آمدنی مکمل حرام تھی اور اس حرام مال سے اس نے زمین خریدی، تو دوسروں کا جانتے بوجھتے اس کی زمین خریدنا ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر اس میں حلال وحرام دونوں کاامکان ہو تو اس زمین کا خریدنا مکروہ ہے، او رشک کی بنیاد پر نہ خریدنا افضل ہے۔

۵۔ حکومت کے قانون کے مطابق جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے، اس کی پابندی لازم ہے، اس کے برخلاف راستوں کی چوڑائی کم کردینا اور اسے بیچنا ، اسی طرح پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پل وغیرہ کی جگہ بیچ دینا ناجائزہے، ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہے، جانتے بوجھتے ایسی زمینوں کا خریدناجائز نہیں ہے، صرف ترغیب کےلئے مسجد کی جگہ مقرر کرنے سے وہ مسجد نہیں ہوئی، جب تک کہ اسے عملاً وقف نہ کیاجائے اور اس

میں کم ازکم ایک آدمی نماز نہ پڑھ لے۔

۶۔ قانونی اعتبا رسے کالونی میں گارڈن او رپلے گراؤنڈ رکھنا ضروری ہو تو کالونی بنانے والے پرلازم ہے کہ وہ اس قانون کو عملی جامہ پہنائے، زمین بیچنے والے یا کالونی بنانے والے کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ گارڈن یا پلے گراؤنڈ کی زمین مسجد کو دے دے، کیونکہ یہ مفاد عامہ کے لئے مشترکہ زمین ہے، ہاں اگر وہاں بسنے والے تمام مالکان زمین اس کی اجازت دے دیں تو پھر وہ شرعی مسجد تصور کی جائے گی، جیسا کہ ملک مشاع کے وقف کا مسئلہ ہے۔

۷۔ قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر پلاٹ خریدنا اوربیچنا اور کالونی بنانا درست نہیں ہے، اور بغیر منظوری کے کالونی بنانے کے لئے پولیس اور متعلقہ محکمہ کو رشوت دینا ناجائز اور حرام ہے۔

۸۔ ٹیکس سے راہ فرار اختیار کرنا اوروہائٹ منی (White Money) نہ دکھانا مناسب نہیں ہے، قانونی دشواری سے بچنے کےلئے اور زمینوں کے کاروبار میں رہنے کے لئے لون لینا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ اس میں اضطرار نہیں پایا جاتا، ایسا کرنے والے کےلئے خدا کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

۹۔ پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی بشرطیکہ مبیع کی مقدار اور قیمت وغیرہ متعین کردی جائے، اور اس طرح خریدوفروخت کا عمل درست ہے، فروخت کرنے والے کےلئے یہ جائز نہیں ہے کہ نقشہ میں پلاٹ کا جو نمبر دکھایا گیا ہے، اس کو کسی اور جگہ ڈال دے۔

۱۰۔ بیع کےانعقاد یعنی ایجاب وقبول کے ساتھ ہی خریدار مبیع کا مالک ہوجاتا ہے، خواہ اس پر فی الفور قبضہ ہو یا نہ ہو، بیچنے والا کاشت کی شرط نہیں لگاسکتا، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس سے عقد فاسد ہوجائے گا۔

۱۱۔ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں اسی وقت آگئی تھی جب اس نے پلاٹ خریدا تھا، کیونکہ انعقاد بیع کے ساتھ ہی خریدار مبیع کا مالک ہوجاتا ہے، اگر عرف عام کے اعتبار سے مشتری کا زمین پر قبضہ تھا تو پھر اس کا بیچنا جائز ہے، لیکن اگر قبضہ نہیں تھا تو دلائل کی روشنی میں غیر منقولہ مال کو بھی بیچنا درست نہیں ہے۔

۱۲۔ زمین پر بغیر قبضہ کے فروخت کرنا دلائل کی روشنی میں جائز نہیں ہے، ہاں عرف عام میں جس کو قبضہ سمجھاجاتا ہو اس کےبعد فروخت کرنا جائز ہے، دلال کا مشتری کو یہ شرط لگانا کہ جب بھی وہ زمین فروخت کرے تو وہی دلال بیچے گا جائز نہیں ہے، اس طرح کی شرط بیع کو فاسد کر دے گی۔

۱۳۔ کالونی بنانے والے کا اگر پلاٹس پر قبضہ تھا تو وہ جس سے چاہے پلاٹس فروخت کرسکتا ہے، او راسی وقت مشتری کی ملکیت اس میں ثابت ہوجائے گی، لیکن

کالونی بنانے والے کا یہ شرط لگانا کہ جب بھی وہ زمین فروخت کرے تو اسی سے فروخت کرے یا پھر دوسرے خریدا ر کو اس سے ملانا ہوگا، یہ شرط فاسد ہے، عقد سے پہلے ایسی شرط ہو تو بیع فاسد ہوجائے گی، عقد کےبعد اگرا یسی شرط ہو تو اس سےکچھ فرق نہیں پڑے گا۔

۱۴۔ ادھار یا قسطوں میں بیع جائز ہے، بیع کے وقت ہی خریدار مبیع کا مالک ہوجاتا ہے، قسطیں وقت پرادا نہ کرنے کی صورت میں بیع کو کینسل ماننا جائز نہیں ہے، بلکہ مہلت دینی چاہئے، باوجود مہلت کے اگر مشتری باقی قسطیں ادا نہیں کررہا ہے تو اس کی زمین فروخت کرواکر صر ف اپنی رقم لینا جائز ہے، زائد رقم لینا مشتری پر ظلم ہے۔

۱۵۔ شریعت میں دلالی او راس کی اجرت جائز ہے، لیکن دلال کا اپنی من مانی زمین بیچنا او رزائد رقم اپنے پاس رکھ لینا ناجائز اور حرام ہے، زائد رقم مالک زمین کی اجازت پر موقوف ہے۔

جب بیع مکمل ہوجائے تو مبیع اور ثمن کا آپسی تبادلہ لازم ہے، مبیع پر قبضہ نہ دلانا ظلم ہے، دلال کمپنی کا یہ شرط لگانا کہ جب بھی آپ کو زمین بیچنا ہو ہم سے ہی بیچنا فی نفسہ باطل ہے اور ایسی شرط سے بیع فاسد ہوجائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل

مفتی عبد الحمید قاسمی دیناجپوری•

**سرکاری اراضی پر غیر قانونی قبضہ اور ان کی بیع وشراء کا حکم:**

جواب نمبر۱: لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یا غندہ عناصریاکسی بھی شخص کا سرکاری یا غیر سرکاری زمینوں پر غیر قانونی اورناجائز طریقے سے قبضہ کرلینا جائز نہیں، رشوت یا سیاسی اثرورسوخ کے ذریعہ اگر ''لے آئوٹ ''حاصل بھی کرلیاجاتاہے تو اس سے قابض کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اصل مالکین کی ہی ملکیت رہے گی، لہذا قابض کا ان زمینوں کو بیچنا، ہبہ کرنا یا ان سے خریدنا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہوگا، یہ عمل سراسر غصب ہے جو نہ تو شرعاًجائز ہے، نہ ہی قانوناً، کسی چیز کی بیع وشراء کے لئے اس پر بائع کی ملکیت کا ہونا اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطا د، لأنہ باع ما لا یملکہٗ'' (ہدایہ ۵۱،۴)۔

**موقوفہ اراضی کی خرید وفروخت:**

جواب نمبر ۲:موقوفہ زمین اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، خود واقف بھی وقف مکمل ہوجانے کے بعد ان کی بیع وشراء کامجاز نہیں ہے، اس لئے ان کی خریدوفروخت درست نہیں، اگر غنڈہ عناصر یا خداکے خوف سے بے پرواہ لوگ ان اراضی پر کسی طرح قبضہ بھی کرلیتے ہیں، توان پر ان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، لہذا ان کی بیع وشراء کے درست ہونے کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا ''لابیع فیما لایملک ابن آدم''۔

البتہ اگر موقوفہ زمین سے مقصد وقف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہاہے، یا اس کی حفاظت کا مسئلہ پیش آگیاہے تو اس کی آمدنی سے اس کی حفاظت کا سامان کیا جاسکتاہے، نیز اگر شرپسند عناصر کے ہاتھوں پہنچ جانے کا قوی اندیشہ ہے تو متولی اس کو فروخت کرکے اس کا متبادل خریدسکتاہے، فتاویٰ شامی میں ہے:''فإذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن، لا یکون ملکوکا لصاحبہٖ، ولایملک أی لایقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملک'' (شامی کتاب الوقف۵۳۹،۶، ہدایہ ۶۳۷،۲)۔

بصورت مجبوری وخطرہ، استبدال وقف کے جوازپر مندرجہ ذیل عبارت سے روشنی ملتی ہے:''سئل شیخ الإسلام عن أھل قریۃ رحلوا وتداعیٰ مسجدھا إلی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہٖ وینقلونہ إلی دورھم ھل لواحد لأھل المحلۃ أن یبیع الخشب

---

• ادارہ فیض القرآن محمود چوک ٹھکری باڑی ، ضلع اتر دیناجپور مغربی بنگال۔

بأمرالقاضی ویمسک الثمن لیصرفہٗ إلی بعض المساجد أو إلی ھذا المسجد قال نعم" (ردالمحتار، کتاب الوقف ۴،۳۶۰)۔

**موروثی زمین کی شرعی تقسیم کے بغیر خریدوفروخت:**

جواب نمبر ۳ : ایسی زمین جس پر شرعی تقسیم جاری نہیں ہوئی مثلاً والد نے پھوپھیوں کو یا دادا نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا تھا، اب بیٹے یاپوتے ان پر قابض ہیں اور فروخت کرنا چاہتے ہیں تو جتنا حصہ ان کا ہے اس میں بیع درست ہوجائے گی اور اگر انھوں نے اپنی پھوپھیوں یا دادا کی بہنوں کا حصہ بھی فروخت کردیاہے تو ان کے حصوں کی بیع موقوف رہے گی، اگر انہوں نے اجازت دے دی تو وہ بیع نافذ ہوجائے گی اور اگر اجازت نہیں دی تو رد ہوجائے گی۔ ''لابیع فیما لایملک ابن آدم''۔

**حرام آمدنی کے ذریعہ اکٹھی کی گئی زمین کا خریدنا:**

جواب نمبر۴: حرام آمدنی سے زمین خریدنے کی کئی صورتیں فقہاء کرام نے لکھی ہیں: (۱)خریدنے والے نے بعینہٖ حرام مال اولاًبیچنے والے کے حوالے کیا، پھر اسی مال حرا م سے زمین خریدا، (۲)اولاًزمین خریدلی پھر وہی مال حرا م اس کے حوالے کردیا، (۳)اولاًزمین خریدی پھر اس مال حرام کے بجائے دوسرامال دیا، (۴)مطلقاً کوئی زمین خریدی لیکن پھر وہی مال حرام بائع کے حوالے کردیا، (۵) زمین خریدی حرام کے علاوہ دوسرے روپے پیسے کے عوض لیکن پھر وہی مال حرام حوالے کردیا۔

اگر مشتری اول نے پہلی اور دوسری صورت کے ذریعہ خریداہے تب تو کسی دوسرے خریدار کو وہ زمین خریدنا درست نہیں اور بقیہ صورتوں سے خریداہے تو علامہ کرخی نے دفع حرج کے لئے اس سے دوسرے کے خریدنے کو جائز قرار دیاہے، فتاویٰ شامی میں ہے:''قولہٗ اکتسب حراماً توضیح المسئلۃ مافی التتارخانیۃ حیث قال رجل اکتسب مالاً من حرام ثم اشتریٰ فھذا علی خمسۃ أوجہ:إما إن دفع ذلک الدراھم إلی البائع أولاً ثم اشتریٰ منہ بھا أو اشتریٰ قبل الدفع بھا ودفعھا أو اشتریٰ قبل الدفع بھا ودفع غیرھا أواشتریٰ مطلقاً ودفع تلک الدراھم أو اشتریٰ بدراھم آخر، ودفع تلک الدراھم قال الکرخی فی الوجہ الأول والثانی لایطیب والثلاث الآخرۃ یطیب وقال أبوبکر لایطیب فی الکل لکن الفتویٰ الآن علی قول الکرخی رفعا للحرج عن الناس" (الدر المختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطلب اذا اکتسب حراماً مع رد المحتار ۵،۲۳۵)، لیکن احتیاط وتقویٰ کا تقاضہ ہے کہ ایسی زمین نہ خریدی جائے۔

**کالونی بنانے والے کا سوئمنگ پول، گارڈن یا مسجد کے لئے مقرر کی گئی زمین کا فروخت کردینا:**

جواب نمبر۵: لے آئوٹ کی منظوری کے لئے حکومت نے جو قانون بنایا ہے، سڑک، پلے گرائونڈ وغیرہ کے لئے جو اصول مقرر کیاہے کالونی بنانے والے نے ان کی پابندی کا عہد کیا ہے، اسے پوراکرنا چاہئے، لوگوں کو پلاٹ خریدنے کی ترغیب دینے کے

لئے نقشہ میں یہ چیزیں رکھنا اور پھر پلاٹنگ شروع ہونے کے بعد خریداروں کے ازدحام کو دیکھ کر مفاد عامہ کے لئے مقرر کی گئی زمینوں کو بھی فروخت کردینا دھوکہ ہے جو ناجائز ہے، دھوکہ دہی کے ذریعہ گاہکوں کو اپنی طرف مائل کرنا ایک مسلمان کے لئے انتہائی نامناسب ہے، تاہم زمین چونکہ کالونی بنانے کی ملکیت ہے، ''لے آئوٹ '' کے حصول کے باوجود اس کی زمین اسی کی ملکیت میں ہے، اس لئے شرعاً ایسے پلاٹوں کی بیع وشراء درست ہوگی، لیکن قرآن وحدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے کہ عہد وپیمان کو پوراکریں، لہذا مسلمانوں کو نفع خوری کی لالچ میں اس طرح کی حرکتوں سے پر ہیز کرنا چاہئے۔

**معاہدے کے مطابق گارڈن کے لئے طے شدہ زمین پر بنائی گئی مسجد کا حکم:**

جواب نمبر ۶ : معاہدے کی خلاف ورزی درست نہیں، تاہم کالونی بنانے والے نے اگر اپنی مملوکہ زمین پر مسجد بنائی ہے، اس پر سے اپنا قبضہ بھی اٹھا لیاہے اور اس میں نماز شروع ہوگئی تو وہ مسجد شرعی کے حکم میں ہے:''رجل لہٗ ساحۃ لابناء فیھا آمرقوما أن یصلوا فیھا بجماعۃ إلی قولہ أحدھا إن أمرھم بالصلوٰۃ فیھا أبداً نصا بأن قال صلوا فیھا أبداً أو أمرھم بالصلوٰۃ مطلقاً ونوی الأبد ففی ھذین الوجھین صارت الساحۃ مسجداً لومات لایورث عنہ'' (الفتاویٰ الھندیہ ۲، ۴۰۹)۔

لہذا مذکورہ مسجد شرعی مسجد کہلائے گی اگر بالفرض مسجد کی عمارت کھڑی بھی نہ ہوئی اور مالک زمین محض مسجد کے لئے مختص زمین پر نماز کی اجازت دیتا اور اس میں نماز شروع ہوجاتی، توبھی وہ زمین مسجد شرعی بن جاتی، البتہ شرط یہ ہے کہ مالک زمین کی اجازت سے نماز ہوئی ہو اور باجماعت ہوئی ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:''التسلیم فی المسجد أن تصلی فیہ جماعۃ بإذنہ (ھندیہ ۲،۴۵۵)۔

**قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیاں بنانا اور پلاٹ فروخت کرنا:**

سوال نمبر ۷ :حکومت کے قوانین وہدایات مفادعامہ کے ساتھ مربوط ہونے چاہئے:''وفعل الأمیر منوط بمفاد العامۃ'' کالونی اور پلاٹنگ کے سلسلے میں حکومتی قوانین میں بے پناہ دشواریاں ہیں، ان تقاضوں کی تکمیل کے بعد قیمتیں آسمان کو چھونے لگتی ہیں اور غریب اپنے بنیاد ی حق مکان سے محروم رہتے ہیں، پھر حکومت نے ان قوانین میں لچک پیداکررکھی ہے کہ غیرقانونی کالونیوں کو قانونی بنانے کا موقع فراہم کرتی ہے، جب حکومت خود چشم پوشی سے کام لیتی ہے اور پھر اکثر غریب آبادیاں اسی طرح بسائی گئی ہیں تو اس نرم رویہ کو دیکھتے ہوئے اس طرح کی کالونیاں بنانے اور پلاٹ فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کسی بھی حکومت کے لئے یہ درست نہیں کہ خواہش نفس ، ظلم وزیادتی پر بنی مفاد عامہ کے خلاف کوئی فرمان صادر کرے، ''وھذہ الطاعۃ کما أنھا مشروطۃ بکون أمرالحاکم غیر معصیتہ فإنھا مشروطۃ أیضا بکون الاٰمر صادراً عن مصلحۃ

لاعن هویً أو ظلم لأن الحاکم لایطاع لذاتہ وإنما یطاع من حیث أنہٗ متول لمصالح العامۃ'' (تکملہ فتح الملھم۳ ،۳۲۳)۔

**مالی حیثیت ہوتے ہوئے محض قانونی دشواری سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کا حکم:**

جواب نمبر: ۸ سود کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، اس میں کسی کااختلاف نہیں، سود چاہے بنیادی ضروریات کے لئے ہو یا پھر معاشی خوشحالی کے لئے یا اپنی تجارت کو فروغ دینے کیلئے، بہر صورت سود ہے اور خود آں حضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی ہر طرح کے سودی قرض کا رواج تھا اور یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جو معاشی بدحالی تھی بعد کے دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے، اس وقت بھی یہودی معیشت پر حاوی تھے اور مسلمان معاشی اعتبار سے ان سے کافی پیچھے بلکہ ان کے تنخواہ دار بھی ۔

سود کی تباہ کاری:

آج دنیا میں جتنی تباہ کاریاں آئی ہیں وہ اسی سودی نظام کے تحت آئی ہے جس میں امیر امیر ترین بنتے جارہے ہیں اور غریب کا چولھا بجھ رہاہے، سود کی اسی لعنت کی بناء پر اسلام نے اسے قطعی حرام قرار دیا ہے اور دوسرے محرمات کی طرح اسی وقت اس کی اجازت دی ہے جب آدمی کے لئے اس کے بغیر اپنی جان اور عزت وآبرو کو محفوظ رکھنا مشکل ہوجائے۔ ''إلا ما اضطررتم إلیہ''۔ پھراس میں بھی یہ قید لگادی کہ طالب لذت نہ ہو، نہ ہی حد سے تجاوز کرے، یعنی جس مقدار میں یہ خطرہ ٹل جائے اسی پر اکتفاکرنا ضروری ہے، اگر ضرورت کو عرفی معنی پر محمول کیا جائے تو سود کا وسیع دروازہ کھل جائے گا، لہٰذا صرف ضرورت بمعنی اضطرار کے وقت ہی شرعی قیود کے ساتھ اس کا جواز ہوسکتاہے، علامہ ابن نجیم مصری اپنی شہرۂ آفاق کتاب الاشباہ والنظائر میں تحریر فرماتے ہیں : ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر، العادۃ محلۃ ،۳۶۷)۔

اہل ایمان کی مادی ترقی کا مدار:

صدیوں کے تجربات ومشاہدات اس بات پر شاہد ہیں کہ مسلمانوں کی مادی ترقی کا معیار بھی غیروں سے الگ ہے، خود نصوص بھی اس طرف رہنمائی کرتی ہیں، اگر مسلمان شریعت کی پابندی کریں اور شرعی حدود میں رہ کر تجارت کریں تو اللہ کی مدد ضرور شامل حال ہوگی ،شوشلزم اور کمیونزم یا سرمایہ دارانہ نظام کی عمریں زیادہ نہیں ہیں، صدیوں تک اسلام نے کامیاب نظام معیشت پیش کیا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ دوسری اقوام بھی اس کے انواروبرکات سے بہرہ ور ہوئے ہیں اور جوں جوں شریعت کی گرفت ڈھیلی پڑ تی گئی اور خلاف شرع نظا م پر اعتماد کیاجانے لگا،اللہ کی مدد ہٹتی گئی اور مسلمان قعر مذلت میں گرتے چلے گئے، یہ ہرگز ممکن نہیں کہ مسلمان سودی قرض کے

ذریعہ مادی ترقی کرلیں، کیونکہ آقا ﷺ نے یہ پہلے ہی واضح کردیاہے: ‘‘إن الربوا وإن کثر فإن عاقبتہ تصیر إلی قل’’ (مشکوۃ) (سود خواہ کس قدر زیادہ ہوجائے انجام کار وہ قلت کی طرف لے جائے گی)، اس کے بالمقابل اگر معاصی سے تائب ہوکر اپنے کو ہر معاملے میں شریعت کے تابع بنادیاجائے توا للہ کا وعدہ ہے کہ وہ اُخروی نجات کے ساتھ ساتھ سارے دنیوی مسائل بھی حل فرمادیں گے۔

قرآن کا صاف اعلان ہے:‘‘ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجا’’ کہ جو شخص اللہ سے ڈرے گا، تقویٰ وپرہیز گاری اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ دے دے گا، ان واضح ارشادات کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو دنیا کے سودی نظام سے واسطہ نہیں رکھنا چاہئے، وہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے تجارت کریں، شریعت کے اصول اور تجارت کے شرعی مسائل سے واقفیت حاصل کریں، شروع میں دشواریاں پیش آئے گی، لیکن اللہ تعالیٰ راہیں نکال دینگے، ایک کریم آقا اپنے مخلص نوکر کو فراموش نہیں کرتا، برکت اور کثرت کے لئے خطیر رقم ہی سے تجارت کرنا ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ چھوٹی رقم اور چھوٹی تجارت میں بھی برکت دے گا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس کی بہترین مثال ہیں، مدینہ ہجرت کرنے کے بعد خالی ہاتھ تجارت شروع کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دولت کے انبار لگ گئے۔

**زمین کی خریدوفروخت میں کیا پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی:**

جواب نمبر۹ :زمین کی خرید وفروخت کی یہ صورت ،کہ کالونی میں جو قطعہ زمین بیچاجاتاہے وہ نقشہ پر تو درج ہوتاہے اور زمین کے ہر ٹکرے کا ایک نمبر ہوتاہے، لیکن زمیں پر پلاٹس بنائے نہیں جاتے اور کالونی بسانے والے کے لئے اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ وہ اس جگہ کو تبدیل کرے یا نقشہ میں جس پلاٹ کا جو نمبر دیاگیاہے اس کو کسی اور جگہ ڈال دے الخ۔ ازروئے شرع درست ہے، کیوں کہ مبیع اور ثمن میں کوئی جہالت نہیں ہے، صرف پلاٹ نمبر کے آگے پیچھے ہونے کا احتمال رہتاہے اور اس جہالت یسیرہ کو مشتری گوارہ کرلیتاہے اور اس سے باہمی نزاع پیدانہیں ہوتا، اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کی تعیین ایک ہی طرح سے نہیں ہوتی، ان کے قبضہ میں بھی فرق ہوتاہے، جب نقشہ میں اشارہ موجود ہے تومبیع متعین ہوگئی صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:‘‘والأعواض المشار إلیھا لایحتاج إلی معرفۃ مقدارھا فی جواز البیع لأن بالإشارۃ کفایۃ فی التعریف وجھالۃ الوصف فیہ لا تفضی إلی المنازعۃ’’ (ہدایہ۳،۲۰)۔

صاحب ہدایہ نے بیع کی مذکورہ صورت کو حضرات صاحبین کے حوالے سے جائز قراردیاہے:‘‘ومن اشتریٰ عشرۃ أذرع من مأۃ ذراع من دار أوحمام فالبیع فاسدعند أبی حنیفۃ وقالا:ھو جائز وإن اشتریٰ عشرۃ أسھم من مأۃ سھم جاز فی قولھم جمیعاً’’۔

دراصل حضرات صاحبین ہوں یا امام صاحب کے دیگر تلامذہ ،انہوں نے اپنا کوئی

قول اختیار نہیں کیا ہے، ان کی طرف منسوب اقوال بھی دراصل امام صاحب ہی کے اقوال ہوتے ہیں، دلائل کی روشنی میں جب کسی مسئلے میں مختلف پہلوسامنے آتے ہیں اور دلائل میں موجود گنجائش کی بناپر امام صاحب کے قول میں تعدد ہوجاتاہے، پھر احوال زمانہ اور تبدیلی عرف کی بنا پر جب امام صاحب کے تلامذہ ان ہی کے بیان فرمودہ کسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں تو یہ قول ان کی طرف منسوب ہوجاتاہے ، علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں اس بات کی صراحت فرمائی ہے ،امام صاحب کے تلامذہ قسم کھاکر فرماتے ہیں کہ ہمارے اقوال دراصل امام صاحب ہی کے اقوال ہیں اور اگر امام صاحب ہوتے تو موجودہ صورت حال کو دیکھ کر وہ بھی یہی فتویٰ دیتے (شرح عقود رسم المفتی،۱۰۱)۔

لہٰذا عرف اور عدم نزاع کے یقین کی صورت میں بیع کی مذکورہ صورت جائز ہونی چاہئے، بشرطیکہ اس میں بیع کی دیگر ضروری شرطیں پائی جاتی ہوں۔

**بیچی ہوئی زمین پر بیچنے والے کا کاشت کرنا:**

سوال نمبر۱۰ : جب ایجاب وقبول مکمل ہوگیا، مبیع اور ثمن کی تعیین بھی ہوگئی تو اب بائع کے لئے جبراً اسے اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں، اس پر فوراًمشتری کی ملکیت ثابت ہوگئی، بیع صحیح میں ملکیت کے لئے قبضہ بھی شرط نہیں ہے، ہاں بیع فاسد میں مبیع پر مشتری کی ملکیت اس وقت ثابت ہوگی جب وہ اس پر قبضہ کرلے گا۔

''وإذاحصّل الإیجاب والقبول لزم البیع ولاخیار لواحد منهما''( ہدایہ۳،۲۰)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بائع کے لئے اپنی بیچی ہوئی زمین پر کاشت کرنا جائز نہیں، وہ مشتری کی ملکیت ہے، الایہ کہ مشتری نے کھیتی کرنے کی اجازت دے دی ہو، نیز یہ پہلو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر زمین بیچنے والے نے اپنے لئے کچھ مدت کے لئے کاشت کرنے کی شرط لگادی ہے تو پھر یہ بیع درست ہی نہ ہوگی اور مشتری اس کا مالک نہ ہوگا: ''وکل شرط لایقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهومن أهل الاستحقاق کشرط أن لایبیع المشتری العبد المبیع لأن فیه زیادة عاریة عن العوض فیودی إلی الربوا أو لأنه یقع بسببه المنازعة فیعری العقد عن مقصوده إلا أن یکون متعارفا لأن العرف قاض علی القیاس'' (ہدایہ۳ ،۵۹)۔

**خریدے ہوئے پلاٹ کو متعین ہونے سے پہلے محض کاغذی نقشہ کی بنیاد پر فروخت کرنا:**

جواب نمبر ۱۱ : اس کی دوصورتیں ہیں :

(الف) اگر زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی تھی اور پھر اس نے پلاٹ بناکر اس کو فروخت کیا تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ کالونی بنانے والا اس کا مالک مختارہے، اس میں جو بھی تصرف کرنا چاہے شرعاًقانوناً عقلاً ہر اعتبارسے جائز ہے۔

(ب) لیکن دوسری صورت جس میں مالک زمین صرف پلاٹنگ کی اجازت دیتاہے، قدرے تفصیل طلب ہے، اگر مالک زمین اور پلاٹنگ کرنے والے کے درمیان مبیع اور ثمن

متعین ہوکر ایجاب وقبول بھی ہوچکاہے تو اس کی بیع مکمل ہوچکی ہے، اس میں چونکہ ثمن اداکرنے کی ایک مدت بھی مقرر کی گئی ہے، اس لئے اس کو بیع مؤجل کہینگے، اس میں ادائیگی کا وقت متعین کرنا ضروری ہوگا۔

لیکن اگر مالک زمین اور پلاٹنگ کرنے والے کے درمیان خریدوفروخت کا معاملہ طے نہیں ہوا، بلکہ حکومتی منظوری کی توقع پر محض امکانی درجے میں پلاٹنگ کرلی گئی اور پھر پلاٹنگ کرنے والے نے اس کو فروخت کردیا تو یہ بیع الفضولی کہلائے گی، یعنی ایک غیر مالک شخص نے کسی کی چیز فروخت کردی، اس صورت میں اصل منظوری مالک زمین سے حاصل کرنی ہوگی، اگر اس نے اس خرید وفروخت کو منظور کرلیا تو یہ بیع درست ہوجائے گی، ورنہ کالعدم سمجھی جائیگی۔

''قال ومن باع ملک غیرہ بغیر أمرہ فالمالک بالخیار إن شاء أجاز البیع وإن شاء فسخ'' ( ہدایہ ۳،۸۸)۔

**کالونی بنانے والے کا دلالوں کے ذریعہ اپنے پلاٹس فروخت کرنا:**

جواب نمبر ۱۲ : سوال نمبر ۱۱ کی طرح اس میں بھی تفصیل ہے، اگر کالونی بنانے والے نے مالک زمین سے خرید وفروخت کا معاملہ طے کرلیا ہے اور اس پر قبضہ بھی کرلیا ہے( اگرچہ اس نے مالک زمین کوکاشت کرنے کی اجازت دے رکھی ہے )تو وہ اپنے پلاٹس خود بھی فروخت کرسکتاہے اور وکیلوں کے ذریعہ بھی، جنہیں آجکل دلال کہاجاتاہے، لیکن اگر اس نے زمین والے سے خریدوفروخت کا معاملہ طے نہیں کیا ہے ابھی معاملہ بھائو تائو تک ہی محدود ہے یا خرید وفروخت کا معاملہ تو طے ہوچکاہے، لیکن ابھی اس پر قبضہ نہیں کرسکاہے یعنی مالک زمین کی طرف سے ابھی تک رکاوٹ دور نہیں کی گئی ہے تو پھر کالونی بنانے والے کا ان پلاٹوں کو خود فروخت کرنا یا دلالوں کے ذریعہ فروخت کرنا درست نہیں ہے، یہ بیع قبل القبض کی قبیل سے ہے ،ہر وہ معاملہ جو انسان خود انجام دے سکتاہے اسے وکیل کے ذریعہ بھی انجام دے سکتاہے انسان بسااوقات بعض حالات کی بناپر کوئی کام خود انجام نہیں دے سکتا ہے، اور اسے اپنی حاجت کے لئے دوسرے کی مدد لینی پڑتی ہے، خود حضور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو قربانی کا جانور خریدنے کیلئے اور حضرت عمربن ام سلمہ کو نکاح کے لئے وکیل بنایا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:''قال وکل عقد جاز أن یعقدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یؤکل بہ غیرہ، لأن الإنسان قد یعجز عن المباشرۃ بنفسہ علی اعتبار بعض الأحوال فیحتاج إلی أن یوکل بہ غیرہ فیکون بسبیل منہ دفعا للحاجۃ وقد صح أن النبی ﷺ وکل بالشراء حکیم بن حزام وبالتزوج عمر بن أم سلمۃ'' (ہدایہ ۳، ۱۷۷)۔

**کالونی بنانے والے کا اپنے بیچے ہوئے پلاٹس خود ہی خریدنے کی شرط لگانا:**

جواب نمبر ۱۳ : خریدار جب تک واجب الاداء قسطیں کالونی والے کو ادانہ کردے اس وقت تک کالونی والے کو اپنے پلاٹس روک کررکھنے کا اختیاررہتاہے، فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے:''ویجوز للبائع أن لایسلم المبیع إلی المشتری حتی یستوفی الثمن''، لیکن جب خریدار نے طے شدہ ثمن اداکردیا تو اب مبیع پر بائع کا کوئی اختیار نہیں رہتا ہے، اس لئے بیع کی اس صورت میں یہ تفصیل ملحوظ رکھنی پڑے گی کہ اگر بائع نے ابتداء ہی میں شرط لگادی کہ اگر پلاٹس بیچنے کی نوبت آئے تو آپ (مشتری) دوسروں کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتے، ہمیں ہی فروخت کرنا ہوگا تو بیع مشروط ہے اور یہ ایسی شرط ہے جس کا نہ عقد تقاضا کرتا ہے، نہ ہی اس کا عرف عام میں چلن ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی، خریدار کی ملکیت ہی اس پر ثابت نہیں ہوگی۔

اور اگر دوسری صورت ہے کہ ابتداء میں تو اس کی کوئی قید نہیں تھی، بیع مطلق ہوئی تھی، مگر بعد میں کالونی بنانے والے نے شرط لگادی تویہ اس کی طرف سے زیادتی وظلم ہے، اسے اس کا اختیار نہیں ہے، اس پر ظلم وزیادتی کا گناہ ہوگا۔

**خرید وفروخت مکمل ہوجانے کے بعد محض بعض قسطوں کی ادائیگی نہ ہونے پر بائع کا سودا کینسل کرنا:**

جواب نمبر۱۴ :ایجاب وقبول مکمل ہوجانے کے بعد بائع یامشتری میں سے کسی کو بھی اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا، ہاں دونوں کی رضامندی ہوتو دوسری بات ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:''وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منهما إلا من عیب أو عدم رویۃ'' (ہدایہ۳ ،۳)۔

یعنی جب ایجاب وقبول ہوگیا تو معاملہ پختہ ہوگیا، اب تنہا کسی ایک کواس معاملے کو کینسل کرنے کا اختیارنہیں، رہی یہ بات کہ اس کی قسطیں وقت پر ادانہیں ہوئی یااب وہ ان قسطو ں کے اداکرنے پر قادر نہیں ہے، تو اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ خریدار کے ذمہ باقی قسطیں دین اور قرض ہیں، وہ کالونی بنانے والے کا مقروض ہے اور اس پر قرض کے احکام جاری ہونگے، یہ ہرگز درست نہیں ہے کہ اس کی خریدی ہوئی زمین ہتھیالی جائے اور وہ بھی اس وقت جبکہ سوگنا اس کی قیمت میں اضافہ ہوچکاہے، زمین خریدار کی ملکیت ہے، وہی اس کے نفع نقصان کامالک ہے، مشہور ضابطہ ہے:''الخراج بالضمان'' اگر خریدار ما بقی قسطیں اداکرنے سے قاصر ہے تو اس کی زمین فروخت ہوگی اور اس وقت اس کی جو قیمت ہوگی اس پر معاملہ کرنا ضرور ی ہوگا، خریدار کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ خودکالونی بنانے والے کو اپنا پلاٹ فروخت کرکے اپنی قسطیں اداکرے یا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرے اور اس کی قسطیں اداکرے ،زمین اس کی ہے، اس لئے اگر خوانخواستہ زمین کی قیمتوں میں گراوٹ آجاتی تو اس کا ذمہ دار بھی

مالک زمین ہوتا نہ کہ کالونی بنانے والا،مبیع کے نفع ونقصان کامالک وہی ہوتاہے جس کی ملکیت مبیع پر ہوتی ہے، حضور پاک ﷺ نے معاملہ کے کینسل ہونے کی صورت میں مبیع سے ہونے والے منافع کا فیصلہ مشتری ہی کے حق میں فرمایا ہے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے :

''عن مخلد بن خفاف قال ابتعت غلاما فاستغللته ثم ظهر ت منه على عيب فخاصمت فيه إلى عمر بن عبدالعزيز فقضى لى رده وقضى عَلّى برد غلته فأتيت عروة فأخبرته فقال أروح إليه العشية فأخبرهٗ أن عائشه أخبرتنى أن رسول اللهﷺ قضى فى مثل هذا أن الخراج بالضمان فراح إليه عروة فقضى لى أن أخذ الخراج من الذى قضىٰ به على'' (رواه فى شرح السنة، مشكوٰة ،۲۴۹)۔

(حضرت مخلد بن خفاف فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا اور پھر اس کی کمائی حاصل کی، پھر میں اس کے عیب پر مطلع ہواتو( خیار عیب سے استفادہ کرتے ہوئے اس معاملے کو کینسل کرنے کے لئے) اس معاملے کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش کیا، آپ نے غلا م کو واپس کردینے اور اس سے کمائی ہوئی رقم بائع کولوٹادینے کا فیصلہ صادر فرمایا ،میں حضرت عروہؓ کے پاس گیا اور ان کو اس فیصلے کی اطلاع دیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں شام کو ان کے پاس جائونگا اورانہیں بتائوں گا کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے بتایاکہ رسو ل ﷺ نے اسطرح کے معاملوں میں الخراج بالضمان کے مطابق فیصلہ فرمایا، چنانچہ حضرت عروہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس تشریف لے گئے، تو پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آمدنی کو مجھے واپس لے لینے کا فیصلہ صادر فرمایا جو میرے ذمہ لازم کیاتھا )۔

لہذا لوگوں سے اس طرح قسطیں وصول کرنا، پھر ان کے ذریعہ دولت بٹورنا اور پھر اس کی قیمت بڑھنے پر اس کو از خود کینسل کردینا ہرگز جائز نہیں ہے، کسی کا مال اس طرح ہڑپ کرلینا درست نہیں ہے، ہاں خریدار خود اس معاملے کا اقالہ کرنا چاہے اور بائع بھی رضامند ہوتو اس کی گنجائش نکلتی ہے ۔

''الإقالة جائز ة فى البيع بمثل الثمن الأول لقوله عليه السلام من أقال نادماً بيعته أقال الله عثراته يوم القيمة'' (ہدایہ۳،۶۹، والحديث روا ه ابودائود وابن ماجه وابن حبان )۔

**زمین کی دلالی سے متعلق مسائل:**

جواب نمبر۱۵ :دلالی کی یہ شکل تو بلاکراہت درست ہے کہ دلال اپنی دلالی اور محنت کا معاوضہ اپنے مؤکل سے وصول کرلے ،لیکن:

(الف)دلالی کی یہ شکل کہ اصل مالک سے قیمت معلوم کرکے پھر جتنے میں سوداطے کرسکے طے کرلے اور اصل قیمت مالک کے حوالے کرکے باقی رقم خود رکھ

لے درست نہیں ہے، دلال زمین کا مالک نہیں ہے، وہ صرف وکیل بالبیع ہے اور وکیل کے سارے تصرفات مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، وکیل ثمن کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ کر مابقی واپس کردے یہ ،درست نہیں ہے، یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت کا مقرر ہونا ضروری ہے:''ولایصح حتی تکون المنافع معلومۃ والأجرۃ معلومۃ'' (ہدایہ ۲۹۳،۳)۔

**کمپنی والے کا زمین بیچ کر پھر خود ہی خریدنے کیلئے قبضہ نہ دلانا:**

(ب) اس طرح کی مشروط بیع کہ مبیع پر قبضہ بھی نہ دلایاجائے درست نہینہے، مبیع کے سلسلے میں ہر طر ح کے تصرف کا حق مالک ہی کو ہوگا، کمپنی نے جب وہ پلاٹ کسی کے ہاتھ فروخت کردیاتو پھر اس پر اس کا کوئی حق نہیں رہ جاتا ۔

''وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منھما إلا من عیب أو عدم رویۃ'' (ہدایہ۲۰،۳)۔

# مختلف النوع زمینوں کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد الیاس قاسمی•

معاملات اسلام کا ایک اہم شعبہ ہے جس سے عموماً ہمارے معاشرے میں غفلت عام ہے اور ہم نے عملاً اسے دین سے خارج کر رکھا ہے، مسلمان نماز، روزہ ، زکوۃ و حج کا اہتما م کرتے ہیں اوراد ووظائف کی پابندی بھی کرلیتے ہیں، لیکن معاملات کے باب میں اسلامی احکامات پر عمل پیرا نہیں ہوتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام شعبوں میں احکام شریعت پر کار بند رہنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد باری ہے :

''یأیها الذین آمنوادخلوا فی السلم کافۃ'' (البقرۃ: ۲۰۸)۔

(اے ایمان والو ! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجائو)-

خرید و فروخت اورلین دین کے بارے میں اپنے آپ کو حرام اور ناجائز ذرائع آمدنی سے بچائے رکھنا ہی اصل پرہیز گاری ہے، معاملات صاف نہ ہونے اور حرام و حلال کی تمیز نہ کرنے سے انسان کی نمازیں و دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔

**جواب : ۱**

لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یاغنڈہ عناصر کاسرکاری اراضی پر قبضہ کرنا غصب کے حکم مینہے، اللہ کے رسولﷺ نے زمین غصب کرنے کی شدید الفاظ میں مذمت بیان فرمائی ہے: ''عن سعید بن زید قال: قال رسول اللہ ﷺ :من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنہ یطوّقہ یوم القیامۃ من سبعین أرضین'' (صحیح البخاری ۱،۵۷۱، کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع أرضین ط: بیروت) ۔

(حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا: جو کوئی ظالمانہ طور سے بالشت بھر زمین پر بھی قبضہ کرے گاتو اُسے قیامت کے روز ستّر زمینوں کاطوق پہنا یاجائے گا)۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

''قال الخطابی: قولہ (طوقۃ) لہ وجهان:أحدهما:أن معناه أنہ یکلف نقل ماظلم منها فی القیامۃ إلی المحشر ...الثانی :معناه :أنہ یعاقب بالخسف الی سبعین أرضا وتکون کل أرض فی تلک الحالۃ طوقافی عنقہٖ ... ... وفی الحدیث تحریم الظلم وتغلیظ عقوبتہٖ وإمکان غصب الأرض وأنہ من الکبائر، قالہ القرطبی'' (فتح الباری ۵،۱۳۰)۔

---

• دار الافتاء مدرسہ بیت العلوم پونہ۔

(علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں : آپ ﷺ کاارشاد ہے ''اس کو طوق پہنایاجائے گا ''اس کی دو صورتیں ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے جو زمین ظلماً حاصل کی ہے اُسے قیامت کے دن محشر کی طرف منتقل کرنے پر مجبور کیاجائے گا ...دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو ستّر زمینونتک دھنسانے کی سزادی جائے گی، یعنی اس حالت میں ہر زمین اس کے گلے میں طوق ہوگی ...حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ظلم حرام ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے اور زمین کو غصب کرنا ممکن ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے)۔

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے :

''یٰأیھاالذین اٰمنوا لاتأکلوا اأموالکم بینکم بالباطل'' ( البقرہ : ۱۸۸)۔

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا ؤ )۔

تفسیر روح المعانی میں ہے :

''(الباطل )''الحرام کالسرقۃ والغصب وکل مالم یأذن بأخذہ الشرع'' (روح المعانی ۱۰۵،۲)۔

(باطل سے مراد حرام ہے؛ جیسے چوری ، غصب اور ہر وہ طریقہ جس کو اختیار کرنے کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو)۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اتفق العلماء من أھل السنۃ علی أن من أخذ ما وقع علیہ اسم مال قل أو کثر أنہ یفسق بذلک وأنہ محرم علیہ أخذہ''( الجامع لأحکام القرآن القرطبی ۲ /۳۴) ۔

(اہل سنت کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کوئی اس قدر چیز لے گا جس پر اسمِ مال کا اطلاق ہو خواہ وہ کم ہو یازیادہ تو وہ اس کی وجہ سے فاسق ہوجائے گا، اس کالینا اس پر حرام ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ کاارشاد ہے:''لایحل مال امرئ مسلم إلابطیب نفس منہ''(سنن الدارقطنی ۳ ،۲۲، کتاب البیوع، رقم الحدیث : ۲۸۶۲)۔

(کسی مسلمان شخص کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں)

فقہاء کرام لکھتے ہیں:

''لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہٖ ولاولایتہ'' (الدرالمختار علی رد المحتار ۲۴۰،۹، کتاب الغصب)۔

(غیرکے مال مینتصرف اس کی اجازت اور ولایت کے بغیر جائز نہیں)۔

فقہی قاعدہ ہے:''لایجوز لأحدأن یتصرف فی ملک الغیر بلا إذنہ '' (درالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۹۸،۱، المائدہ : ۹۸)۔

قاعدۂ فقہیہ ہے :

''لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی'' (دررالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۱/۹۸ ، المائدہ ۹۸)۔

(کسی کے لئے جائز نہیں کہ کسی کے مال کوبغیر شرعی سبب کے حاصل کرے ) ۔

قدقیدت ھٰذہٖ المادّۃ :بلاسبب شرعی ''لأنہ بالأسباب الشرعیۃ کالبیع والإجارۃ والھبۃ والکفالۃ والحوالۃ یحق أخذ مال الغیر'' (درالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۱/۹۸، ۹۶، الماده : ۹۸ ،۹۶ )۔

(اس ماده میں بلاسبب شرعی کی قید لگائی گئی ہے، اس لیے کہ شرعی اسباب جیسے بیع ،اجاره ، ھبہ ، کفالہ او ر حوالہ سے دوسرے کامال لینا جائز ہوجاتا ہے ) ۔

لہٰذا لینڈگرابرس ، سیاسی لیڈران اورغنڈہ عناصر کی مقبوضہ سرکای اراضی کو براہ راست ،قابضین یا ان سے خرید ے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز نہیں ۔

لینڈگرابرس یاغنڈہ عناصرسے ان مقبوضہ سرکاری اراضی کی بیع حکومت کی اجازت پر موقوف ہوگی، چنانچہ ہدایہ میں ہے :

''من باع ملک غیرہ بغیر أمرہ فالمالک بالخیا ر إن شاء أجاز البیع وإن شاء فسخ'' (ہدایہ۳،۱۳۴)۔

(جو کوئی دوسرے کی ملکیت کو اسکی اجازت کے بغیر فروخت کردے تومالک کو اختیارہے کہ اگر چاہے تو بیع کی اجازت دے دے اور چاہے تو فسخ کردے )۔

مجلۃ الأحکام میں ہے :

''البیع الذی یتعلق بہٖ حق الغیر کبیع الفضولی وبیع المرھون ینعقد موقوفاعلی إجازۃ ذلک الآخر'' (مجلۃ الأحکام کتاب البیوع ، رقم الماده : ۳۶۸) ۔

(وہ بیع جس سے غیرکاحق متعلق ہو جیسے فضولی اورمرہونہ چیز کی بیع اس دوسرے شخص کی اجاز ت پر موقوف ہوگی )

اگر براہ راست قابضین یاا ن لوگوں سے خرید ے ہوئے حضرات سے ایسی زمینوں کی خریداری کرلی جائے اور خریداری کے وقت مشتری کو معلوم نہ ہو کہ یہ سرکاری مقبوضہ اراضی ہے تو بائع کو ان زمینوں کی قیمت حکومت کو ادا کرنا ہوگی اور اگر خریداری کے وقت مشتری کومعلوم رہا ہو کہ یہ مقبوضہ اراضی ہے اس کے باوجود اس نے ان اراضی کو قابضین سے خریدا ہوتو مشتری پر لازم ہوگاکہ وہ ان اراضی کی قیمت حکومت کو اداکرے ۔

اگر قابض حضرات حکومت سے صلح کرکے ان مقبوضہ اراضی کی قیمت ادا کردیں تو پھر براہِ راست قابضین یا ان قابضین سے خریداری کرنے والے حضرات سے ان اراضی کی خریداری شرعاً جائز ہوگی، اللہ تعالیٰ کاارشادہے : ''والصلح خیر'' (النساء: ۱۲۸) (او ر صلح بہترہے ) ۔

**جواب نمبر ۲ :**

عام حالات میں وقف کی زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنا یا اسے فروخت کرنا جائز نہیں، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں :

''فإذا تم ولزم لایملک ولایملک ولایعارولا یرھن'' ...قولہ (لایملک) أی لایکون مملوکا لصاحبہٖ ولایملک أی لایقبل التملیک بغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ ولایعارولایرھن لاقتضائھما الملک'' (الدرالمختار ۶/۴۲۱، کتاب الوقف)۔

البتہ اگر ایسے حالات پیداہوجائینکہ اوقاف کی زمین سے مقصد وقف کوکوئی نفع نہیں پہنچ رہاہو یا اس پر غیر مسلم حضرات کے قابض ہوجانے کا اندیشہ ہویا عملاً وہ اس کے کچھ حصے پر قابض ہوچکے ہوں تو ان صورتوں میں دیندار مسلمانوں کے مشورہ سے اوقاف کی زمین کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے متبادل زمین خریدنا جائزہے ، چنانچہ ھشامؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر وقف کی صورتحال ایسی ہوجائے کہ وہ مساکین کے لئے نا قابل انتفاع ہوجائے تو قاضی کے لیے گنجائش ہے کہ اسے فروخت کر دے او ر اس کی قیمت سے دوسری جائداد خریدکر دے دے، البتہ یہ حق صرف قاضی ہی کو ہے :

قال ھشام : سمعت محمدایقول : الوقف إذا صار بحیث لاینتفع بہ المساکین فللقاضی أن یبیعہ ویشتری بثمنہٖ غیرہ ولیس ذلک إلا للقاضی'' (البحرالرائق۵،۳۴۵، ط: زکریا) ۔

شمس الائمہ : علامہ حلوانیؒ سے ان اوقاف کے بارے میں دریافت کیاگیا کہ اگرو ہ معطل ہوجائیں اور ان کو آبادکرنا دشوار ہوجائے تو کیامتولی اسے فروخت کرسکتاہے اور اس کی جگہ دوسری جائیداد خرید سکتاہے ؟انہوننے جواب دیا :ہاں !

''سئل الحلوانی عن أوقاف إذا تعطلت وتعذر استغلالھا ھل للمتولی بیعھاویشتری مکانھا أخریٰ ؟ قال نعم'' (البحرالرائق۵/۳۴۵) ۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر و قف کے نگراں کو بادشاہ یا وارث کی جانب سے وقف کی زمین پر غاصبانہ قبضے کا اندیشہ ہوتو وہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت صدقہ کرسکتاہے، ہروقف کے نگراں جس کو اس کاخوف ہو اس کے لئے یہی حکم ہے :

''قیم خاف من السلطان أو من وارث یغلب علی أرض وقف یبیعھا ویتصدق بثمنھا وکذا کل قیم إذا خاف شیئا من ذلک لہ أن یبیع ویتصدق بثمنھا'' (البحرالرائق ۵/۳۴۵،ط: زکریا)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر وقف ویران ہوجائے اور اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتو اسے فروخت کرکے اس کی قیمت کے عوض ایسی جائیداد خریدی جائے گی جو مستحقین وقف کوفائدہ پہنچاسکے اور پہلی ہی جائیداد کی طرح اس کو وقف رکھا جائے گا:

''وإذاخرب الوقف ولم یرد شیئا بیع واشتری بثمنہ مایرد علی أھل الوقف وجعل وقفا

کالاوّل" (المغنی لابن قدامہ ۵/۳۶۸)۔

علامہ ابن الھمامؒ تحریر فرماتے ہیں :

"لکن لا یبیعھا إلا باذن الحاکم وینبغی للحاکم إذا رفع إلیہ ولامنفعۃ فی الوقف أن یأذن فی بیعھا إذا رآہ أنظر لأھل الوقف" (فتح القدیر ۶/۱۲-۲۱۱ط : زکریا) ۔

اوقاف کی ناقابل انتفاع اراضی کوفروخت کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں :

(۱) ان اراضی کو معمولی قیمت پرنہیں بلکہ مارکیٹ ویلو پر فروخت کی جائے ۔

(۲) تبادلہ ٔ اوقاف کا مجازعام متولیوں کے بجائے دیانتدار وذمہ دار ادارہ کو بنایاجائے۔

(۳) موقوفہ اراضی کے بدلے اراضی ہی حاصل کی جائے،روپیہ پیسے سے تبادلہ نہ ہو اور اگر ہوتوفوراً ہی اس سے غیرمنقولہ جائیداد خریدلی جائے، لیکن ذمہ دار ادارہ اس کو قاضی کی اجازت ہی سے فروخت کرسکتاہے اورقاضی کے لیے مناسب ہے کہ اگر اس کے پاس یہ معاملہ آئے اور وہ دیکھے کہ وقف غیرنافع ہو چکا ہے اور مستحقین وقف کامفاداس کو بیچنے میں ہے تو بیچنے کی اجازت دے دے (الدر المختار علی رد المحتار ۶،۸۷-۵۸۵)۔

لہٰذا اوقاف کی ایسی دور افتادہ زمین جس سے مقصد وقف کوکوئی نفع نہیں پہنچ پاتا ہویا جس پر غیرمسلم حضرات کے قابض ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہو اسے فروخت کرکے اسکے عوض متبادل وقف قائم کیاجاسکتا ہے، اوقاف کی ایسی زمینوں کو خریدنا شرعاً جائز ہے، اوقا ف کی ایسی زمین کہ جس کی واقعی مسجد ومدرسہ کو ضرورت ہوتی ہے، لیکن صرف اللہ سے بے خوفی اور مال کی حرص و لالچ کی وجہ سے ان پرناجائز قبضہ ہوجاتاہے، اس پر سے غیروں کے قبضہ کو ختم کرنے اور انہیں بازیاب کرانے کی پوری کوشش کی جائے، لیکن اگر ان کو بازیاب کرانا عملاً ممکن نہ ہو اور غاصب حضرات قیمت دینے کو تیار ہوجائیں تو متولی اس زمین کے بدلہ قیمت لے سکتاہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ دوسری زمین خریدکر متبادل وقف قائم کرسکے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں :

"لایجوز استبدال العامر إلا فی أربع"(الدرالمختار علی ردالمحتا ر ۶، ۵۸۹) ۔

(آباد زمین کااستبدال چار ہی صورتوں میں جائز ہے )

علامہ شامیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"الأولٰی :لوشرطہ الواقف ..... الثالثۃ:أن یجحدہ الغاصب ولابینۃ أی وأراد دفع القیمۃ فللمتولی أخذھا لیشتری بھا بدلا" (شامی ۶،۵۸۸)۔

(پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے اس کی شرط لگا دی ہو ... تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب اس زمین سے انکار کرتاہو اورگواہان موجود نہ ہوں اور غاصب قیمت دینے کو

تیارہوجائے تومتولی اس زمین کے بدلے قیمت لے سکتا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ دوسری زمین خرید کرمتبادل وقف قائم کرسکے)، اوقاف کی ایسی زمینوں کو بھی خریدنا مسلمانونکے لیے جائز ہے، البتہ اصل مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہے اس کو فروخت کرنا یااس کا تبادلہ قطعاً جائز نہیں، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں :

''ولوخرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلی یوم الساعۃ وبہٖ یفتیٰ'' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۶/۵۴۸)۔

(اگر مسجد کاگرد و پیش ویران اور مسجد سے مستغنی ہوجائے تب بھی وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف کے نزدیک قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔)

**جواب نمبر ۳:**

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تمام وارثوں کو ان کا حصہ دینے کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے :

''یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین '' (النساء : ۱۱ )۔

اللہ تعالیٰ نے تمام وارثوں کے حصے تفصیل سے بیان فرمانے کے بعدان احکام پر عمل کرنے والوں کے لیے عظیم بشارت بیان فرمائی ہے، جبکہ ان احکام سے روگردانی کرنے والوں کے لئے سخت وعید بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے :

''تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الأنھٰر خٰلدین فیھا وذلک الفوز العظیم o ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعدّ حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین'' (النساء : ۱۴ و ۱۳)۔

(یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقررکی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر ہ حدوں سے آگے نکلے گا اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لئے رُسوا کن عذاب ہے)۔

حق وراثت انسان کااپناد یا ہوا حق نہینہے کہ معاف کردینے سے یاختم کرانے سے ختم یامعاف ہوجائے، بلکہ یہ حق وراثت اللہ کادیا ہوا حق ہے جس کے ا ندر کسی تبدیلی و ترمیم کا کسی کوحق نہیں، علامہ حصکفیؒ رقم طراز ہیں :

''والثالث إمّا اختیاری وھوالوصیۃ أو اضطراری وھوالمیراث'' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۱۰ /۴۹۲)۔

علامہ ابن نحیم مصریؒ لکھتے ہیں کہ اگر وارث کہہ دے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیاتب بھی اس کاحق ترکہ مینسے باطل نہیں ہوگا، اس لیے کہ ملکیت چھوڑ دینے سے باطل

نہیں ہوتی :

''ولو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ إذ الملک لایبطل بالترک '' (الأشباہ والنظائر مع شرحہ للحموی ص ۱۷۴ الفن الثالث : ما یقبل الاسقاط من الحقوق وما لایقبلہ ط : اشاعت الاسلام دہلی)۔

علامہ حمویؒ اس کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اعلم أنّ للإعراض عن الملک ضابطۃ أنہ إن کان ملکا لازمالم یبطل بذالک کمالوما ت عن ابنین فقال أحد ھما ترکت نصیبی عن المیراث لم یبطل لأنہ لازم لایترک بالترک بل إن کان عینا فلا بدمن التملیک وإن کان دینا فلا بدمن الإبراء''( شرح حموی علی الأشباہ والنظائر ص ۱۷۴ ، الفن الثالث ) ۔

(جان لو کہ ملکیت سے اعراض کاایک ضابطہ یہ ہے کہ اگر یہ لازمی ملکیت ہو تو اعراض سے باطل نہیں ہوگی جیساکہ اگر مورث دوبیٹوں کوچھوڑ کر انتقال کر جائے اور ان میں سے ایک کہے کہ میراث میں سے میں نے اپناحصہ چھوڑدیا تو اس کاحصہ باطل نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ لازمی ہے چھوڑ دینے سے یہ متروک نہیں ہوتا، بلکہ اگر یہ عین ہوتو تملیک ضروری ہے اور اگر یہ دَین ہوتو ابراء ضروری ہے)۔

مرنے والاجتنی چیزیں اپنی ملکیت میں چھوڑتاہے وہ سب اس کاترکہ شمار ہوتاہے؛ خواہ وہ زمین ومکان ہو ، نقد ہو یا اور کوئی سامان و چیز (البحرالرائق ۹/۳۶۵)۔

لہٰذا اگر پھوپھیاں یادادا کی بہنیں ترکے میں سے اپنا حصہ معاف کردیں تو بھی اس سے ان کا حصہ معاف نہیں ہوگا، کیونکہ عفو وابراء دَین سے ہوتا ہے، عین سے عفو وابراء صحیح نہیں، البتہ اگر بھائیوں نے ترکے میں کوئی ایسا تصرف کرلیاجس سے بہن کا حق عین سے منتقل ہوکر بھائیوں کے ذمہ دَین بن گیا تو عفوو ابراء صحیح ہے، بہن کے معاف کرنے سے معاف ہوجائے گا، ورثہ کے تصرف سے قبل اگر بہن ھبہ کردے تو یہ ھبۃ المشاع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں)۔

علامہ زیلعیؒ رقم طراز ہیں :

''اگر ورثاء اپنے میں سے کسی ایک کوسامان یازمین میں سے مال کے عوض یاچاند ی کے عوض سونے یا اس کے برعکس یعنی سونے کے عوض چاندی سے خارج کردیں تو یہ صحیح ہے، خواہ کم ہو یازیادہ، یعنی انہوں نے جودیاہے وہ کم ہو یا زیادہ، اس لیے کہ اسے مبادلہ پر محمول کیاجائے گا اس لیے کہ یہ عین سے صلح ہے اور اسے ابراء پر محمول کرناممکن نہیں اس لیے کہ ان پر دین نہیں ہے او ر عین سے ابراء کاتصور نہیں کیاجاسکتا ''(تبیین الحقائق ۵،۵۰)۔

علامہ چلپیؒ اس کی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

''(قولہ ولا یتصور الإبراء ) أی لأن الإبراء عن الأعیان غیر المضمونۃ لایصحّ''

(حاشیۃ الشلبی علی ھامش تبیین الحقائق ۵/۵۰) ۔

ترکہ کی سب چیزیں تمام ورثاء میں شرکت املاک سے مشترک ہوتی ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ کوئی وارث دوسرے ورثاء کی اجازت صحیحہ کے بغیر کوئی تصرف کسی چیز میں نہیں کرسکتا، ورنہ عنداللہ وہ غاصب شمار ہوگا، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''وھی (الشرکۃ ) ضربا ن : شرکۃ ملک وھی أن یملک متعدد إثنان فأکثر عینا...أو دینا ...بإرث أو بیع أو غیر ھما بأ ی سبب کان جبریا أو اختیار یا .....وکل من شرکاء الملک أجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ'' (الدرالمختا ر علی ردالمحتار ۶/۶۷۔ ۴۶۶)۔

(شرکت کی دوقسمیں ہیں : شرکت ملک اوروہ یہ ہے کہ متعدد لوگ دو یا اس سے زائد کسی عین ...یادین ... میں وراثت یابیع یا ان کے علاوہ کسی بھی سبب کے ذریعے خواہ وہ جبری ہو یا اختیاری شریک ہوں ... اور ملکیت کے شرکاء میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے مال میں نقصان دہ تصرف سے باز رہنے کے سلسلے میں اجنبی ہے )۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''رہی شرکت املاک تو دونوں قسموں میں اس کا حکم ایک ہی ہے اوروہ یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے، اس کے لیے اس میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں'' (بدائع الصنائع ۸۷،۵، ط : زکریا دیوبند)۔

ایسی زمین جس میں والد نے پھوپھیوں کو یادادا نے بہنوں کوحصہ نہ دیاہواس میں تین صورتیں ایسی ہیں جن مینبیٹوں یاپوتوں سے ایسی موروثی زمین کاخریدنا جائز ہے:

(۱) پھوپھیاں یادادا کی بہنیں قیمت لے کر اپنے حصے سے دستبردار ہوجائیں۔

(۲) تقسیم و قبضہ کے بعدپھوپھیاں یادادا کی بہنیں اپنی رضا مندی سے اپنا حصہ ہبہ کردیں: '' وتتم الھبۃ بالقبض الکامل '' ( الدر المختا ر علی رد المحتار ۸/۴۹۳) ۔

(۳) والد نے یادادا نے زمین میں کوئی ایسا تصرف کرلیاہو جس سے بہن کاحصہ والد یا دادا کے ذمہ دین بن گیا ہو اور اس کے بعد پھوپھیوں نے یادادا کی بہنوں نے اپناحصہ خوش دلی سے معاف کردیاہو۔

اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے تو بیٹوں یا پوتوں سے ایسی موروثی زمین کا خریدنا جائز نہیں، کیونکہ یہ غصب کے حکم میں ہے اور غصب کردہ چیز باقی ہوتو اصل چیز کالوٹانا واجب ہے اوراگر وہ ضائع ہوگئی ہوتو اس کی قیمت مالک کو دینالازم ہے :

'' ویجب ردّ عینہ فی مکان غصبہٖ أومثلہ إن ھلک وھو مثلی أو إن انصرم المثلی فقیمتہ یوم الخصومۃ'' (کنزالدقائق علی البحرالرائق ۹/۹۹۔۱۹۸) ۔

اللہ تعالیٰ کاارشا د ہے :

‘‘ولا تأکلواأموالکم بینکم بالباطل ’’ (البقرہ : ۱۸۸ )۔(اور ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھایاکرو)

تفسیر روح المعانی میں ہے : ‘‘والمراد من الأکل مایعم الأخذو الاستیلاء وعبربہ لأنہ أھم الحوائج وبہ یحصل اتلاف المال غالبا ’’ (روح المعانی ۲/۶۳۲) ۔

(اور کھانے سے مراد وہ ہے جو لینے یا بزور قوت قبضہ کرنے کو شامل ہے اور کھانے سے تعبیر کیاہے اس لیے کہ یہ سب سے اہم حاجت ہے اور عموماً مال کااتلاف اسی سے ہوتاہے ) ۔

‘‘(الباطل)الحرام کالسرقۃ والغصب وکل مالم یأذن بأخذہ الشرع’’ (روح المعانی ۲/۱۰۵)۔

(باطل حرا م کو کہتے ہیں، جیسے چوری،غصب اور ہر وہ طریقہ جس کو اختیار کرنے کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو)۔

اللہ کے رسول ﷺ کاارشا د ہے کہ کسی مسلمان کامال اس کی دلی رضا مندی کے بغیر حلال نہیں :

‘‘لایحل مال امری مسلم إلابطیب نفس منہ ’’ (مشکوٰہ المصابیح ص ۲۵۵ ، با ب الغصب والعاریۃ)۔

لہٰذا بیٹوں یاپوتوں سے ایسی موروثی زمین کاخریدناجائز نہیں جس میں جواز کی تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے ۔

**جواب نمبر ۴:**

اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف احادیث میں حرام چیزوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے :

‘‘عن الحسن بن علی قال:حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:دع ما یریبک إلی مالا یریبک’’ (مشکوٰہ المصابیح ۲۴۲، کتاب البیوع ،باب الکسب وطلب الحلال)۔

(جس چیز کے متعلق تمہارے دل میں شک و شبہ ہواس کو چھوڑ کر ایسی چیز کو اختیارکرو جس کے متعلق شک و شبہ نہ ہو)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایاجو شخص دس درہم کے عوض کوئی کپڑاخریدے جس میں ایک درہم حرام ہوتوجب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی نمازقبول نہیں فرمائینگے۔

‘‘عن ابن عمررضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺقال : من اشتری ثوبا بعشرۃ دراھم وفیہ درھم حرام لم یقبل اللہ تعالیٰ لہ صلاۃ مادام علیہ ’’ (مسند احمد بن حنبل ۵/۱۹۔۲۱۸، حدیث : ۵۷۳۲۔ ط : قاہرۃ )۔

ایک دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا '' جو بھی بندہ حرام مال کماتاہے اور اسے خرچ کرتاہے تو اس میں اس کے لیے برکت نہیں دی جاتی اور وہ اسے صدقہ کرتاہے تواسے قبول نہیں کیاجاتا اور جو حرام مال وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتاہے تو وہ اس کے لیے جہنم کاتوشہ بنے گا ۔

''عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال:لایکسب عبد مالا من حرام فینفق فیہ فیبارک لہ فیہ ولا یتصدق بہ فیتقبل منہ و لایترک خلف ظھرہ إلاکان زادہ إلی النار" (مسند احمد بن حنبل ۳/۵۳۹، حدیث نمبر ۳۶۷۲ )۔

فقہاء نے لکھاہے کہ اگر کسی سامان کے متعلق معلوم ہوجائے کہ وہ کسی شخص سے ظلماً لے کرلوگوں نے بازا ر میں فروخت کردیا ہے تو اسے خریدنا جائز نہیں، اگرچہ کئی لوگوں نے اس کالین دین کیاہو (عالمگیری ۵/ ۳۶۴، کتا ب الکراھیۃ ) ۔

حرام ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتاہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص امان لے کر دارالحرب میں جائے اور حربی کی رضامندی کے بغیر اس کامال حاصل کرکے ہمارے پاس لے کر آئے تو وہ اس کامالک ہوگا اور اس کی بیع بھی درست ہو گی، لیکن اس کے لیے اور مشتری کے لیے وہ حلال نہ ہوگا، لہٰذا اس کو خریدنے سے وہ گناہگار ہوگا، کیونکہ وہ حرام کمائی سے اس کا مالک ہوا ہے (الدرالمختار علی ردّ المحتار ۷/۳۰۰ ) ۔

علامہ شامی اس کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

''حرام منتقل ہوتاہے یعنی اس کی حرمت منتقل ہوتی ہے اگرچہ کئی لوگوننے لین دین کیاہو اور ملکیتیں تبدیل ہو گئی ہوں " (شامی ۷/۳۰)۔

فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ کہ کسی چیز کے بارے میں حرام ہونا معلوم ہوتو اس کو خریدناجائز نہیں چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں :

''شیخ عبدالوہاب شعرانی کتاب المنن میں کہتے ہیں اور بعض احناف سے جو منقول ہے کہ حرام دو ذموں تک منتقل نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں میں شہاب ابن شلبی سے دریافت کیا گیاتو انہوں نے فرمایا :یہ اس پرمحمول ہے جبکہ دوسرے شخص کو یہ معلوم نہ ہو، رہی یہ صورت کہ جو شخص ٹیکس وصول کرنے والے کو دیکھے کہ وہ کسی شخص سے کوئی ٹیکس وصول کر رہاہے پھر وہ اسے دوسرے کو دے رہا ہے پھر وہ شخص اس دوسرے شخص سے لے لے تو یہ حرام ہے " (شامی ۷/۳۰۱ ط :زکریا) ۔

لہٰذا جو زمین خالص حرام آمدنی سے خریدی گئی ہو اسے ان لوگوں کے لیے خریدنا جائز نہیں جو جانتے ہیں کہ یہ زمین حرام مال سے خریدی گئی ہے ۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہینکہ اگر حرام مال کے مالک معلوم ہوں تو اسے انہیں لوٹانا

واجب ہے اوراگر مالک معلوم نہ ہوں تواسے صدقہ کرناواجب ہے ۔

‘‘والحاصل أنہ ان علم أرباب الأموال وجب ردّہ علیھم وإلافإن علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ’’ (شامی ۷/۳۰۱ ، کتاب البیوع )۔

مال حرام کے مصرف کے بارے میں علامہ خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں :

‘‘وأما إذاکان عند رجل مال خبیث فأما إن ملکہ بعقدفاسد أو حصل لہ لغیرعقد ولا یمکنہ أن یردہ إلی مالکہ ویرید أن یدفع مظلمۃ عن نفسہ فلیس لہ حیلۃ إلا أن یدفعہ إلی الفقراء ’’ (بذل المجھود ۱/۳۵۹ ،کتاب الطہارۃ )۔

(اور اگر کسی شخص کے پاس حرام مال ہو اور وہ عقدفاسد کے ذریعے اس کا مالک ہوا ہویا اسے وہ مال بغیر عقد کے حاصل ہوا ہو اور اس کے لیے ممکن نہ ہو کہ وہ اسے اس کے مالک کولوٹائے اور وہ چاہتاہوکہ اپنے آپ سے ظلم کو دور کردے تو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی حیلہ نہیں ہے کہ وہ اسے فقراء کو دے دے ) ۔

البتہ اگر ایسا شخص اپنے کل مال حرام اور اس کے ذریعے نفع حاصل کردہ منافع کی قیمت کاتخمینہ کرکے اتنے روپئے آہستہ آہستہ صدقہ کردے تو اس نے مال حرام سے جو زمین خریدی ہے وہ حلال ہوجائے گی، صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کے مثلاً ہزار روپئے غصب کرلیے اور ان ہزار روپیوں سے کوئی سامان تجارت خریدلیا او ر اسے فروخت کرکے دو ہزار بنالیے پھر اور مال خریدا اور اس سے مزید نفع کمایاتو اصل مالک کو اسے ضمان دینی ہوگی ، ساتھ ہی ساتھ یہ پورا نفع بھی اسے صدقہ کردینا ہوگا، یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کاہے، اما م ابویوسفؒ کے نزدیک صدقہ کرنا واجب نہیں، بلکہ ضمان اداکرنے کے بعد یہ منافع اس کے لیے حلال ہو جائینگے، مشائخ علماء احناف کاکہنا یہ ہے کہ ضمان اداکرنے کے پہلے بھی اور ضمان اداکرنے کے بعد بھی یہ منافع اس کے لیے پاک نہیں ہونگے او ر یہی قول مختار ہے (ھدایہ علی فتح القدیر ۹/۳۳۶ ، مستفاد : بحث ولظرپٹنہ شمارہ نمبر۴ص، ۱۴ ۔۱۱۲) ۔

لہٰذا اگر کسی شخص کے متعلق معلوم ہوجائے کہ اس نے اس شرعی حیلہ سے اپنی حرام کمائی سے خریدکر دہ زمین کوحلال کرلیاہے تو اس شخص سے زمین خریدنا شرعاًجائزہے ۔

**جواب نمبر ۵ :**

کالونی بنانے والاحکومت کی جانب سے لے آؤٹ منظور کرانے کے لیے پلے گراؤنڈ اور مسجد کی جگہ مقرر کرتاہے، مخصوص چوڑائی کی سڑکوں، پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پول کے لیے جگہ چھوڑتاہے،اسی طرح و ہ اپنے گاہکوں کے سامنے بھی ان چیزوں کو ظاہرکرتاہے، لیکن بعد مینوہ سڑکوں کو چھوٹا کردیتا ہے ، پلے گراؤنڈ ، سوئمنگ پول اور مسجد کی جگہ کو فروخت کردیتاہے ، کالونی بنانے والے بلڈ ر کا یہ

طرز عمل شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ حکومت سے لے آؤٹ منظور کراتے وقت بلڈ ر کالونی سے متعلق حکومت کے قوانین پر عمل کرنے کاعہد کرتاہے، اسی طرح وہ لوگوں سے بھی کالونی میں حکومتی معیار کی سہولیات مہیا کرانے کاوعدہ کرکے اسے پورا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا کرنے کی تاکید فرمائی ہے :

''وأوفوابالعہد إن العهد كان مسئولا'' (الاسراء : ۳۴) ۔

(اور وعدے پورے کرو، کیونکہ قول و قرار کی بازپرس ہونے والی ہے)۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحب روح المعانی رقم طراز ہیں :

''وأوفوابالعهد '' أی ماعاهدتم الله علیہ من التزام تکالیفہ وعاهد تم علیہ غیرکم من العباد ویدخل فی ذالک العقود'' (روح المعانی ۱۵ /۱۰۲)۔

(اور وعدے پورے کرو یعنی جو معاہدہ تم نے اللہ سے کیاہے یعنی اس کے احکامات پر عمل پیراہونے کا اور جو معاہدہ تم نے اپنے علاوہ دوسرے بندوں سے کیاہے اور اس میں معاملات داخل ہیں)۔

''پھر وفاء عہد کو ترک کردینا جیساکہ صحیح احادیث تقاضا کرتی ہیں،کہاگیاہے کہ گناہ کبیرہ ہے، حضر ت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے عقد یعنی معاہدے توڑ دینے کو کبیرہ گناہوں میں شما ر فرمایا ہے، بلکہ شیخ الاسلام علائی ؒ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا ہے کہ آپ نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے ''(روح المعانی ۱۵ /۱۰۲، تحت قولہ وأوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا)۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ وعدہ خلافی حرام ہے :

''الخلف فی الوعد حرام '' (الأشباہ والنظائرمع حاشیۃ الرافعی ص ۵۹ ۱، الفن الثانی)۔

کالونی بسانے والابلڈر زمین میں ناجائز تصرفات کے ذریعے حکومت اور اپنے گاہکوں کو دھوکہ دیتاہے، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے دھوکہ دینے کی مذمت بیان فرمائی ہے :

''من غش فلیس منا'' (جامع الترمذی ۱/۲۴۵، أبواب البیوع) (جو(شخص )دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں)۔

تجارت میں فریب دہی اور خیانت کی مذمت بیان فرماتے ہوئے ڈاکٹر وھبہ زحیلی رقم طراز ہیں :

اللہ کے رسول ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں ''جوہم کو دھوکہ دے تو وہ ہم میں سے نہیں''، یعنی ان لوگوں میں سے نہیں جو میری سیرت پر چلتے ہیں اورمیرے علم ، عمل اورمیرے اچھے طریقے کی اقتداء کرتے ہیں،امانت داری اور حلال کاالتزام اس بات کا مطالبہ کرتاہے کہ چوری کردہ ،غصب کردہ ، باصرار اور شرماشرمی میں لی ہوئی چیز کو

نہ خریدا جائے، عمدہ چیز پیش کی جائے، خرا ب چیز کو ترک کردیاجائے اور حیلہ اورفریب سے دو رر ہاجائے ...تاجر پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ اور سب سے پہلے اپنے شریک کے ساتھ امانت داری کاالتزام کرے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے فرماتے ہیں : '' میں دو شریکوں کاتیسرا شریک ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے، پس اگر ان میں سے کوئی خیانت کرے تو میں ان کے درمیا ن سے نکل جاتا ہوں '' (الموسوعۃ الفقھیہ والقضایا المعاصرہ ۱۱/۱۴۰) ۔

کالونی میں راستے چھوٹے کردینا،پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پول کی جگہ فروخت کردینا ضرر عام کاباعث ہے، جبکہ فقہاء نے لکھاہے کہ انسان کا ایساطر ز عمل جس سے ضرر عام لاحق ہوجائز نہیں۔

''لا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہٖ إلا إذاکان الضرربجارہ ضررا بینا فیمنع من ذالک وعلیہ الفتویٰ'' (الدرالمختار علی رد المحتار ۸/۱۵۲ ، کتاب القضاء)۔

(کسی شخص کو اس کی ملکیت میں تصرف سے نہیں روکاجائے گا، مگرجب کہ اس کے پڑوسی کو واضح ضرر ہوتو اسے اس سے روکا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے )۔

در رالحکام شرح مجلۃ الأحکام میں ہے :

''کسی شخص کو ا س کی ملکیت میں تصرف سے نہیں روکا جائے گا؛ جب تک کہ دوسرے کو ضرر فاحش نہ ہو ''(دررالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۳/۲۱۰، رقم المادہ : ۱۱۹۷)۔

آپ ﷺ کاارشاد ہے: ''لاضرر ولاضرار'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۶۹)۔

(نہ ابتداء نقصان پہنچایا جائے اور نہ جواباً نقصان پہنچایاجائے)

لہٰذا بیچنے والے شخص کے لیے نقشے میں تبدیلی کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا جائز نہیں۔

جو لوگ جانتے ہوں کہ مالک زمین ، عوامی مفادات سے وابستہ زمین فروخت کررہاہے، ان کے لیے جانتے بوجھتے ایسی زمینوں کی خریداری جائز نہیں، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگراہل محلہ راستے کے بعض حصے کوا پنے گھروں میں شامل کرلیں تو ان کے لیے ایساکرنا جائز نہیں، اگر چہ اس کی وجہ سے راستے کوکوئی نقصان نہ پہنچ رہاہو، البحرالرائق میں ہے :

''وإن أراد أھل المحلۃ أن یدخلوا شیئا من الطریق فی دورھم وذلک لایضر بالطریق لایکون لھم ذلک'' (البحرالرائق ۵/۴۲۸)۔

راستہ بھی عوا م الناس کیلئے وقف ہوتا ہے، کسی کے لیے راستے پر قبضہ کرکے اس پر ذاتی تصرف کرنا جائز نہیں، راستہ وسیع ہو اور اس پر قبضہ کی وجہ سے راہگیروں کو ضرر نہ ہو تب بھی راستے پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:''اور اگر وہ( امام )راستہ سات ہاتھ یا بقدر حاجت سے زیادہ

طے کردے تو ا س میں تبدیلی نہ کی جائیگی، ا س لئے کہ راستے اور میدان مسلمانو ں کے لئے وقف شدہ چیزونکی طرح ہیں، لہٰذا کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے راستے کے کسی حصے پر قبضہ کرے یا اس میں سے کچھ خود کیلئے لے لے، اگر چہ راستہ وسیع ہو اور مقبوضہ حصے کے سبب راہ گیروں کو ضررنہ ہو، چنانچہ حضرت حاکم بن حارث سلمی سے مروی ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا '' جو مسلمانو ں کے راستے کے ایک بالشت حصے پر بھی قبضہ کرے گا تو قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائیگا '' (الطبرانی فی الصغیر )(الموسوعۃ الفقھیۃ ۳۴۷،۲۴)۔

لہٰذا جب راستے پر قبضہ کرکے مکان بنانا جائز نہیں تو راستے ،پلے گراؤنڈ اور گارڈن کی حیثیت سے متعینہ مقامات کی خریدو فروخت بھی جائز نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے گناہ اورزیادتی کے کاموں میں تعاون کرنے سے منع فرمایا ہے۔

''وتعاونوا علی البروالتقویٰ ولاتعاونواعلی الأثم والعدوان'' (المائدہ : ۲)۔

**جواب نمبر :۶**

اسلام دین فطرت ہے، اس کے نزدیک ایک حد تک جسمانی ورزش اور تفریح بھی مستحسن ومطلوب ہے، ورزش وتفریح کے ذریعے جسم کی سستی دور ہوجاتی ہے اور طبیعت میں نشا ط، چستی ، حوصلہ وہمت پیداہوتی ہے، ان چیزوں کے حصول کے لیے گارڈن اور پلے گراؤنڈ ضروری ہے۔

لہٰذا اسلام میں پلے گراؤنڈ اور گارڈن کی اہمیت وافادیت مسلم ہے اور بیچنے والے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کو لبھانے کے لیے گارڈن کی جگہ مسجد بنائے، کیوں کہ یہ حکومت سے کیے ہوئے معاہدے کے خلاف ہے اور گاہکوں سے بھی فریب دہی ہے، گارڈن کی جگہ بنائی گئی مسجد ، مسجد شرعی نہیں ہوگی، چنانچہ فقہاء نے لکھاہے کہ اگرکوئی مسجد پوری کی پوری راستے پر تعمیر کی گئی ہوتو وہ مسجد شرعی نہیں ہوگی ، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

''جعل البانی شیئامن الطریق مسجدا لضیقہ ولم یضر بالمارین جاز، لأنھا للمسلمین'' (الدر المختار علی رد المحتار ۶/۵۷۴)۔

(مسجد بنانے والے نے مسجد کی تنگی کی وجہ سے راستے کے بعض حصے کو مسجد بنادیا، در آنحالیکہ راستے سے گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو تو جائز ہے، کیوں کہ یہ سب مسلمانوں کے فائدہ کے لیے ہیں)۔

علامہ شامیؒ عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریرفرماتے ہیں:

''قولہ (جاز)ظاہرہ أنہ یصیرلہ حکم المسجد وقد قال فی جامع الفصولین المسجد الذی یتخذمن جانب الطریق لایکون لہ حکم المسجد بل ھو طریق بدلیل أنہ لورفع حوائطہ عاد طریقا کما کان قبلہ۔

قلت: الظاهر أ ن هذا فی مسجد جعل کلہ من الطریق"

(ماتن کاقول (جائز ہے ) اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم مسجد کا ہوگا، جامع الفصولین میں فرماتے ہیں : و ہ مسجدجو راستے کے کنارے پر بنائی جاتی ہے، اس کا حکم مسجد کانہیں ہوگا، بلکہ یہ راستے کے حکم میں ہوگا، اس دلیل کی بناء پرکہ اگر اس کی دیوار ہٹادی جائینتو وہ دوبارہ راستہ بن جائے گا، جیسا اس سے پہلے تھا، میں کہتاہوں : بظاہر یہ اس مسجد کے بارے میں ہے جو پوری کی پوری راستے پر بنائی گئی ہو)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد اور راستہ دونوں عام لوگوں کے فائدے کے لیے ہوتے ہیں، اسی طرح گارڈن بھی عوام الناس کے فائدے کے لیے ہوتاہے اور ایسی مسجدجو مکمل طورپرگارڈن کی جگہ پر بنی ہو وہ شرعی مسجد نہیں کہلائے گی، چنانچہ فقہاء نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی ہے جو شہر کی فصیل پر بنائی گئی ہو، کیونکہ فصیل شہر پر عوام الناس کاحق ہے ۔

"مسجد بنی علی سورالمدینۃ قالوا لایصلی فیہ لأن السور حق العامۃ" (فتاویٰ عالمگیری بحوالہ قاموس الفقہ ۵/۹۳)۔

**جواب نمبر ۷:**

فقہاء کرام نے سیل ٹیکس، انکم ٹیکس جیسے ناروا ٹیکسیس سے اپنے آپ کو بچانے کی اجاز ت دی ہے، لہٰذا زمین کی خریداری پرواجب الاداسیل ٹیکس سے اپنے آپ کو بچانا شرعاً جائزہے، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں :

"الأفضل مشارکۃ أھل محلتہ فی إعطا ء النائبۃ لٰکن فی زماننا أکثرھا ظلم فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فحسن وإن أعطی فلیطع من عجز" (الدرالمختار علی ردالمحتار ۹؍ ۶۰۸)۔

(اہل محلہ کا ٹیکس دینے میں شریک ہونا افضل ہے، لیکن ہمارے زمانے میں اکثر ٹیکس ظلم ہیں، پس جو شخص اپنے آپ کو ٹیکس سے بچالے تو یہ اچھا ہے اور اگر دیتا ہے تو وہ شخص دے جو اپنے آپ کو ٹیکس سے بچانے سے عاجز ہوجائے)۔

علامہ شامیؒ ا س کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"ھٰذا کان فی ذلک الزمن لأنہ إعانۃ علی الطاعۃ وأکثر النوائب فی زماننا بطریق الظلم فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فھو خیرلہ " (شامی ۹؍ ۶۰۵) ۔

(یہ (ٹیکس کی ادائیگی ) اس زمانے مینافضل تھا، کیونکہ یہ نیک کام میں اعانت کے قبیل سے تھا، جبکہ ہمارے زمانے میناکثر ٹیکس ظلم کے قبیل سے ہیں، پس جو شخص اپنے آپ کو اس سے بچالے تو اس کے لئے بہترہے ) ۔

فقہاء کرام نے اپنے جائز حق کے حصول اورظلم و ناانصافی سے بچنے کے لیے رشوت دینا جائز قرار دیا ہے۔

"دفع المال للسلطان الجائرعن نفسہ و مالہ لاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق

الدافع " (شامی ۱/۶۰۷) ۔

''مایدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیہ علی نفسہ أو مالہ حلال للدافع حرام علی الآخذ : لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولایجوز أخذ المال لیفعل'' (ردالمحتار ۸/۳۵) ۔

بذل المجہود میں ہے :

''فإذا أعطی لیتوسل بہ إلی حق أو یدفع عن نفسہٖ ظلما فإنہ غیر داخل فی ھٰذا الوعید'' (بذل المجہود ۶/۳۰۷)۔

(پس اگر رشوت اس لیے دے؛ تاکہ اس کے ذریعے اپنا جائز حق حاصل کرے یا اپنے آپ سے ظلم کو دفع کرے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے)۔

صورت مسئولہ میں قانونی مراحل کی تکمیل کی وجہ سے کالونی کے مکانات اورپلاٹ کی قیمت اس قدر زیادہ ہوجاتی ہے کہ غریبوں کے لیے پلاٹ کی خریداری دشوار ہوجائیگی جبکہ مکان انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اور ذاتی گھر کے حصول کے لیے بحالت مجبوری سودی قرض کے حصول کی بھی گنجائش ہے، علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں :

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الأشباہ والنظائر ۱/۳۲۷، الفن الأول القاعدۃ الخامسۃ)۔

علامہ ابن نجیم نے حاجت کی بناء پرسودی قرض لینے کی اجازت دی ہے ، اور اصطلاح میں حاجت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ میں سے کسی مقصد کا وجود موقوف نہ ہو، لیکن اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت اور حرج پیدا نہ ہوجائے۔

''وأماالحاجیات معناھا أنھا مفتقر إلیھا من حیث التوسع ورفع الضیق المؤدی فی الغالب إلی الحرج والمشقۃ اللاحقۃ بفوت المطلوب'' (الموافقات ۳/۵)۔

فقہ کامشہور قاعدہ ہے:

''الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ کانت أو خاصۃ'' (الأشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۳۱۶)۔

(حاجت ضرورت کا درجہ اختیار کرتی ہے خوا ہ وہ عام ہو یاخاص ) ۔

لہٰذا قانونی مراحل کی تکمیل کے بغیر ہی کالونی بنانا اور پلاٹ فروخت کرناشرعاً جائز ہوگا، کیونکہ یہ ایک جائز کام کا ذریعہ ووسیلہ ہے، جبکہ وسیلہ اپنے مقصد کے تابع ہوتاہے ۔فقہ کا قاعدہ ہے :

''ان الوسیلۃ أو الذریعۃ تکون محرمۃ إذاکان المقصد محرما وتکون واجبۃ إذاکان المقصد واجبا'' (المقاصد الشرعیہ للخادمی ص ۴۶)۔

''وسیلۃ المقصود تابعۃ للمقصود وکلاھما مقصود'' (اعلام الموقعین ۳/۱۷۵)۔

(مقصد کاوسیلہ مقصد کے تابع ہوتاہے اور وہ دونوں مقصود ہوتے ہیں)۔

ڈاکٹروھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہینکہ شریعت اسلامی ایک دائمی شریعت ہے جس

کا مطلوب یہ ہے کہ لوگ دنیا وآخرت میں خوشحالی سے ہمکنار ہوں اور ان سے ضرر اور مشقت دور ہو:

‘‘شریعت اسلامی عام و دائمی شریعت ہے جس کامقصود لوگوں کے مفادات کی تکمیل ، ان کی نجات اوردنیا و آخرت میں ان کو کامیاب بنانا ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے تمام احکامات کی بنیاد اور ان کامقصد لوگوں کے فوری یابعد کے مفادات کی حفاظت ہے یا تو ان کے لیے نفع کے حصول کے ذریعے یا ان سے ضرر و فساد کے دفعیہ کے ذریعے احکام شریعت میں آسانی اور فراخدلی کی بنیاد کی رعایت کی جائے، اس لئے کہ شریعت کی خصوصیات میں سے ہیکہ حرج یا مشقت کود ور کیا جائے اور مختلف قسم کے احکامات کی تحقیق و جائز ے کی رہنمائی میناور ان کی مراد کو سمجھتے ہوئے ان کے مقصود و فائدہ کو اخذ کرتے ہوئے احکامات کوزندگی کے حالات اور نئے واقعات سے ہم آہنگ کیا جائے، اس کی جانب قرآن کی آیتیں رہنمائی کرتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ‘‘رسولوں(کو بھیجے) بشارت دینے کیلئے اور ڈرانے کے لئے، تاکہ رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پرکوئی الزام و حجت نہ رہ جائے’’ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ‘‘اور ہم نے آپ کو نہینبھیجا مگر لوگوں کیلئے رحمت بناکر’’ (الموسوعۃ الفقھیہ والقضایا المعاصرہ ۱۲/۱۹۴) ۔

**جواب نمبر:۸**

فقہاء کرام نے ضرورت اور مجبوری کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے۔

‘‘یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح ’’ (الأشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱/۳۱۷) ۔

مسئلہ مذکورہ میں بھی انکم ٹیکس سے تحفظ کے لیے بینک سے کروڑوں کالون لینا جائز ہے، کیونکہ اگر لون نہ لیں گے تو انسان انکم ٹیکس کی زد میں آ جائے گا، جبکہ فقہاء کرام نے ناروا ٹیکس کی عدم ادائیگی کو جائز قرار دیا ہے۔ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

‘‘الأفضل مشارکۃ أھل محلتہ فی إعطا ء النائبۃ لٰکن فی زماننا أکثرھا ظلم فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فحسن وإن أعطی فلیطع من عجز’’ (الدرالمختار علی ردالمحتار ۹ٖ ۶۰۸) ۔

صورتِ مسئولہ میں بینک سے لون لینامناسب قیمت میں غریبوں کومہیا کرانے کا وسیلہ ہے، لہٰذا بینک سے لون لینا جائز ہوگا، کیونکہ وسیلہ مقصد کے تابع ہوتا ہے: ‘‘وسیلۃ المقصود تابعۃ للمقصود وکلاھمامقصود’’ (اعلام الموقعین ۳/۱۵۷)۔

صاحب ثروت مسلمان تاجرین پر واجب ہے کہ وہ رہائشی مکان وزمین کے حصول میں اپنے غریب بھائیوں کی مددکریں، فقہ کاقاعدہ ہے :

‘‘إن مالایتم الواجب إلا بہٖ فھوواجب’’ (فقہ النوازل ۳/۲۲۵)۔

(جس چیز کے بغیرواجب تام نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے)

‘‘ماکان وسیلۃ الواجب فھوواجب’’ (موسوعۃ القواعد الفقھیۃ ۹/۲۰۵)۔

(جوچیز واجب کا ذریعہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے)

لہٰذا مسلم تاجرین کے لیے انکم ٹیکس سے تحفظ کی خاطر بینک سے لون لیناجائز ہے۔

شریعت اسلامی ایسے تمام اسباب اختیارکرنے سے منع کرتی ہے جس سے اشیاء کی قیمتوں میں بلاوجہ اضافہ ہوجائے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے تجارتی قافلوں سے شہر سے باہر خریداری کرنے سے منع فرمایااور حکم دیا کہ دیہاتی کے لیے شہری بیع نہ کرے، راوی حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کرتے ہیں کہ شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے، اس کا کیامطلب ہے تو فرمایا کہ وہ اس کے لیے دلال نہ بنے ۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا قال:نھی رسول اللہ ﷺ أن یتلقی الرکبا ن ولا یبیع حاضر لباد ‘‘قلت یاابن عباس! ماقولہ: لایبیع حاضر لباد؟ قال لا یکون لہ سمسارا ” (صحیح البخاری علی عمدۃ القاری ۸/۶۲۴)۔

دیہاتی کے لیے شہری بیع نہ کرے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں:

‘‘ومعنی ھٰذا أن یتربص لہ بسلعۃ لأن یبیعہ بسعرالیوم وذلک أن البدوی إذا جلب سلعۃ إلی السوق وھو غریب غیر مقیم باعھا بسعریومہ فیأخذ الناس فیھارفقاونفعۃ فإذا جاءہ الحضری وقال :أنا أتربص لک وأبیعھاحرم الناس ذالک النفع وفاتھم ذالک الرفق” (بذل المجہود ۱۱/۱۴۵)۔

(اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گرانی کا انتظار کرے گا اور آج کے نرخ پر فروخت نہیں کرے گا اور وہ اس طرح ہے کہ جب دیہاتی بازارمیں سامان لے کر آئے گا، در آنحالیکہ وہ اجنبی و غیر مقیم ہے تو وہ اسے آج کے نرخ پر فروخت کرے گا، تو لوگ اس میں فائدہ اورنفع حاصل کرینگے، جبکہ اگر شہری اس کے پاس آکر کہے کہ میں تیرے فائدہ کیلئے گرانی کا انتظا رکر کے فروخت کروں گا تو لوگ اس نفع سے محروم ہو جائیں گے اور وہ نفع انہیں حاصل نہیں ہوگا)۔

حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجش سے منع فرمایاہے :

‘‘عن ابن عمر رضی اللہ عنھماقال : نھی النبی ﷺ عن النجش ’’( صحیح البخاری ، کتاب البیوع ، باب النجش حدیث نمبر ۲۱۴۲)۔

علامہ ابن الھمامؒ نجش کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

‘‘النجش أن یزید فی الثمن ولایریدالشراء لیرغب غیرہ إذابلغت السلعۃ قیمتھا فإنہ تغریر للمسلم ظلماً” (فتح القدیر ۶/۴۳۶فصل فیما یکرہ ) ۔

(نجش دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے ثمن میں بڑھا کربولی لگانا ہے، حالانکہ خریدنے کاارادہ نہ ہو، جب خریدار سامان کی مناسب قیمت لگا چکاہو تو یہ عمل مسلما ن کو دھوکہ دینا ہے جو کہ ظلم ہے )۔

نجش کے بارے میں علامہ ا بن حزم ظاہری رقم طراز ہیں :

''مسألۃ :ولایحل النجش وھوأن یزید البیع فینتدب إنسانا للزیادۃ فی البیع وھو لا یریدالشراء ولکن لیغترغیرہ، فیزید بزیادتہ '' (المحلی ۸/۴۴۸ ) ۔

(مسالہ : نجش درست نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ بائع سامان کو زیادہ میں بیچنا چاہے، چنانچہ وہ کسی کو بلائے جو خریدار سے زیادہ قیمت لگائے، حالانکہ اس کاا رادہ خریدنے کا نہ ہو، بلکہ اس سے خریدار کو دھوکہ دینا ہوکہ خریدار بھی اس کے اضافہ کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کردے )

صورت مسئولہ میں مسلم تاجرین کاوہائٹ منی سے زمین خریدنا پلاٹ کی قیمت میں اضافے کاباعث ہوگا، جبکہ قیمت میں اضافہ شرعاًغیر مطلوب ہے، فقہاء نے لکھاہے کہ ناجائز کام کاوسیلہ اور ذریعہ بھی ناجائز ہوتا ہے ۔

''الوسیلۃ إلی الحرام حرام'' (بدائع الصنائع ۶/۴۸۸ ، کتاب الاستحسان ) ۔

لہٰذا مسلم تاجران کے لیے پیسہ ہونے کے باوجود گورنمنٹ کی پکڑ سے بچنے کے لیے بینک سے لون لیناجائزہے ۔

**جواب نمبر ۹:**

بیع کی صحت کی شرائط میں سے ایک شرط مبیع کا معلوم ہونا ہے، چنانچہ اگر مبیع مجہول ہوتو بیع درست نہ ہوگی، علامہ ابن نحیم مصری لکھتے ہیں:

'' ومنھا أن یکون المبیع معلوماً والثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فالمجھول جھالۃ مفضیۃ إلیھا غیر صحیح کشاۃ من ھٰذا القطیع وبیع الشئی بقیمتہٖ وبحکم فلان'' (البحرالرائق ۵/۴۳۶)۔

(بیع کی صحت کی شرائط میں سے مبیع اور ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے جو جھگڑا وتنازعہ پیداہونے سے روک دے، پس مبیع کا اس طرح مجہول ہونا جو جھگڑے تک پہنچادے صحیح نہیں ہے، جیسے اس ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع ،کسی چیز کی بیع اس قیمت کے عوض اور فلاں کے حکم سے بیع )۔

''وفسد بیع شاۃ من قطیع وثوب من عدل وکذا إذا باع عدد یامتفاوتا عددا بثمن واحد فوجد أکثر لجھالۃ المبیع وکذا إذا اشتری من ھٰذا اللحم ثلاثۃ أرطال بدرھم ولم یبین الموضع'' (البحرالرائق ۵/۴۵۹) ۔

(ریو ڑ میں سے ایک بکری کی بیع اور گٹھر میں سے ایک کپڑے کی بیع فاسد ہے او ر اگر اسی طرح عددی متفاوت کو ایک ہی قیمت میں گن کر فروخت کرے اور وہ اسے

زیادہ پائے تو مبیع کے مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے اور اسی طرح اگر وہ اس گوشت میں سے تین رطل ایک درہم کے عوض فروخت کرے اور گوشت کے مقام کوواضح نہ کرے)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مبیع میں جہالت فاحشہ پائی تو اس کی بیع درست نہ ہوگی اور اگر اس میں معمولی جہالت ہوتو اس کی بیع درست ہوگی، چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

'' وشرط الصحۃ معرفۃ قدر مبیع وثمن '' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۷/۴۸ )۔

(اس کی صحت کے لیے مبیع اور ثمن کی مقدار معلوم ہو ناشرط ہے )

علامہ شامیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس اس سے یہ مسئلہ خارج ہوگیا جبکہ مبیع کی مقدار میں جہالت فاحشہ پائی جائے تو یہ صحیح نہیںہے اور ہم نے فاحشہ کی قید لگائی، ا س لیے کہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر وہ مشتری کو جوکچھ گاؤنمیں ہے یا جوکچھ اس بڑے مکان میں ہے اسے فروخت کردے، حالانکہ خریدار کو اس میں کیا ہے معلوم نہ ہوتو جہالت کے واضح ہونے کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں ہے ،رہی یہ صورت جبکہ وہ اس گھرمیں، اس صندوق میں یااس تھیلے میں جوکچھ ہے اسے خریدار کو فروخت کرے تو یہ صحیح ہے، اس لیے کہ جہالت معمولی ہے'' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۷/۴۸)۔

صورت مسئولہ میں کالونی کے قطعۂ زمین کا رقبہ متعین ہوتاہے، اگر کالونی بنانے والا اس بات کی وضاحت کردے کہ خریدار جو قطعۂ زمین خرید رہاہے کالونی میں اس کامحل وقو ع متعین نہیں ہے اور پوری کالونی میں مخصوص نمبر کاقطعہ کسی بھی مقام پر دیا جاسکتا ہے تو بعدمیں کوئی نزاع نہ پیداہوگا اور اس میں پائی جانے والی جہالت جہالتِ یسیرہ کے قبیل سے ہوگی اور اس طرح صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور خریدو فروخت کاعمل درست ہوگا، چنانچہ فقہاء نے لکھاہے کہ کوئی شخص زمین اس طرح فروخت کر ے کہ اس کی حدود اربعہ بیان کردے اور اس زمین کی لمبائی و چوڑائی کی وضاحت نہ کرے یا زمین کی حدود اربعہ بھی بیان نہ کرے اور خریدار اسے جانتا بھی نہ ہو، لیکن ان کے درمیان بیع کے بعد تنازعہ پیداہونے کااندیشہ نہ ہوتو اس کی خریدو فروخت درست ہوگی ، علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں :

''ومعرفۃ الحدود تغنی عن معرفۃ المقدار ففی البزازیۃ : باعہ أرضاوذکر حدودھا لاذرعھا طولاو عرضا جاز وکذا إن لم یذکر الحدود ولم یعرفہ المشتری إذا لم یقع بینھما تجاحد'' (شامی ۷/۴۸) ۔

علامہ ابن نحیم مصری لکھتے ہیں :

''باع المشتری أرضا وذ کر حدودھا لا ذرعھا طولا وعرضا جاز وإذا عرف المشتری

الحدود لا الجیران یصح وإن لم یذکر الحدود ولم یعرفہ المشتری جاز البیع إذا لم یقع بینھما تجاھد" ( البحرالرائق ۵/ ۴۵۹) ۔

(خریدارکو زمین فروخت کرے اور اس کی حدوداربعہ کاذکر کردے، لیکن اس کی لمبائی وچوڑائی کی پیمائش کاذکر نہ کرے تو بیع جائزہے، اگر خریدار کو حدود اربعہ معلوم ہو، لیکن پڑوسی معلو م نہ ہوں تو خریدو فروخت صحیح ہے، اور اگر وہ زمین کی حدود اربعہ کاذکر نہ کرے اورخریدار اسے نہ جانتاہوتو بھی بیع جائز ہے، جبکہ ان کے درمیان تنازعہ پیدا نہ ہو )۔

اگر کالونی بسانے والاصرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے ز مین فروخت کرے اور ز مین کے محل وقوع کے بارے میں کوئی وضاحت نہ کرے یازمین پر پلاٹس بناتے وقت اپنے متعینہ نقشے کی خلاف ورزی کرے تو اس صورت میں بائع و خریدار کے درمیان بعدمیں تنازعہ پیداہوسکتا ہے، کیونکہ ایک بڑے رقبے کی زمین کے مختلف حدوداربعہ رکھنے والے قطعۂ زمین کی نوعیت وافادیت مختلف ہوتی ہے، خریدار نقشے میں دیئے گئے حدود اربعہ کے مطابق جس قطعۂ زمین کو پسند کرتاہے وہ اسی کے حصول پر راضی ہوتاہے ، اگربعد میں اسے نقشے کے مطابق حدود اربعہ کاحامل قطعۂ زمین حاصل نہ ہو تو اس کے اور کالونی بسانے والے کے درمیان تنازعہ وجھگڑا پیدا ہوسکتاہے، لہٰذا خریدو فروخت کایہ عمل درست نہ ہوگا، چنانچہ صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

''جو شخص سوگز کے مکان یاحمام میں سے دس گزخریدے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور اگر وہ سو حصوں میں سے دس حصے خریدے تو بالاتفاق جائز ہے، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سوگز میں سے دس گز مکان کا دسواں حصہ ہے، اس لیے یہ دس حصوں کے مشابہ ہے، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ گز اس چیز کا نام ہے جس سے پیمائش کی جاتی ہے اور یہ لفظ جس مقام کی پیمائش کی جاتی ہے اس کے لیے مستعار لیاگیا ہے اور یہ متعین ہے، غیر متعین نہیں ہے اور حصے کے بر خلاف غیر معلوم ہے ''(ھدایہ علی فتح القدیر ۶/۲۵۴) ۔

علامہ ابن ھمامؒ اس عبارت کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

''اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سوگز میں سے دیاجانے والا دس گز متعین ہے یا غیر متعین ہے، صاحبین کے نزدیک یہ غیر متعین ہے، گویا اس نے سوگزکادسواں حصہ فروخت کیاہے اور غیر متعین کی بیع بالاتفاق جائزہے، جیساکہ سوحصوں میں سے دس حصے کی بیع کے جوازپر اتفاق ہے، امام صاحب کے نزدیک دیئے جانے والے دس گز کی مقدار متعین ہے درآنحالیکہ گوشے عمدگی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، لہٰذادس گز کی مقدار کی تعین میں تنازعہ پیداہوجائے گا، لہٰذابیع فاسد ہوگی، پس اگر ان کااس بات پر اتفاق ہوجائے کہ اس مکان میں سے دیاجانے والادس گزغیر متعین ہوگا تو ان میں اختلاف

پید انہیں ہوگا، اسی طرح اگر ان میں اس بات پر اتفاق ہوجائے کہ یہ دس گز متعین ہوگا توبھی ان میں اختلاف پیدا نہیں ہوگا " (فتح القدیر ۶/۲۵۴) ۔

صاحب عنایہ اس عبارت کی توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ دس گز یہاں متعین نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ دس گز گھر کے کس جانب سے دیئے جائیں گے، لہٰذا اس میں ایسی جہالت پائی جاتی ہے جس میں تنازعہ کااندیشہ ہے، اس لیے کہ دس حصوں والا نوے حصوں والے کے ساتھ پورے مکان میں شریک ہوگا اور ز یادہ حصوں والے شریک کیلئے جائز نہیں کہ وہ کم حصوں والے شخص کو اسکے حصوں کے بقدر جگہ کسی بھی مقام سے دے دے(عنایۃ علی فتح القدیر ۶ / ۲۵۵) ۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

''عشرة أذرع من دار لاأسهم و ھٰذا عند أبی حنیفۃ و قالا هو جائزكمالوباع عشرة أسهم من دار و مبنی الخلاف فی مؤدی التركیب فعند هما شائع كأنہ باع عشر مائۃ و بیع الشائع جائز اتفاقا وعنده مؤداه قدر معین والجوانب مختلفۃ الجودة فتقع المنازعۃ فی تعیین مكان العشرة فیسد البیع فلو اتفقوا علی مؤداه لم یختلفوا " (البحرالرائق ۵، ۴۸۷)۔

**جواب نمبر ۱۰:**

بیع ایجاب وقبول سے ہی منعقد ہوجاتی ہے اورایجاب و قبول کے بعد مشتری مبیع کا مالک ہوجاتاہے، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں:

''(البیع ینعقد بالإیجاب والقبول إذا كانا بلفظی الماضی مثل أن یقول أحدهما بعت والآخر اشتریت'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۶/۲۳۰) ۔

''وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع ولاخیار لواحد'' (هدایہ علی فتح القدیر۶/۲۳۸)۔

''وأمّا حكمہ فثبوت الملک فی المبیع للمشتری وفی الثمن للبائع إذاكان البیع باتا " (عالمگیری ۳ /۳)۔

(اور رہا اس کا حکم تو یہ مبیع میں مشتری کی اور ثمن میں بائع کی ملکیت کا ثابت ہوناہے جبکہ بیع قطعی ہو) ۔

''أما حكمہ فهو ثبوت الملک للمشتری فی المبیع وللبائع فی الثمن للحال " (بدائع الصنائع ۴/۴۹۷ ، كتاب البیوع فصل وأما حكم البیع ) (رہا اس کاحکم تو یہ مبیع میں مشتری کی اور ثمن میں بائع کی ملکیت کا فوراً ثابت ہونا ہے )۔

لہٰذا زمین کے جو حصے بیچے گئے ہیں وہ خریدار کی ملکیت میں آجائیں گے، اگرچہ اس پر بیچنے والا کاشت بھی کرتارہتا ہو، اگر خریداری کے وقت بیچنے والے نے یہ شرط لگادی ہو کہ وہ ز مین میں کاشت کرتا رہے گا تو بیع فاسد ہوجائے گی، کیونکہ یہ شرط تقاضۂ بیع کے خلاف ہے، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں :

''ولا یبیع بشرط .....لایقتضیہ العقد ولایلائمہ وفیہ نفع لأحدهما " (الدرالمختار علی

رد المحتار ۷/۲۸۲)۔

علامہ شامیؒ اس کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ومنہ لوشرط البائع أن یھبہ المشتری شیئا أو یقرضہ أو یسکن الدار ''(شامی ۷/۲۸۳)۔

اگر زمین فروخت کرنے والا خریدار کی اجازت کے بغیر اس زمین میں کاشت کررہاہو تو زمین کی پیداوار میں سے اس کے لیے لاگت کے بقدر پیداوار ہی حلال ہے ، اس سے زائد پیداوار صدقہ کرنا اس پرلازم ہوگا، چنانچہ مجمع الأنھر میں ہے :

''ویتصدق بالفضل عندالطرفین حتی اذا غصب أرضا فزرعھا کرین فأخرجت ثمانیۃ أکرار ولحقہ من المؤنۃ قدر کرو نقصھا قدر کر فإنہ یأخذ منہ أربعۃ أکراروبتصدق بالباقی'' (مجمع الأنھر ۴/۸۱ ، کتاب الغصب ) ۔

(طریفین کے نزدیک زائد پیدوار صدقہ کرے گا، چنانچہ اگر کوئی زمین غصب کرے اوراس میں دوکر اناج بوئے اور اس سے آٹھ کر پیداہو اور ایک کرکے بقدر اخراجات لاحق ہوئے ہوں اور ایک کر کے بقدر نقصان ہوگیا ہو تو وہ اس میں سے صرف چارکرّ لے سکتا ہے اور باقی صدقہ کرے گا )۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگرکوئی شخص دوسرے کی زمین میناس کی اجازت کے بغیرتعمیر کرے یا درخت لگائے تو اسے اکھاڑنے اور واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

''من بنی أو غرس فی أرض غیرہ بغیر إذنہ أمر بالقلع والرد'' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۹/۲۸۳، کتاب الغصب)۔

زمین فروخت کرنے والے پرلازم ہے کہ وہ کھیتی کوختم کرکے زمین اس کے مالک کے حوالے کرے ،چنانچہ مجلۃ الأحکام میں ہے :

''إن کان المغصوب أرضا فبنی الغاصب فیھا بناء..... أو غرس فیھا أشجار، فإنہ یؤمر بقلعھا وردالأرض وإن کانت قیمۃ البناء والغرس أکثر من قیمۃ الأرض'' (مجلۃ الأحکام ص ۵۰۲ ، رقم الماده : ۹۰۶ )۔

(اگر غصب کی گئی شئے زمین ہو، پھر غاصب نے اس پر عمارت تعمیر کرلی ہو .....یااس میں درخت لگا دیئے ہونتو اسے ان کو ختم کرنے اور زمین واپس کرنے کاحکم دیاجائے گا، اگرچہ عمارت اور درختوں کی قیمت ز مین کی قیمت سے زیادہ ہو ) ۔

**جواب نمبر ۱۱ : (الف )**

غیر منقولہ اشیاء جیسے زمین ، پلاٹ ، جائیداد وغیرہ کا صرف سودا کرکے معاملہ کرلینا قبضہ کے لیے کافی ہے اور اس کے لیے اسے دوسرے کو فروخت کرنا بھی صحیح ہے، ہدایہ میں ہے :

''ویجوزبیع العقار قبل القبض عندأبی حنیفۃ وأبی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ'' (ھدایہ علی فتح القدیر ۶/۴۷۲)۔

(امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائیداد کی بیع قبضہ سے پہلے جائزہے)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

‘‘ولو ملک المنقول بالوصیۃ أو المیراث یجوز بیعہ قبل القبض کذا فی المحیط، اشتری دارا أو عقارا فوھبھا قبل القبض من غیر البائع یجوز عندالکل ولو باع یجوز فی قول أبی حنفیۃ وأبی یوسف رحمھماللہ تعالیٰ ولایجوز فی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ’’ (فتاویٰ عالمگیری ۳/۱۳)۔

(اگر منقولہ جائیداد کاوصیت یامیراث کے ذریعے مالک ہواہوتو اس کی خرید و فروخت قبضہ سے پہلے جائز ہے، محیط میں اسی طرح ہے، کسی نے مکان یا جائیداد خریدا، پھر اسے قبضہ سے پہلے بائع کے علاوہ کسی کو ہبہ کردیا، تو امام ابوحنیفہ ؒ اور امام ابویوسف رحمہماللہ کے نزدیک جائزہے اوراما م محمد ؒ کے نزدیک جائزنہیں ) ۔

علماء لکھتے ہیں:

‘‘وأمّا بیع الأعیان غیرالمنقولۃ قبل قبضھا کبیع الأرض والضیاع والنخیل والدور ونحوذالک من الأشیاء الثابتۃ التی لایخشی ھلاکھا فإنہ یصح’’ (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲/۲۳۴)۔

(رہی قبضہ سے پہلے اشیاء غیرمنقولہ جیسے زمین، جائیداد ، کھجور کے درخت اور مکانات اور ان جیسی قائم رہنے والی اشیاء جن کے ضائع ہونے کااندیشہ نہ ہوتو ان کی بیع درست ہے)۔

زمین کی خریداری کے بعدانسان بغیر قبضہ کے ہی اس کامالک ہوجاتاہے اور وہ اس میں جو تصرف چاہے کرسکتاہے، چنانچہ حضرت عثمان کاواقعہ منقول ہے کہ انہوننے اپنی کوفہ کی زمین کے عوض حضرت طلحہ ؓ سے مدینہ کی زمین خریدی تھی، پھرعثمان ؓ نے حضرت طلحہ ؓ سے کہاکہ میں نے تمہینایسی زمین فروخت کی جسے میں نے نہیں دیکھا تھا اورطلحہ ؓ نے کہاکہ اختیار مجھے حاصل ہوگا، اس لیے کہ میںنے زمین کوبغیر دیکھے خریداہے اور تم نے جوزمین خریدی ہے اسے تم نے دیکھاہے چنانچہ دونوں حضرات اپنامعاملہ جبیر بن مطعم ؓ کے پاس لے گئے توانہوننے عثمان ؓ کیخلاف فیصلہ کیا کہ بیع جائز ہے اور طلحہ کواختیار حاصل ہوگا، کیونکہ انہوننے بغیر دیکھے خریداہے، اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جائیداد کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے، اس لیے کہ حضرت عثمان نے اپنی کوفہ کی زمین فروخت کردی درآنحالیکہ آپ نے اسے دیکھا نہیں تھا (اعلاء السنن ۱۴/ ۲۳۸) ۔

لہٰذا ایسے پلاٹس جوکالونی بنانے والے کی ملکیت میںآگئے تھے اور اس نے اسے خریدارکو فروخت کردیئے تھے تو اس خریدار کے لیے بھی پلاٹ متعین ہونے سے پہلے صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر اپنی زمین کسی اورسے فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ پہلے ہی سے وہ خریدار کے سامنے واضح کردے کہ اس پوری کالونی میں اسے متعین طور پر ایک پلاٹ ملے گا، تاکہ بعدمیں تنازعہ پیدانہ ہو، چنانچہ علامہ ابن الھمام تحریر

فرماتے ہیں:

''فلواتفقواعلی أن مؤدی عشرة أذرع من مائة ھٰذہ الدار شائع لم یختلفو ا ''(فتح القدیر ۶/۲۵۴)۔

اگر خریدار ی کے وقت خریدار کویہ نہ بتایا گیاہوکہ اسے غیرمتعین طورپر کالونی میں سے ایک قطعہ زمین دی جائے گی تو معاملہ فاسد ہوگا، چنانچہ صاحب عنایہ لکھتے ہیں:

''(وذلک) أی العشرة الأذرع غیرمعلوم ھنا إذ لم یعلم أن العشرة من أی جانب من الدار فیکون مجھولاجھالة تفضی إلی المنازعة ''(عنایہ علی فتح القدیر ۶/۲۵۵)۔

(اوریہ یعنی دس گز یہاں معلوم نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ معلوم نہینہے کہ دس گز گھرکے کس جانب سے دیئے جائیں گے، لہٰذا ا س میں ایسی جہالت پائی جاتی ہے جو معاملہ تنازعہ تک پہنچاسکتی ہے )۔

**جواب نمبر ۱ ۱( ب) :**

بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتی ہے، ایجاب وقبول کے بعد مشتری زمین کامالک ہوجاتاہے، اگرچہ حکومت کے رجسٹرمیں اس زمین پربائع کانام درج ہو، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''وإذا وجدا (أی الایجاب والقبول ) لزم البیع بلا خیار إلا لعیب أو رؤیة'' (الدرالمختار علی رد المحتار ۷/۴۷)۔

''وحکمہ ثبوت الملک''(الدرالمختار علی رد المحتار ۷/۱۶)۔

بیعانہ کی رقم سودا طے ہوجانے کے بعدہی دی جاتی ہے اور خرید وفروخت میں متعینہ مدت کے بعد ثمن کی ادائیگی شرعا جائزہے۔

''ویجوز البیع بثمن حال ومؤجل إذا کان الأجل معلوما'' (ہدایہ علی فتح القدیر ۶/۲۴۲)۔

(خرید وفروخت نقد قیمت اورمؤجل قیمت دونونسے درست ہے جبکہ مدت معلوم ہو)۔

(وصح بثمن حال )وھوالأصل(ومؤجل إلی معلوم) لئلا یفضی إلی النزاع ''(درمختار علی ردالمحتار ۷/۵۲)۔

لہٰذا مسئلہ مذکورہ مین کالونی بنانے والا سودا طے ہوجانے کے بعد زمین کا مالک ہوجاتا ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ پلاٹ دوسروں کوفروخت کرے، کیونکہ غیر منقولہ اشیاء کی بیع قبل القبض بھی جائزہے ۔

''ویجوز بیع العقارقبل القبض عندأبی حنیفة وأبی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ'' (ھدایہ علی فتح القدیر ۶/۴۷۲)۔

(امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائیداد کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے)

لہٰذا مسئلہ مذکورہ میں پلاٹنگ کرنے والے یاخریدار کے لیے پلاٹ فروخت

کرناشرعاً جائز ہے، البتہ اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ اسے غیر متعین طور پر ایک پلاٹ دیاجائے گا، اسی طرح اس بات کی بھی وضاحت کردی جائے کہ بائع قانونی طور سے زمین کا مالک نہیں ہے اور آئندہ ایسی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے کہ قانونی دشواری کی وجہ سے بائع کو یہ معاملہ ختم کرنا پڑے، ایسی صورت میں بائع مشتری سے حاصل کردہ قیمت اسے واپس کرنے کاوعدہ کرے، فقہاء نے معاملات میں کسی بھی قسم کی فریب دہی سے منع کیاہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقھیہ میں ہے :

''اتفق الفقها ء على أن الغش حرام سواء أكان بالقول أم بالفعل وسواء كان بكتمان العيب فى المعقود عليه أو الثمن أم بالكذب والخديعة وسواء أكان فى المعاملات أم فى غيرها من المشورة والنصيحة'' (الموسوعۃ الفقھیہ ۳۱/ ۲۱۹) ۔

(فقہاء کااس بات پر اتفاق ہے کہ فریب دہی حرام ہے؛ خواہ قول سے ہویا فعل سے ، خواہ مبیع یاثمن میں عیب چھپا کر ہویاجھوٹ یافریب کے ذریعے ہو ، خواہ معاملات میں ہویامعاملات کے علاوہ مشورہ و نصیحت میں ہو )

**جواب نمبر ۱۲:**

صورت مسئولہ مینکالونی بنانے والادلال کواپناوکیل بناتاہے اوردلال مالک زمین کے وکیل کی حیثیت سے خرید و فروخت کامعاملہ کرتاہے تو یہ شرعاً جائزہے، چنانچہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''تصح الوكالة بأجر وبغيرأجر لأن النبى ﷺ كان يبعث عمّاله لقبض الصدقات ... ولأن الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل القيام بها فيجوز أخذ الأجرة فيها ''(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۴۰۵۸ ، الفصل التاسع الوكالة، المبحث الاول كالة بأجر )۔

(وکالت اجرت کے ساتھ اوربغیر اجرت کے دونوں صورتوں میں صحیح ہے، اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے عاملوں کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجتے تھے ...اور ا س لیے کہ وکالت ایک جائز معاملہ ہے، وکیل پر اس کام کوانجام دیناواجب نہینہے، لہٰذا اس پراجرت لیناجائز ہے )

''الأصل فى الوكالة الإباحة وقد تصح مندوبة إن كانت إعانة على مندوب وقدتصير مكروهة إن أعانت على مكروه وقدتكون حراما إن أعانت على حرام وقد تكون واجبة إن ضررت عن المؤكل'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۴۰۶۱، الفصل التاسع الوكالة المبحث الاوّل)۔

(وکالت میں اصل جواز ہے، وکالت کبھی کبھی مستحب ہوتی ہے جبکہ اس میں مستحب عمل پر اعانت ہو، کبھی کبھی وکالت مکروہ ہوتی ہے جبکہ اس میں مکروہ عمل پراعانت ہو، بسااوقات حرام ہوتی ہے جبکہ اس میں حرام عمل پر اعانت ہو اور کبھی کبھی واجب ہوتی ہے جبکہ اس کے ذریعے مؤکل سے ضرر و تکلیف کاازالہ ہو )۔

شیخ ابوبکر جابر الجزائر ی تحریر فرماتے ہیں :

''وکالت کا حکم :وکالت کتاب وسنت کی رو سے جائزہے، اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:''اورصدقہ وصول کرنے پر متعین کارکنوں کے لیے '' (سورہ توبہ: ۶)، یہ لوگ زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے امام کے وکیل ہیں، اللہ تعالیٰ کاارشادہے : ''اب اپنے میں سے کسی کویہ روپئے لے کرشہربھیجو ، وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھاناصاف ستھرا ہے ؟پھر وہ اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے کرآئے '' (سورہ کہف: ۱۹)، پس ان لوگوں (اصحاب کہف) نے اپنے لیے کھاناخریدنے کی خاطر اپنے میں سے ایک کو وکیل بنایا، اللہ کے رسول ﷺ نے انیسؓ سے کہا: ''انیس اس عورت کے پاس جاؤ، پس اگر وہ (زنا کا) اعتراف کرے تو اسے رجم کردو ''، پس اللہ کے رسولﷺ نے حد نافذ کرنے کے لیے دعویٰ کی تحقیق کی خاطر انیس کو وکیل بنایا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : نبی ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ (صدقۂ فطر) کی حفاظت کے لیے مجھے وکیل بنایا، نبی ﷺ نے جابرؓ سے فرمایا: '' جب تو میرے وکیل کے پاس آئے تو اس سے پندرہ وسق لے لے اوراگر وہ تجھ سے علامت طلب کرے تو اپناہاتھ اپنے گلے پررکھ دینا ' ' (منهاج المسلم للشيخ أبی بكر الجزائری ص ۳۱۲ ، الباب الخامس فی المعاملات ، الفصل الرابع ) ۔

دلالی کی اجرت لینا شرعاً جائزہے، خواہ اجرت مثل طے کی جائے یا بیع کی قیمت پر فیصد کے تناسب سے اجرت متعین کی جائے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں :

''فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل ... وفی الحاوی :سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار فقال: أرجوأنہ لابأس بہ وإن کان فی الأصل فاسدا لکثرۃالتعامل وکثیر من ھٰذا غیرجائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس إلیہ کدخول الحمام" (ردا لمحتار ۹/۸۷)۔

(دلال کے لیے اجرت مثل واجب ہوگی، حاوی میں ہے: محمدبن سلمہ سے دلال کی اجرت کے بارے میںدریافت کیاگیا تو انہوںنے جواب دیا : مجھے امید ہے کہ کثرت تعامل کے سبب اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اصلاً یہ فاسد ہے، اس طرح کے بہت سے معاملات ناجائز ہیں، لیکن لوگونکو ا س کی حاجت کے سبب فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، جیساکہ (اجرت پر ) حمام میں داخل ہونا جائز ہے )

خریدو فروخت کے معاملہ میں ایجاب و قبول کے بعدہی سودامکمل ہوجاتاہے اورمبیع پر مشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، شرعاً انتقال ملکیت کے لیے سرکاری کاغذات میں اندراج ضروری نہیں، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

''البیع یلزم بإیجاب وقبول أی حکم البیع یلزم بھما " (البحرالرائق ۵/۴۳۹)۔

(بیع ایجاب وقبول سے لازم ہوجاتی ہے یعنی بیع کاحکم ان دونونسے لازم ہوجاتاہے)، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''أما حکمہ فھو ثبوت الملک للمشتری فی المبیع وللبائع فی الثمن للحال'' (بدائع الصنائع ۴/۴۹۷ ، کتاب البیوع ) (رہا اس کاحکم تو یہ مبیع میں مشتری کی اور ثمن میں بائع کی ملکیت کافوراً ثابت ہونا ہے ) ۔

ڈاکٹروھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''محض ایجاب و قبول سے ہی مبیع کی ملکیت مشتری کی جانب منتقل ہوجاتی ہے اور اسے مبیع کے استعمال کرنے، اس میں سرمایہ کاری کرنے اور اس میں حسب منشاتصرف کرنے کا مطلق حق حاصل ہوجاتاہے، ا س کے نفع کامستحق وہی ہوتاہے اور اس کا تاوان بھی اس پر ہی واجب ہوتاہے یعنی اس کاتاوان برداشت کرنے کے عوض اس کے ثمرات اور اس کی پیداوار یا اس کے منافع کا حقدار وہی ہوتاہے، خواہ یہ کم ہوں یا زیادہ'' (الموسوعۃ الفقھیۃ والقضایا المعاصرہ ۱۳ / ۲۸۱) ۔

لہٰذازمین کے اصل مالک سے نام کے انتقال سے پہلے دلال کالوگوں کو زمین فروخت کرنا شرعاً جائزہے، اسی طرح جولوگ دلال سے خریدیں ان کے لیے بھی دوسروں کوفروخت کرناجائزہے ۔

**جواب نمبر ۱۳:**

بیع میں ایجاب وقبول کے بعد سودامکمل ہوجاتاہے اور مبیع پرمشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''وحکمہ ثبو ت الملک أی فی البدلین لکل منھما فی بدل''(شامی ۷/۱۶)۔

(اس کا حکم بدلین یعنی مبیع وثمن میں سے ہر ایک چیز میں بائع وخریدار ان میں سے ہر ایک کے لیے ملکیت کا ثبوت ہے)۔

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے :

''البیع النافذ یفیدالحکم فی الحال أی ثبوت الملک فی البدلین لکل منھما فی بدل ولھٰذا ھوالحکم الأصلی للبیع'' ( دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲/۳۷۳)۔

(بیع نافذ فوراً حکم یعنی بدلین (مبیع وثمن ) میں سے ہرایک چیز میں بائع و خریدار ان میں سے ہرایک کے لیے ملکیت کے ثبوت کافائدہ دیتی ہے اور یہ بیع کا اصلی حکم ہے)۔

علامہ اتاسی کی شرح مجلۃ الأحکام میں ہے :

''حکم البیع المنعقد الملکیۃ یعنی صیرورۃ المشتری مالکا للمبیع والبائع مالکا للثمن ..... الملکیۃ تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البیع شرائط الانعقاد والصحۃ واللزوم والنفاذ'' (شرح المجلۃ للأتاسی ۲/۳۵۷، رقم المادۃ :۳۶۹ ط :کوئٹہ)۔

(بیع منعقد کاحکم ملکیت ہے، یعنی خریدار کے لئے مبیع کااور فروخت کرنے والے کے لئے ثمن کا مالک ہونا ہے ..... ملکیت محض عقد سے ہی ثابت ہوجاتی ہے جبکہ بیع

میں انعقاد ،صحت، لزوم اورنفاذ کی تمام شرطیں جمع ہوجائیں ) ۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی تحریرفرماتے ہیں کہ ایجاب و قبول اورسودا مکمل ہوجانے کے بعد مبیع سے بائع کا حق ملکیت ختم ہوجائیگا اور مشتری مکمل طورپر اس کامالک ہوجائے گا۔

''سابقہ شرطوں مینجوبحث گزرچکی ہے، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ فروخت کرنے والے کامبیع سے تعلق محض سوداکے پختہ ہوجانے سے ہی ختم ہو جاتاہے، مگرجبکہ ایسے اختیارات پائے جائیں جوعقد کوفسخ کردیتے ہیں، جیسے خیار شرط ، خیار عیب یاخیار رؤیت اور یہ خرید ار کی جانب ملکیت کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ہوتاہے جوکہ عقد کاحکم یااس کاتقاضہ ہے ،لہٰذا تصرف کاحق جو کہ بیع میں ملکیت کے انتقال پرمرتب ہوتا ہے، ایک کامل حق ہوگا، جوملکیت کا ملہ کے سبب مشتری کو عطا کیاجائے گا کہ جوچیز اس کی ملکیت ہوگئی اس میں حسب منشاجوتصرف چاہے کرے، خواہ بیع کی صورت میں ہو ، ھبہ کی شکل میں ہو ، وصیت کی صورت میں یاوقف کی شکل میں ہو '' (الموسوعۃ الفقھیۃ والقضایاالمعاصرہ ۱۳ / ۳۰۷) ۔

لہٰذامسئلہ مذکورہ میں پلاٹ خرید نے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہوجائے گی اور وہ اس میں جوتصرف چاہے کرسکتا ہے، اس پرلازم نہینہے کہ وہ زمین کالونی بنانے والے کو ہی فروخت کرے ۔

**جواب نمبر ۱۴:**

جب ایک بار بیع ہوجائے تو بائع او ر مشتری دونونمیں سے کسی کو بھی یک طرفہ طورپربیع کو فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ۔ علامہ مرغینانی ؒرقم طراز ہیں:

''إذا قال لغیرہ اشتریت وأنکرالآخرلہ أن یصدقہ لأن أحد المتعاقدین لایتفرد بالفسخ کما لا یتفرد بالعقد'' (ھدایہ علی فتح القدیر۷/۳۱۳، کتاب ادب القاضی )۔

(جب کسی دوسرے سے کہے تو نے خریدا ہے اور دوسرا انکار کردے تو اسے اس کی تصدیق کرنے کا اختیار حاصل ہے، اس لیے کہ متعاقدین میں سے کوئی ایک یک طرفہ طورپر بیع کوفسخ نہیں کرسکتا، جس طرح ان دونوں میں سے کوئی ایک یک طرفہ طورپر عقد نہیں کرسکتا) ۔

لہٰذا اگر مشتری بعض قسطیں اداکرنے سے عاجز ہوجائے تو کالونی کے بلڈر کے لیے یک طرفہ طورپرسوداکینسل کرناجائز نہیں۔

مسئلۂ مذکورہ میں اگر زمین کی فروخت کے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اگر خریدار نے مقررہ مدت تک کل رقم یا مقررہ قسط ادانہیں کی تو یہ سودا ختم ہوجائے گا، تو یہ صورت ''خیار نقد '' کی ہے اور خریدو فروخت میں یہ شرط لگاناجائز ہے اور یہ شرط اپنے وقت پر مؤثر بھی ہوگی، یعنی مقررہ مدت میں کل رقم یاطے شدہ قسط ادانہیں کی تو بائع یک طرفہ طور پر بیع کو ختم کرکے خریدار سے مبیع واپس لے سکتاہے اورثمن کا

جتنا حصہ اس نے وصول کیا ہے وہ خریدار کو واپس لوٹا دے، دررالحکام مجلۃ الأحکام میں ہے :

''جب بائع اور مشتری اس شرط کے ساتھ بیع کریں کہ خریدار فلاں وقت پر ثمن اداکرے گا اور اگر وہ ثمن ادانہیں کرے گا تو ان کے درمیان بیع نہ ہوگی تو بیع درست ہوجائے گی اور اسے خیا ر نقد کہتے ہیں .....اگر وہ تین دن سے زائد مدت بیان کرے تو امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ بیع فاسد ہوگی، امام محمدؒ کہتے ہیں کہ بیع جائز ہے، البحرالرائق مینغایت البیان سے نقل کیاگیاہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنے پہلے قول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں، اور جس قول کی طرف انہوننے رجوع کرلیاتھا وہ یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، ا س زمانے میں لوگوں کی مصلحت کالحاظ کرتے ہوئے مجلہ کی جمعیت نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیاہے جیسا کہ صدر اعظم مرحوم علی پاشا کی مجلہ کی سابقہ رپورٹ میں اس کی صراحت کی گئی ہے '' (دررالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۱/۳۰۹، رقم المادۃ : ۳۱۳) ۔

علامہ سلیم رستم باز مجلۃ الأحکام کی اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

''إذا لم یؤد المشتری الثمن فی المدۃ المعینۃ کان البیع الذی فیہ خیار النقد فاسدا ولکل من العاقدین فسخہ إذابقی المبیع علی حالہٖ'' (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز ص ۱۶، رقم المادۃ: ۳۱۴)۔

(جب خریدار متعینہ مدت میں ثمن ادانہ کرے تو وہ بیع جس میں خیار نقد ہو فاسد ہوجائے گی اور عاقدین میں سے ہرایک کواسے فسخ کرنے کااختیار ہوگا جبکہ مبیع اپنی حالت پر باقی ہو)

علامہ کاسانیؒ بیع غیر لازم کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں :

''وأما بیان مایرفع حکم البیع فنقول وباللہ التوفیق : حکم البیع نوعان : نوع یر تفع بالفسخ وھوالذی یقوم برفعہ أحد المتعاقدین وھوحکم کل بیع غیرلازم کالبیع الذی فیہ أحد الخیارات الأربع والبیع الفاسد ''(بدائع الصنائع ۴/۵۹۲ ، کتاب البیوع ، فصل فی بیان مایرفع حکم البیع)۔

(رہی وہ چیزیں جو بیع کے حکم کو ختم کردیتی ہیں تو ہم کہتے ہیں درآنحالیکہ توفیق اللہ سے ہی حاصل ہوتی ہے: بیع کے حکم کی دوقسمیں ہیں: ایک وہ قسم جو فسخ سے ختم ہوجاتاہے اوریہ وہ قسم ہے جس کو ختم کرنے کاکام بیع کامعاملہ کرنے والے دونوں لوگوں میں سے کوئی ایک انجام دیتاہے اور یہ ہر بیع غیر لازم کاحکم ہے جیسے وہ بیع جس میں چار و ناختیارات میں سے کوئی ایک اختیار ہو اور بیع فاسد)۔

اگر زمین کا خریدار مزید قسطوں کی ادائیگی سے عاجز ہوجائے تو فروخت کرنے والا یک طرفہ طورپرسودا کینسل نہیں کرسکتا، بلکہ اسے چاہئے کہ خریدارکی رضا مندی سے وہ موجودہ قیمت کے حساب سے اسے خود خرید لے یاکسی دوسرے شخص کو

فروخت کردے اور جو نفع حاصل ہو وہ خریدار کولوٹا دے، اگر یہ ممکن نہ ہوتو بائع شرعی دارالقضاء سے رجوع ہوکراپنامعاملہ پیش کرسکتا ہے، قاضی تحقیق کے بعد زمین کو موجودہ قیمت کے حساب سے فروخت کرنے کاحکم دے سکتاہے، صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگرکوئی شخص غلام خریدے، اس کے بعد وہ غائب ہوجائے درآنحالیکہ غلام بائع کے قبضہ میں ہوتو قاضی تحقیق کے بعد مناسب سمجھے تو غلام کو فروخت کرکے اس کی قیمت بائع کے حوالے کرسکتاہے :

''ومن اشتری عبداً فغاب فأقام البائع البینۃ أنہ باعھا ایّاہ فإن کانت غیبتہ معروفۃ لم یبع فی دین البائع لأنہ یمکن إیصال البائع إلی حقہ بدون البیع وفیہ إبطال حق المشتری وإن لم یدر أین ھوبیع العبد وأوفی الثمن لأن ملک المشتری ظھر بإقرارہ فیظھر علی الوجہ الذی أقربہ مشغولا بحقہ وإذا تعذر استیفاءہ من المشتری یبیعہ القاضی فیہ کالراھن إذا مات والمشتری إذا مات مفلسا والمبیع لم یقبض''(ھدایہ علی فتح القدیر ۷ / ۱۲۰ ۔۱۱۹ ) ۔

(جو شخص کوئی غلام خریدے پھر وہ غائب ہوجائے پھر بائع اس بات پر بینہ قائم کردے کہ اس نے اسے مشتری کوفروخت کیا ہے، پس اگر اس کا غائب ہونا معروف ہوتو اسے بائع کے دین کے وصولی کے لیے فروخت نہیں کیاجائے گا، اس لیے کہ بیع کے بغیر بھی بائع کو اس کا حق پہنچانا ممکن ہے اور بیع میں خریدا ر کے حق کاابطال ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ خریدار کہاں ہے تو غلام کو فروخت کر کے قیمت وصول کی جائے گی، اس لیے کہ خریدارکی ملکیت اس کے اقرار سے ظاہر ہوئی ہے، پس وہ اسی طرح سے ظاہر ہوگی جیساکہ اس نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس کے حق میں مشغول ہے اور جب خریدار سے قیمت کی وصولی دشوار ہوجائے تو قیمت کی وصولی کے لیے قاضی اسے فروخت کردے گا جیسا کہ راھن جبکہ اس کی موت ہوجائے اور خریدار جبکہ وہ دیوالیہ ہوکر مرجائے در آنحالیکہ مبیع پر قبضہ نہ کیاگیاہو ) ۔

صاحب عنایہ لکھتے ہیں :

''کالراھن إذا مات فإن المرتھن أحق بالمرھون یباع فی دینہ إن تعذر الاستیفاء والمشتری إذا مات قبل قبض المبیع مفلسا فإن المبیع یباع فی ثمنہ'' (عنایہ علی فتح القدیر ۷/۱۲۰)۔

(جیسے راھن جبکہ وہ مرجائے تو رہن رکھنے والامر ہونہ چیز کازیادہ حقدار ہوگا، اگر دین کی وصولی دشوار ہو جائے تو دین کی وصولی کے لیے اسے فروخت کردیا جائے گا اور جب خریدار مبیع پر قبضہ سے پہلے دیوالیہ ہوکرمرجائے تو اس کی ثمن کی وصولی کے لیے مبیع کو فروخت کردیاجائے گا) ۔

**جواب نمبر ۱۵:(الف ) :**

دلالی کے عمل میں کیاجانے والا کام اور وقت مجھول ہوتاہے، اس لیے فقہ حنفی میں اصولاً دلالی کاعمل اور اس پر اجرت کاحصول جائز نہیں تھا لیکن متاخرین فقہاء نے

ضرورت کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا ہے، اگر اجرت متعین کرکے دلالی کی جائے تو مفتیٰ بہٖ قول کے مطابق جائزہے، چنانچہ علامہ شامی ؒتحریر فرماتے ہیں:

'' قال فی البزازیۃ :أجرۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاک ومالا یقدر فیہ الوقت ولاالعمل تجوز لما کان للناس بہٖ حاجۃ ویطیب الأجر المأخوذ لوقدر أجر المثل'' (شامی ۹/۶۴ ، کتاب الاجارۃ ، باب الاجارۃ الفاسدۃ ) ۔

(فتاویٰ بزازیہ میں فرماتے ہیں: دلال ، حمام والے،نیلام مینبولی لگانے والے، چیک لکھنے والے اور وہ کام جس میں وقت اور کام متعین نہیں ہوتا کی اجرت جائزہے، اس لیے کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے اور حاصل کی گئی اجرت اگر بقدر اجرت مثل ہوتو حلال ہے ) ۔

دلالی کی یہ صورت کہ دلال زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرلے پھر اس کو من مانی قیمت پر بیچ کر زمین کے مالک کو اس کی مطلوبہ قیمت دے دے او ر باقی خود رکھ لے ، جمہور علماء احناف ، شوافع اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں، امام احمد ؒاور امام اسحاق ؒکے نزدیک یہ صورت جائز ہے، اس کے جواز کے سلسلے میں امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ او ر ابن سیرین ؒکاقول نقل کیا ہے، ابن أبی شیبہؒ نے مصنف ابن شیبہ میں ان دونوں اقوال کوموصولا روایت کیا ہے ۔ شارح صحیح بخاری علامہ عینی ؒتحریر فرماتے ہیں:

''وقال ابن عباس:لابأس أن یقول:بع ھٰذا الثوب فما زاد علی کذا وکذا فھو لک، ھٰذا التعلیق وصلہ ابن أبی شیبۃ عن ھشیم عن عمرو بن دینار عن عطاء عن ابن عباس نحوہ وقال ابن سیرین إذا قال بعہ بکذا فماکان من ربح فھولک أو بینی وبینک فلابأس بہٖ ، وھٰذا التعلیق أیضا وصلہ ابن أبی شیبۃ عن ھشیم عن یونس عن ابن سیرین وفی التلویح :وأما قول ابن عباس وابن سیرین فأکثر العلماء لایجیزون ھٰذا البیع وممن کرھہ :الثوری والکوفیون وقال الشافعی ومالک :لا یجوز فإن باع فلہ أجر مثلہ وأجازہ أحمد وإسحاق وقالا:ھومن باب القراض وقد لا یربح المقارض''(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۸/۶۲۳) ۔

(عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کہے:''اس کپڑے کو بیچ دے اور اس رقم سے زیادہ جوبھی حاصل ہو وہ تیرا ہے، اس تعلیق کو ابن أبی شیبہ ؒنے ھشیم عن عمرو بن دینار عن عطاء اس سند سے عبداللہ بن عباس ؓسے موصولاً روایت کیا ہے، ابن سیرین ؒفرماتے ہیں: اگر کہے کہ اسے اتنے میں بیچ دے اور جو بھی نفع حاصل ہوتو وہ تیرا ہوگا یامیرے اور تیرے درمیان ہوگا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس تعلیق کو بھی ابن أبی شیبہ ؒنے ہشیم عن یونس عن ابی سیرین اس سند سے موصولاً روایت کیا ہے، تلویح میں ہے: رہا ابن عباس اور ابن سیرین کا قول تواکثر علماء اس بیع کو جائز قرار نہیں دیتے اور جن حضرات نے اسے مکروہ قراردیا ہے، ان میں امام ثوری اور کوفی

فقہاء ہیں، امام شافعی اور امام مالک کہتے ہیں : یہ جائز نہیں، لہٰذا اگر بیچے گا تو اس کواجرت مثل ملے گی اور اسے امام احمد اور اسحاق ؒ نے جائز قراردیاہے اور یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ یہ مضاربت کے قبیل سے ہے اور بسااوقات مضارب کو نفع حاصل نہیں ہوتا)۔

بائع کی مطلوبہ قیمت سے زائد قیمت دلال کے لیے حلال ہے، اس سے متعلق امام بخاری ؒ نے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث '' مومنین اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں '' اس کو بھی نقل کیا ہے، لہٰذا اگر دلال کوئی متعین شر ط لگائیں تو سامان کے مالک اور دلال کو اپنی شرط کاپابند رہتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرناچاہئے، چنانچہ علامہ عینی ؒ رقم طراز ہیں:

''وقال النبی ﷺ : المؤمنون عندشروطهم ..... مطابقته للترجمة من حيث أن السمسرة إذا شرطت بشئی معين ينبغی أن يكون السمسار وصاحب المتاع ثابتين على شرطهما لقوله صلى الله عليه وسلم :'' المؤمنون عند شروطهم'' وهٰذا التعليق وصله أبوداؤد فی القضاء من حديث الوليد بن رباح بالباء الموحدة عن أبی هريرة و روى ابن أبی شيبة من طريق عطاء : بلغنا أن النبی ﷺ قال : المؤمنون عند شروطهم وروى الدار قطنی والحاكم من حديث عائشة رضی الله تعالىٰ عنها مثله وزاد ما وافق الحق''( عمدة القاری شرح صحيح البخاری ۸/۶۲۴) ۔

اللہ کے رسول ﷺ نے دیہاتی کے لیے شہری کی بیع کو ناجائز قراردیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیاہے کہ شہری دیہاتی کادلال نہ بنے، علامہ ابن بطال ؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا دلال اس لیے نہ بنے کہ اس سے لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے، دلال کی اجرت کے سبب آپ ﷺ نے دیہاتی کے لیے شہری کی بیع سے منع نہیں فرمایا، لہٰذا صاحب سامان اور دلال اگر اُجرت پر معاملہ کرتے ہیں تو یہ جائز ہوگا :

''عن ابن عباس رضی الله عنہ عنهما قال:نهی رسول الله ﷺ أن يتلقى الركبان ولايبيع حاضر لباد قلت يابن عباس ما قول:لايبيع حاضر لباد؟ قال لايكون له سمسارا ..... قال ابن بطال:لايكون له سمسارا يعنی من أجل المضرة الداخلة على الناس لامن أجل أجرته''( عمدة القاری ۸/۶۲۴) ۔

ان احادیث وروایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگردلال اور مالک زمین اس طرح کا معاملہ کریں کہ بائع کی مطلوبہ قیمت سے زائدرقم دلال کی اجرت قرارپائے تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہوناچاہئے، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کے معاملات کو صحت و درستگی پرمحمول کرنا چاہئے۔

''لأن أمور المسلمين محمولة على الصحة والسداد ماأمكن '' (بدائع الصنائع ۵/۲۱۷ )۔

اسی طرح جہاں تک ممکن ہو مسلمان کے فعل کوبہتر سے بہتر صورت پرمحمول کرناواجب ہے :

'' لأن فعل المسلم يجب حمله على أحسن الوجوه ماأمكن '' (اعلاء السنن ۱۴/۳۳۸ )۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر وھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''یلزم مراعاة الشرط بقدر الامكان '' (مجلة الأحكام : المادة : ۸۳) ۔

اجرت دلال کی مذکورہ صورت ہمارے معاشرے میں بہت معروف ہے، فقہاء نے بہت سے مسائل میں عرف و عادت کااعتبار کیا ہے، چنانچہ کوئی چیز کیلی ہے یا وزنی، اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ جس چیز کا کیلی یاوزنی ہونا شریعت میں منصوص نہ ہو، اس کے کیلی یاوزنی ہونے کافیصلہ اس علاقے کے عرف پرمبنی ہوگا، چنانچہ علامہ ظفر احمد تھانوی ؒ رقم طراز ہیں :

''كل شئى لم ينص عليه الشار ع أنه كيلى أو وزنى يعمل فى ذالك على ما يتعارفه أهل تلك ا لبلدة، مثلا الأرز فإنه لم يأت فيه نص من الشارع أنه كيلى أو وزنى فتعتبر فى عادة أهل كل بلدة على مابينهم من العرف فيه فإنه فى البلاد المصرية يكال وفى البلاد الشامية يوزن ونحو ذلك من الأشيأء لأن الرجوع إلى العرف جملة من القواعد الفقهية'' (اعلاء السنن ۴۷۹/۱۴، باب اعتبار العرف فى البيوع و الاجارات ونحوها) ۔

لہٰذا ہمارے معاشرے کے عرف کااعتبار کرتے ہوئے دلالی کی یہ صورت جائزہونا چاہیے، کہ دلال بائع کی مطلوبہ قیمت سے زائد رقم دلالی کی اجرت کے طورپر لے گا، فقہ کامشہور قاعدہ ہے :

''مارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن'' ( الأشباه والنظائر ص ۱ /۳۲۸) ۔

(جس چیز کومسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے )۔

**جواب نمبر۱۵(ب):**

خریدوفروخت کے بعد مبیع کومشتری کے حوالے کرنا او ر اس کے قبضے و تصرف میں دینا شرعاً لازم ہے، چنانچہ علامہ شامی ؒ لکھتے ہیں:

''وحكمه ثبوت الملك أى فى البدلين لكل منهما فى بدل وهٰذاحكمه الأصلى والتابع وجوب تسليم المبيع والثمن''( شامی ۷/۱۶)۔

(اس کا حکم بدلین یعنی مبیع وثمن مینسے ہر ایک چیز میں بائع و خریداران میں سے ہر ایک کیلئے ملکیت کاثابت ہونا ہے اور یہ اس کااصلی حکم ہے اور اس کا تابع حکم مبیع اورثمن کی حوالگی ہے ) ۔

مبیع پر مشتری کاقبضہ دینا شرعاً ً واجب ہے، اس سے متعلق علامہ کاسانی ؒ رقم طراز ہیں :

''وأما الأحكام التى هى من التوابع للحكم الأصلى للبيع .....فمنهاوجوب تسليم المبيع

والثمن .....أمّا الأول فتسليم البدلين واجب على العاقدين لأن العقد أوجب الملک فی البدلين ومعلو م أن الملک ماثبت لعينہ وإنما ثبت وسيلۃ إلى الانتفاع بالمملوک ولا يتهيأ للانتفاع بہ إلا بالتسليم فكان إيجاب الملک فی البدلين شرعا إيجابا تسلمهاضرورۃ ولأن معنى البيع لايحصل إلا بالتسليم والقبض لأنہ عقد مبادلۃ وهو مبادلۃ شيئی مرغوب بشيئی مرغوب وحقيقۃ المبادلۃ فی التسليم والقبض لأنها بدل وإعطاء بدل" (بدائع الصنائع ۵/ ۴۹۷)۔

(رہے و ہ احکام جو بیع کے حکم اصلی کے توابع میں سے ہیں..... توان میں سے مبیع اور ثمن کی حوالگی کا واجب ہونا ہے ...رہاپہلا تابع حکم تو بدلین (مبیع وثمن ) کی حوالگی عاقدین پرواجب ہے ،ا س لیے کہ عقدبیع نے بدلین یعنی مبیع وثمن میں ملکیت کو واجب قرار دیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ملکیت لعینہ ثابت نہیں ہوئی، بلکہ یہ مملوکہ چیزسے فائدہ اٹھانے کے وسیلہ کے طورپر ثابت ہوئی ہے اوریہ اس سے حصول نفع کے لیے حوالگی کے ذریعے ہی مہیا ہوگی، لہٰذ شرعاً بدلین میں ملکیت کو واجب قرار دینا ضرورۃ اس کی حوالگی کو واجب قراردینا ہے اور اس لیے کہ بیع کامفہوم حوالگی اورقبضے ہی سے حاصل ہوگا، اس لیے کہ یہ باہم تبادلہ کامعاملہ ہے اور یہ مرغوب چیزکے عو ض مرغوب چیز کاتبادلہ ہے اورباہم تبادلہ کی حقیقت حوالگی اور قبضہ دینے میں ہے، اس لئے کہ یہ بدل لینے اور بدل دینے کانام ہے )۔

اللہ کے رسولﷺ نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایاہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن العاصؓ سے مروی ہے، فرماتے ہینکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : قرض اور بیع حلال نہیں ہے اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں اور نہ ہی ایسا نفع حلال ہے جس کا ضامن نہ ہواگیاہو ...اور نہ ہی اس چیز کی بیع حلال ہے جو تیرے پاس نہ ہو:

''عن عبداللہ بن العاص قال قال رسول اللہ ﷺ '' لا يحل سلف وبيع ولا شرطان فی بيع ولاربح مالم يضمن ولابيع ماليس عندک" (سنن الترمذی أبواب البيوع حديث: ۱۲۳۴ ) ۔

خرید و فروخت میں ایسی شرط لگانا جوتقاضۂ بیع کے خلاف ہو اور وہ بیع سے مناسبت نہ رکھتی ہو یا اس میں بائع یامشتری میں سے کسی کافائدہ ہو شرعاً جائزنہیں اور ایسی شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا زمین کی خریدو فروخت میں قبضہ نہ دینے اور آئندہ فروخت کرتے وقت بائع سے ہی فروخت کرنے کی شرط سے خریدو فروخت کا یہ معاملہ فاسدہوجائے گا، چنانچہ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ولا يبيع بشرط ... لايقتضيہ العقد ولا يلائمہ وفيہ نفع لأحدهما" (الدرالمختارعلی رد المحتار۷،۸۳ ۔۸۲)۔

(اور ایسی شرط لگاکر فروخت نہیں کرسکتا جس کا عقد تقاضہ نہ کرتاہو اور جو اس سے مناسبت نہ رکھتی ہو اور اس میں ان دونوں(بائع و مشتری) میں سے کسی کانفع ہو)۔

ہدایہ میں ہے :'' کل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین أو للمعقودعلیہ وھومن أھل الاستحقاق یفسدہ '' (ہدایہ علی فتح القدیر ۶/۴۰۶) ۔

(ہر وہ شرط جس کاعقد تقاضہ نہ کرے اوراس مینمعاملہ کرنے والے دونوں لوگوں میں سے کسی کافائدہ ہویامبیع کافائدہ ہو در آنحالیکہ وہ اہل استحقاق میں سے ہو یہ بیع کو فاسدکردے گی)۔

خریدوفروخت میں ایسی شرط جو تقاضہ ٔعقد کے خلاف ہو یااس میں بائع کانفع ہو، اس پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر وھبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں :

''بائع کے لیے جائز نہیں کہ وہ خریدار کے حساب میں ایسی شرط لگائے جوعقد کے تقاضہ سے موافقت نہ رکھتی ہو اور بیع فاسدہوگی یاباطل ہوگی جیسے فروخت کرنے والاخریدار پر یہ شرط رکھے کہ وہ مبیع کو فروخت نہیں کرے گا یا اسے ھبہ نہینکرے گا، یامبیع کاکچھ حصہ وہ اسے فروخت کرے گا یا وہ اس قدر مال اسے قرض دے گا یا ایک مدت تک گھر میں رہے یا خریدار فروخت کرنے والے پر یہ شرط رکھے کہ اس نے اس سے جوکپڑاخریدا ہے وہ اس کا لباس سل کر دے یاجوکھیتی اس نے اس سے خریدی ہے اس کو کاٹے یاجوچمڑا اس نے اس سے خریداہے وہ اس کاجوتا بناکر دے اور ان کی دلیل وہ روایت ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے'' (الموسوعۃ الفقھیۃ والقضایا المعاصرۃ ۱۳ /۲۸۲) ۔

اس معاملے میں اگر بائع خریداری کے وقت یہ شرط نہ لگائے کہ آئندہ فروخت کرنا ہوتو اس سے ہی فروخت کرے بلکہ وہ بیع مکمل ہونے کے بعد خریدار سے یہ شرط بطور وعدہ کے بیان کردے توبیع درست ہوجائے گی اور خریدار پر اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا، چنانچہ متأخرین احناف نے بھی چند مسائل میں ''وعدہ '' کوقضاء لازم قرار دیا ہے، قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ ''بیع بالوفا ء '' کے مسئلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''وإن ذکر البیع من غیر شرط ثم ذکر الشرط علی وجہ المواعدۃ جازالبیع ویلزمہ الوفاء بالوعد لأن المواعدۃ قد تکون لازمۃ فتجعل لازمۃ لحاجۃ الناس'' (فتاوی خانیہ علی الفتاویٰ الھندیہ ۲/۱۶۵، کتاب البیوع ، فصل فی الشروط المفسدۃ)۔

(اگربیع بغیر شرط کے کی جائے اور اس کے بعد شرط کوبطوروعدہ کے بیان کردیا جائے تو بیع جائزہوجائے گی اور اس وعدہ کو پوراکرنا لازم ہوگا، اس لیے کہ باہمی وعدہ کبھی لازم بھی ہوتاہے، لہٰذا اس وعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دیاجائے گا)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریرفرماتے ہیں:

''وفی جامع الفصولین أیضا: لو ذکرا البیع بلاشرط ثم ذکرا الشرط علی وجہ العدۃ جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد إذا المواعید قد تکون لازمۃ فیجعل لازما لحاجۃ الناس'' ( رد المحتار

۷/۲۸۱ ، باب البیع الفاسد مطلب فی البیع بشرط فاسد)۔

(جامع الفصولین میں بھی یہ عبارت موجود ہے کہ اگر بائع اور مشتری بلاکسی شرط کے بیع کریں اور پھرشرط کوبطوروعدہ کے ذکرکریں توبیع جائز ہوگی اور اس وعدہ کوپورا کرنا لازم ہوگا، اس لیے کہ آپس کے باہمی وعدے بعض اوقات لازم ہوجاتے ہیں، لہٰذایہاں بھی لوگوں کی ضرورت کی بناء پر لازم قراردیاجائے گا ) ۔

# زمین کی پلاٹنگ اور اس کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل

مولانا محمد زبیر ندوی•

**۱۔ الجواب وباللہ التوفیق:**

اراضی اور غیر منقولہ جائیداد کے سلسلہ میں سب سےپہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان میں غصب کا تحقق ممکن ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں ائمہ اور فقہاء کی آراء کیا ہیں؟ متعدد کتب کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک غیر منقولہ جائیداد میں غصب کا تحقق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ غصب کے تحقق کے لئے جائیداد کا اصل مالک کے قبضہ سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں اس طو رپر منتقل ہونا ضروری ہے کہ اصل مالک اس سے بالکلیہ محروم ہوجائے، اور یہ بات اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب اسے ہٹاکر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا جائے، اور چونکہ غیر منقولہ اشیاء میں یہ ممکن نہیں لہذا ان میں غصب کا تحقق بھی ممکن نہیں۔

ائمہ ثلاثہ اور احناف میں سے امام محمدؒ اور امام زفرؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ غصب کے سلسلہ میں منقولہ اور غیر منقولہ سب برابر ہے، اور ہر دو طرح میں غصب کا تحقق ہوجاتا ہے، اور اس پر وہی احکام نافذ ہونگے جو مال مغصوب کے ہیں، علماء احناف نے گو شیخین ہی کے مذہب کو قبول کیا ہے، لیکن اپنے زمانہ اور حالات کے پس منظر میں متاخرین احناف نے بھی اوقاف اور یتیموں کے غیر منقولہ جائیدادوں میں غصب کو قبول کیا ہے، غور کیا جائے تومعلوم ہوگا کہ اس زمانہ کے حالات پہلے سے کہیں زیادہ ابتر ہیں، خصوصاً زمین وجائیداد کے سلسلہ میں جس قسم کے ناجائز اور ظالمانہ قبضے ہر خطۂ زمین میں ہورہے ہیں اہل نظر سے مخفی نہیں، شاید ہی کوئی علاقہ ہو جہاں زمینوں کے غاصب اور جائیداد کے لالچی لوگ نہ ہوں، لہذا جس طرح متاخرین احناف نے اوقاف اور یتامی کے جائیداد کو اور ائمہ ثلاثہ نے ہر طرح کے مال کو قابل غصب قرا ردیا ہےاگر موجودہ زمانے میں اسی پر عمل کیا جائے اور ہر طرح کی منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کو قابل غصب قرار دیا جائے اور ان پر ناجائز قبضہ کی صورت میں غصب کے احکامات لگائے جائیں، تو حالات حاضرہ کے پس منظر میں زیادہ بہتر ہوگا۔

لہذا وہ زمین یا جائیداد جسے لوگ غصب کرلیں اورناجائز طورپر بنا کسی کے حق پر قابض ہوجائیں ایسی زمینوں کو اصل مالکین کو لوٹانا واجب ہے، چنانچہ علامہ شامی

---

• دار العلوم الاسلامیہ اوشیوری، جوگیشوری، ممبئی۔

تحریر فرماتے ہیں:

''ویجب رد عین المغصوب لقولہ علیہ السلام علی الید ما أخذت حتی ترد، ولقولہ علیہ السلام: لا یحل لأحدکم أن یأخذ مال أخیہ لاعباً ولا جاداً، وإن أخذہ فلیردہ علیہ'' (رد المحتار ۲۶۶،۹، کتاب الغصب)۔

نیز شرح المجلہ میں اس کی صراحت ان الفاظ میں ہے:

''علی الغاصب رد المغصوب إلی صاحبہ إذا کان المغصوب قبیل العقار من دون أن یغیرہ أو ینقصہ لأنہ إذا کان المال المغصوب موجوداً عیناً یرد إلی صاحبہ'' (شرح المجلہ۵۷۱،۲، المادۃ: ۹۰۵)۔

لیکن اگر غاصب نے اراضی پر قبضہ کرنے کے بعدا ن کی مرمت کردی اور مکانات تعمیر کردیئے اور اگر ان کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہے یا برابر ہے یا کم ہے لیکن حکومت یا مالک اراضی کچھ قیمت لے کر راضی ہوجاتے ہیں، یعنی فقہاء کی اصطلاح میں تغیر فاحش ہوجاتا ہے تو غاصب پر عین شئی کا لوٹانا واجب نہیں ہے، بلکہ ان پر ضمان یا قیمت ادا کرنا واجب ہوگا اور پھر وہ اس کا مالک ہوجائے گا۔

''وإنہ حینئذ یتسلم الغاصب العین ویدفع قیمتہا أو یدفعہا ویضمن نقصانہا، والخیار فی ذلک للمالک'' (رد المحتار ۲۶۶،۹ کتاب الغصب)۔

اور جب غاصب قیمت ادا کرکے شئی مغصوب کا مالک ہوگیا تو اس کو بیچنے کا بھی حقدا رہوگا، لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر غاضبین نے سرکاری اراضی کو غصب کیا اور اس پر قبضہ کرلیا اور وہ زمین غیر آباد اور بنجر تھی اور حکومت نے اس کو آباد کرنے کا بھی حکم دیدیا تو اس کی بھی بیع وشراء جائز ہے، اور اگر حکومت نے اجازت نہیں دی، بلکہ قانونی اعتبا رسے وہ مغصوبہ ہے تو نہ اس کی بیع وشراء جائز ہے اور نہ ہی اس پر تعمیر شدہ مکانات کی بالمشافہ یا یکے بعد دیگرے خریدوفروخت جائز ہے، کیونکہ مالک اراضی کی اجازت شامل نہیں ہے، فتاوی خانیہ میں ہے:

''یجوز بیع الأرض المحیاۃ بإذن الإمام، فإن أحیاہا بغیر إذن الإمام وباعہا لا یجوز عند أبی حنیفۃ ؒ وقال صاحباہ: یجوز'' (الفتاوی الخانیہ علی ہامش الہندیہ ۲۸۳،۲)۔

نیز فتاوی ہندیہ میں منقول ہے:

''الغاصب إذا باع المغصوب من رجل ثم باعہ المشتری من الآخر حتی تداولتہ الأیدی، ثم إن المالک أجاز عقداً من العقود جاز ذلک العقد'' (الفتاوی الہندیہ ۱۱۱،۳)۔

اور مجلہ الاحکام میں اس مسئلہ میں یوں صراحت مذکور ہے:

''إذا کان المغصوب أرضاً وکان الغاصب أنشأ علیہا بناء أو غرس فیہا أشجاراً یؤمر الغاصب بقلعہا وإن کان القلع مضراً بالأرض فللمغصوب منہ أن یعطی قیمتہ مستحق القلع ویضبط الأرض، ولکن لو کانت قیمۃ الأشجار أو البناء أزید من قیمۃ الأرض وکان قد أنشأہا أو

غرس بزعم شرعی کان حینئذ لصاحب البناء أو الأشجار أن یعطی قیمۃ الأرض ویتملکہا'' (شرح المجلہ ۵۷۳،۲، مادہ: ۹۰۶)۔

**۲۔ الجواب باسم ملہم الصواب:**

موقوفہ اراضی خواہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہوں یا غیر مسلموں کے اور خواہ مدرسہ ومسجد اور وقف کو ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو کسی بھی طرح وہ وقف ہی سمجھی جائے گی اور یہ قبضہ غاصبانہ قبضہ تصور کیاجائے گا، غصب کرنے یا ناجائز قبضہ کرنے سے غاصب وقابض نہ اس کا مالک ہوگا او رنہ ہی اس پر اس کا حق ثابت ہوگا، لہذا نہ اس کا بیچنا درست ہوگا اور نہ ہی کسی کےلئے اس کا خریدنا جائز ہوگا، بلکہ قبضہ کرنے والوں کو اس زمین سے دستبردار ہونا لازم ہوگا، چنانچہ شرح المجلہ میں قہستانی کے حوالہ سے بصراحت مرقوم ہے:

''ومفادہ أن غصب العقار موجب للرد والإعادۃ بالاتفاق'' (شرح المجلہ۵۶۹،۲ الفصل الثانی)۔

اور علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے:

''والحاصل: إن علم أرباب الأموال وجب ردہم علیہ'' (رد المحتار، مطلب فیمن ورث مالا حراما)۔

علامہ شامی ہی کا بیان ایک اور مقام پر ہے کہ اگر کسی نے کوئی گھر خریدا، اور اس میں رہنا شروع کردیا اور اس کی واپسی کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا، تاکہ وقف کے مال کو نقصان نہ ہو (رد المحتار ۲۷۲،۹)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ عبارت کس قدر بے غبار ہے:

''فمن علمت أنہ سرق مالا أو خانہ فی أمانتہ أو غصبہ فأخذہ من المغصوب قہراً بغیر حق لم یجز لی أن آخذہ منہ لا بطریق الہبۃ ولا بطریق العوض ولا وفاء عن أجرۃ ولا ثمن بیع'' (مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیہ ۲۴۲،۲۹)۔

اس قسم کی ناجائز اشیاء کی خریدوفروخت کے بارے میں علامہ یوسف قرضاوی اس طرح رقم طراز ہیں:

''لم یحل للمسلم أن یشتری شیئاً یعلم أنہ مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبہ بغیر حق'' (الحلال والحرام للقرضاوی،۲۱۶ الفصل الرابع)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی ایک فتوی میں اس قسم کی بیوع کو ناجائز قرار دیا ہے:

سوال: جس موقوفہ زمین کو متولی نے بیع کردیا اور عرصۂ دراز سے مشتری کے قبضہ میں ہو، اس زمین کو مشتری سے خریدنا اور اپنا ملک تصور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب پہلی ہی بیع باطل ہے تو دوسری بیع جو اس پر مبنی ہے نیز باطل ہوگی (امداد الفتاوی۶۰۸،۲ کتاب الوقف)۔

ان تمام علماء وفقہاء اور ان کی آراء کے تتبع سے واضح ہوجاتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں ایسی زمینوں کی خریداری اور قبضہ درست نہیں ہے جو وقف سے تعلق رکھتی ہوں۔

**۳۔ الجواب وباللہ الصواب:**

جو زمین موروثی طور پرملی ہو اور مالک زمین اس کو اپنی ملکیت بتا کر بیچے اور یہ کہے کہ اس میں کسی کا حق نہیں ہے، تو ایسی زمین خریدنے میں مضائقہ نہیں ہے، امام محمدؒ المبسوط میں لکھتےہیں:

''فإن اشتری وقبل وہو لا یعلم أنہ لغیرہ وأخبرہ أنہ لہ، رجوت أنہ فی سعۃ من شراہ وقبولہ، والتنزہ أفضل'' (المبسوط للامام محمد ۱۲۲،۳)۔

اسی طرح اگر اس زمین کو بیچنے والا اس کے بارے میں مشتری کو کچھ نہیں بتاتا ہے، اور نہ ہی مشتری اس کے بارے میں کچھ دریافت کرتا ہے کہ آیا یہ اسی کی ملکیت ہے یا کسی اور کی، او ریہ مال صرف اسی کا ہے یا کسی اور کا بھی حصہ اس میں ہے، بلکہ مطلقاً بیع وشراء ہوجائے تو بھی اس زمین کا خریدنا درست ہے، امام محمدؒ لکھتے ہیں:

''وإن کان لم یخبرہ أن ذلک الشئی لغیرہ فلا بأس بشراء ذلک منہ، وإن کان غیر ثقۃ وقبولہ منہ ما لم یعلم الذی اشتراہ'' (المبسوط للامام محمد ۱۲۱،۳)۔

لیکن اگر وہ موروثی زمین اس طو رپرہو کہ اس میں دوسروں کا حصہ بھی ہو، یعنی وارث کے باپ یا دادا نےمستحقین کو ان کا حصہ نہ دیا ہو اور بائع اسی کا اقرار کرتا ہو، او رمشتری کو بھی یہ معلوم ہوچکا ہو تو اس زمین کا خریدنا درست نہیں ہے، کیونکہ بائع کی ملکیت میں وہ مبیع مکمل طور پر نہیں ہے، بلکہ دوسروں کا بھی حق اس میں باقی ہے، اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بیع کا دوسروں کے حق سے آزاد ہونا بیع کے نفاذ کے لئے ضروری ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نفاذ بیع کے متعلق تحریر فرماتےہیں:

''أن لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع'' (البحر الرائق، کتاب البیوع ۴۳۴،۵)۔

لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے بیع وشراء کرلیا تو صحیح قول کے مطابق یہ بیع بیع موقوف ہوگی، یعنی دوسرے مستحقین کی اجازت اگر ہوگی تو بیع نافذ ہوجائے گی اور مشتری کا خریدنا درست ہوگا، ورنہ نہیں، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتےہیں:

''أن لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع، فإن کان، لا ینفذ کالمرہون والمستأجر، واختلفت عبارات الکتب فیہا، ففی بعضہا أنہ فاسد، والصحیح أنہ موقوف ویحمل الفساد علی أنہ لا حکم لہ ظاہراً، وہو تفسیر الموقوف عندنا'' (البحر الرائق۴۳۴،۵ کتاب البیوع)۔

**۴۔ الجواب وباللہ التوفیق:**

جو زمین مال حرام سے خریدی گئی ہو اور بائع کہہ رہا ہو کہ اس نےیہ زمین ناجائز پیسے سے خریدی ہے یا معتبر ذرائع سے اس کا علم ہو تو واقف کاروں کو اس زمین کا خریدنا حرام ہے، کیونکہ مال کی حرمت زمین میں بھی داخل ہوگئی، چنانچہ علامہ ابن نجیم

مصریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''الحرمۃ تتعدد فی الأموال مع العلم بہا'' (الاشباہ مع غمز عیون البصائر ۵۰۴،۴)۔

البتہ فتاوی قاضی خاں میں اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ اگر کسی کے پاس حرام مال ہو اور اس نے یہ حرام مال بائع وغیرہ کو پیشگی دےدیا، اور پھر یہ کہہ کر خریدا کہ اس مال کے بدلہ میں یہ زمین یا ملبہ خریدتا ہوں، یا پیشگی نہ دیا مگر خاص اس مال کی طرف اشارہ یا نسبت کرکے یوں کہا کہ اس روپیہ کے عوض یہ زمین یا ملبہ خریدتا ہوں تب تو یہ زمین اور ملبہ بھی اس مال حرام کے حکم میں ہوگیا، لیکن اگر ایسا نہیں بلکہ بغیر پیشگی دیئے اور بغیر نسبت واشارہ کے مطلقاً خرید لیا جیسا کہ عام طور پر یہی دستور ہے تو یہ زمین اور ملبہ اس مالِ حرام کے حکم میں نہیں ہوگا، بلکہ پاک اور حلال ہے (الفتاوی الخانیۃ علی الہندیہ ۲۸۷،۲)۔

لہذا وہ زمین اگر مال حرام سے خریدی گئی او رحرام رقم ہی اس کی خریداری میں ثمن کے طور پر دی گئی اور اب خریدنے والے کو بھی اس کا پورا پورا علم ہے تو ایسی زمین کا خریدنا درست نہیں ہے، ہاں اگر واقفیت نہیں ہے یا مالک زمین نے خود حرام مال سے نہیں خریدا تھا تو خریدنا درست ہوگا۔

**۵۔ الجواب باسم ملہم الصواب:**

حکومت نے جو لے آوٹ پاس کیا ہے اور اس میں جو راستے یا پلے گراؤنڈ یا دیگر چیزیں جو عوامی مفادات سےوابستہ ہوں اگر ضرورت سے زائد ہوں اور اس قدر ہوں کہ ان سے کم میں ضرورت کی تکمیل ہوسکتی ہو اور باشندگان کالونی کو کوئی جسمانی اور مکانی نقصان نہ ہو تو مالک زمین کو زائد حصہ بیچنے کا حق ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جوبنیادی چیز مد نظر ہے وہ اہل کالونی کا اپنی ضروریات میں دقت محسوس نہ کرنا ہے، اگر منظور شدہ زمینوں سے کم میں یہ ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں اورحکومت نے زیادہ تجویز کردی ہیں تو گویا یہ مالک زمین کے ساتھ ناانصافی ہے، اور اس ناانصافی کو وہ ختم کرنے پر قادر ہے تو کرسکتا ہے، لیکن اگر حکومت کی تجویز کردہ شاہراہ یا دیگر مصالح عامہ کی زمینیں بقدر حاجت وضرورت ہیں او راس سے کم میں لوگوں کو نقصان ہے تو مالک کا نہ بیچنا جائز ہے اور نہ ہی جانتے بوجھتے کسی کا خریدنا درست ہے، کیونکہ ایسی زمینوں کے بیچنے کی شرط یہ ہے کہ عوام کا حق باطل نہ ہو، شامی کا بیان ہے:

''..... لا یفضی إلی إبطال حق العامۃ'' (رد المحتار ۲۷۳،۷)۔

فتاوی ہندیہ میں طریق عام کی بیع سے متعلق یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص مملوکہ زمین کے ساتھ طریق عام کو بھی بیچ دے تو مملوکہ زمین کی بیع ہوجائے گی، البتہ طریق کا شمار عیب کے طور ہوگا، گویا طریق کی بیع درست نہ ہوگی۔

''ولو اشتری ملکاً وفیہ طریق العامۃ لا یفسد البیع والطریق عیب'' (الفتاوی الہندیہ ۱۱۳،۳)۔

لہذا اگر بقدر ضرورت جگہ چھوڑی گئی تھی تو اس کا بیچنا اور خریدنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں اہالیان کو ضرر اور حرج لاحق ہے، اور ضرر اور حرج کو شریعت میں دور کیا گیا ہے۔

''الحرج مدفوع''، اور ''لا ضرر ولا ضرار''۔

**۶۔ الجواب وباللہ التوفیق:**

حکومت کی جانب سے جو لےآوٹ منظور ہوتا ہے او راس کے نقشہ میں جو پلے گراونڈ اور گارڈن وغیرہ ہوتے ہیں ان کا تعلق درحقیقت عوام کےروزمرہ کے مفادات سے ہے، او رمسلمانوں کے لئے جس طرح دنیوی صحت وراحت کے لئے اس طرح کی چیزوں کی ضرورت ہے اس سے کہیں بڑھ کر ان کی اخروی زندگی کے لئے مسجد کی ضرورت ہے، علماء نے اپنی کتابوں میں مسجد کو اللہ کا حق یا بندوں کا حق قرار دیا ہے: ''لأن المسجد حق اللہ تعالی أو حق عامۃ المسلمین'' (الفتاوی الخانیۃ علی الہندیہ ۲۹۰،۳)۔

لہذا کالونی بنانے والے کو خود اس کے لئے زمین متعین کرنا چاہئے، خصوصاً جبکہ صرف مسلمانوں پر مشتمل کالونی ہو، لیکن اگر اس نے مسجد کے لئے خود سے کالونی میں الگ سے جگہ نہیں چھوڑی تو اگر ساری آبادی صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو اور قانونی اعتبار سے حکومتی سطح پر کسی بڑی مزاحمت اور کارروائی کا اندیشہ نہ ہو تومسجد بنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لئے گارڈن اور پلے گراؤنڈ سے کہیں زیادہ مسجد کی ضرورت ہے، اور یہ بھی ان کے مفادات ہی کی چیز ہے، لیکن اہالیان کالونی راضی نہ ہوں یا حکومت کی قانونی شکنی کی وجہ سے عزت ووقار کو سخت اندیشہ ہو تو ایسی زمین کو بیچنا درست نہ ہوگا، نیز فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جائز چیزوں میں حکومت اور امیر کی بات ماننا واجب ہے:

''لأن طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ فرض'' (الدر المختار مع الرد۴۱۶،۶)۔

البتہ پہلی صورت میں کیا یہ مسجد ''مسجد شرعی '' تصور کی جائے گی یا نہیں؟ تو ا س سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اگر یہ زمین ہمیشہ کے لئے مسجد ہی کے واسطے دے دی گئی اور مالک اپنی ملکیت سے دستبردار ہوگیا اور اس میں تعمیر کے بعد نماز، اذان واقامت کے ساتھ ادا کی جانے لگی تو یہ مسجد شرعی کے حکم میں ہوجائے گا، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں اس بابت منقول ہے:

''رجل لہ ساحۃ لا بناء فیہا، أمر قوماً أن یصلوا فیہا بجماعۃ، ہذا علی ثلاثۃ أوجہ:أحدہا:إما إن أمرہم بالصلاۃ فیہا أبداً نصاً بأن قال:صلوا فیہا أبداً، أو أمرہم بالصلاۃ مطلقاً، ونوی الأبد، ففی ہذین الوجہین صارت الساحۃ مسجداً'' (الفتاوی الہندیہ ۴۵۵،۲، کتاب الوقف)۔

لیکن اگر ہمیشہ کے لئے زمین نہیں دی نہ صراحۃً اور نہ نیۃً تو یہ مسجد شرعی نہیں سمجھی جائے گی، قاضی خاں لکھتےہیں:

‘‘وإن أمرہم بالصلاۃ شہراً أو سنۃ، ثم مات یکون میراثاً عنہ، لأنہ لابد من التأبید، والتوقیت ینافی التأبید’’ (قاضیخان علی الہندیہ ۲۹۰،۳، کتاب الوقف)۔

نیز فتاوی ہندیہ میں ہے:

‘‘أما إن وقّت الأمر بالیوم أو الشہر أو السنۃ ففی ہذا الوجہ لا تصیر الساحۃ مسجداً’’ (الہندیہ ۴۵۵،۲، کتاب الوقف)۔

**۷۔ الجواب باسم ملہم الصواب:**

اصولی اعتبا رسے مالک زمین اپنی زمین جب اور جس سے چاہے بیچ سکتا ہے، کیونکہ وہ اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہے، لہذا اس طرح کا تصرف جائز ہے، چاہے تو فروخت کرے یا پلاٹنگ کرے یا کھیتی باڑی کرے، شرح المجلہ میں ہے:

‘‘لا یمنع أحد من التصرف فی ملکہ أبداً، إلا إذا أضرہ بغیرہ ضرراً فاحشاً’’ (شرح المجلہ، مادہ: ۱۱۹۷)۔

لیکن انسان جس ملک میں رہتا ہے اس کے قوانین کی پابندی بھی ضروری ہے، خصوصاً جبکہ وہ قوانین جواز کے دائرہ میں ہوں، علامہ حصکفیؒ لکھتےہیں:

‘‘إن طاعۃ الأمیر فیما لیس بمعصیۃ فرض’’ (الدر مع الرد کتاب الجہاد ۴۱۶،۶)۔

پھر چونکہ حکومتی قوانین پر عمل نہ کرنے سے مختلف قسم کے خدشات او راندیشے ہوتے ہیں، مثلاً انسان کا جانی یا مالی نقصان، یا عزت ووجاہت کی پامالی وغیرہ، چنانچہ بعض علماء نے ان اموال کو شرعاً جن کی بیع وشراء درست ہو، لیکن ملکی قوانین کی رو سے اس کی خریدوفروخت درست نہ ہو تو ایسا معاملہ کرنا اچھا نہیں سمجھا ہے، اور اس کا سبب وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ حکومت سے چوری چھپے بیرونِ ملک کا مال بیچنے کے سلسلہ میں لکھتے ہوئے مولانا عبد الرحیم لاجپوریؒ فرماتے ہیں:

‘‘اگر وہ مال نجس، ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو او رممالک سے خریدا ہو تو اس کی تجارت فی نفسہ حلال ہے، لیکن چونکہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے، اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے، اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے ’’ (فتاوی رحیمیہ ۲۷۸،۶ کتاب الحظر والاباحۃ)۔

اس اعتبا رسے بغیر ملکی قانون کی اجازت اور تکمیلِ کارروائی کے کالونی بنانا اور اس کی بیع وشراء درست معلوم نہیں ہوتی، پھر چونکہ اس میں رشوت دینا بھی پڑتا ہے، اس لئے رشوت دے کر پولس اور افسروں کو رشوت خور بنانا اور اس کا خوگر بنانا بھی لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، چنانچہ مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک جگہ میونسپلٹی کے ٹیکس کو بچا کر افسروں اور پولس والوں کو رشوت دینے کے بارے میں فرماتے ہیں:

‘‘میونسپلٹی کا ٹیکس بچا کر پولس والوں اور افسروں کو دینا اور رشوت کا انہیں

عادی بنانا کوئی اچھا کام نہیں ہے، اس سے بہتر تو یہی ہے کہ ٹیکس پورا دیدیا جائے، نہ دینے میں کبھی ذلیل اور بے عزت ہونے کا موقع آجاتا ہے، اور خود کو ذلیل کرنا شرعاً جائز نہیں" (فتاوی رحیمیہ ۶؍۲۵۶ کتاب الحظر والاباحۃ)۔

لیکن اس مسئلہ کا دوسرا رخ بھی ہے، جیساکہ سوال میں ظاہر ہے کہ مالک زمین یا کالونی بنانے والا اگر حکومت کی قانونی کارروائی پوری کرے تو مختلف مسائل اور ناجائز امور سے گزرنا پڑتا ہے، خصوصاً ٹیکس کے دوہرے تیہرے ظالمانہ نظام او ررشوت کی آفت سے تو چارۂ کار نہیں، اور پھر اس کے نتیجہ میں زمین اور کالونی کا اس قدر گراں اور بیش قیمت ہوجانا کہ عام انسانوں کے لئے خریدنا اور اس میں حصہ لینا نہایت دشوار ہوجاتا ہے، انصاف کی رو سے حکومت اور اس کے کارندوں کا عمل اور ٹیکس ورشوت کسی ظلم سے کم نہیں ہے، اور خصوصاً جبکہ اس میں رعایا کا استحصال ہو، اور انہیں صحیح محفوظ پناہ گاہ ملنا دشوار ہو۔

لہذا اس پہلو اور ماسبق نقطۂ نظر میں یہ معاملہ پیچیدہ ہوجاتا ہے، ایک طرف حکومت کی قانون شکنی اور دوسری طرف حکومت کی ناانصافی اور زمین کی گرانی، دونوں پہلو اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں، لہذا اس سلسلہ میں اگر دوسرے پہلو کو ترجیح دی جائے اس شرط پر کہ اگر عموماً اس قسم کے معاملات میں تجرباتی طور پر کوئی وقیع جانی ومالی اور عزت کی پامالی کا اندیشہ نہ ہو اور جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اکثر کالونیاں بغیر اجازت اور بنا قانونی منظوری کے بنتی ہیں ، نیز عموماً اس سےحکومت راضی ہوجاتی ہے، تو ایسی کالونی بنانا درست ہے، اور اس کی خریدوفروخت بھی جائز ہوگی۔

اس صورت میں عوام اور غریب طبقہ بھی سر چھپانے کی جگہ پالیتا ہے، اور حکومت کے بیجا ظلم اور ٹیکس کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ فقہاء کا اصول ہے کہ اگر ایک طرف ضرر خاص ہو اور دوسری طرف عام ضرر ہو تو خاص ضررکو برداشت کیا جائے گا اور ضرر عام کو دور رکھا جائے گا، شرح المجلہ میں ہے:

‘‘یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" (شرح المجلہ ۱؍۴۰، مادہ: ۲۶)۔

نیز اسی کتاب میں ہے کہ شدید ترین ضرر کو خفیف ضرر کے ذریعہ ختم کیا جائے گا، او ربہت سے قواعد فقہیہ سے اس مسئلہ میں فائدہ اٹھایا جاسکتاہے۔

‘‘الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف، یعنی أن الضرر تجوز إزالتہ بضرر یکون أخف منہ، ولا یجوز أن یزال بمثلہ أو أشد منہ’’۔

‘‘إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمہما بارتکاب أخفہما" (شرح المجلہ۱؍۴۰-۴۱، مادہ: ۲۷)۔

**۸۔ الجواب وباللہ التوفیق:**

موجودہ زمانہ میں مختلف ممالک میں بہت سے قوانین غیر منصفانہ اور نہایت بیجا ہیں، لیکن رعایا حکومتی دباؤ سے ان پر عمل کرنے پر مجبور ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ

اکثر ممالک کی رعایا اپنے حکام سے ناراض ہوتی ہیں اور لوگ عموماً قانون شکنی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، انہیں میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کسی زمین یا مکان یا دیگر قیمتی چیز خریدنے کی وسعت ہو اور وہ اس کی قیمت اداکرنے پر بغیر سود ورشوت کے قادر ہو، لیکن حکومت کی سختی سے وہ مجبور ہوتا ہے، حکومت اس کے اموال کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتی ہے، بلکہ مختلف بہانوں سے ایسے شخص کو پھنسا کر قانون کے شکنجہ میں لاکھڑا کرتی ہے، اور اس میں بھی اس کے پیش نظر اس سے سود کا پیسہ جھپٹنا اور ظالمانہ ٹیکس لگانا ہوتا ہے جس کی بنا پر رعایا اپنا مال چھپا کر حکومت سے سودی قرض لینے پر مجبور ہوجاتی ہے۔

یہ صورتحال خصوصاً مسلمانوں کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوجاتی ہے، کیونکہ اسلام میں سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اور نہایت خطرناک وعیدیں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، فقہاء کرام اور علما ء امت کے تصریحات اور بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی مسلمان کے لئے بغیر کسی شدید مجبوری کے سودی قرض لینا درست نہیں ہے، خصوصاً ہندوستانی علماء اس سلسلہ میں نہایت محتاط واقع ہوئے ہیں، فتاوی محمودیہ جلد ۱۶ اور فتاوی رحیمیہ جلد ۶ اس کی واضح مثال ہیں۔

فقہاء میں سے علامہ ابن نجیم مصریؒ نے محتاج کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش کی صراحت کی ہے، وہ لکھتےہیں:

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (البحر الرائق ۶،۲۱۱، بیوع)۔

نیز ایک مقام پر ابن نجیمؒ ''حاجت کی تعریف کرتےہوئے:

''وأما الحاجیات:معناہا أنہا مفتقر إلیہا من حیث التوسع ورفع الضیق المؤدّی فی الغالب إلی الحرج والمشقۃ لفوت المطلوب'' (الاشباہ والنظائر)۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ زیر بحث مسئلہ حاجت میں آتا ہے یا نہیں او ریہ معاملہ درست ہوسکتا ہے یا نہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ دو اعتبار سے یہ معاملہ درست معلوم نہیں ہوتا: ایک یہ کہ سود کی حرمت اور شدت کے پیش نظر کہ جس قدر سودی معاملات کرنے والوں کے لئے تہدیدات اور وعیدیں کتب حدیث اور قرآن مجید میں موجود ہیں، بظاہر اس کے مقابلہ میں ایمانی تقاضا یہی ہے کہ اس حقیر چند روزہ دنیا کو ٹھکرا کر انسان آخرت کی فکر کرے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمی کے پاس اتنا پیسہ موجود ہے کہ وہ کالونی کی اس گراں زمین یا مکان خرید سکتا ہے، اور صرف حکومت کا قانون مانع ہے، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے حاجت میں شمار کرکے کالونی ہی میں زمین لینے پر مجبور کیا جائے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں اور ا س سے کم تخمینہ میں جہاں حکومتی ممانعت یا قانون نہ ہو وہاں بھی لے سکتا ہے اور اس طرح وہ سود کی لعنت سے بھی محفوظ ہوجائے اور مکان بھی

حاصل ہوجائے، او رجہاں تک مسلمان تاجروں کا معاملہ ہے تو انہیں خود اس لعنت سے دور رہنے کی فکر کرنی چاہئے کہ چند دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس معاملہ کو حاجت میں شمار کیا جائے اور اس کی چند وجوہات ہوسکتی ہیں:

۱۔ اصولیین کے مطابق حاجت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ میں سے کسی مقصد کا وجود موقوف نہ ہو، لیکن اگراس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت اور حرج پیدا ہوجائے، او رانسان اپنی مطلوبہ چیز کو حاصل نہ کرسکے، اب اس مسئلہ میں دیکھئے کہ انسان کے پاس پیسے موجود ہیں اور وہ اپنی مطلوبہ چیز کو حاصل بھی کرسکتا ہے، لیکن حکومتی حرج اور قانون کی تنگی کی وجہ سے نہیں حاصل کرپارہا ہے، لہذا اسے اصولیین کی اصطلاحی تعریف کی وجہ سے حاجت کی فہرست میں آنا چاہئے۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بعض مرتبہ غریب اور پسماندہ لوگوں کے پاس یکمشت اس قدر موجود نہیں ہوتی ہے کہ وہ رہائش او ربودوباش کے لئے معقول انتظام کرسکیں لیکن جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اس طرح وہ آسان قسطیں ادا کرکے مکان کے مالک بن جاتے ہیں اور ان کی رہائش کا معقول انتظام ہوجاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہندوستان جیسا ملک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور انہیں ملک میں اس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے گویا وہ کرائے کے آدمی ہیں، اور یہ ان کا وطن نہیں ہے بلکہ ہر اعتبا رسے انہیں مفلس اور تنگ حال کرنے او ران کی معاش ومعیشت کو کمزور بنانے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں، اگر انہیں اس قسم کی مراعات نہ دی جائیں اور مسلمان تاجروں کو اس تجارت سے اور مسلمان عوام کو اس قسم کی خریداری سے روک دیا جائے تو بلاشبہ زبردست مشقت کا سامنا کرنا ہوگا، جبکہ فقہ کا اصول ہے کہ مشقت آسانی پیدا کرتی ہے۔

''المشقۃ تجلب التیسیر، الأمر إذا ضاق اتسع، الضرر یدفع بقدر الإمکان''۔

اور اس قسم کی دیگر باتوں اور اصولوں کے پیش نظر اجازت ہونی چاہئے، دونوں قسم کی وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے خاکسار راقم کے نزدیک اگر کوئی شخص واقعی ضرورت مند ہو او را سکے بغیر اس کی زندگی مشکلات سے دوچار ہو اور خود سے کوئی مناسب مکان خریدنے پر قادر نہ ہو تو لون کے ساتھ کالونی میں مکان لینے کی گنجائش ہے، لیکن اگر کوئی بااستطاعت ہو اور صرف عیش ومستی اور ضرورت سے زائد خریدنا چاہتا ہو تو اس کے لئے سودی معاملہ پر لون لے کر اس قسم کی کالونیوں میں جگہ لینا مناسب نہیں اور تاجرین کو بھی اگر بلامشقت دوسرا کام ملے تو اسے ترجیح دینا چاہئے۔

**۹۔ الجواب ومنہ الصدق والصواب:**

اسلامی مالی معاملات کے مطابق فقہاء کرام کا بیان ہے کہ بیع وشراء کے معاملہ

میں بیع کا معلوم اور متعین ہونا ضروری ہے، چنانچہ شرح المجلہ میں ہے:

''یلزم أن یکون المبیع معلوماً عند المشتری'' (شرح المجلہ۱۷۷٫۱، مادہ: ۲۰۰)۔

نیز فقہاء کا بیان ہے کہ بیع کا متعین اور معلوم ہونا اس وقت ضروری ہے جب کہ تسلیم اور تسلم ضروری ہو اور اگر تسلیم وتسلم ضروری نہ ہو، یا تسلیم میں کوئی عذر ایسا نہ ہو کہ مفضی إلی النزاع ہو تو بھی معاملہ درست ہوگا، چنانچہ شرح المجلہ میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے متعین ثمن کے ذریعہ اس چیز کو خریدا جو اس کے پاس ہے اگرچہ متبایعین کو اس کی صحیح مقدار معلوم نہ ہو، تو یہ معاملہ درست ہے، اسی طرح اس میں ہے کہ اگر کسی نے کسی مکان میں اپنے حصہ کو بیچا ایسے شخص سے جو اس کی صرف مقدار جانتا ہو تو یہ بیع بھی درست ہے (شرح مجلۃ الاحکام ۱۷۸٫۱)۔

اسی سلسلہ میں فتاوی ہندیہ میں نقل کیا گیا ہے:

''جہالۃ المبیع أو الثمن مانعۃ جواز البیع إذا کان یتعذر معہا التسلیم'' (الفتاوی الہندیہ)۔

البتہ بیع کی تعیین کی شکل کیا ہوگی؟ تو اس بارے میں علماء کی وضاحت ہے کہ بیع کے احوال اور صفات اس طرح بیان کردیئے جائیں کہ وہ چیز دوسری چیزوں سے متمیز ہوجائے، مثلاً زمین اگر بیچی جارہی ہے تو اس کے حدود کے بیان سے بیع متعین ہوجائے گی، البتہ مختلف اشیاء کے تعیین کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً کیلی اور وزنی چیزیں اشارہ سے بھی متعین ہوسکتی ہیں، زمین اور مکانات حدود اور اوصاف سے متعین ہوسکتے ہیں اور اموال غیر منقولہ صرف جنس کے بیان سے بھی متعین ہوسکتے ہیں، مجلہ میں مذکور ہے:

''یصیر المبیع معلوماً ببیان أحوالہ وصفاتہ التی تمیزہ عن غیرہ، مثلاً لو باعہ کذا مدّا من الحنطۃ الحمراء أو باعہ أرضاً مع بیان حدودہا صار المبیع معلوماً وصح البیع''۔

''إن طرق العلم بالمبیع تختلف باختلاف المبیع، ومن طرق العلم بہ أولا بالإشارۃ، ثانیاً بالخواص..... ثالثاً مکانہ الخاص'' (شرح مجلۃ الاحکام ۱۷۸٫۱)۔

خصوصاً زمین اور مکانات کے سلسلہ میں اصحاب مجلہ کا یہ بیان کس قدر واضح اور بے غبار ہے، کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ زمین بیچی جس کی حد فلاں فلاں ہے، یا میں نے زمینی بیچی جو فلاں جگہ میں واقع ہے، اور اس کی لمبائی چوڑائی اتنی اتنی گز ہے اور بیع کی مقدار یہ ہے تو یہ بیع معلوم اور متعین شمار ہوگی اور بیع ہر دو اعتبار ذات اور وصف سے صحیح مانی جائے گی (مجلۃ الاحکام ۱۷۸٫۱)۔

لہذا مذکورہ بالا فقہی عبارات اور توضیحات سے واضح ہوتا ہے کہ اگر زمین کی مقدار معلوم ہو اور پلاٹ نمبر میں اس بات کی وضاحت ہو کہ کتنی فٹ ہے اور کتنی زمین ہے اور بائع مشتری کے مطالبہ پر اتنی ہی زمین اسے دینے پر قادر ہو او راس طرح کی چیز مفضی إلی النزاع نہ ہو تو یہ معاملہ درست ہوگا، اور پلاٹ نمبر سے بھی مبیع متعین

ہوسکتی ہے، جیسا کہ شرح المجلہ کی عبارات سے واضح ہے، اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ معاشرہ میں اس قسم کی بیوع کا اس قدر عرف اور رواج ہوگیا ہے کہ عموماً اس طرح کی بیع مفضی إلی النزاع نہیں ہوتی ہے اور مشتری کا مقصود غالباً متعینہ مقدار میں زمین مطلوب ہوتی ہے، بعینہ کوئی خاص جگہ نہیں اور عرفاً ومجازاً مالک زمین پلاٹ نمبر تبدیل کرنے کا حق بھی رکھتا ہے، اس لئے عرفی اعتبار سے بھی یہ معاملہ درست ہونا چاہئے، واللہ اعلم بالصواب۔

**۱۰۔ الجواب وباللہ التوفیق:**

اس مسئلہ کے جواب کے لئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ فقہاء کی اصطلاح میں ملکیت کسے کہتے ہیں ؟ اور اس کے کیا اقسام ہیں، فقہاء کرام کی اس بارے میں مختلف تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے قدر مشترک کے طور پر شیخ مصطفی زرقاء نے اپنی کتاب میں جو تعریف لکھی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ملکیت ایسی اختصاصی کیفیت کا نام ہے، جو صاحب شئی کے سوا دوسروں کو انتفاع اور تصرف سے روکتی ہے، اور صاحب شئی کو تصرف کا حق دیتی ہے، الا یہ کہ کوئی اضافی چیز اس کے تصرف کے لئے مانع ہو، عربی عبارت یہ ہے:

''ہو اختصاص حاجز شرعاً صاحبہ التصرف إلا لمانع'' (المدخل الفقہی۱؍۲۴۱)۔

پھر ملک کی دوقسمیں ہیں: تام اور ناقص، ملک تام وہ ہے جس میں آدمی اصل شئی کا بھی مالک ہو اور اس کی منفعت کا بھی یعنی وہ چیز اس کے قبضہ میں بھی ہو، ملک تام کی تعریف ان الفاظ میں ہے:

''ہو ما اجتمع فیہ الملک والید'' (المدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ؍۲۲۵)۔

جبکہ ملک ناقص اسے کہتے ہیں جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی پایا جائے، یعنی صرف منفعت کا مالک ہو یا صرف اصل شئی کا، جیسے مہر پر قبضہ نہ ہوا ہو، یااجارہ پر کوئی چیز لی ہو۔

ملک کی تعریف اور اس کے اقسام کے اس پس منظر میں جب ہم زیر بحث مسئلہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد بیع ہوگئی، اور بیع ہوجانے سے اس کی ملکیت اس زمین پر ہوگئی، البتہ اس کا قبضہ ابھی اس پر نہیں ہوا ہے، تو یہ ملک ملک ناقص ہوگی، اور زمین پر قبضہ کی صورت یہ ہوگی کہ بائع زمین کو اس طرح خالی کردے کہ وہ اس میں تصرف کرسکے، اور اگر اس میں کھیتی لگی ہوئی ہے تو بائع کو کاٹنے پر مجبور کیا جائے گا۔

''تسلیم المبیع یحصل بالتخلیۃ، وہو أن یأذن البائع للمشتری بقبض المبیع مع عدم وجود مانع من تسلیم المشتری إیاہ'' (شرح المجلہ۱؍۲۵۱)۔

''إذا بیعت أرض مشغولۃ بالزرع یجبر البائع علی رفع الزرع بحصادہ أو رعیہ، وتسلیم

الأرض خالیۃ للمشتری'' (شرح مجلۃ الاحکام ۱،۲۵۳ مادہ: ۲۶۷)۔

اس پوری تفصیل اور لوگوں کے عرف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عموماً کالونی والے زمین پرایسا قبضہ نہیں دیتے ہیں کہ بالکل خالی ہو اور وہ کسی بھی طرح تصرف کرے، لہذا یہ ملکیت ملک ناقص تصور کی جائے گی، اور چونکہ غیر منقولہ اشیاء میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبل القبض بھی بیع جائز ہے اس لئے وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے۔

''للمشتری أن یبیع المبیع لآخر قبل قبضہ إن کان عقاراً، وإلا فلا، وکذلک یجوز لہ أن یہبہ، وقد جوزہ الشیخان استحساناً'' (شرح المجلہ ۱،۲۳۶ مادہ: ۲۵۳)۔

**۱۱۔ الجواب بتوفیق الوہاب:**

جواب نمبر ۹ اور ۱۰ سے واضح ہوچکا ہے کہ پلاٹ نمبر سے بھی عدم مفضی إلی النزاع اور عرف کی بنا پر پلاٹ متعین ہوجاتا ہے اوربیع کی وجہ سے اسے ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، گو کہ قبضہ نہیں ہوتا، اور عقار یعنی غیر منقولی اشیاء میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مسلک یہی ہے کہ اسے قبل القبض بھی صرف کی وجہ سے بیچ سکتا ہے، لیکن اگر زمین مالک زمین ہی کی ملکیت میں ہو اور قبضہ بھی اسی کا ہو جیسا کہ شق باء میں مذکور ہے تو ایسی بیع درست نہ ہوگی، پھر شق باء میں غرر اور ضرر کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے کہ قانونی رکاوٹ کی وجہ سے مل بھی سکتا ہے اور نہیں بھی مل سکتا ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں شق الف کی صورت جائز معلوم ہوتی ہے، جبکہ شق باء میں عدم جواز کا پہلو راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ نہ ملکیت پائی جارہی ہے اور نہ ہی قبضہ، شق الف کے جواز کی تائید فقہا ء کرام کے بیان کردہ اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے تم سےاس گھر میں جو میرا حصہ ہے وہ فروخت کیا اور مشتری اس حصہ سے واقف ہو کہ اس کا اس مکان میں کتنا حصہ ہے گرچہ بائع کو اپنا حصہ معلوم نہ ہو تو یہ معاملہ درست ہے۔

''رجل قال: بعت منک نصیبی من ہذہ الدار بکذا جاز، إذا علم المشتری بنصیبہ من الدار وإن لم یعلم البائع'' (الفتاوی الہندیہ ۳،۱۲۷)۔

غیر منقولہ جائیداد کی بیع کے سلسلہ میں حنفی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب مجلہ نے تحریر فرمایا ہے:

''للمشتری أن یبیع المبیع لآخر قبل قبضہ إن کان عقاراً، وإلا فلا، وکذلک یجوز لہ أن یہبہ، وقد جوزہ الشیخان استحساناً..... ومما أن الہلاک نادر فی العقار ولا اعتبار للنادر، فلیس فی بیع العقار قبل القبض غرر الانفساخ کما فی بیع المنقول'' (شرح المجلہ ۱،۲۳۶)۔

شرح المجلہ کی وضاحت سے ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عقار میں بلکہ دیگر بیوع کے قبضہ میں اصل چیز غرر ہے، اگر غرر پایاجائے تو قبل القبض درست نہیں ہے، اورنہ پایاجائے تو درست ہے، غرر کی بابت خلاصہ کلام کے طور پر استاذ محترم حضرت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بات پیش خدمت ہے:

ایسی جہالت جو باعث نزاع نہ ہو، معمولی جہالت ہے اور عقد کی صحت مینمانع نہیں ہے، اور ایسی جہالت جو مفضی الی النزاع ہو جہل متفاحش ہےاور فساد عقد کاباعث ہے، اسی طرح جو غرر نزاع کا باعث بن جاتاہو سمجھنا چاہئے کہ یہ غرر متفاحش ہے جو دوسرے فریق کےلئے ناقابل تحمل ہے، اور جو غرر عام طور پر باعث نزاع نہ ہو وہ غرر یسیر ہے، اور عقدکے لئے باعث فساد نہیں ہے (جدید فقہی مسائل ۱۲۸،۴)۔

**۱۲۔ الجواب ومنہ السداد والصواب:**

اس سوال کے جواب میندو باتیں قابل غور ہیں: ایک یہ کہ اس مسئلہ میندلال کی حیثیت کیا ہے؟ یعنی وہ فقہی اصطلاح کےاعتبا رسے دلال ہے یا بذات خود بائع ہے؟دوسرے یہ کہ یہ معاملہ مالک کی ملکیت میں ہوتے ہوئے بیع کےزمرے میں آئے گا یا نہیں؟

فقہی اصطلاح میندلال یا سمسار اس شخص کو کہتےہیں جو دوسرے کےلئے اجر ت کے ساتھ بیع وشراء کامعاملہ کرے۔

''والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالأجرۃ بیعاً وشراء'' (المبسوط للسرخسی۱۲۸،۵باب السمسار)۔

اب اگر یہ شخص مذکورہ تعریف کے مطابق صرف دلال ہے اور اجرت کے ساتھ مالک زمین او رمشتری کےدرمیان معاملہ کرتا ہے اور ایجاب وقبول اور دیگر لوازم بیع اصل مالک اور مشتری انجام دیتےہیں تو یہ معاملہ درست ہے،لیکن زیر بحث مسئلہ میں مشتری اصل بائع کو جانتا تک نہیں، بلکہ اسےیہ بھی خبر نہیں کہ اصلاً یہ زمین کس کی ہے، او رکس کے قبضہ میں ہے، بلکہ دلال کی زبانی بات چیت کو کافی سمجھ کرآئندہ نفع کی امید پر بیع وشراء کا معاملہ کررہا ہے، گویا ایک طرح سے مجہول الحال شئی کی خریداری کررہا ہے،لہذا یہ خریداری درست نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دلال کو اگر وکیل بالبیع مانا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ اصل مالک زمین نے اس کو وکالت کے ذریعہ تمام اختیارات دیئے ہیں، اور پھر یہ بیع وشراء کا سارا معاملہ کررہا ہے، اور وہ اس وکالت کی اجرت لے رہا ہے تو یہ معاملہ درست ہوگا، لیکن اس صورت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وکالت میں اس کو ایک حد تک ملکیت حاصل ہوجاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ اس میں ہر طرح متصرف ہوسکتا ہے، جبکہ یہاں یہ چیز نہیں پائی جارہی ہے، بلکہ دلال کو عرفاً دلال ہی سمجھا جاتا ہے اور وکیل بالبیع کی کیفیت اس کے اندر نہیں ہوتی ہے، پھر اس میں ایک قباحت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ اگر دوبارہ مشتری اپنی اسی زمین یاپلاٹ کو بیچنا چاہے تو اس کو اتنا حق تصرف حاصل نہیں کہ خود بیچ سکے، بلکہ پھر اسی دلال سے رابطہ کرنا ہوگا، اور اس کو دلال کی اجرت بھی دینی ہوگی، لہذا اس صورت میں بھی یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ دلال اس زمین یاپلاٹ کو خرید کر مالک ہوجاتا اور پھر آگے کے معاملات انجام دیتا، لیکن اس مسئلہ میں دلال نے اسے خود خریدا ہی نہیں ہے، اور جب خریدا نہیں اور نہ ہی اس کا مالک ہوا، توبیچنے کے جواز کا سوال ہی نہیں، لہذا زیربحث صورت شرعی نقطہ نظر سے جائز معلوم نہیں ہوتی، واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

**۱۳۔ الجواب وباللہ التوفیق:**

جوا ب نمبر ۱۰ کے ضمن میں گذر چکا ہے کہ بیع بھی ملکیت کا ایک ذریعہ ہے، او رجب مشتری نے بیع کی تمام شرائط کے مطابق اپنی تمام قسطیں ادا کردیں تو قاعدہ کی رو سے وہ اس زمین کا مالک ہوگیا، بلکہ فقہاء کرام کی عبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول ہی سے ملکیت منتقل ہوجاتی ہے، اور یہاں تو قسطیں بھی ادا ہوچکی ہیں، تو وہ اس کا مالک ہوگیا۔

‘‘وقال أصحابنا رحمہم اللہ: کل لفظین ینبئان عن التملیک والملک علی صیغۃ الماضی أو الحال ینعقد بہا البیع’’ (الفتاوی الہندیہ۳؍۴)۔

‘‘تنتقل ملکیۃ المبیع للمشتری بمجرد الإیجاب والقبول، ویصیر لہ الحق المطلق فی استعمال المبیع واستثمارہ والتصرف بہ کیفما یشاء لہ غنمہ وعلیہ غرمہ، أ ی لہ ثمراتہ وغلاتہ أو عوائدہ’’ (قضایا الفقہ والفکر المعاصر؍۳۱۵)۔

اب دیکھئے کہ زیر بحث مسئلہ میں ملکیت بھی ثابت ہوچکی ہے، قسطیں بھی جمع ہوچکی ہیں، اور چونکہ بائع سے ہی بیچنے کی شرط بھی نہیں ہوتی ہے، اس لئے وہ ملکیت کے ساتھ ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے، ہاں اگر بائع ہی سے بیچنا شرط ہو یا ایسا عرف ہو جو شرط کے درجہ میں ہو کہ بغیر اس کے کہے بیچنا ممکن نہ ہو، یا اس زمین او رپلاٹ کا بیچنا مالک زمین کی اجازت پر یا کسی دوسرے شخص کی اجازت پر موقوف ہو تو پھر یہ معاملہ سرےسے جائز ہی نہ ہوا، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

‘‘ولو اشتری شیئاً لیبیعہ من البائع، فالبیع فاسد’’ (الفتاوی الہندیہ۳؍۱۳۴)۔

‘‘وإن اشتری علی أن لا یبیع إلا بإذن فلان: أو اشتری داراً علی أن لا یہدیہا أو لا یبنیہا إلا بإذن فلان فالبیع فاسد’’ (الفتاوی الہندیہ ۳؍۱۳۵)۔

ان تمام نصوص فقہیہ سے ظاہر ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں اگر بیع وشراء مشروط ہو تو یہ بیع درست نہ ہوگی، اور اگر مشروط نہ ہو بلکہ عرفاً ہی ایسا ہو تو بھی درست نہیں، کیونکہ فقہاء کرام کا اصول ہے کہ جو بات عرف میں اس قدر معروف ہو کہ لوگ اسے فوراً سمجھ جاتے ہوں تو یہ شرط کے درجہ میں ہوتا ہے،‘‘المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً’’۔

اور جب یہ بیع ہی صحیح نہ ہوئی تو ملکیت کجا دارد۔

**۱۴۔ الجواب ومنہ الصواب:**

قسطوں پر معاملہ کرنا شریعت میں جائز ہے، بشرطیکہ قسطیں اور اجل متعین ہوں،

اور قسطیں وقت پر ادا نہ کرسکنے کی صورت میں قیمت پر نہ اضافہ اور نہ ہی وصول شدہ رقم ضبط کی جائے۔

''البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطہ صحیح، ویلزم أن تکون المدۃ معلومۃ فی البیع بالتأجیل والتقسیط'' (شرح المجلہ: مادہ: ۲۴۵)۔

''أما ما یفعلہ بعض الناس من تحدید ثمن البضاعۃ علی أساس سعر النقد، وذکر القدر الزائد علی أساس أنہ جزء من فوائد التأخیر فی الأداء، فإنہ رباً صراح'' (بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ: ۱۰)۔

فقہاء کرام کی عبارتوں میں اس کا بھی ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور اس کے ثمن کو کچھ دیدیا اور کچھ باقی ہو تو بائع کو مبیع کے روک لینے کا حق ہے، حتی کہ تمام ثمن ادا نہ کرے۔

''ولو کان بعض الثمن حالاً وبعضہ مؤجلاً فلہ حبسہ حتی یستوفی الحال، ولو بقی من الثمن شئی قلیل کان لہ حبس جمیع المبیع'' (الفتاوی الہندیہ ۳،۱۵)۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ مبیع روکنے کا اور قبضہ نہ دینے کا حق اسی وقت تک جائز ہے تاآنکہ وہ بقیہ قسطیں جمع نہ کردے، لیکن پوری قسطیں ادا کرنے کے بعد مبیع روکنے کا حق نہیں ہے۔

لیکن اگر عقد کے وقت ہی یہ صراحت کردی گئی اور اگریمنٹ میں درج کردیا گیا کہ تاخیر کی صورت میں سودا کینسل ہوجائے گا اور جتنی رقم جمع کی گئی ہوگی اتنی ہی واپس کی جائے گی، تو اسے تاخیر کی صورت میں کینسل کا حق ہوگا، اور ادا شدہ رقم واپس کرنی ہوگی، لیکن اگر ایسا کوئی معاہدہ اگریمنٹ پیپر یا زبانی بات چیت میں نہیں تھا اور مشتری نے قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی اور بلڈر نے خود سے سودے کو کینسل کردیا تو اس کا کینسل کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر اس کے باوجود کینسل کردیا تو اب اس زمین یا فلیٹ کی موجودہ قیمت کی شرط کے اعتبا رسے اسے قیمت لوٹانا واجب ہوگا تاکہ نقصان سے محفوظ رہے، کیونکہ مشتری اس امید پر قسطیں جمع کرتا رہا تھا کہ اس کو فلیٹ یا زمین حاصل ہوگی اور ظاہر ہے کہاس کو اس صورت میں صرف اپنی رقم حاصل ہورہی ہے، اور اس کا کوئی نفع نہیں مل رہا ہے، جبکہ اگر وہ زمین یا فلیٹ ضائع ہوجاتا تو اس کا نقصان اس کو بھی برداشت کرنا پڑتا، لہذا شریعت کے اصول کے پیش نظر حرج اور مشقت کو دور کیا جائے گا اور وہ موجودہ قیمت کی شرح کے اعتبا رسے رقم لے گا۔

**۱۵۔ الجواب وباللہ التوفیق والسداد:**

**(الف):**

فقہاء کرام نے دلال یا سمسار کی جو تعریف کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلال اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو بائع اور مشتری کے درمیان معاملہ طے کرائے اور بائع

ومشتری دونوں کو ثمن معلوم ہو، اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہو، یہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں بھی متعین ہوسکتی ہے، اور فیصد کے اعتبار سےاس کی تعیین اس طور پر ہوسکتی ہے کہ ایک ہزار میں اتنا ہوگا، چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

''والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالأجرة بیعاً وشراء'' (المبسوط للسرخسی ۱۲۸،۱۵، باب السمسار)۔

نیز مجمع الانہر کے ہامش پر ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔

''والسمسار المتوسط بین البائع والمشتری (یجبران علیہ) لأنہا یعملان بأجرة عادة بلا استیجار'' (سکب الانہر علی ہامش مجمع الانہر ۴۵۸،۳)۔

مذکورہ بالا تعریف کے تناظر میں جب ہم زیر بحث مسئلہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دلال فقہاء کی تعریف کی رو سے دلال ہے ہی نہیں، کیونکہ اس کی حیثیت تو صرف درمیانی شخص کی ہوتی ہے، اور وہ اصل بائع اور مشتری کے درمیان صرف معاملہ طے کرانے کی اجرت لیتا ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ میں اس کی حیثیت نظر نہیں آتی، بلکہ وہ خود مالک زمین بن کر مشتری سے سارے مسائل طے کراتا ہے اور متعینہ قیمت مالک زمین کو دیدیتا ہے، جبکہ مبیع نہ ہی اس کی ملکیت ہے اور نہ ہی اس کا اس پر قبضہ ہے، اور ایسی دلالی شرعاً درست نہیں ہے، نیز اس میں دلالی کی اجرت بھی متعین نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں احسن الفتاوی کے ایک سوال وجواب سے بھی واضح روشنی پڑتی ہے، جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔

سوال: زید نے بکر سے کہا کہ میں تمہاری بھینس عمر کے ہاتھ فروخت کرا دیتا ہوں مگر اس شرط سے کہ مبلغ تین سو پچاس روپے تمہیں دونگا اور اس سے زائد جتنا بھی وصول ہووہ میں لے لونگا، یعنی زید دلال ہے، بکر اس پر راضی ہوگیا، زید نے بکر کے سامنے ہی بھینس تین سو پچھتر روپے میں عمر کو فروخت کرکے تین سو پچاس بکر کو دیدئے اور پچیس روپے خود رکھ لیئے، تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب: یہ معاملہ ناجائز ہے، البتہ اگر دلالی کی رقم متعین ہو یا بھینس کی قیمت سے فیصد کے حساب سے دلالی متعین ہو، مثلاً بھینس جتنے بھی فروخت ہو اس سے میں سے پانچ فیصد دلال لے گا، تو جائز ہے۔

**(ب):**

بیع وشراء کا مقصد شریعت اسلامی نے ثمن اور مبیع سے فائدہ اٹھانا بتایا ہے، اور فائدہ انسان اسی وقت اٹھا سکتا ہے جب اس کو ثمن یا مبیع میں پورا حق اور ہر طرح کا تصرف حاصل ہو، اس نقطۂ نظر سے جب ہم اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں تو دوخرابیاں لازم آتی ہیں: ایک تو عدم قبضہ یعنی بائع مشتری کو اس کی ملکیت پر قبضہ ہی نہیں دیتا اور

اس قبضہ میں قبضہ کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جو فقہاء نے بیان کی ہیں۔

دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ مشتری جب اپنی مبیع کو کبھی بیچنا چاہے تو اسے بیچنے کا حق صر ف بائع اول ہی سے ہوگا، او ریہ بات شرط کی حد تک لازم ہوتی ہے، او رجس کی بنا پر مشتری کو مکمل اور ہر طرح کا تصرف اپنی مبیع میں حاصل نہیں ہوتا ہے، بایں وجوہات یہ مسئلہ شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، عدم قبضہ کی بابت شرح المجلہ میں ہے:

''إذا شرط البائع فی البیع عدم تسلیم المبیع للمشتری مدة شہر فالبیع فاسد'' (شرح مجلۃ الاحکام ۱،۱۶۳)۔

نیز مشتری بائع ہی سے مبیع بیچے گا تو یہ بیع فاسد ہوگی، اسی کے بارے میں ہندیہ میں یہ منقول ہے:

''ولو اشتری شیئاً لیبیعہ من البائع، فالبیع فاسد'' (الفتاوی الہندیہ۳،۱۳۴)۔

اور شرح المجلہ میں ہے:

''لأن المقصود من البیع إنما ہو التملیک والتملک خاصۃ: أی أن یکون المشتری مالکاً للمبیع والبائع مالکاً للثمن بلا مانع ولا مزاحم''۔

**خلاصہ بحث:**

(۱) جو زمین لینڈ گرابرس سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر قبضہ کرلیں اس زمین کا حکم غصب کی ہوئی زمین کا ہے، اسے بعینہ حکومت کو واپس کرنا ضروری ہے، لیکن اگر اس پر عمارت وغیرہ تعمیر کردی ہے، یا حکومت خود کچھ معاوضہ وغیرہ لے کر راضی ہوگئی ہے، یا قابضین نے اس کی قیمت ادا کردی ہے، تواس صورت میں اس زمین کا بیچنا یا مکانات تعمیر کرنا، اور ایک دوسرے کا یکے بعد دیگرے بیع وشراء کا معاملہ درست ہوگا، لیکن اگر حکومت راضی نہیں ہوئی یا اس کی منظوری نہ ہوئی اور ضمان وغیرہ ادا نہ کیا تو یہ زمین مغصوبہ سمجھی جائے گی اور کسی طرح کا تصرف درست نہیں ہوگا۔

(۲) موقوفہ زمین قبضہ کرلینے سے قابض اس کا مالک نہیں ہوگا، لہذا نہ اس کی بیع وشراء درست ہے اور نہ ہی کسی اور طرح کا تصرف، لیکن اگر قابضین اپنی قوت کےبل پر موقوفہ زمین کو چھوڑنے کو تیار نہ ہوں، تو ان سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا اگر دے دیں تو پھر یہ زمین ان کی ملکیت ہوجائے گی، اور پھر ا سکی بیع وشراء بھی درست ہوگی، ورنہ نہیں۔

(۳) اگر کسی نے ایسی زمین خریدی جس کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، یعنی دوسرے مستحقین کو ان کے حصہ نہیں دیئے گئے، لیکن بائع نے اپنا بتاکر بیچا، اور مشتری کو اس کا علم نہیں تھا، یا مطلقاً بیع وشراء ہوگئی اور کوئی استفسار نہ ہوا، تو یہ بیع وشراء موقوف

ہوگی اور دیگر ورثاء کی رضامندی تک نفاذ کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن اگر بائع نے بتادیا کہ اس میں دوسروں کا بھی حق ہے اور مشتری کو معلوم ہوگیا تو یہ بیع وشراء درست نہیں ہوگی۔

(۴) اگر مال حرام سے خریدی گئی اور حرام مال ہی اس کی خریداری میں صرف کیا اور وہ اقرار کرتا ہے، اور مشتری کو معلوم بھی ہے تو اس زمین کا خریدنا درست نہیں، لیکن اگر بائع نے بتایا نہیں، اور مشتری کو معتبر ذرائع سے خبر بھی نہ ہوئی تو خریدنا درست ہے۔

(۵) حکومت نے جو لے آوٹ پاس کیا ہے اور اس میں پلے گراؤنڈ وغیرہ بنائے ہیں، اگر وہ ضرورت سے زائد ہیں یا ضرورت سے زائد جگہ اس میں صرف کی گئی ہےحالانکہ اس سےکم میں بھی کام چل سکتا تھا، تو بقدر ضرورت باقی رکھ کر باقی حصہ کو بیچنا جائز ہوگا، لیکن اگربقدر حاجت ہی راستہ، پلے گراؤنڈ، سوئمنگ پول وغیرہ چھوڑا گیا ہے، تو پھر نہ ان کا بیچنا جائز ہے اور نہ ہی جان بوجھ کر خریدنا۔

(۶) مسلمانوں کے لئے مسجد کی تعمیر حاجت اور ضرورت کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے کالونی بنانے والوں کو خود اس کے لئے زمین چھوڑنا چاہئے، لیکن اگر نہیں چھوڑا ہے اور کالونی میں صرف مسلمانو نکی ہی آبادی ہے،اور وہ مسجد کی تعمیر کے لئے راضی ہیں، تو عوامی مفادات سے متعلقہ زمین میں مسجد بنائی جاسکتی ہے، اور اگر ہمیشگی کی نیت کی گئی تو یہ مسجد شرعی ہوگی، لیکن اگر اس میں غیر مسلم باشندے بھی ہوں ، یا حکومت کی جانب سے سخت کاروائی کاا ندیشہ ہوکہ جان وآبرو کا خطرہ ہو تو ایسی جگہ میں مسجد کی تعمیر درست نہیں ہے۔

(۷) اس میں شک نہیں سرکاری کارروائی کرنے میں اور کالونی کے تمام قوانین کو برتنے میں بڑی مشقت اور زمین کی گرانی ہے، اور نہ کرنے میں حکومت کی قانونی شکنی کا ارتکاب ہے، لہذا اگر تجرباتی طو رپر حکومت غیر قانونی کالونیوں سے کم چھیڑ چھاڑ کرتی ہو اور کچھ معاوضہ لے کر راضی ہوجاتی ہو اور جانی ومالی نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو تو قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونی بنانا اور پلاٹ فروخت کرنا درست ہوگا ورنہ نہیں۔

(۸) اگر کوئی شخص واقعی ضرورت مند ہو، اور خود سے کوئی مکان خریدنے پر قادر نہ ہو تو اس طرح کے مکانات، قسط وار خریدنے کی گنجائش ہے، لیکن صرف زندگی کو بہتر بنانے اور رہائش میں تعیش مقصود ہو تو اس طرح لون لے کر معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔

(۹) اگر پلاٹ کی مقدار معلوم ہو اور اس بات کی وضاحت ہو کہ کتنی فٹ لمبی اور کتنی فٹ چوڑی ہے ، اور بائع مشتری کے مطالبہ پر اتنی زمین دینے پر قادر ہو تو اس

سے مبیع متعین ہوجائے گی، اور خریدوفروخت کا معاملہ بھی درست ہوجائے گا۔

(۱۰) اس صورت میں زمین یاپلاٹ ملکیت میں آجائے گا، البتہ قبضہ نہیں پایا جائے گا، اور غیر منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے، اس لئے خریدوفروخت کرسکتے ہیں۔

(۱۱) الف: اگر عرف ہو اور معاملہ مفضی الی النزاع نہ ہو تو صرف کاغذی نقشہ کی بنا پر بھی خریدوفروخت درست ہے۔

(ب) یہ صورت درست معلوم نہیں ہوتی، اور بیع وشراء کا معاملہ درست نہیں ہوگا۔

(۱۲) یہ فاصلہ کسی بھی طریقے سے درست نہیں ہے اور اس کی تمام انواع بیع وشراء غیر درست ہے۔

(۱۳) اگر اصل مالک سےخریداری کے وقت اسی سے بیچنے کی شرط ہو تو پہلی بیع ہی درست نہیں ہے اور اس طرح اس کی ملکیت ثابت نہ ہوگی، لیکن اگر شرط نہ ہو بلکہ اسے خود دوسرے سے بیچنے کا اختیار کلی ہو تو پہلی بیع درست ہوگی، اور ملکیت بھی ثابت ہوگی اور دوسروں سے بھی بیچ سکتا ہے۔

(۱۴) اگر اگریمنٹ ہوتے وقت ہی تاخیر کی صورت میں صرف اصل رقم کی ادائیگی کا وعدہ تھا تو صرف اصل رقم واپس کرے، ورنہ زمین یا بلڈنگ کی موجودہ قیمت کی شرح کے اعتبا رسے رقم واپس کرے۔

(۱۵) (الف) یہ صورت درست نہیں ہے۔

(ب) یہ معاملہ بھی درست نہیں ہے۔

# موجودہ اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل

مفتی عباد اللہ قاسمی مظفرپوری•

**ناجائز طور پرقبضہ کی ہوئی سرکاری اراضی کی خرید فروخت:**

جواب ۱ :مجموعی اعتبارسے زمینیندوطرح کی ہوتی ہیں:

(الف)اراضئ مملوکہ:وہ زمینیجو خاص افراد واشخاص کی ملکیت اور تحویل میں ہوں -

(ب)اراضی غیر مملوکہ: وہ زمینیں جو خاص افراد واشخاص کی ملکیت اور تحویل میں نہ ہو ں،جسے فقہ کی اصطلاح میں ''ارض مباحہ ''کہتے ہیں، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:''فالأراضی فی الأصل نوعان:أرض مملوکۃ، وأرض مباحۃ غیر مملوکۃ'' (بدئع الصنائع۵؍۲۸۱)۔

پھراراضی غیر مملوکہ کی دو قسمیں ہیں:

(الف)اراضی بلدیہ:یعنی شہر سے متصل زمینیں جوبستی کی ضرورت عامہ (گلی، کوچے، سڑک،قبرستان، عیدگاہ، چراگاہ اور میدان وغیرہ) میں استعمال ہورہی ہوں۔

(ب) اراضی موات:یعنی شہر سے دوریاقریب کی وہ غیرآباد اور ناقابل کاشت زمینیجو ضروریات عامہ میں استعمال نہ ہورہی ہوں، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:''نوع ہومن مرافق البلدۃ محتطبا لہم ومرعی لمواشیہم،ونوع لیس من مرافقہا وہو المسمی بالموات'' (بدائع الصنائع۵؍۲۸۱)۔

ضرورت عامہ میں مستعمل زمین پرکسی صورت میں کبھی بھی کسی کومالکانہ قبضہ اورتصرف کاحق حاصل نہیں ہوگا،نہ حاکم وقت خود اس کا مالک بن سکتاہے اور نہ ہی کسی کو بناسکتاہے اورنہ ہی کسی کوجاگیر کے طورپر دے سکتا ہے ،بلکہ وہ شہر کی ضرورت عامہ کیلئے اراضی موقوفہ کی طرح محفوظ رکھی جائےگی(بدائع الصنائع، کتاب الاراضی: ۲۸۳)۔

البتہ غیر آباد اور ناقابل کاشت زمین ''ارض موات ''پر حاکم وقت سے اجازت لینے کی صورت میں مالکانہ قبضہ اور تصرف جائز ہو گا، آباد کرنے والا خواہ مسلم ہویاغیرمسلم، مستحق ہویاغیرمستحق، عدم اجازت کی صورت میں اس پر مالکانہ قبضہ اور تصرف جائز نہیں ہوگا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

• استاذحدیث وفقہ:جامعہ ضیاء العلوم کنڈلوکرنا ٹکااڈ پی۔

‘‘من أحیا أرضا میتۃ فہی لہ، ولیس لعرق ظالم’’ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۰۷۳)۔

اسی طریقے سے امام زہری ،سالم سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

‘‘کان الناس یتحجرون علی عہد عمرؓ، فقال:من أحیٰ أرضاً فہی لہ’’ (مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: ۲۲۳۷۹)۔

چنانچہ نصوص مذکورہ کی روشنی مینعلامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

‘‘فالملک فی الموات یثبت بالإحیاء بإذن المالک عند أبی حنیفۃ وعند أبی یوسف ومحمد رحمہم اللہ یثبت بنفس إحیاء وإذن الإمام لیس بشرط’’(بدائع الصنائع،کتاب الاراضی: ۲۸۳،۵،ط:دارالکتاب دیوبند، قاضی خان علی ہامش الہندیہ۲۱۹،۳)۔

مذکورہ نصوص سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غیر مملوکہ اراضی کاکوئی شخص حاکم کی اجازت سے مالک بن سکتاہے ،مگر ضرورت عامہ میں استعمال کی جارہی زمین کا کسی صورت مینکوئی شخص کبھی بھی مالک نہیں بن سکتا۔

لہٰذا اگر قبضہ ناجائزطریقہ پرہوا ہو توپھراسے آگے بیچنااورخریدناجائزنہیں ہوگا،اس لئے کہ وہ زمین شرعی اعتبارسے بائع کی ملکیت میں نہیں ہوگی، اورغیرمملوکہ شئی کوبیچنااورمشتری کیلئے بصورت علم اس کاخریدنادونوں ہی ناجائز ہوگا،چنانچہ خریدوفروخت کے سلسلے مینحضرات فقہاء نے جو شرطیں ذکر کی ہیں،ان میں مملوکہ ہونے کی قیدبالکل واضح ہے (ردالمحتار علی الدرالمختار:۴،۷،کتاب البیع) کیوں کہ رسول اللہ نے ایسی بیع سے منع فرمایاہے:‘‘لا تبع مالیس عندک’’ (سنن ابودؤد:حدیث نمبر: ۳۵۰۳،سنن نسائی:حدیث نمبر: ۳۶۱۳) (جوچیز تمہاری ملکیت میں نہ ہو اسے مت بیچو)۔

اور قبضہ قانونی اعتبارسے جائزہوتوجہاں تک قابضین اور خریدارسے خریدنے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر زمین انہیں(قابضین) کے قبضہ میں ہے تو براہ راست انہینسے خریدنا ضروری ہوگا؛لیکن اگر وہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرچکے ہوں ،تو مذکورہ شرطونکاخیال رکھتے ہوئے خریدے ہوئے شخص سے خریدنااور فروخت کرنا ضروری ہوگا،کیوں کہ جب اس نے اسے فروخت کردیا تو اب اس سے اس کی ملکیت بھی ختم ہوچکی ، لہٰذافی الوقت جس کے قبضہ میں ہے اب اسی کی ملکیت ہے؛لہٰذا اسی سے اس کاخرید ناضروری ہوگا؛کیوں کہ اب براہ راست قابضین کی حیثیت بیچی جانے والی شئ کے ساتھ ایک اجنبی کی ہوگئی؛اگراس کیلئے ملکیت کو مانینگے تو ایسی صورت میں بیک وقت ایک شئ کا دوشخص کومالک قرار دینا لازم آئے گا جوکہ درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

**غصب کی ہوئی زمین کی مطلقا خریدوفروخت:**

‘‘ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل فتدلوا بہا إلی الحکام لتأکلوا فریقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون’’ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۸) (اور آپس میں ایک دوسر ے کے مال ناحق مت

کھاؤ، اور ان کو حکام کے پاس اس غرض سے مت لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کاایک حصہ گناہ کے طریقے پر کھاؤ، جب کہ تمہیں علم بھی ہو)، لوگوں کی جائز ملکیت کے احترام کی تاکید اور اس پر دست درازی کی مذمت قرآن نے اور بھی کئی آیتوں میں فرمائی ہے، مثلا ملاحظہ ہو، سورۃ النساء : ۲۹،۳۰، والتوبہ: ۳۴، سورۃ الانعام : ۱۵۲، وبنی اسرئیل : ۱۳۴۔

''کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ'' (مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۳۶۰۶) (مسلمان مسلمان پر حرام ہے،اس کا خون بھی،اس کامال بھی اوراس کی آبروبھی)۔

''من أخذ من الأرض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ إلی سبعۃأرضین'' (صحیح البخاری، باب اثم من ظلم شیئا من الارض: رقم الحدیث: ۲۴۵۴) (جوشخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق لے لے ،اسے قیامت کے دن سات زمینونتک دھنسایا جائے گا)۔

حضرت نعمان بن بشیرؓسے روایت ہے آپﷺ نے ارشاد فرمایا:''حلال وحرام (اشیاء) واضح ہیں اور ان دونوں (حلال وحرام) کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں ،جن کی حقیقت سے اکثر لوگ ناواقف ہیں ؛لہٰذا جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ گیا، اس نے اپنا دین اور اپنی عزت وآبروکو بچا لیا،اور جوشخص اس مینمبتلاء ہواوہ حرام میں مبتلاء ہوگیا ''( ترمذی، باب ماجاء فی ترک الشبہات، حدیث نمبر: ۱۲۰۵، صحیح البخاری :باب الحلال بین ولحرام بین وبینہما مشبہات، حدیث نمبر: ۲۰۵۱)۔

ذکرکردہ نصوص سے خریدوفروخت کے سلسلے مینشریعت مطہرہ کا اصول معلوم ہواکہ بیچنے والا شخص اپنی مملوکہ شئ کے فروخت کرنے کا مجازہے، اشیاء غیر مملوکہ کا نہیں؛ لہٰذا اس کا بیچنا اور علم کی صورت میں اس کا خرید نا بھی جائز نہیں ہوگا؛بلکہ اسے مالک کے پاس پہنچانا ضرروی ہوگا۔

**اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کی خریدوفروخت :**

جواب :۲ اشیاء موقوفہ سے واقف کامقصددائمی ثواب حاصل کرنا اور عمومی جہت وقف کی صورت مینعوام الناس کو دائمی فائدہ پہنچانا ہوتا ہے؛ اس لئے وقف کے بعداگر ''واقف '' یا ''منتظمِ اوقاف ''ان میں سے کوئی ایساتصرف کرنا چاہیں جس سے وقف کایہ مقصد فوت ہوجائے تواس کی اجازت نہیں ہوگی؛ کیونکہ واقف اب اس کامالک نہینرہا، جب مالک نہیں رہا تو پھر اسے ملکیت غیر میں تصرف کا حق کیوں کر ہوگا؟ ''وبیع ملک الغیرلایجوز'' (ردالمحتار، کتاب الوقف:۶،۹۹۵)، اس لئے واقفین ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے وقف کی ہوئی اشیاء اپنی ملکیت میں لوٹاناچاہیں یامنتظمین اوقاف ان کی عدم موجودگی مینان کے وارثین کی طرف لوٹاناچاہیں،یاوقف کے علاوہ کسی اور مصرف میناستعمال کرناچاہینجس سے وقف کی گئی زمین کا مقصد فوت ہوجائے، یا اس کی جہت تبدیل ہوجائے تواس کی اجازت انہیں نہیں ہوگی اور یہ ایک قبیح عمل ہے جس سے شریعت نے منع کیا

ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {فمن بدلہ بعد ماسمعہ فإنما إثمہ علی الذین یبدلونہ إن اللہ سمیع علیم} (سورہ بقرہ: ۱۸۱) (پھر کوئی شخص وصیت سننے کے بعد اس کو بدل ڈالے تو بدنے والے کواس کا گنا ہ ہوگا،بے شک اللہ تعالی سننے والے اور جاننے والے ہیں)۔

اس سے معلوم ہواکہ وقف کی ہوئی اشیاء کا بیچنا یاہبہ کر ناجائزنہیں ہے، حضرت ابن عمرکی روایت ہے:

''عن ابن عمرؓ قال:أصاب عمر أرضا بخیبر، فأتی النبی ﷺ یستأمرہ فیہا، فقال یا رسول اللہﷺ! إنی أصبت أرضابخیبر لم أصب مالا قط ہو أنفس عندی منہ فما تأمرنی بہ قال إن شئت حبست أصلہاوتصدقت بہا قال فتصدق بہا عمر أنہ لا یباع أصلہا ولا یبتاع ولا یورث ولا یوہب قال فصدق عمر فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لاجناح علی من ولیہا أن یاکل منہا بالمعروف أویطعم صدیقا غیر متمول فیہ'' (صحیح المسلم، باب الوقف حدیث نمبر: ۱۶۳۲) ۔

مذکورہ حدیث کی تشریح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

''إن الوقف لایجوز بیعہ ولاہبتہ ولایرث میراثا لأنہ صار للہ تعالی وخرج عن ملک الواقف'' (عمدۃ القاری،باب الشروط فی الوقف:۱۴،۲۴) ۔

نیزوقف کی ہوئی اشیاء ''تَمْلِیْکْ''اور ''تَمَلُّکْ'' کوقبول نہیں کرتی، یعنی واقف یا منتظم کسی کو اس کا مالک بنا سکتا ہے اور نہ ہی خود اس کا مالک بن سکتا ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ حدیث مذکورہ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

''ثم استدل بالمعنی وہوقولہ ولأن الحاجۃ ماسۃ إلی أن یصل ثوابہ إلیہ علی الدوام'' (فتح القدیر، کتاب الوقف:۶،۲۹۱)۔

علامہ ابن ہمامؒ نے اس پرفقہاء کااجماع لکھاہے:

''قولہ :(إذا صح الوقف) أی لزم، وہذا یؤید ما قدمناہ فی قول القدوری إذا صح الوقف خرج عن ملک (الواقف) قولہ :(لم یجز بیعہ وتملیکہ) ہو بإجماع الفقہاء'' (فتح القدیر۷،۲۰۴، ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

لیکن!اگر وقف کی ہوئی اشیاء کی منفعت ختم ہوجائے یاجس مقصد کے لئے اشیاء وقف کی گئی تھی وہاں اس کی ضرورت نہ ہو توقاضی یا '' منتظم اوقاف '' کواس کی درستگی اور اصلاح کے پیش نظرتبدیلی کی گنجائش ہوگی؛بشرطیکہ اسے اسی مصرف میں استعمال کیاجائے جس کیلئے واقف نے اسے وقف کیا تھا اور وقف کی جہت تبدیل نہ ہو ؛چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''فمن خاف من موص جنفا أو إثما فأصلح بینہم فلا إثم علیہ إن اللہ غفور رحیم'' (البقرہ: ۱۸۲) (البتہ جس شخص کووصیت کرنے والے سے غلطی یا گناہ کا اندیشہ ہو اور وہ ان کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں).... لیکن اگر

مسجد کے نام وقف کی گئی گئی ہوتو پھر اس مینتبدیلی کی قطعی طور پراجازت نہیں ہوگی، خواہ اس میں نماز ہوتی ہویا نہیں، ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہی ہے؛چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

''قولہ :(لوخرب ماحول المسجد واستغنی عنہ) أی استغنی عن الصلاۃ فیہ أہل تلک المحلۃ أوالقریۃبأن کان فی قریۃ فخربت وحولت مزارع یبقی مسجدا علی حالہ عند أبی یوسف، وہو قول أبی حنیفۃ ومالک والشافعی''(فتح القدیر،کتاب الوقف:۲۱۹،۶،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)۔

علامہ شامیؒ رقمطرازہیں:''لایجوز نقلہ ونقل مالہ إلی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ أولا ہو الفتوی.....؛ لأن المسجدلایخرج عن المسجد أبدا''(ردالمحتار:۵۴۸،۶،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان)۔

مذکورہ نصوص اور کتب فقہ کی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خرید وفروخت کیلئے مبیع پر بائع کی ملکیت کاہوناضروری ہے، ملکیت غیر کو بیچنا شرعاحرام اور ممنوع ہے ،ظاہر ہے کہ جب اوقاف کی زمین کا بیچنے والا شخص مالک نہیں ہے توپھر اس کیلئے اوقاف کی اراضی کا بیچنا اور دوسرے کے لئے بصورت علم اس کاخریدنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

اگرکسی نے اوقاف کی زمین خرید ہی لی تو اس پر ملکیت ثابت نہینہوگی، کیوں کہ اوقاف کی بیع کو فقہاء نے باطل قرار دیا ہے، فاسد نہیں ،لہذااس پرقبضہ اورتصرف بھی درست نہیں ہوگا،کیوں کہ فاسد میں توقبضے کی صورت مینخریدار کیلئے ملکیت تصرف حاصل ہوجاتی ہے، لیکن باطل میں ملکیت تصرف حاصل نہیں ہوتی؛لہٰذابیع کربھی لیاہو تو اس پر اس کااثرِ شرعی مرتب نہیں ہوگا ''حکم الفاسد أنہ لا یفید الملک بالقبض والباطل لا یفید أصلا'' (ردالمحتار،کتاب البیوع،باب البیع الفاسد:۲۳۳،۷)۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

**شرعی تقسیم سے پہلے مورو ثی زمین کی خرید وفروخت:**

جواب۳: وراثت کی شرعی تقسیم عمل میں آنے سے پہلے گھر کے کسی فرد کامورث کے چھوڑے ہوئے مال کوفروخت کرنا درست نہیں ہے،حضرت سعید ابن المسیبؒ سے روایت ہے، قبیلہ انصار کے دوبھائیوں کے درمیان میراث تھی، ان میں سے ایک نے اپنے بھائی سے وراثت کی تقسیم سے متعلق سوال (گفتگو)کیا، اس کے بھائی نے کہا :اگر تم نے اس معاملہ مینمجھ سے دوبارہ گفتگو کی تومیرا تمام مال رتاج الکعبہ کیلئے ہے، یعنی جس کا میں مالک ہونکعبہ کی اصلاح ومرمت اور زیب وزینت کیلئے نذرمانتا ہوں، حضرت عمرؓ نے اس سے کہا: کعبہ تیرے مال سے بے نیاز ہے،اپنے قسم کا کفا رہ اداکرو اور اپنے بھائی سے بات (وراثت سے متعلق)کرو؛اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے، تجھ پرقسم نہیں ہے، یعنی اس قسم کا پورا کرنا تم پرضرورنہیں ہے، اور

رب کی نافرمانی، قطع رحمی اورغیر کی ملکیت میں نذر نہیں ہے (ابوداؤد:باب الیمین فی قطیعۃ الرحم، رقم الحدیث: ۳۲۷۲)، اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وراثت کی شرعی تقسیم سے پہلے کسی بھی قسم کا تصرف کرنا صحیح نہینہے، خواہ وہ عبادات کے قبیل سے ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ صاحب حق کو حق عطاء کرنافرض ہے اورفرض درجہ اور مقام میں نذر سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

لہٰذاوراثت کی شرعی تقسیم سے پہلے عمل مباح(بیع)کی بھی اجازت نہینہوگی،اور علم کی صورت میں مشتری کا اس کاخریدنابھی جائز نہیں ہوگا، لہٰذا مورث اعلی کے مال متروکہ میں اگر باپ یادادانے اپنی بہنوں کویاان کے علاوہ کسی بھی مستحقین وراثت کو ان کا حق نہ دیا ہو توان کی اولاد کوچاہئے کہ وہ مستحقین وراثت تک میراث پہنچائیں، اگرصاحب حق کا علم ہو تو ان تک یاان کے وارثین تک پہنچادیں، علم نہ ہویا کوئی ہوہی نہ تو اس کو صدقہ کردیناپنی ذات میں استعمال نہ کریں ؛ہندیہ میں ہے:

''إذا مات الرجل وكسبہ خبيث فالأولى لورثتہ أن يردوا المال إلى أربابہ فإن لم يعرفوا تصدقوا بہ وإن كان كسبہ من حيث لا يحل،وابنہ يعلم ذلک ومات الأب ولايعلم الابن ذلک بعينہ فهو حلال لہ فی الشرع والورع أن يتصدق بہ بعينہ خصماء أبيہ كذا فی الينابيع''( ہندیہ، نیزدیکھئے ردالمحتار،کتاب الحضر ولاباحۃ،فصل فی البیع:۹،۵۵۳)۔

ذکرکردہ عبارت سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ اگر کسی کے پاس خود کی محنت سے کمایا ہوامال نہ ہو اور نہ ہی کسی جائز طریقے سے ملکیت میں آیا ہو تو شریعت مطہرہ کا اصول یہ کہ ایسے مال کو مالک کے پاس پہنچانا ضروری ہے ،اس مال کو ذاتی مصرف میں استعمال کرنا حرام ہے؛لہٰذا مالک زمین کی اجازت سے قبل معلوم ہونے کی صورت میں اس کی خرید وفروخت دونوں حرام ہوگی ۔

**حرام مال سے حاصل کی ہوئی زمین کی خریداری:**

جواب:۴ اللہ تعالی نے انسان کو پاکیزہ اورحلال رزق کمانے اور کھانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشادہے : ''یاأیہا الذین آمنوا کلوا من طیبا ت مارزقناکم وماظلمونا ولٰکن کانوا أنفسہم یظلمون''اورحضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ر وایت ہے، آپﷺ نے فرمایا :''حلال کمائی کا طلب کرنا فریضے کے بعد ایک فرض ہے '' (بیہقی فی شعب الایمان: حدیث نمبر: ۱۱۶۹۵) اور دھوکہ اور فریب سے کمایا ہوا مال انسان کیلئے حلال نہیں ہے، تواس کاکھانا یابیچنا اس کیلئے کہاں سے جا ئز ہوجائے گا؟

اللہ تعالی نے جس طریقے سے پاکیزہ اور حلال رزق کما نے کا حکم دیا ہے، اسی طریقے سے حرام اور مشتبہ اشیاء سے بچنے کا بھی حکم دیا ہے،چنانچہ آپﷺ نے فرمایا:'' الحلال بین والحرام بین وبنیہما مشتبہات''یعنی حلال کواختیار کرنااورحرام و مشتبہ

چیزوں سے بچنا ایک صاحب ایمان کیلئے ضروری ہے،حدیث میں صرف مشتبہ ہونے کی بنیاد پربچنے کا حکم دیا ہے تو یقین کی صورت میں اس کی اجازت کہاں سے ہوگی؟یعنی خریدار کو جب بائع کے ا حوال کا یقینی علم ہے کہ بیچنے والا شخص مال حرام سے زمین حاصل کئے ہوا ہے تو پھر ایسے شخص سے زمین کی یاکسی دوسری اشیاء کی خریداری سے احتیاط کرناچاہئے؛کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:جوشخص مشتبہ میں مبتلا ہوگیا وہ حرام میں مبتلا ہوگیا، یہاں تو یقین ہے تواس کیلئے خریدنے کی اجازت نہیں ہوگی، حرام شئ ہرجگہ حرام رہتی ہے،انتقال ملکیت کی بنیاد پروہ حلال نہیں ہوگی؛ بلکہ حرام رہے گی، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒلکھتے ہیں:

''الحرام ینتقل فلودخل بأمان وأخذ مال حربی بلارضاہ وأجرہ إلینا ملکہ، وصح بیعہ لکن لایطیب لہ، ولا للمشتری منہ، قولہ:(الحرام) أی تنتقل حرمتہ وإن تداولتہ الأیدی وتبدلت الأملاک، ویأتی تمامہ قریبا، قولہ: (ولاللمشتری منہ) فیکون بشرائہ منہ مسیئا؛ لأنہ ملک خبیث، وفی شرائہ تقریر للخبث'' (ردالمحتار علی الدرالمختار شرح تنویر الابصار ٩٨،٥)۔

علامہ عمُرانی شافعی لکھتے ہیں:

''ولایجوز مبایعۃ من یعلم أن جمیع مالہ حرام لماروی أبومسعود البدری أن النبی ﷺ نہی عن مہرالبغی وحلوان الکاہن۔

والبغی الزانیۃ، قال اللہ تعالی: یا اخت ہارون ماکان أبوک امرأ سوء وماکانت أمک بغیا۔

''واما حلوان الکاہن فہومایعطی الکاہن ویجعل لہ رشوۃ علی کہانتہ یقال منہ حلوت الرجل أحلوہ حلوانا إذا حبوتہ بشي'' (البیان فی فقہ الامام الشافعی، کتاب البیوع: ١٠٩،٥تا١١٠، ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

**سرکار کی طرف منظور شدہ نقشہ میں ترمیم:**

جواب ٥،٦ :عمومابڑے بڑے شہروں میں مکانات کی تعمیرات کے موقع پر حکومت سے نقشہ منظور کرانا ضروری ہوتا ہے،اس سے قبل مکانات کی تعمیر کی اجازت نہیں ہوتی اور لوگ عموما اس کاخیال بھی رکھتے ہیں،لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے منظور شدہ نقشہ میں صاحب زمیں کچھ ترمیم کرنا چاہیں، تو کیاانھیں اس کی اجازت ہوگی؟

صاحب زمین کی حیثیت پر غور کرنے سے دوباتیں واضح ہوتی ہیں :

(الف)صاحب زمین بحیثیت مالک۔

(ب)صاحب زمین بحیثیت معاہد۔

مالکانہ حیثیت ترمیم کا تقاضاکرتی ہے ،مالک زمین کو اپنی زمین مینتصرف کرنے کا کلی اختیار ہوتا ہے ،اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسے حکومت سے منظور شدہ نقشہ میں تصرف کرنے کااختیار ہونا چاہئے؛چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

‘‘حکم الملک ولایۃ التصرف للمالک فی المملوک باختیارہ لیس لأحد ولایۃ الجبر علیہ إلا لضرورۃ ولا لأحد ولایۃ المنع عنہ وإن کان یتضرر بہ إلا إذا تعلق بہ حق الغیر فیمنع عن التصرف من غیر رضا صاحب الحق وغیر المالک لایکون لہ التصرف فی ملکہ من غیر إذنہ ورضاہ إلا لضرورۃ وکذلک حکم الحق الثابت فی المحل’’ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: کتاب الدعوی:۵؍۳۹۴،ط:دارالکتاب دیوبند)۔

معاہدانہ حیثیت عدم ترمیم کا تقاضاکرتی ہے، معاہدے کا پاس و لحاظ رکھنا ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے،محض نفع کی زیادتی کی خاطراپنے کئے ہوئے معاہدے کی خلا ف ورزی کرنا درست نہیں ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:‘‘یا أیہا الذین آمنوا أوفوا بالعقود’’ (سورہ مائدہ)، ایک جگہ ارشاد فرمایا:‘‘ جب تم آپس میں عہد کرچکے ہو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور پختہ قسمیں کھانے کے بعد انھیں توڑ نہ ڈالو ؛حالاں کہ تم اپنے آپ پر اللہ کو گواہ بنا چکے ہو،بے شک اللہ تمہارے کاموں سے واقف ہے ’’(سورۂ نحل: ۹۱)۔

علامہ رازیؒ رقمطرازہیں:

‘‘الثانیۃ :أن المراد منہ کل عہد یلتزمہ الإنسان لاختیارہ،قال ابن عباس والوعد من العہد وقال میمون ابن مہران من عاہدتہ فبعہدہ مسلماکان أوکافرا فإنما العہد للہ تعالی’’(سورۃ نحل : ۱۶، جلد:۲۰؍۲۶۲)۔

غرض حکومت سے کئے معاہدے کی خلاف ورزی درست نہیں ہے ؛گوکہ وہ زمین کامالک ہی کیوں نہ ہو ،لہذاجب صاحب زمین نے حکومت سے معاہدہ کرلیا ہے ،تو اب معاہدے کی تکمیل اس پر واجب ہوگی ،حکومت کی طرف سے منظور شدہ نقشہ میناسے ترمیم کی گنجائش نہیں ہوگی؛کیوں کہ منظور شدہ نقشہ میں ترمیم کی صورت میں خریدار کے ساتھ دھوکا اور فریب ہوگا ،وہ اس طور پر کہ جس وقت خرید ار نے زمین خریدی تھی نقشہ میں، پلے گراؤنڈ اورراستے کی چوڑائی، لمبائی کا ذکر تھا ؛لیکن بائع خریدار کی کثر ت کو دیکھتے ہوئے محض نفع کی زیادتی کی خاطر اب ان جگہوں میں تر میم کرنا چاہے، توانھیں اس کی اجازت نہیں ہوگی؛کیوں کہ زمین کی خریداری کاسبب بسااوقات یہی چیزیں ہوتی ہیں،بصورت ترمیم صرف حکومت ہی کے ساتھ دھو کااور فریب نہیں ہے ؛بلکہ خریدار فریق کے ساتھ بھی دھوکااور فریب ہے، جس کی شریعت میں سخت مذمت آئی ہے ۔

نقشہ میں مسجد کی جگہ مقرر نہیں تھی ؛ لیکن زمین بیچنے والے نے مسلمانوں کو لبھانے کی خاطر گارڈن کی جگہ ختم کر کے مسجد کی جگہ مقرر کردی تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا، یعنی اس پر مسجد بنانا درست نہیں ہو گا؛اگر بنا دی گئی تو اس پر مسجدشرعی کاحکم نافذ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ قیام مسجد کیلئے ضروری ہے کہ اس کاقیام اخلاص پر ہو،عہد شکنی، وعدہ خلافی اورضرررسانی پر مبنی نہ ہو، اللہ تعالی کاارشاد ہے:‘‘لا تقم فیہ أبدا لمسجد أسس علی التقوی من أول یوم أحق أن تقوم فیہ، فیہ رجال یحبون أن یتطہروا واللہ

یحب المطہرین'' (سورۂ توبہ: ١٠٨)۔

**حکومتی تقاضہ سے پہلے کالونی بناکرزمین فروخت کرنا:**

جواب٧ :نظام حکومت کے غیرمستحکم ہونے کی وجہ سے قانونی تقاضوں کی تکمیل میں اخراجات کی اتنی طویل فہرست ہوجاتی ہے جس کی صاحب زمین اور خریدارمینبرداشت کی طاقت نہیں ہوتی؛اس لئے بسااوقات ایسا کر نا صاحب زمین کی مجبوری ہوتی ہے ؛اگر حکومتی تقاضوں کی تکمیل کو لازم قرار دیا جائے، تومتوسط طبقہ کے لوگوں کیلئے مہنگائی کے سبب رہائشی مکانات کی تعمیر کیلئے زمین کی خریداری بہت مشکل ہوجائے گی، جبکہ کہ یہ عوام الناس کی سخت ضرورت ہے ،جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، اس پس منظر میں اگر ہم اس مسئلہ پر غور کریں توخیال ہوتا ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بغیرانھیں زمین فروخت کرنے کی اجازت ہونی چاہئے ،حسب ذیل قوائد سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

''القاعدۃ:الضررالأشد یزال بالضررالأخف، الألفاظ الأخری یختار أہون الشرین أو أخف الضررین یدفع أعظم الضررین باحتمال أخفہما، إذا اجتمع الضرر ان أسقط الأصغرالأکبر یدفع شرالشرین''(القوعد الفقہیۃ ١٫٢١٩)۔

''أن من ابتلی ببلیتین وہم متساویتان یأخذ بأیتہما شاء وإن اختلفتا یختار أہونہما لأن مباشرۃ الحرام لا تجوز إلا للضرروۃ ولاضرورۃ فی حق الزیادۃ'' (الوجیز فی ایضاح القوعد الفقہ الکلیۃ١٫٢٦٠) ۔

**انکم ٹیکس سے بچنے کی خاطر لون لینا:**

جواب ٨ :حکومت مختلف چیزوں(زمین،مکان،سڑک،اورروپیہ کی خاص مقدار)پر ''ٹیکس ''لاگو کرتی ہے جس کا بنیادی مقصد حکومتی اخراجات کی بھرپائی ہوتی ہے ، کیونکہ حکومتی اخراجات بہت ہی زیادہ ہوتے ہیں؛اگر حکومت ٹیکس لینا چھوڑدے تو پھر حکومت کی طرف سے عوام کو مختلف قسم کی جومراعات اورسہولتیں(غریب اورمفلوک الحال کیلئے رہائشی مکانات کی تعمیر،عمر کی ایک خاص دہلیز پر پہنچنے پر وظیفہ کا انتظام ، کسان اور مزدور طبقہ کے لوگوں کے لئے بیج کی معمولی قیمت میندستیابی اور بیماروں کے لئے فری علاج ومعالجہ کاانتظام وغیرہ )فراہم کی جا تی ہیں ،آخروہ کہاں سے پوری کی جائیں گی؟دوسری بات یہ کہ ٹیکس کی رقم بالکل معمولی ہوتی ہے ،جسے بسہولت اداکیاجاسکتا ہے، غرض اس میں عوامی مفادات کا پہلو غالب ہوتا ہے اوراسی کے ساتھ ساتھ اور بھی چیزیں ہوتی ہیں جوضمنی طور پر عوامی مفادات سے ہی جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سود ی لین دین کی شریعت میں سخت مذمت آئی ہے ؛اس لئے بلاعذر شرعی مسلمانونکو سود ی لین دین سے اجتناب کرناچاہئے ؛تاہم شریعت نے بوقت

ضرورت ممنوعات کے استعمال کی اجازت دی ہے ،جہاں تک مسلمانوں کے اس کاروبار میں موجودہونے کا سوال ہے تو انہیناس کاروبارمیں آناچاہئے مگر کذب بیانی اورغلط بیانی سے اجتناب ضروری ہے ،لہٰذاتمام باشندگا ن ہندپرایک ہندستانی شہری ہونے کے نا طے دستور ہند کے مطابق عمل کرنا قیام امن کی خاطرضروری ہوگا،نیز اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں حکومت کا تعاون کرناہے جو شریعت میں محمود اور پسندیدہ ہے ،اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''تعاونوا علی البر والتقوی''؛ اس لئے ایک مؤمن کو جب کہ وہ اس کا متحمل ہو جائے اس کی ادائے گی میں پیش قدمی کرنا چاہئے، نہ یہ کہ ٹیکس سے بچنے کی خاطر جھوٹ اور کذب بیانی کا سہارالے ؛اس لئے ٹیکس سے بچنے کی خاظر ایساکرنا جائز نہیں ہوگا ،شریعت مطہرہ نے کسب معاش کی جائز راہوں کی نشاندہی کی ہے، انہیں اختیار کرناچاہئے، حصول زرکی حرص وہوس میں ایساکرنا مسلمانوں کاشیوہ نہیں ہے ،لہذاحتی المقدور اس سے بچناچاہئے۔

**نمبر کے ذر یعہ تعیین مبیع کی تفصیل:**

جواب ۹ : صحت بیع کیلئے بیچی جانے والے چیز(مبیع)اور اس کے عوض میندی جا نے والی چیز(ثمن) کی تعیین ضروری ہے، تعیین کا مطلب یہ ہے کہ مبیع اورثمن اس طور پر متعین ہو نکہ عاقدین کے درمیان جہالت کے سبب نزاع اور جھگڑ ے کاسبب نہ بنے ؛لیکن صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوگی یا نہیں ؟تو اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ کالونی کے جس ٹکڑے کو فروخت کیا گیا ہے،اگرزمین کی فروختگی کے وقت بائع زمین کی تعیین کے ساتھ ساتھ اس کے متعینہ نمبر کی بھی وضاحت کردے اورمشتری اس کا مشاہدہ بھی کرلے،تواس صورت میں تعیین مبیع کی بنیاد پر خریدو فروخت کا عمل درست ہوگا ؛کیونبیع کا اصول ہے کہ جب مبیع متعین ہواورسبب نزاع نہ ہوتو بیع منعقد ہوجاتی ہے۔

اسی طرح اگر بائع صرف نمبر کی تعیین کردے، جگہ کی تعیین نہ کرے اور مشتری کوصرف مطلوبہ نمبرکی زمین سے مطلب ہوخواہ وہ کسی جگہ ہواوروہ اس پر راضی بھی ہوتواس صورت میں بھی خریدوفروخت کا عمل درست ہوگا، یہ تواصولی بات تھی، لیکن اس سلسلہ مینجس عمل کاتذکرہ کیاگیا ہے وہ بہرصورت جھگڑے اور نزاع سے خالی نہیں ہے؛کیوں کہ بائع کے جگہ اور نمبرکی تبدیلی کے اختیار کی بنیاد پرنزاع اورجھگڑے کاوقوع ہوسکتاہے ،وہ اس طور پر کہ نقشہ کے مطابق زمین بالکل سڑک کنارے تھی اب جبکہ بائع اپنے اختیار کی بنیاد پرکسی قسم کی تبدیلی(دائیں نمبر والی زمین بائیں جا نب )کرے گا تو ظاہر ہے کہ یہ عاقدین کے درمیان آپسی اختلاف کاسبب بنے گا، دوسری صورت میں اگرصرف متعینہ نمبر کی زمین سے ہی مطلب ہو تواس کی گنجائش ہوگی؛ لیکن مشتری کی نیت کب بدل جائے اس کاکوئی بھروسہ نہیں ؛اس لئے نمبر کی تعیین کے

ذریعہ خریدوفروخت کا عمل درست نہیں ہوناچاہئے ؛چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

''ومعلومیۃ المبیع،ومعلومیۃ الثمن بمایرفع المنازعۃ فلا یصح بیع شاۃ من ہٰذا القطیع'' (ردالمحتار ،کتاب البیع :۱۵،۷)۔

علامہ کاسانی ؒ لکھتے ہیں:

''ومنہا أن یکون المبیع معلوما والثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فإن کان أحدہما مجہولا جہالۃ مفضیۃ إلی المنازعۃ، فسد البیع وإن کان مجہولا جہالۃ لاتفضی إلی المنازعۃ لایفسد، لأن الجہالۃ إذا کانت مفضیۃ إلی المنازعۃ کانت مانعۃ من التسلیم والتسلم فلایحصل مقصود البیع، وإذا لم تکن مفضیۃ إلی المنازعۃ لا تمنع من ذٰلک فیحصل المقصود''(بدائع الصنائع:۳۵۵،۴ ،البحر الرائق:۴۳۶۵،ط:دارالکتاب دیوبند)۔

**مالک زمین کے کاشت کرنے سے مشتری کی ملکیت متاثر ہوگی یا نہیں؟**

جواب۱۰: بیع کا اصول یہ ہے کہ بیچنے والا جب خریدارسے سامان کی قیمت وصول کرلے، تو اس کا فریضہ ہوتاہے کہ اب وہ زمین خریدار کے سپرد کردے،فروختگی کے بعد اس کا اپنے کسی مصرف میں استعمال کرنادرست نہیں ہے ؛تاہم اس کی وجہ سے مشتری کی ملکیت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، مالک زمین وہی ہے اوررہے گا ؛چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

''أن ینقد الثمن إلیہ؛ لأن ملک المشتری مشغول بملک البائع، فکان علیہ تفریغہ وتسلیمہ'' (البحرالرائق۵،۵۰۱)۔

رہی بات خریدار کے مالک بننے کی تو وہی اس کا مالک ہوگا؛کیوں بائع کے ایجاب کی بنیاد پر جب خریدار نے قیمت دے دی اور بیچنے والے نے قیمت بھی وصول کرلی، توپھر اس پر بیع کا حکم نافذ ہوگا ،چنانچہ علامہ شامی ؒ لکھتے ہیں:

''وقولہ:(وحکمہ ثبوت الملک)أی فی البدلین لکل منہما فی بدل ،وہذا ہو الحکم الأصلی، والتابع وجوب تسلیم المبیع والثمن'' (ردالمحتارعلی الدرالمختار شرح تنویر الابصار ۱۶،۷، ط:دارالکتب العلمیہ،بیروت)۔

**کاغذی نقشہ کی بنیادی پر زمین کی خرید وفروخت :**

جواب ۱۱ : خرید وفروخت کااصول یہ ہے کہ مشتری مبیع پہلے اپنی تحویل میں لے لے، پھر فروخت کرے؛کیوں کہ تحویل میں لینے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں بسااوقات ایسی دشواریا ں پیداہوجاتی ہیں،جس کی انتہا ء فسخ بیع ہوتی ہے،اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہروہ معاملہ جس مینقبضہ سے پہلے عقدفسخ ہونے کاامکان ہواس کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں ہوتی ہے ،نیزاس صورت میں ایک طرف مشتری کے ساتھ دھوکا اور فریب ہے،تو دوسری طرف بائع کیلئے ذلت ورسوائی بھی؛ اس لئے اس سے بچنا ازحد ضروری ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:''لایحل سلف وبیع ولاشرطان فی بیع ولا ربح مالم

یضمن ولابیع مالیس عندک" (ترمذی:باب ماجاء فی کراہیۃ بیع مالیس عندک، حدیث نمبر: ۱۲۳۴) (قرض اور بیع جائز نہیں ہے،اورایک بیع میں دوشرطیں جائز نہیں ہے اورجو شئ اپنے ضمان اورذمہ داری میں نہیں آئی اس کانفع اور فائدہ حلال نہیں اور جوشئ اپنے پاس نہیں (جس کامالک نہیں)اس کی بیع جائز نہیں)۔

کاغذی نقشہ کی بنیادپر خرید وفروخت کرنے کی دوصورتوں میں سے ملکیت مع القبض کی صورت مینزمین کی فروختگی درست ہوگی اوردوسری صورت میں جب کہ زمین پر ملکیت کے ساتھ ساتھ قبضہ بھی حاصل ہوجائے توبھی فروخت کرنادرست ہوگا؛کیوناس صورت مینبائع سہولت کے ساتھ مبیع مشتری کے سپرد کرسکتا ہے،اور یہی چیز بیع کے اندر مقصود بھی ہوتی ہے، البتہ مسقبل مینحصول ملکیت کی بنیاد پر بیع درست نہینہوگی؛کیوں کہ وقت مقررہ پر قیمت ادانہ کرنے کی صورت میں مبیع کے معدوم ہونے کے ساتھ ساتھ،قانونی رکاوٹ کے پیداہونے کابھی قوی امکان ہے اور بیع کامسلمہ اصول ہے کہ بیع خطرات پرمعلق ہونے کی صورت میں منعقد نہیں ہوتی ہے؛علاوہ ازینبیع کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ مبیع بوقت عقد موجود ہو ،آپ ﷺکاارشادہے:"لا تبع مالیس عندک" (سنن ابودؤد:حدیث: ۳۵۰۳،سنن نسائی:حدیث نمبر: ۳۶۱۳)(جوچیز تمہاری ملکیت میں نہ ہو اسے مت بیچو)۔

خلاصہ یہ کہ مشتری زمین کا کامل مالک نہیں ہے ،جس کی وجہ سے بیع کے فسخ ہونے کا قوی امکان ہے ؛اس لئے محض مستقبل مینقبضہ کے ممکن ہونے کی بنیاد پر کسی کیلئے بھی خریدوفروخت کرناجائزنہیں ہوگا۔

سامان تحویل میں لینے سے قبل تصرف کرنے کے سلسلہ میں فقہائے احناف نے ایک قاعدہ تحریرکیاہے:

"والأصل:أن کل عوض ملک بعقد ینفسخ فیہ العقد بہلاکہ قبل القبض، لایجوز التصرف فیہ کالبیع، وَلأُجْرۃ ------وکل عوض ملک بعقد لا ینفسخ العقد بہلاکہ قبل القبض یجوز فیہ التصرف فیہ"(بدائع الصنائع:۴،۳۹۶،ط:دارالکتاب دیوبند)۔

نیز علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ومنہا:القبض فی بیع المشتریٰ المنقول، فلایصح بیعہ قبل القبض لما روي أن النبی ﷺ:نہی عن بیع مالم یقبض (ابوداؤد) ولنہی یوجب الفسادالمنہی، ولأنہ بیع فیہ غررالانفساخ بہلاک المعقود علیہ، لأنہ إذا ہلک المعقود علیہ قبل القبض یبطل البیع الأول، فینفسخ الثانی، لأنہ بناہ علی الأول وقد نہی رسول اللہﷺ عن بیع فیہ غرر، سواء باعہ من غیربائعہ، أومن بائعہ لأن النہی مطلق لا یوجب الفصل بین البیع من غیربائعہ،وبین البیع من بائعہ،وکذامعنی الغرر لایفصل بینہما،فلایصح الثانی والأول علی حالہ ولایجوز إشراکہ وتولیتہ؛ لأن کل ذٰلک

بیع'' (بدائع الصنائع، کتاب البیوع۴،۳۹۴،نیز دیکھئے:ہدایہ:آخرین،۵۸،باب بیع المرابحۃ)۔
علامہ برہان الدین لکھتے ہیں:
''وبیع المبیع قبل القبض لایجوز''(ہدایہ آخرین، کتاب الصرف:۸۹، ط:مکتبۃ الاتحاد دیوبند)۔

**خرید فروخت کاغلط طریقہ:**

جواب ۱۲: سوال میں بنیادی طور پر چند شقین ہیں جن سے مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے وہ یہ ہیں:

(الف)خریداری کے وقت دلال خریدار سے صرف یہ کہہ دیتاہے کہ اس زمین میں ایک قطعہ آپ کا ہے، کون ساحصہ ہے اس کی تعیین نہیں کرتا۔

(ب) مشتری کی ملکیت پر بحیثیت دلال کوئی کاغذی وثیقہ یادستاویز نہیں دیتا جس کی بنیاد پر یہ یقین کیاجاسکے کہ وہ اب اس زمین کا مالک ہوچکا ہے، صرف زبانی وعدہ ہوتا ہے۔

(ج) مشتری اگراسے فروخت کرناچاہے تو وہ ازخود فروخت نہینکرسکتا؛بلکہ دلال ہی فروخت کرے گااور اپنی دلالی کی قیمت بھی وصول کرے گا۔

(د)زمین اصل مالک زمین سے ٹرانسفر تک نہیں ہوتی ہے۔

ذکرکردہ جزئیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام جزئیات بیع کی روح کے بالکل خلاف ہیں: پہلی صورت اس طور پر کہ بوقت عقد مبیع کی تعیین ضروری ہے اور یہانصرف قطعہ زمین کی طرف مبہم اشارہ ہے جوکہ مبیع کی تعیین کیلئے ناکافی ہے ؛چنانچہ علامہ شامی لکھے ہیں:''ومعلومیۃ المبیع، ومعلومیۃ الثمن بما یرفع المنازعۃ فلا یصح بیع شاۃ من ہٰذا القطیع'' (ردالمحتار، کتاب البیع ۱۵،۷)۔

دوسری صورت اس طور پرکہ ملکیت میں آنے کا انحصار عقد کے درست ہونے پر ہے جب عقد درست نہینتو ملکیت کیوں کر ثابت ہوگی ؟دوسری اورآخری بات یہ ہے کہ دلال مبیع پر مشتری کی ملکیت پر کوئی کاغذی وثیقہ نہیں دیتا کہ بصورت اختلاف مشتری عدالت میناس وثیقہ کی بنیاد پرمقدمہ دائر کرکے اپنا حق وصول کرسکے ، مشتری کا مقصداگرچہ زمین خرید نانہیں ہوتا، صرف پیسہ ہی کمانا ہوتا ہے؛لیکن اگرفرض کیجئے دلال مشتری کی دی گئی اصل رقم ہی کا انکار کربیٹھے تو متوقع نفع کے ساتھ اصل رقم بھی جائے گی جسے ہم غرر کہہ سکتے ہیناور شریعت مطہرہ نے غررپر مبنی بیع سے منع کیا ہے۔

تیسری صورت اس طورپر کہ بائع مشتری کو مبیع مینتصرف سے روکے تو یہ بھی درست نہیں ہے ؛کیوں کہ عقد مبیع میں کلی تصرف کا تقاضاکرتا ہے، اوریہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہے ، اور مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے سے بیع فاسدہوجاتی ہے؛ لہٰذایہ بیع فاسد ہوجائے گی، چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒلکھتے ہیں:''ہذہ الشروط لا

یقتضیہ’’(ہدایہ، کتاب البیوع، باب بیع الفاسد۴۳،ط:مکتبۃ الاتحاد دیوبند)۔

چوتھی صورت اس طور پرکہ بیع کا اصول ہے کہ جب مشتری سامان کی قیمت اداکردے توبائع کا فریضہ ہوتا ہے کہ سامان خریدار کے حوالے کردے؛ جبکہ یہاں ایسانہینکیا گیا ہے ،خلاصہ یہ کہ یہ محض پیسہ کمانے کاایک دھوکا اور غررپر مبنی طریقہ ہے جسے بیع کانام دے دیا گیا ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں؛ اس لئے اس طرح سے خرید فروخت جائز نہیں ہوگی،نبی کریم ﷺ نے غرر پر مبنی بیع سے منع فرمایا:’’نہی عن بیع الغرر‘‘ (صحیح مسلم،حدیث نمبر: ۱۵۱۳)۔

**اشیا ء پر ملکیت کا دارو مدار:**

جواب ۱۳ : اشیاء پر ملکیت کے حصول کاداروممدار بائع کے ایجاب اور قبول پر ہے، یعنی جیسے ہی بائع نے کہا میں نے اپنا یہ سامان بیچا، مشتری نے کہا میں نے اسے خریدااوراسی کے ساتھ ساتھ اس نے معاہدے کے مطابق قیمت بھی اداکردی ،توفقہاء نے اس کوحصول ملکیت کے لئے کافی قراردیا ہے؛چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

’’(وحکمہ ثبوت الملک) أی فی البدلین لکل منہما فی بدل، وہذا ہو الحکم الأصلی، والتابع وجوب تسلیم المبیع والثمن‘‘ (ردالمحتارعلی الدرالمختار شرح تنویر الابصار۷؍۱۶، ط:دارالکتب العلمیہ،بیروت) ۔

بائع کازمین کے بیچنے کے بعدمشتری کی راہ مینکسی قسم کی رکاوٹ ڈالنا حقیقت میں یہ بیع کی روح کے خلاف ہے؛ کیونکہ عقدبیع ملکیت مینکلی تصرف کاتقاضاکرتا ہے، مذکورصورت میں بیع کا اپنے مقصد سے منحرف ہوناظاہر ہے ؛لہٰذا اگر مشتری کو بیع سے کسی قسم کے ضرر کے پہنچنے کاامکان نہ ہو توبائع کواپنے مشتری کے ساتھ اس قسم کی زیادتی سے بچناچاہئے ،خواہ مخواہ اس کا اس سلسلہ میں آڑ بننا درست نہیں ہے۔

تاہم شئ پر ملکیت تومشتری ہی کی ہوگی ؛لیکن ازراہ ضرورت (جیسے مشتری زمین کسی ایسے شخص سے بیچ دے جو اس جگہ میں مقیم حضرات کی مصلحت کے خلاف اوراذیت وتکلیف کا باعث ہو )اسے اس کا حق ہوگاکہ وہ اسے کسی سے نہ بیچنے دے؛ بلکہ اسے خود ہی مناسب قیمت مینخرید لے یا پھر وہ جس کو مناسب سمجھے اس سے فروخت کردے ؛تاکہ مشتری کواپنے سامان کی مناسب قیمت مل جائے اور بائع مشتری کی بیع کے نتیجے مینہونے والے ضررسے محفوظ ہوجائے ،شریعت نے عاقدین کوجانبین سے ضررکے ختم کرنے کاحکم دیاہے ،چنانچہ ایک موقع سے نبی کریم ﷺ نے پڑوسی کو ضررپہنچانے سے سختی سے منع فرمایاہے :’’لا یدخل الجنۃ من لایأمن جارہ بوائقہ‘‘ (بخاری)۔

اس حدیث کی روشنی میں علامہ کاسانیؒ نے اس کی اجازت دی ہے :

‘‘حکم الملک ولایۃ التصرف للمالک فی المملوک باختیارہ لیس لأحد ولایۃ الجبر علیہ إلا لضرورۃ ولا لأحد ولایۃ المنع عنہ وإن کان یتضرر بہ إلا إذا تعلق بہ حق الغیر فیمنع عن التصرف من غیر رضاصاحب الحق وغیر المالک لا یکون لہ التصرف فی ملکہ من غیر إذنہ ورضاہ إلا لضرورۃ وکذلک حکم الحق الثابت فی المحل’’ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع : کتاب الدعوی:۵؍۳۹۴،ط:دارالکتاب دیوبند)۔

**جواب ۱۴:** زمین کی قیمتیں گرد وپیش کی سہولیات اور ماحول کی بنیاد پر کم اورزیادہ ہوتی رہتی ہیں، مثلا ایک جگہ جہاں قریب میں ضروریات کی ساری چیزینفراہم ہوں،ظاہر ہے اس کی قیمت اس زمین کے مقابلے میں زیادہ ہوگی جہاں سہولیات فراہم نہ ہوں،یاکوئی آبادی نہ ہویاآبادی تو ہو ؛لیکن مخرب اخلاق اور شرپسند لوگ ہوں؛اس لئے کہ یہی چیزیں خریدار کے لئے خریدنے کا سبب بنتی ہیں ،لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت مشتری(خریدار)نے زمین خریدی تھی اس کی قیمت معمولی تھی، لیکن خریدار کے قسطیناداکر نے سے قاصر اور عاجز ہونے کی وجہ سے،جب مالک زمین نے عقد بیع ختم کر دیاتواس سلسلہ مینایک تو یہ ہے کہ ایساکرنادرست ہے یا نہیں؟دوسرے یہ کہ فسخ معاملہ کی صورت میں دی گئی قسطوں کی واپسی کس اعتبارسے ہونی چاہئے ؟جبکہ زمین اب کافی قیمتی اور مہنگی ہوچکی ہے، آیاخریداری کے و قت کی قیمت یافسخ عقدکے وقت کی قیمت؟تواس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے:

(الف) ابتداء عقد مینیہ شرط طے پائی ہوکہ ہرماہ قسط کی ادائے گی لازم ہوگی ،عدم ادائے گی کی صورت میں معاملہ فسخ سمجھاجائے گا، تواس صورت میں عاقدین کوآپس میں کئے گئے وعدے کے مطابق معاملہ فسخ کر نے کی گنجائش ہوگی ؛تاہم بائع پردی گئی رقم کی واپسی ضروی ہوگی؛چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ لکھتے ہیں:‘‘ولواشتری علی إن لم ینقد الثمن إلی ثلاثۃ أیام فلابیع بینہما جاز فی قولہم جمیعا’’(ہدایۃ آخرین،باب خیار الشرط،ص:۱۴)۔

(ب) اگر ابتدائے عقد میں اس قسم کی کوئی شرط کاتذکرہ نہ ہو ؛بلکہ مطلقا سال دوسال میں قسط کی ادائے گی لازم ہو،اگرحسب وعدہ مشتری نصف یانصف سے زائدقسط اداکرنے کے بعد کسی وجہ سے ایک دوقسط وقت مقررہ پرادانہ کرسکے؛توایسے موقع سے شرعی نقطۂ نگاہ سے بائع کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ وقت مقررہ تک انتظار کرے، اگروقت مقررہ کے اندر اندرمشتری مابقیہ قسطیں ادا کردے تو شرعی اعتبارسے اسے معاملہ فسخ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی؛بلکہ وقت مقررہ تک اسے ادائے گی کیلئے مہلت دینامندوب ہے،جیساکہ آیت کریمہ (خیرلکم )کے مفہوم سے واضح ہوتا ہے؛تاہم مفسرین نے واجب قراردیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

‘‘وإن کان ذوعسرۃ فنظرۃ إلی میسرۃ وأن تصدقوا خیر لکم إن کنتم تعلمون’’(البقرۃ: ۲۸۰)۔

علامہ رازیؒ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وہوقول مجاہد وجماعۃ من المفسرین :إنہا عامۃ فی کل دین واحتجوا بماذکرنا من أنہ تعالی قال (وإن کان ذوعسرۃ) ولم یقل:وإن کان ذو عسرۃ، لیکون الحکم عاما فی المفسرین، وإن کان من علیہ المال معسرا وجب أنظارہ إلی وقت القدرۃ؛ لأن النظرۃ یراد بہا التأخیر، فلابد من حق تقدم حتی یلزم التأخیر، بل لما ثبت وجوب الأنظار فی ہذا بحکم النص ثبت وجوبہ فی سائر الصور ضرورۃ الاشتراک فی المعنی، وہوأن العاجز عن أداء المال لا یجوز تکلیفہ بہ، وہذا قول أکثر الفقہاء کأبی حنیفۃ ومالک والشافعی رحہم اللہ علیہم''(تفسیر رازی۷،۱۱۱)۔

فسخ بیع کی صورت میں رقم کی واپسی فسخ کے دن کے اعتبار سے ہوگی:

(ج) بائع اگر زیادتیٔ زرکے حصول کی خاطرایساکرے تو پھرمشتری جس قدر زمین کی قیمت اداکرچکاہے، اسے اس زمین کا مالک سمجھاجاناچاہئے؛تاکہ اگر بائع معاملہ فسخ بھی کرے تو مشتری کانقصان نہ ہو؛کیوں کہ قیمت کی ادائے گی کے بقدر ملکیت کے عدم تصور کی بنیاد پربائع معمولی معمولی صورت میں مشتری کو زمین سے سبکدوش کر کے زیادہ قیمت میں زمین بیچنے کی تمنا اورحرص کرے گا جس سے مشتری کا نقصان اور بائع کافائدہ بالکل واضح ہے ؛اس لئے مشتری اگر وقت متعینہ کے اندر اندر قیمت اداکرنے کامتحمل ہوجائے، پھر بائع معاملہ فسخ کردے تواس پردی گئی رقم کی واپسی فسح کے دن کے اعتبارسے سدذریعہ کے طور پرلازم ہونی چاہئے؛ تاکہ عاقدین ایک دوسرے کی ضرررسانی سے محفوظ رہ سکیں،آپ ﷺ نے اراشاد فرمایا:''لاضررولاضرار فی الإسلام (ابن ماجہ)۔

''وہذہ الآ یۃ (یاایہاالذین آمنوا أوفوا بالعقود) إشارۃ إلی الصبر عن شہوۃ کسب المال بالوجوہ المنکرۃ اوالمحرَّمۃ من الرشاوی وأخذ الأموال علی ترک الوجبات وفعل القبائح والمحظورات، فإن کل عاقل ینفر من الحرام ولایتقبل العفیف الشریف تلویث مکاسبہ بالمحرمات والشبہات''(التفسیر الوسیط۲،۱۲۹۹)۔

علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

''ومن اشتری عبدا فغاب (أی غاب المشتری قبل نقد الثمن) والعبد فی ید البائع وأقام البائع البینۃ أنہ باعہ إیاہ، فکانت غیبتہ معروفۃ لم یبع فی دین البائع لأنہ یمکن إیصال البائع إلی حقہ بدون البیع وفیہ إبطال حق المشتری، وإن لم یدر أین ہوبیع العبد وأوفی الثمن؛ لأن ملک المشتری ظہر بإقراره، فیظہر علی وجہ الذی أقر بہ مشغولاً بحقہ وإذا تعذر استیفاءہ من المشتری یبیعہ القاضی فیہ کالراہن وإذا مات المشتری إذا مات مفلسا والمبیع لم یقبض، بخلاف مابعد القبض لأن حقہ لم یبق متعلقا بہ ثم إن فضل شئ یمسک المشتری؛لأنہ لابدل حقہ،وإن نقص یتبع ہوأیضا''(ہدایۃ آخرین،کتاب البیوع،مسائل منثورۃ،ص: ۸۷ )۔

صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے مذکورہ مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، وہ اس طور پر

کہ اگر کوئی شخص سامان خریدکر قیمت کی ادائے گی سے قبل غائب ہوجائے توکیا بائع اس غلام کو جو فی الوقت اسی کے قبضہ میں ہے بیچ کر اپنی قیمت وصول کرسکتاہے یا نہیں؟تو اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مشتری کی جائے پناہ معلوم ہو تو بائع پر ضروری ہوگا کہ وہ اس غلام کو اس تک پہنچاکر اپنی قیمت وصول کرلے ؛لیکن بیچنے کاحق اس کو نہیں ہوگا ؛کیوں کہ اس کے خود کے دعوی کرنے کی وجہ سے مشتری کا حق اس سے متعلق ہوچکا ہے ،مگر علم ہی نہ ہو کہ کہاں گیا تو قاضی اسے فروخت کرے گا اور اس کی قیمت وصول کر کے بائع کو سپرد کردے گا ،فروختگی کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ جس قیمت کا غلام تھا اتنا ہی میں فروخت ہوا،دوسرے یہ کہ اس سے کم مینفروخت ہوا،تیسرے یہ کہ اس سے زائد مینفروخت ہوا،دوسری صورت مینما بقیہ کی وصول یابی مشتری کے ذمہ باقی رہے گی جب کبھی اس سے ملاقات ہوگی وہ مابقیہ قیمت اس سے وصول کرلے گا اور تیسری صورت میں بائع کی قیمت اداکر نے کے بعد باقی ماندہ رقم مشتری کیلئے محفوظ رکھ دی جائے گی ؛کیوں یہ قیمت اسی کے سامان کی ہے ،مالک سامان اپنے سامان کی قیمت کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس بیع کی بنیاد پرفقہاء نے بائع کو غلام بیچ کر اپنی قیمت وصول کرنے سے منع کردیاتو اس وقت جب کہ مشتری نے بائع سے کئے ہوئے معاہدے کے مطابق بیع پختہ کرنے کیلئے خطیر رقم بھی دے دی ہو،اگروہ کسی معقول عذرکی بنیادپرماہ دوماہ کی قسط کی ادائے گی وقت مقررہ پر نہ کرسکے تواس صورت میں بائع کو معاملہ فسخ کرنے کا حق کہانسے ہوگا؟دوسری بات یہ کہ جب نفس بیع کی بنیاد پر ثمن کی ادائیگی سے پہلے مبیع پر مشتری کاحق ثابت ہوچکاہے ،تو اس صورت میں بدرجہ اولی دی گئی رقم کے بقدرمشتری کی ملکیت قائم ہونی چاہئے..... لہٰذا مشتری اگر وقت کے اندراندر تمام قسطوں کی ادائیگی پر قادر ہوجائے توبائع کو معاملہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا ؛بالفرض اگرکرتا ہے تو اسے دی گئی رقم کی واپسی فسخ کے دن کے اعتبار سے کرنی ہوگی؛تاکہ عاقدین ایک دوسرے کہ ضررسے محفوظ رہ سکیں۔واللہ اعلم بالصواب۔

**دلال کی تعریف:**

جواب ۱۵ : خریدار اوربیچنے والے کے درمیان خریدوفروخت کی اجرت کے ساتھ ذمہ داری نبھانے والے محافظ شخص کو ‘‘بروکر ’’اور ‘‘دلال ’’سے موسوم کرتے ہیں؛ چنانچہ صاحب عون المعبودؒ نہایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال فی النہایۃ:السمسار القیم بالأمر الحافظُ لہ وہو اسم الذی یدخل بین البائع والمشتری متوسطا لإمضاء البیع والشراء انتہی’’ (عون المعبود وحاشیۃ ابن قیم:باب التجارۃ)۔

علامہ کاسانیؒ نے یہ تعریف کی ہے :

‘‘السمسار:ہوالذی یبیع اَوْیشتری لغیرہ بالأُجْرۃ’’(بدائع الصنائع۴،۱۸۴)۔

علامہ سرخسی نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

''والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالأَجْر بیعا وشراء'' (المبسوط للسرخسی ،باب السمسار: ۱۵،۱۱۴)۔

دسیسہ کاری سے حاصل کئے ہوئے مال کاحکم:

دلال کی حیثیت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''دلالی ''وکیل بالاجرت کے قبیل سے ہے ،وہ شرعی اعتبار سے مؤکل کی ہدایت کے مطابق کا م کی انجام دہی کا پابند ہے ،اس میں کمی بیشی کاحق اسے حاصل نہیں،مثلا: کسی شخص نے کسی کوسامان بیچنے یاخرید نے کیلئے اجرت پر لیا ،تو وکیل کاکام صرف اتناہے کہ وہ مؤکل کی بتائی گئی قیمت کے مطابق سامان بیچ کر قیمت یاخرید کرسامان دے دے،اور معاہدے کے مطابق مؤکل سے ''حق الخدمت '' لیکر درمیان سے علاحدہ ہوجائے، اگر وکیل اس کو دھوکا اور فریب کے ذریعہ روپیہ بٹور نے کا ذریعہ بنائے تواس سے حاصل شدہ رقم اس کیلئے مکروہ ہوگی؛کیوں کہ شریعت میں اپنے نفع کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیندی گئی ہے،چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:''لاضرر ولاضرار فی الإسلام''(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۷۷۸)، نیزمؤکل کے حکم کی خلاف ورزی توظاہر ہے،اور خریدار کے ساتھ ظلم اس طور پر ہے کہ کم قیمت کا سامان زیادہ قیمت میں بیچ کر اس نے خریدار کے ساتھ ظلم کیا ہے ؛جسکا اسے حق نہیں دیا گیا ہے۔

{یاأیہا الذین آمنوا أوفوا بالعقود}کی تفسیر میں علی الطنطاوی لکھتے ہیں :

''وہذہ الآیۃ إشارۃ إلی الصبر عن شہوۃ کسب المال بالوجوہ المنکرۃ أو المحرَّمۃ من الرشاوی وأخذ الأموال علی ترک الوجبات وفعل القبائح والمحظورت فإن کل عاقل ینفر من الحرام ولایتقبل العفیف الشریف تلویث مکاسبہ بالمحرمات والشبہات''(التفسیر الوسیط ۲،۱۲۹۹)۔

حضرت ابن عباسؓ کے اثر سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے :

''عن عبد اللہ ابن طاؤس عن أبیہ قال:سألت ابن عباس رضی اللہ عنہما مامعنی قولہ ؟لایبعن حاضرلباد، فقال: لایکن لہ سمسارا''(صحیح البخاری،باب النہی عن تلقی الرکبان،حدیث نمبر: ۲۱۶۳)، اس اثر میں حضرت ابن عباسؓ نے شہری کو دیہاتی کا دلال بنے سے منع فرمایا ۔

اثر مینوجہ ممانعت پرغورکرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت ابن عبا سؓ نے شہری کو دیہاتی کادلال بنے سے اس لئے منع فرمایاکہ اس کے دلال بننے کی وجہ سے اشیاء کی قیمتوں میں گرانی آئے گی جو اہل شہرکیلئے ضررکا باعث بنے گی ،خلاصہ یہ کہ اہل شہر کوضررکولاحق ہونے سے بچاناہے ،ظاہر ہے کہ یہ حکم ہراس دلال کاہوگا جس کے دلالی کے نتیجے میں اہل شہر کو ضررلاحق ہو۔

**مشروط عقد کا حکم:**

جواب(ب):بوقت فروخت دلال کمپنیوں کا اپنے خریدار سے یہ شرط لگا نا کہ جب کبھی زمین آپ کو بیچنا ہوتو آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کریں، کسی اور کو نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شرط لگا نا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ عقد تقاضاکرتا ہے مشتری کیلئے مبیع مینکلی تصرف کا،اس سے قبل بھی اس سے متعلق تفصیل آچکی ہے؛چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح کی بیع سے منع فرمایاہے:''نہی عن بیع وشرط'' (المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۴۳۶۱، مسند ابی حنیفۃ، روایتہ عن یحی ابن عامر الحمیری الکوفی).....تاہم اگر مشتری کی بیع سے ضرر پہنچنے کاامکان ہو تو بائع کواس کی اجازت ہوگی، بلاوجہ ایساکرنا درست نہیں ہے، دلیل (س:۱۳ کے جواب ) کے تحت گزرچکی ہے۔

* * *

# تیسرا باب

## مختصرتحریریں

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق چند مسائل

قاضی عبد الجلیل قاسمی•

الحمد لمن ھو أھلہ و الصلوۃ و السلام علی من لا نبی بعدہ، اما بعد!

۱- سرکاری اراضی کو سرکاری قانون کے مطابق مجاز افسران کے ذریعہ ہی خرید و فروخت کرنا جائز ہے، غنڈہ عناصر اور سیاسی لیڈران کی طرف سے زبردستی قبضہ کرکے خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲-اوقاف کی اراضی کو اوقاف کے مفاد میں قاضی کی اجازت سے فروخت کرنا جائز ہوگا، اس کے بغیر اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

۳- اگر موروثی زمین میں باپ داد ا نے اپنا حصہ فروخت نہیں کیا ہو، بلکہ ان کا حصہ باقی ہو تو ان کے وارثین کے لیے ان کے حصہ کے بقدر اراضی کو فروخت کرنا اور دوسروں کے لیے ان کا خریدنا جائز ہوگا۔

۴- جس شخص نے حرام آمدنی سے اراضی خریدی ہے، اگر وہ ان اراضی کو اس لیے فروخت کرتا ہے کہ ان کو فروخت کرکے رقم حقداروں کو واپس لوٹا دے، یا حقداروں کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس کو صدقہ کردے تو ایسی اراضی کا خریدنا جائز ہوگا، اس لیے کہ اس کے بغیر حق رسی ممکن نہیں ہے۔

۵-کالونی بنانے والے نے اگر مسجد کے لیے زمین کو وقف کردیا ہے تو اس کے لیے اس کو فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا، اور اگر وقف نہیں کیا ہے؛ بلکہ مسجد بنانے کا وعدہ کیا ہے تو اس کو فروخت کرسکتا ہے، البتہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

۶-کالونی میں پلے گرائونڈ یا گارڈن اس کے رہنے والو ں کی سہولت اور فائدے کے لیے ہے اور مسجد بھی ان ہی کی سہولت اور فائدے کے لیے ہے، اس لیے اگر ان کے مشورہ سے وہاں مسجد بنادی جائے تو اس کو جائز ہونا چاہیے اور اس کو شرعی مسجد کا حکم دیا جانا چاہیے۔

۷-اگر کالونی کی منظوری سرکار کی طرف سے بنانے سے پہلے لی جاتی ہے اور بعد میں بھی لی جاسکتی ہے اور بعد میں منظوری لینے میں اخراجات کم ہیں، تو بعد میں بھی منظوری لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہورہی ہے۔

۸-قرض لینے کے لیے فقیر و غریب ہونا ضروری نہیں ہے، مالدار آدمی بھی قرض لے سکتا ہے، اس لیے قانونی دشواریوں سے بچنے کے لیے کوئی سرکار سے لون لیتا ہے تو اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

۹-کالونی بنانے والا جو زمین فروخت کرتا ہے، اگر خریدار کے ساتھ یہ معاہدہ

---

• قاضی شریعت، مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف،پٹنہ۔

ہوجائے کہ کالونی کے لیے مقررہ ایریا میں ایک ایکڑ زمین اس کو دے گا، خریدار بھی اس پر راضی ہوجائے تو زمین تو متعین نہیں ہوگی، البتہ خریدار اس ایریا میں سے ایک ایکڑ کا حق دار ہوگا اور وہ بھی اسی طرح ایک ایکڑ کو فروخت کرسکتا ہے۔

۱۰-ظاہر ہے کہ جب خریدار غیر معین ایک ایکڑ کا مالک ہے تو کالونی بنانے والا اس پر کاشت کرسکتا ہے۔

۱۱-خریدار غیر معینہ پلاٹ کو فروخت کرسکتا ہے۔

الف-کالونی بنانے والا مالک ہو یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔

ب-یہ کہنا کہ کالونی بنانے والا مالک نہیں ہوتا ہے، ناقابل فہم ہے، اس لیے کہ اس طرح کی بیع ادھار ہوتی ہے، خریدار بیعانہ کی ایک مخصوص رقم دیتا ہے، تاکہ بائع کو اطمینان ہو کہ وہ خریداری سے فرار اختیار نہیں کرے گا، بلکہ مقررہ مدت میں ثمن پورا ادا کردے گا، اس لیے یہ کہنا کہ ابھی وہ اصل مالک کی ملکیت میں ہے، ناقابل فہم ہے، یہ دوسری بات ہے کہ مالک زمین کی نیت خراب ہوجائے یا کوئی دوسری رکاوٹ پیدا ہوجائے اور زمین نہ مل سکے، تو اس صورت میں تمام خریداریاں رد ہوجائیں گی، ثمن اس کے حقدار کو دیدیا جائے گا۔

۱۲-جس طرح اصل مالک سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے، اسی طرح اس کے وکیل سے بھی خریدنا جائز ہے، دلال اصل مالک کے وکیل ہوتے ہیں، اس لیے ان سے خریدنا بھی جائز ہے، خریدنے کے بعد وہ زمین خریدار کی ملکیت میں آجاتی ہے، رجسٹری ثبوت کے لیے ہے، ملکیت کے ٹرانسفر کے لیے نہیں ہے، ایجاب و قبول سے بیع تام ہوجاتی ہے اور ملکیت ٹرانسفر ہوجاتی ہے، جس طرح اصل مالک نے دلال کے ذریعہ فروخت کیا ہے، اسی طرح یہ خریدار بھی دلال کے ذریعہ فروخت کرسکتا ہے، نفع کے حصول کے لیے زمین کی خرید و فروخت جائز ہے۔

۱۳-اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے۔

۱۴-اگر بیع کے وقت یہ بات طے ہوگئی تھی، متعینہ مدت تک قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں بیع کینسل ہوجائے گی اور ادا کردہ ثمن کا حصہ واپس کردیا جائے تو یہ صحیح ہوگا، اور یہ چونکہ اقالہ ہے، اس لیے ادا کردہ ثمن ہی واپس ہوگا، اس میں کمی بیشی کی شرط لگانا جائز نہ ہوگا۔

۱۵-الف- اگر دلال نے مالک زمین سے طے کر لیا کہ مقررہ قیمت سے زائد میں فروخت کرنے کی صورت میں زائد رقم اس کی اجرت ہوگی اور زمین کا مالک اس پر راضی ہو تو اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہورہی ہے۔

ب-یہ صورت جائز نہیں معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ اگر بیع میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو مقتضاء بیع کے منافی ہو تو بیع فاسد ہوجاتی ہے۔

# اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق اہم مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی•

سوال (۱) وباللہ التوفیق: بعض لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یا غنڈہ عناصر سرکاری اراضی پر قابض ہوجاتے ہیں اور انہیں فروخت کرتےہیں، رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدوں سے وہ لے آوٹ بھی منظور کروالیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بڑے شہروں میں بہت ساری زمینیں اسی طور پر فروخت ہوتی ہیں، پھر خریدار سے بیچ دیتا ہے، اسی طرح کچھ لوگ اس پر مکان تعمیر کرتے جاتے ہیں اور کچھ اسے آگے فروخت کرتے جاتے ہیں۔

تو ایسی زمینیں براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ زمینیں غصب کردہ ہیں، اور دوسروں کی زمینیں ان کی ملک نہیں ہیں؛ بلکہ غصب کردہ ہیں اور غصب کردہ زمینوں کا فروخت کرنا اور خریدنا جائز نہیں ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

اس کےلئے اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے، جو صحیح مسلم مع تکملہ میں ہے:''عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل: إن رسول اللہﷺ قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوّقہ اللہ إیاہ یوم القیامۃ من سبع أرضین'' (رواہ مسلم، تکملہ صحیح مسلم۱،۶۷۳، باب تحریم الظلم وغصب الأرض)۔

ودل الحدیث علی تحریم الظلم والغصب وتغلیظ عقوبتہ، وعلی أن الأرض یمکن غصبہا، خلافاً لمن أنکر ذلک، اور صحیح مسلم میں اور بھی احادیث ہیں جن کو دیکھا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں حکم یہ ہے کہ ایسی زمینوں کو خریدنا جائز نہیں ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۲) وباللہ التوفیق: ایک افسوس ناک حقیقت یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ خود مسلمان اوقاف کی زمین غصب کرلیتےہیں، کبھی یہ زمین اتنی دور افتادہ ہوتی ہے کہ مقصد وقف کو اس سےکوئی نفع نہیں پہنچ پاتا ہے، بعض اوقات غیر مسلم حضرات کے قابض ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے، یا وہ اس کے کچھ حصے پر قابض ہوچکے ہوتےہیں، اور بعض دفعہ ایسی زمین بھی ہوتی ہےکہ جس کی واقعی مسجد ومدرسہ وغیرہ کو ہوتی ہے، لیکن صرف اللہ سے بے خوفی اور مال کی حرص ولالچ کی وجہ سے ان پر ناجائز قبضہ ہوجاتا ہے تو اوقاف کی ان مختلف قسم کی مخصوبہ زمینوں کو خریدنا جائز نہیں ہے۔

---

• صدر مدرس جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں مغصوبہ زمینوں کو خریدنا جائز نہیں ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۳) وباللہ التوفیق: بعض زمین موروثی طور پر ملتی ہیں، لیکن جن لوگوں کو زمین حاصل ہوتی ہے ان کے والد یا دادا کے وقت میں وراثت کی شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوئی تھی، جیسے والد نے پھوپھیوں کو حصہ نہیں دیا تھا،یا والد نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا تھا، تو اب بیٹوں یا پوتوں سے ان کی ایسی موروثی زمین کا خریدنا جائز نہیں ہوگا، اس کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ یوں نقشہ بناکر مفتیوں سے پوچھا جائے کہ دادا کا انتقال ہوا اس نے وارثین میں اولاد اور میت نے بہنونکو چھوڑا اور دادا کے ترکہ سے ان بہنوں کا حصہ الگ کیا جائے اگر زندہ ہوں تو ورنہ ان کی اولاد کو اور والد کا انتقال ہوا اس نے وارثین میں اپنی اولاد کو اور والد میت نے اپنی بہنوں کو چھوڑا، تو والد میت کے ترکہ سے میت کی اولاد کے حصے الگ کئے جائیں اور بہنوں کے حصے الگ کئے جائیں، اگر بہنیں زندہ ہوں تو ورنہ ان کی اولاد کو دیا جائےتو اب ان ورثہ کے حصوں کو خریدا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں ان کی ایسی موروثی زمین کا خریدنا جائز نہیں ہے، اس کے جواز کے لئے ان کا نقشہ بناکر ارباب افتاء سے پوچھا جائے تو مفتی حصے بتلا دے تواب ان کے ملے ہوئے حصوں کو ان سے خریدنا جائز ہوگا۔

سوال نمبر (۴) وباللہ التوفیق: ایک شخص کی آمدنی حرام تھی اور اس حرام کے ذریعہ اس نے ڈھیر ساری زمین حاصل کی، اور اب وہ اس زمین کو فرخت کرتا ہے تو جو لوگ ان حالات سے واقف ہیں، ان کے لئے ان زمین کا خریدنا درست نہیں، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۵) ، وباللہ التوفیق: حکومت کے قانون کے مطابق جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے اس میں سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے شدہ ہوتا ہے، پلے گراؤنڈ بھی چھوڑنا ہوتا ہے، اگر خالص مسلمانوں کی کالونی ہو تو کالونی بنانے والا ترغیب کےلئے مسجد کی جگہ بھی مقرر کرتا ہے، لیکن جب کالونی میں پلاٹنگ شروع ہوجاتی ہے تو راستوں کو چھوٹا کردیتےہیں اور پلاٹ میں شامل کرتے ہوئے اس کی بھی قیمت وصول کرتےہیں،پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پل کی جگہ بیچ دیتےہیں، یہاں تک کہ مسجد کی مقررہ جگہ بھی فروخت کردیتےہیں، تو بیچنے والے شخص کے لئے اس کے بنائے ہوئے نقشہ میں تبدیلی کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا، اور دوسرے لوگوں کا جانتے بوجھتے اس کو خریدنا جائز نہ ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کرنا اور دوسرے لوگوں کا جانتے بوجھتے اس کا خریدنا جائز نہ ہوگا، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۶)، وباللہ التوفیق: قانون کے لحاظ سے کالونی میں گارڈن اور پلے

گراؤنڈ رکھنا ضروری ہے، حکومت لےآوٹ کرنے کے لئے نقشہ میں ان چیزوں کو رکھواتی ہے اور جگہ مخصوص کرواتی ہے، لیکن زمین بیچنے والا مسلمانوں کو لبھانے کے لئے گارڈن کی بجائے مسجد کے لئے جگہ دیدیتا ہے،او رجو زمین قانون اور حکومت سے معاہدہ کے مطابق گارڈن کی تھی، اسی جگہ مسجد بنا دی جاتی ہے، تو جو زمین قانون اور حکومت سے معاہدہ کے مطابق گارڈن کی تھی تو ان کا اس زمین پر مسجد بنانا درست نہ ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۴۴۴،۲ میں ہے کہ مسجد باعتبار لغت محل سجود کو کہتےہیں، اور شرعاً اس محل ومقام کو کہتے ہیں جس میں نماز کے لئے جو محل وقف کردیا جائے، چنانچہ مرقاۃ کی عبارت یہ ہے: ''والمسجد لغۃ محل السجود، وشرعاً المحل الموقوف للصلاۃ فیہ ''۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں گارڈن والی زمین پر مسجد بنانا درست نہ ہوگا اور وہ شرعی مسجد نہیں کہی جائے گی، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۷) وباللہ التوفیق: خلاصۂ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں بہر کیف قانونی تقاضوں کی تکمیل کئے بغیر کالونیاں بنانا اور پلاٹ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۸) ، وباللہ التوفیق: خلاصۂ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں قانونی دشواری سے بچنے کے لئے سودی قرض لیناجائز نہیں اور شہر میں بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت غریب ہے یہ خلاف حقیقت ہے، اور قسطونپر پلاٹ حاصل کرنا اور مکان کے مالک بننا درست ہے اور مسلمان تاجروں کے لئے لازم ہے کہ وہ جائز شرعی کاروبار کریں، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۹)،وباللہ التوفیق: خلاصۂ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجائے گی اور بیع وشراء کا یہ عمل درست ہوجائے گا، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۱۰)، وباللہ التوفیق: خلاصۂ کلام: یہ کہ صورت مسئولہ میں بائع کے اپنی کاشت کے کاٹنے کے بعد خواہ وہ کاشت کاٹنے کے وقت کو پہنچی ہویا نہ ہو، تو اس کے اپنی کاشت کاٹنے کے بعد خریدار اس کا مالک ہوجائے گا، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (۱۱)، وباللہ التوفیق: جس شخص نے پلاٹ خریدا ہے تو اس سے پہلے کہ اس کا پلاٹ متعین ہو صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر وہ اپنی زمین کسی اور سے فروخت کردیتا ہے، تویہ بیع درست نہ ہوگی، اس کی دوصورتیں ہوتی ہیں:

الف: ایک یہ کہ زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی تھی اور اس نے پلاٹس فروخت کئے تھے، تو ملکیت میں آجانے کے بعد اس کا پلاٹس کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے۔

ب: دوسری صورت یہ کہ زمین ابھی مالک زمین کی ملکیت میں ہوتی ہے، کالونی بنانے والا اس کی اجازت سے (جو اکثر اوقات اسٹامپ پیپر ہوتی ہے) پلاٹنگ کرتا ہے اور اس کو بیعانہ کی ایک رقم دیدیتا ہے اور وہ ایک مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے قانونی رکاوٹ پیدا ہوگئی تو پھر زمین مالک زمین ہی کے پاس رہ جاتی ہے تو اس صورت میں پلاٹنگ کرنے والے کا پلاٹ بیچنا درست نہیں ہے، اور پھر اس سے پلاٹ خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو بیچ دینا جائز نہ ہوگا، واللہ سبحانہ اعلم۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ صورت مسئولہ میں صرف کاغذی نقشہ کی بنیاد پر پلاٹ خریدنے والا اپنی زمین کو کسی اور سے فروخت کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اور (الف) ملکیت میں آجانے کے بعد اس کا پلاٹس کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے، اور (ب) قانونی رکاوٹ پیدا ہونے کے بعد پلاٹنگ کرنےو الے کا پلاٹ بیچنا درست نہیں، پھر اس سے پلاٹ خریدنےوالے شخص کا اگلے شخص کو بیچ دینا جائز نہ ہوگا، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (١٢)، وباللہ التوفیق: خلاصۂ کلام: یہ کہ صورت مسئولہ میں شرعاً یہ شکل درست نہیں، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (١٣)، وباللہ التوفیق: اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت نہ ہوگی، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال نمبر (١٤) ، وباللہ التوفیق: خلاصۂ کلام: یہ کہ صورت مسئولہ میں شرعاً یہ درست نہیں، واللہ سبحانہ اعلم۔

سوال (١٥)، وباللہ التوفیق: الف: آسان شکل تو یہ ہے کہ دلال زمین کا گاہک لائے اور اپنی دلالی وصول کرلے، لیکن دلال زمین کی قیمت کالونی بنانے والے سے معلوم کرتا ہے پھر اس کو اپنی من مانی قیمت پر بیچتا ہے، زمین والے نے جتنی قیمت بتلائی تھی اس کو اتنی دیتا ہے اور باقی کو اپنے لئے جائز سمجھتا ہے، یہ شرعاً درست نہیں۔

ب: وباللہ التوفیق: دلال کمپنیاں جو شکل سب سے زیادہ استعمال کررہی ہیں وہ یہ ہے کہ زمین بیچ دیتے ہیں، لیکن قبضہ نہیں دیتے اور ان کو کہہ دیتے ہیں کہ جب بھی آپ کو بیچنا ہو تو آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کرینگے کسی اور کو نہیں تو یہ مشروط بیع جائز نہیں شرعاً، واللہ سبحانہ اعلم۔

الف: خلاصہ کلام یہ کہ یہ شرعاً درست نہیں۔

ب: خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مشروط بیع شرعاً جائز نہیں، واللہ سبحانہ اعلم۔

# زمین کی خریدوفروخت

مولانا مفتی ظہیر احمد قاسمی•

(۱) معلوم ہوتے ہوئے ایسی زمینوں کا خریدنا درست نہیں، اس میں تعاون علی الاثم بھی ہے، تاہم وہ ایسی صورت میں مالک ہوجائے گا۔

(۲) معلوم ہوتے ہوئے ایسی زمینوں کا خریدنا شرعاً درست نہیں، اس میں تعاون علی الاثم بھی ہے۔

(۳) مذکورہ زمینوں کو خریدا جاسکتاہے، تاہم ان کے وارثین کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، حقوق ادا نہ کرنے پر گناہ گار ہونگے، اورآخرت میں وہ ان حقوق کا بدل ادا کرینگے اور سزا بھگتینگے، وراثت کے شرعی طور پر تقسیم کرنے کی ترغیب دیتے رہنی چاہئے، خریدنے کی گنجائش اس لئے ہوگی؛ کیونکہ مخصوص کوئی قطعہ اراضی متعین نہیں کہ قطعہ فلاں وارث کا ہی ہے۔

(۴) اگر پوری آمدنی حرام نہ تھی، بلکہ کچھ حصہ حرام آمدنی کا تھا اور کچھ حلال، تو ایسی صورت میں اس سے خریداری کی جاسکتی ہے، تاہم اگر بالکل پوری حرام آمدنی ہو تو پھر ا س سے خریدوفروخت کا معاملہ کرنا درست نہ ہوگا۔

(۵) جانتے بوجھتے ہوئےخریدنا درست نہیں، اس میں تعاون علی الاثم ہے، لیکن اگر علم ہونے کے باوجود وہ خرید لیتا ہے تو وہ مالک ہوجائے گا، کیونکہ اس نے اس زمین کو بالعوض وصول کیا ہے اور کونسا حصہ روڈ کا ہے اورکونسا حصہ پلے گراؤنڈ وغیرہ کا ہے متعین نہیں۔

(۶) قانون کی خلاف ورزی کرنا درست نہیں، لیکن پھر بھی اگر کسی نے وہ جگہ مسجد کے لئے وقف کردی تو وہ وقف ہوجائے گی اور مسجد شرعی شمار ہوگی، کیونکہ مذکور ہ زمین اسی کی ملک ہے، اس نے ایک معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے جس کا وہ گناہ گار ہوگا۔

(۷) قانونی تقاضوں کو پورا کئے بغیر کالونیاں بنانا اور پلاٹ فروخت کرنا ٹھیک نہیں، اس کی ہمت شکنی کی جانی چاہئے، لیکن ہمارے ملک میں نظام بہت لچر ہے، غیر قانونی طور پر انجام دینا سستا ہوتا ہے اور قانون کے مطابق عمل کرنا بہت مہنگا ثابت ہوتا ہے، اس مینضرورت اس بات کی ہے کہ قانون کو بنایاجائے اور اس کا نفاذ عدل وانصاف

---

• مسجد سوہن حلوہ، کانپور ، یوپی۔

کے ساتھ ہو۔

تاہم ان حالات میں اگر کوئی خریدوفروخت کرتا ہے تو شرعاً اس کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس میں اصل خرابی قانون بنانے والوں اور اس کے نفاذ کرنے والوں کی ہے۔

(۸) مجبوری اور ضرورت پر بقدر ضرورت لون لینے کی بھی گنجائش ہے، بڑے ضرر سے بچنے کے لئے چھوٹے ضرر کو اختیار کیا جاسکتا ہے: ''الضر الأشد یزال بالضرر الأخف'' (قواعد الفقہ،۸۸)، ''الضرورات تبیح المحظورات'' (قواعد الفقہ،۸۹)، ''الضرورات تتقدر بقدرہا'' (قواعد الفقہ،۸۹)۔

(۹) زمین کی پوری طرح تعیین ہونی چاہئے، تاکہ مفضی الی النزاع نہ ہو، لیکن اگر خریدنے والا راضی ہے کہ آپ جہاں بھی جگہ دے دینگے ہم راضی ہیں تو اس صورت میں بیع درست ہوگی۔

(۱۰) اگر خریدار کی اجازت سے کاشت کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

(۱۱، الف) اس شکل میں جبکہ وہ اس کی ملکیت میں آئی تھی بالکل درست ہے ، جبکہ یہ مفضی الی النزاع نہ ہو، حنفیہ کے یہاں غیر منقولہ کا فروخت کرنا بغیر قبضہ کے بھی درست ہے۔

(ب) اس صورت میں بھی خریدوفروخت درست ہے، گویا وہ مالک زمین کی اجازت سے قسطوں میں زمین فروخت کررہا ہے۔

(۱۲) اگر کالونی بنانے والے نے مالک زمین سے کسی معاہدہ کے تحت کسی زمین کا سودا کرلیا ہے، اگرچہ زمین ابھی پورے طور پر ٹرانسفر نہ ہوئی ہو، یعنی داخل خارج نہیں ہوا، بلکہ اسٹامپ پیپر پر یا رجسٹری ہوئی ہے، تو اس صورت میں بھی اس طرح خریدوفروخت کرنا درست ہوگا، بشرطیکہ مفضی الی النزاع نہ ہو، اس درجہ تعیین ضروری ہے، تاکہ آگے چل کر کوئی جھگڑا وغیرہ نہ ہو۔

موجودہ قانونی پیچیدگیوں اور پوری رقم کا ایک دم سے حصول ممکن نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ایسا کرتے ہیں۔

معاملات میں حتی الامکان وسعت دی جانی چاہئے۔

(۱۳) ملکیت ثابت ہوجائے گی، اگرچہ پورے طور پر زمین متعین نہیں، اجمالی طور پر تعیین کافی ہوگی اگر خریدار راضی ہے۔

(۱۴) اگر معاہدہ میں یہ سب باتیں بالکل واضح کردی گئی تھیں کہ پوری رقم ادا نہ کرنے پر اتنی اتنی مدت میں ، یا اتنی قسطیں ادا نہ کرنے پر آپ کا سودا ختم ہوجائے گا، یہ سب معاہدہ میں موجود تھا تو اس طرح کرنا اس کا درست ہوگا، ورنہ نہیں۔

(۱۵، الف) اگر دلال نے پہلے کالونی بنانے والے سے اس طرح کا کوئی معاہدہ کرلیا ہے کہ میں نے یہ پلاٹ اتنے روپے میں لیا یا اتنے روپے میں اس پلاٹ کے ادا

کرلونگا، او رپھر وہ گاہک لاکر اس سے پیسے لے کر ایسا کرتا ہے تو زائد رقم لینا اس کے لئے درست ہوگا، ورنہ محض دلال بن کر زیادہ رقم کا مطالبہ درست نہیں، خریدار کو بھی تحقیق کرلینی چاہئے۔

(ب) اس طرح کی شرط کے ساتھ بیع درست نہیں، شرط فاسد ہے۔

# مختلف طرح کی زمینوں کی خریدوفروخت سے متعلق نئے مسائل

مفتی عبد المنان صاحب•

اللہ تعالی نےانسان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے جو چیزیں پیدا کی ہیں ، ان میں سب سے اہم زمین ہے، زمین ہی انسان کا مسکن بھی ہے اور اس کا مدفن بھی، وہی درختوں او رپودوں کے واسطہ سے رزق کی فراہمی کا ذریعہ ہے، جو جانور انسان کی غذا اور سواری وغیرہ کے کام آتے ہیں، ان کوبھی زمین ہی سے چارہ فراہم ہوتا ہے، اور ہماری سب سے بڑی ضرورت جس سے ہم دومنٹ بھی بے نیاز نہیں رہ سکتے، یعنی آکسیجن، زمین ہی میں پیدا ہونے والے درخت ان کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، دنیا میں کچھ تو وہ آلودگی ہے ، جو خود قدرت کی طرف سے ہے، اور آلودگی کا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے، جو قدرتی وسائل کے استعمال میں انسان کی بے احتیاطی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، ان آلودگیوں کو تحلیل کرنے کے دو بڑے قدرتی ذرائع ہیں: ایک سمندر دوسرے زمین، اسی لئے زمین انسان کی بہت محبوب شئی رہی ہے، دنیا میں اکثر جنگیں زمین کے لئے ہوتی ہیں، تجارتی نقطۂ نظر سے بھی زمین بڑی اہمیت ہے، اور آج کل بڑے اور چھوٹے شہروں میں بڑے بڑے تاجروں نے زمین اور فلیٹس کی تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا ہے، جہاں اس سے تاجروں کو معاشی فائدہ پہنچتا ہے، وہیں خریدار کو رہنے کی جگہ مل جاتی ہے، اور بعض تاجر غریبوں کے لئے لائق خرید بنانے کی غرض سے اقساط کی سہولت فراہم کردیتے ہیں، اس طرح متوسط اور کم آمدنی کے حامل لوگوں کو بھی شہروں میں مکان حاصل ہوجاتا ہے، تجارت کے اس شعبہ میں تاجروں اور گاہکوں کو بہت سے شرعی مسائل بھی پیش آتے ہیں، ان ہی مسائل سے متعلق درج ذیل سوالات وجوابات مندرج ہیں:

جواب (۱): بعض لینڈ گرابرس، سیاسی لیڈران یا غنڈ ہ عناصر سرکاری اراضی پر قابض ہوجاتے ہیں اور انہیں فروخت کرتے ہیں، رشوت کے ذریعہ سرکاری عہدہ داروں سے وہ لے آوٹ بھی منظور کروالیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بڑے شہروں میں بہت ساری زمینیں اسی طرح فروخت ہوتی ہیں، پھر خریدار اسے دوسرے خریدار سے بیچ دیتا ہے، اسی طرح کچھ لوگ اس پر مکان تعمیر کرتے جاتے ہیں او رکچھ اسے آگے فروخت کرتے جاتے ہیں، ایسی زمینوں کو براہ راست قابضین سے خریدنا یا ان سے خریدے ہوئے لوگوں سے خریدنا جائز ہے، جیسے فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

---

• مفتی دا ر الحدیث پرمائی بھٹی، نوگاؤں، آسام۔

''من غصب عبداً فباعہ واعتقہ المشتری ثم أجاز المولی البیع فالعتق جائز استحساناً وہذا عند أبی حنیفۃ وأبویوسف وقال محمد: لایجوز'' (فتاوی تاتارخانیہ۸؍۴۷۴)۔

یہاں غصب کردہ غلام کو فروخت کیا اور مشتری نے خرید کر آزاد کردیا، پھر مولی نے جب بیع کی اجازت دے دی تو عقد جائز ہوگیا، اسی طرح سرکاری زمین کا قبضہ غیر قانونی تھا، لیکن بعد میں متعلقہ عہدہ داروں سے لے آوٹ بھی منظور کروالیا ، اگرچہ لے آوٹ کی منظوری میں رشوت دیا ہو، اس رشوت دینے کا گناہ اس کو ہوگا اور اس پر توبہ لازم ہے، لیکن سرکاری منظوری ہوگئی ہے، لہذا متعلقہ عہدہ داروں سے منظوری لینے کے بعد اس زمین کو فروخت کرنا جائز ہوگا، اور اس سے خریدنا بھی جائز ہوگا، نیز فتاوی تاتارخانیہ میں مذکور ہے:الشراء بالمال کے تحت۱۲۱۴۵ نمبر مسئلہ میں لکھا ہے:

''رجل اکتسب مالا من حرام ثم منہ شیئاً فہذا علی خمسۃ أوجہ: (۱) إما إن دفع تلک الدراہم إلی البائع أولا ثم اشتری منہ بتلک الدراہم، (۲) أو اشتری قبل الدفع بتلک الدراہم ودفعہا، (۳) أو اشتری قبل الدفع بتلک الدراہم ودفع غیرہا، (۴) أو اشتری مطلقاً ودفع تلک الدراہم، (۵) أو اشتری بدراہم آخر ودفع تلک الدرہام، اختلف ابو نصر وابوبکر وابو الحسن، قال الکرخی: قال أبونصر یطیب لہ ولایجب علیہ أن یتصدق فی الوجہ الأول، وإلیہ ذہب الفقیہ أبو اللیثؒ لکن ہذا خلاف ظاہر الروایۃ فإنہ نص فی الجامع الصغیر: إذا غصب ألفاً فاشتری بہا وباعہا بالیقین یتصدق بالربح وقال أبوالحسن الکرخی فی الوجہ الأول والثانی لا یطیب ویتصدق وفی الوجہ الثالث والرابع والخامس یطیب وقال أبوبکر لا یطیب لہ ویجب علیہ التصدق فی الوجوہ کلہا: لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس'' (فتاوی تاتارخانیہ ۸؍۳۴۶)۔

اما م کرخیؒ نے چوتھی اور پانچویں وجہ میں جہاں مشتری نے وہی مال حرام مبیع کے ثمن میں ادا کیا پھر بھی یطیب لہ کا حکم فرمایا، پھر مصنفؒ نے امام کرخیؒ کے قول پر فتوی ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے لوگوں سے تنگی دور کرنے کےلئے، ویسا ہی سرکاری زمین کو پہلے اگرچہ غیر قانونی قبضہ کیا تھا، بعد میں جب متعلقہ سرکاری عہدہ داروں سے لے آوٹ کی منظوری لے لی، اب سرکاری منظوری لینے کے بعد اس زمین کو فروخت کرنا اس کے لئے جائز ہوگا، اور اسے خریدنا بھی جائز ہوگا، واللہ اعلم۔

جواب (۲): اوقاف کی غصب کردہ زمین کو خریدنا جائز نہیں ہوگا، جب بیچنا جائز نہیں تو خریدنا بھی ناجائز ہے، لیکن جبکہ مقصد وقف کو کوئی نفع نہیں پہنچتا یا غیر مسلم کے قبضہ میں ہو جاتا ہے یا بدمعاش لوگوں نے ناجائز قبضہ کرلیا ہے، اس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں رہتی یا ہڑپ ہونےکا غالب گمان ہے تو ایسی حالت میں قاضی شرعی کےحکم سے اس کی بیع درست ہوگی اور خریدنا بھی جائز ہوگا۔

جواب (۳): جو زمین موروثی طور پرملتی ہے، اگر وارث کے والد یا دادا کے وقت میں وراثت کی شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوئی تھی جیسے والد نے پھوپھیوں کو حصہ نہیں

دیا تھا یا دادا نے اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیا تھا، اب بیٹوں سے یا پوتوں سے ان کی ایسی موروثی زمین خریدنا جائز ہوگا یانہیں؟

اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی نے طویل بحث کی ہے جس کا اختصار یہ ہے:

''وفی حظر لأشباہ:الحرمۃ تتعدد مع العلم بہا إلا فی حق الوارث وقیدہ فی الظہیریۃ بأن لا یعلم بعینہ فلا شک فی حرمتہ ووجوب ردہ علیہ ہذا معنی قولہ وقیدہ فی الظہیریہۃ وفی منیۃ المفتی: مات رجل ویعلم الوارث أن أباہ کان یکتسب من حیث لا یحل ولکن لا یعلم الطالب بعینہ لیرد علیہ حل لہ الإرث؟ والأفضل أن یتورع ویتصدق بنیۃ خصماء أبیہ اھ

وکذا لایحل لہ إذا علم عین الغصب مثلاً وإن لم یعلم مالکہ کما فی البزازیۃ: أخذ مورثہ رشوۃ أو ظلماً إن علم ذلک بعینہ لا یحل لہ أخذہ وإلا فلہ أخذہ حکما، أما فی الدیانۃ فیتصدق بہ بنیۃ إرضاء الخصماء ، والحاصل أنہ إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیہم وإلا، فإن علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ، وإن کان مالا مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا یعلم أربابہ ولاشیئاً منہ بعینہ حل لہ حکما والأحسن دیانۃ التنزہ عنہ، وفی الذخیرۃ: سئل الفقیہ أبو جعفر عن من أکسب مالہ من أمراء السلطان ومن الغرمات المحرمات وغیر ذلک ہل یحل لہ لمن عرف ذلک أن یأکل من طعامہ؟ قال أحب إلیّ فی دینہ أن لا یأکل، وسعہ حکماً إن لم یکن ذلک الطعام غصباً أو رشوۃ وفی الخانیۃ: امرأۃ زوجہا فی أرض الجور إن أکلت من طعامہ ولم یکن عین ذلک الطعام غصبا فہی فی سعۃ من أکلہ: وکذا لو اشتری طعاماً أو کسوۃ من مال أصلہ لیس بطیب فہی فی سعۃ من تناولہ والإثم علی الزوج'' (شامی ۱۳۰،۴)۔

نیز درمختار کی عبارت ''بخلاف البیع الفاسد فإنہ لا یطیب لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ'' (۱۳۰،۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی موروثی زمین خریدنا جائز ہوگا۔

جواب (۴): ایسی زمین کا خریدنا درست ہوگا، ''ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ'' (الدر المختار ۱۳۰،۴، فتاوی محمودیہ)۔

جواب (۵): حکومت کےقانون کے مطابق جو لے آوٹ منظور ہوتا ہے، اس میں سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے شدہ ہوتا ہے، پلے گراؤنڈ بھی چھوڑنا ہوتا ہے، اگر خالص مسلمانوں کی کالونی ہو تو کالونی بنانے والا ترغیب کے لئے مسجد کی جگہ بھی مقرر کرتا ہے، لیکن جب کالونی کی پلاٹنگ شروع ہوجاتی ہے تو راستوں کو چھوٹا کردیا جاتا ہے اور پلاٹ میں شامل کرتے ہوئے اس کی بھی قیمت وصول کی جاتی ہے، پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ پول کی جگہ بھی بیچ دیتے ہیں، یہاں مدرسہ مسجد کی جگہ بھی فروخت کردیتے ہیں، بیچنے والے شخص کے لئے اس کے بتائے ہوئے نقشے میں تبدیل کرتے ہوئے عوامی مفادات سے وابستہ زمینوں کو فروخت کردینا اور دوسرے لوگوں کا جانتےبوجھتے اسکا خریدنا جائز نہیں ہوگا، چونکہ سرکاری قانون کے مطابق جو زمین جس چیز کے لئے متعین ہے کالونی بنانے والا اس کو تبدیل کرنے کا حق نہیں رکھتا، جبکہ وہ بیچنے والا مالک ہی

نہیں، جتنی جگہ پلے گراؤنڈ اور سوئمنگ کےلئے حکومت کی طرف سے دی جاتی ہے اس میں تبدیلی بھی درست نہیں، اتنی زمین بیچنا اور دوسرے کو خریدنا بھی درست نہیں، کالونی بنانے والا اپنی طرف سے مسجد کی جگہ متعین کرتا ہے، تو یہ اس کی طرف سے وقف ہوجائے گا،ا س کو بیچا نہیں جاسکتا ہے اور دوسرا شخص اس کو خرید بھی نہیں سکتا ہے، واللہ اعلم۔

ب: قانون کے لحاظ سے جبکہ کالونی میں گارڈن اور پلے گراؤنڈ رکھنا ضروری ہے، حکومت لے آوٹ منظور کرنے کے لئے نقشہ میں ان چیزوں کو رکھواتی ہے اور جگہ مخصوص کرواتی ہے، لیکن زمین بیچنے والا مسلمانوں کو لبھانے کے لئے گارڈن کی بجائے مسجد کےلئے جگہ دے دیتا ہے اور جو زمین قانون اور حکومت سے معاہدہ کے مطابق گارڈن کی تھی اس جگہ مسجد بنا دی جاتی ہے، ان کا اس زمین پر مسجد بنانا درست نہیں ہے اور وہ مسجد شرعی متصور نہیں ہوگی، جب تک سرکار سے منظوری نہ لی جائے۔

جواب (۷): کسی زمین کو کالونی کی حیثیت سے منظور کرانے مینجتنے مراحل طے کرنے کی قانونی طور پر ضرورت ہے، چاہے کسی سیاسی لیڈر کی مدد لے کر ان مراحل کو طے کرکے سرکاری منظوری لے کر کالونی بنانا ہی بہتر ہے، عافیت واطمینان بھی اسی میں ہے، ورنہ اندیشہ رہتا ہے کہ فورس کے ذریعہ کالونی کو خالی کرالیں، جیسے اس وقت آسام میں ہورہا ہے، ورنہ متعلقہ عہدہ داروں سے حتی الامکان کوششیں کرکے لے آوٹ منظور کرالیں، بہتر شکل یہی ہے۔

اصل میں سرکار کی ذمہ داری ہے کہ پبلک کو رہنے کی جگہ ومکان کا انتظام کرے، اس بنیاد پر کالونی کے لئے جتنے مراحل قانونا طے کرنے کی ضرورت ہے، یہ سرکار کی طرف سے متعلقہ محکمہ کی ذمہ داری ہونا چاہئے جس کو اب پبلک پر بوجھ ڈالا جارہا ہے، لہذا متعلقہ محکمہ سے رابطہ قائم کرکے مقامی سیاسی لیڈر کے ذریعہ سے حکومت سے منظور کرانے کی کوششیں کرنا چاہئے یا قانونی تقاضوں کو تکمیل کئے بغیر متعلقہ محکمہ سے رابطہ قائم کرکے کالونی بنانے کے بعد حکومت کی طرف سے منظور ی ہوجاتی ہے، جیسے عام طور پر کالونی بنائی جاتی ہے، تو پہلے مرحلہ اگرچہ غیر قانونی تھا، لیکن منظوری کے بعد جواز کی شکل اختیار کرلے گا، جبکہ اس وقت قانون کےدائرہ میں ہے اور اس کی خریدوفروخت بھی درست ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب (۸): سوال میں مذکورہ مشکلات کے حل کے لئے اورقانونی دشواری سے بچنے کے لئے لون لینا درست ہوگا، مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا گیا، لہذاتو بہ بھی کرتا رہے۔

جواب (۹): کالونی میں جو قطعہ زمین بیچا جاتا ہے وہ نقشہ پر درج ہوتا ہے اور زمین کے ہر ٹکڑے کا ایک نمبر ہوتا ہے، لیکن اس پر پلاٹس بنائے نہیں جاتےاور کالونی بنانے والے کے لئے اس بات کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ اس جگہ کو بدل کر یا نقشہ میں

جس پلاٹس کا جو نمبربتایا گیا ہے اس کو کسی اور جگہ ڈال دے، یہاں پلاٹس نمبر ڈال دینے سے متعین ہونا اصولی بات ہے، لیکن جبکہ نمبر تبدیل کرنے کی بھی گنجائش ہے اور نقشہ میں دیا ہوا پلاٹ کا نمبر بھی کسی اور جگہ ڈال دینے کی گنجائش ہونے کی وجہ سے اس کے لئے خریدوفروخت کا عمل درست ہوگا۔

جواب (۱۰): زمین کا جو حصہ بیچ دیا گیا مشتری اس کا مالک بن جاتا ہے،بیچنے والے کا کاشت کرنا درست نہیں ہے، مشتری کی اجازت سےیا رضامندی سے کاشت کرنے کی اجازت ہو تو جائز ہوگا۔

جواب (۱۱، الف): جب زمین کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آجاتی ہے تو اس کی خریدوفروخت کرنا درست ہے۔

(ب): جب زمین مالک ہی کی ملکیت میں ہوتی ہے، کالونی بنانے والا اس کی اجازت سے (جو اکثر اوقاف اسٹامپ پیپر پر ہوتی ہے) پلاٹنگ کرتا ہے، اور اس کو بیعانہ کی ایک رقم دے دیتا ہے اور ایک مقررہ مدت میں بقیہ رقم ادا کرنےکا پابند رہتا ہے، لیکن جب کسی وجہ سے قانونی رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے تو زمین مالک زمین ہی کے پاس رہ جاتی ہے، تو اس وقت پلاٹنگ کرنے والا کاپلاٹ بیچنا اور پھر اس سے پلاٹ خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو بیچنا جائز نہیں ہوگا، چونکہ کالونی بنانے والا اب تک زمین کا مالک نہیں ہوا، نہ روپے ادا ہوا اورنہ ہی رجسٹری ہوئی، صرف ایک وعدہ بیع ہے، لہذا کالونی بنانے والا اس کو فروخت نہیں کرسکتا اور نہ اسے خریدنے والا آگے بیچ سکتا۔

جواب (۱۲): یہ شکل کہ کالونی بنانے والا کچھ دلالوں کو ذمہ داری دیتا ہے کہ ہماری زمین بکوائیے، تو یہ دلال مارکیٹ میں مختلف گراہکوں سے بات کرتا ہے کہ ہمارے پاس مال ہے آپ پیسہ لگائیے، اس کو خریدئے، اسکی قیمت بڑھے گی جب قیمت بڑھے تو آپ بیچ دینا، زمین خریدنے والے کو زمین مقصودنہیں ہوتی، اس کو صرف پیسہ کمانا مقصود ہوتا ہے، وہ شخص زمین خرید لیتا ہے، خریدنے والا اصل مالک کو جانتا تک نہیں، نہ کوئی رجسٹری ہوتی ہے اور نہ کوئی کاغذی تحریر ہوتی ہے، صرف دلال اور خریدنے والے کے درمیان صرف زبانی سودا ہوتا ہے اور دلال اس کو یہ کہہ دیتا ہے کہ اس زمین میں ایک قطعہ آپ کا ہے اور اسے پیسہ وصول کرلیتے ہیں، اگر یہ شخص اپنا قطعہ بیچنا چاہے تو صرف وہی دلال بیچے گا، اگر اس کو دوسرا خریدار مل بھی جائے تو بھی وہ اس کو دلال سے ہی کہے گا اور دلال اس کو فروخت کرے گا اور اپنی دلالی وصول کرے گا، اس طریقہ سے یہ سلسلہ چلتا رہے گا جبکہ ابھی زمین کھیتی والے اصل مالک سے بھی ٹرانسفر نہیں ہوئی تو یہ شکل بھی ناجائز ہے،یہ بیع ما لا یملک کے قبیل سے ہے، چونکہ دلال اس زمین کےمالک نہیں ہے وہ بیچنے کا بھی مالک نہیں، لہذا یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔

جواب (۱۳): کبھی خود کالونی بنانے والے ایسا کرتے ہیں کہ وہ پلاٹ بیچ دیتے ہیں

اور قسطوں میں پیسہ بھی وصول کرلیتےہیں، اب اگر خریدار کو بیچنا ہے تو اس کوبھی کالونی بنانے والے سے ہی رابطہ کرنا ہوگا، اگر کوئی گراہک لاتا ہے تو بھی اسے ملانا ہوگا، خود کالونی بنانے والا بھی نہیں چاہتا کہ گراہک آئے، وہ خود ہی اس کو خرید لیتا ہے اور جو بھی قیمت میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا ہے اس کو ادا کرتا ہے۔

صورت دو وجہ سے ناجائز ہے:(۱) سود کی وجہ سے،(۲) اوربیع فی الشرط کی وجہ سے، جبکہ وہ خود بیچ نہیں سکتا، اس بائع سے ہی بیچنا ہوگا، یہ شرط بیع کے خلاف ہے، لہذا یہ بیع فاسد ہے:''نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع وشرط''۔

جواب (۱۴) : ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ پلاٹ قسطوں میں بیچ دیا جاتا ہے اور خریدار اس میں سے مثلاً پانچ یا آٹھ قسطیں ادا کرپاتا ہے، باقی قسطیں ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہوئی، حالانکہ سودا ہوچکا ہوتا ہے، صرف قسطوں کی ادائیگی باقی تھی، لیکن کالونی بنانےوالا اپنی طرف سے اس کو کینسل مانتا ہے، اب اگر بعد میں مشتری قسطیں ادا کرنا چاہے یا اپنی زمین کا مطالبہ کرے تو اس کو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ قسطیں وقت پر ادا نہیں ہوئیں، اس لئے آپ کا سودا کینسل ہوگیا، اور جتنی رقمیں قسطوں پر ادا کی گئی تھی اتنی رقم اس کو واپس کردیا جاتاہے، جبکہ اس نے جس وقت زمین خریدی تھی اس وقت اس کی قیمت بہت کم تھی اور اتنی ہی متعین ہوئی تھی، اب اس کی قیمت تقریباً پچاس گنا بڑھ چکی ہوتی ہے، ایسی صورت میں اگر واقعتاً وقت پر قسطیں ادا نہیں ہوئی تھی اور اس پر مشروط تھا تو بائع کو بیع کینسل کرنے کا حق ہوگا ورنہ نہیں، مذکورہ صورت میں یہ بیع درست ہے، چونکہ ایجاب وقبول سے سودا ہوچکا، صرف قسطیں ادا کرنا اور قبضہ باقی تھا، لہذا باقی قسطیں ادا کرنا ضروری ہے اور مبیع کو قانونی چارہ جوئی کرکے قبضہ میں لینا ہے، بائع اصل میں چالاک ومکار ہے اس کی پالیسی دھوکہ دینا ہے، لہذا اس کو مجبور کیاجا ئے گا کہ قسطیں قبول کرے اور مبیع پر قبضہ دے۔

جواب (۱۵، الف) : دلال کا کالونی بنانے والے سے زمین کی قیمت معلوم کرکے پھر من مانی قیمت پر بیچ کر زائد روپے بطور دلالی لے لینا جائز نہیں ہوگا، دلال مالک سے اپنی دلالی وصول کرسکتا ہے، لیکن زمین کا وہ مالک نہیں، لہذا وہ بیچ کر زائد روپے لینے کاحق نہیں رکھتا۔

(ب): دلال کمپنیاں جو شکل سب سے زیادہ استعمال کرتی ہیں کہ وہ زمین بیچ دیتی ہیں، لیکن قبضہ نہیں دیتی ہیں اور خریدار کو کہہ دیتی ہیں کہ جب آپ کو بیچنا ہو تو آپ یہ زمین ہمیں ہی واپس کرینگے، کسی اور کو نہیں دے سکتے، یہ شکل درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بیع وشرط کے قبیل سے ہے، حضور ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے، ''نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع وشرط''۔ نیز ''قال فی التنویر فی بیان البیع الفاسد وبیع بشرط لا

یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لأحدہما أو لمبیع من أہل الاستحقاق ولم یجر العرف بہ ولم یرد الشرع بجوازہ کشرط أن یقطعہ ویخیطہ قباء أو یستخدمہ شہراً أو یعتقہ الخ وفی الشامیۃ (قولہ مثال لما فیہ نفع للبائع) ومنہ ما لو شرط أن یہبہ المشتری شیئاً أو یقرضہ أو یسکن الدار الخ" (رد المحتار ۱۳۶٫۴، احسن الفتاوی ۴۷۸٫۶)۔ مذکورہ دلائل کی بنیاد پر یہ شکل بیع کی درست نہیں۔

# مختلف اراضی کی خریدوفروخت اور اس سے متعلق جدید مسائل

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی•

موضوع سے متعلق درپیش سوالات اور ان کے جوابات ۔

جواب۔۱ :قال اللہ تعالی: ‘‘وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ’’ (سورۃ المائدۃ: ۲) (نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے)۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ آیت کی روشنی میں علم ہونے کے باوجود غیر قانونی زمین خریدنا گویا تعاون علی الاثم ہے جوکہ ایک مسلمان کے لئے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

جواب۔۲: قال رسول اللہ ﷺ:‘‘إن الحلال بين وإن الحرام بين وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينہ وعرضہ ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام’’ ( متفق علیہ) ( یقینا حلال اور حرام واضح ہے، ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، جوشخص مشتبہ چیزوں سے بچ جاتا ہے تووہ اپنے دین اور عزت وآبرو کی حفاظت کرلیتا ہے اور جو مشتبہ چیزوں میں گھر جاتا ہے حرام میں پھنس جاتا ہے)۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں مغصوبہ زمین کا خریدنا نا جائز ہوگا, وقف کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کو واقف کی نیت کے خلاف استعمال کرنا شرعا درست نہیں ہے۔

جواب۔۳ : صورت مسؤلہ میں حق وراثت کی شرعی تقسیم نہیں کرنا ظلم وزیادتی ضرور ہے، ظلم کرنے والے عند اللہ مسؤل ہوگے لیکن ایسی موروثی زمین جس میں ظلم ہوا ہو، حقدار کو حق نہ دیا گیا ہو اس کا خریدنا اس شخص کے لئے درست ہوگا جو حقیقت سے ناواقف ہے، ورنہ جو شخص واقف ہو پھر بھی ایسی زمین کو خریدتا ہو تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا، بلکہ تعاون علی الاثم شمار ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے، جیساکہ ارشاد باری تعالی ہے:‘‘وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ’’(سورۃ المائدۃ: ۲) ۔

---

• استاذ ومفتی جامعہ دار السلام، عمرآباد۔

جواب۔۴ : مذکورہ صورت میں جو لوگ ان حالات سے واقف ہوں کہ بیچنے والے کی آمدنی حرام تھی تو ایسی صورت حال میں خریدنے والے کے لئے وہ زمین خریدنا جائز ہوگا،البتہ حرام کمائی کمانے والا عند اللہ ضرور مسؤل ہوگا ۔

جواب۔۵ : قانون کی اطاعت واجب ہے جہاں قانون خلاف شریعت نہ ہو,چونکہ پلاٹ بنانے کے لئے جو اصول بنائے گئے ہیں درحقیقت مفاد عامہ کی خاطر ہی بنائے گئے ہیں، جس میں سب کا فائدہ ملحوظ رکھا جاتا ہے، لہذا ایسے قوانین کی پابندی کرنا عوام پر واجب ہے۔

جواب۔۶ : صورت مسؤلہ میں خلاف قانون مسجد بنانے کا یہ عمل صحیح نہیں ہے، گارڈن بنانے اور پلے گراؤنڈ بنانے کے بجائے مسجد بنانا ایک حیلہ ہے جو درست نہیں ہے, نیز اس مسجد کو شرعی مسجد کا نام نہیندیا جاسکتا ، مسجد تو وہ ہوتی ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لئے بنائی گئی ہو،حلال کمائی سے بنائی گئی ہو ، زمین مسجد ہی کے لئے خریدی اور وقف کی گئی ہو، تا قیامت اس میں تغییر اور تبدیل یا بیچنے کی کسی کو اجازت نہ ہو، مذکورہ زمین بیچنے والا مسلمانوں کو لبھانے کے لئے گارڈن کی بجائے مسجد کے لئے جگہ دے رہا ہے درحقیقت یہ ایک دھوکہ ہے،شرعا یہ عمل جائزنہیں ہے۔

جواب۔۷ : صورت مسؤلہ میں ازرؤے شرع قانون کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، ہمیں معروف کے ہر کام میں اولوالامر کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا،خلاف ِقانون کالونی بنانادرست نہیں ہے، مسلم قوم کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ مذکورہ طریقہ سے کالونی آباد کرے۔

جواب۔۸ : صورت مسؤلہ میں جہاں تک ہوسکے قانون کی پاسدار ی کی جائے, حرام کاموں سے بچاجائے, سود ی کاروبارسے یا لین دین سے بچنا ہم پر ضروری ہے , لہذا غیر قانونی کاموں سے بچتے ہوئے صحیح طریقہ اپنانا ہی صحیح معلوم ہوتا ہے , خواہ بظاہر کچھ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے۔

جواب۔۹: صورت مسؤلہ میں صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین نہیں ہوجائے گی اور خرید وفروخت کا یہ عمل درست نہ ہوگا, بلکہ یہ بیع عقد مجہول شمار ہوگا، لہذا پلاٹ نمبر کے ساتھ ساتھ زمین کی نشاندہی بھی ضروری ہے تاکہ دھوکہ نہ ہو ۔

جواب۔۱۰ :صورت مسؤلہ میناز رؤے شریعت زمین کے جو حصے بیچے گئے ہیں، اس پر بیچنے والا کاشت بھی کرتا رہتا ہو، تو اس کے باوجود خریدار مبیع کا مالک ہوجائے گا، کیونکہ موجودہ دور میں رجسٹریشن قبضہ کی دلیل ہے، البتہ بیچنے والے کو چائیے کہ زمین پوری طرح خریدار کے حوالہ کردے،بیچنے کے بعد خریدار کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصر ف نہ کرے،کیونکہ کسی کی ملکیت میں اجازت کے بغیر تصرف کرنا شرعا ناجائز ہے ۔

جواب۔۱۱ : صورت مسؤلہ میں پلاٹنگ کرنے والے کا پلاٹ بیچنا اور پھر اس سے

پلاٹ خریدنے والے شخص کا اگلے شخص کو قبضہ کے بغیر بیچ دینا ناجائز ہوگا ,نیزبیع کے اصول کی خلاف ورزی صحیح نہیں ہے یعنی بیع میں مبیع کو بیچنے سے قبل مبیع پر قبضہ شرط ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''لا تبع ما لیس عندک'' ( رواہ اصحاب السنن) (جو چیز تمہارے قبضہ میں نہ ہو اسے نہ بیچا کرو)، لہذا مذکورہ معاملہ خلاف شریعت ہے، جو جائز نہیں ہے۔

جواب۔۱۲ : صورت مسؤلہ میں مذکورہ بیع اسلامی اصولوں کے برخلاف ہے، یعنی مبیع کو فروخت کرنے کے باوجود سارے اختیارات بائع اول کے پاس ہی رہیں یا دلال فروخت کرنے کے باوجود ملکیت بیع وشراء اپنے پاس ہی رکھے اور مشتری کو دوبارہ بیع کا اختیار نہ دے، بلکہ مشتری دلال سے ہی رجوع کرے، یہ صورت بیع وشراء میں شرعا درست نہینہے ۔

جواب۔ ۱۳ : مذکورہ مسئلہ میں بیع کے بعد مشتری کو سارے اختیارات منتقل ہونی چاہئے، یعنی وقف، بیع اور ہبہ کرنے وغیرہ کے سارے اختیارات خریدار کو پہنچنی چاہئے، ورنہ یہ بیع فاسد ہے، اس صورت میں پلاٹ خریدنے والے کی ملکیت زمین پر ثابت ہوگی اورکا لونی بنانے والے کا مذکورہ طریقہ غیر اسلامی تصور کیا جائے گا، کالونی بنانے والے کے اختیارات پلاٹس بیچ دینے کے ساتھ خریدار کے لئے منتقل ہوجائیں گے۔

جواب۔ ۱۴ : قال اللہ تعالی :''وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' (سورۃ البقرۃ : ۲۸۰)۔

(اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو (اُسے) وسعت (کے حاصل ہونے تک) مہلت (دو) اور اگر (زرِقرض) بخش ہی دو تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو)۔

''عن جابر رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال رحم اللہ رجلا سمحا إذا باع وإذا اشتری وإذا اقتضی'' (البخاری،حدیث نمبر: ۲۰۷۶) (اللہ تعالی اس نرم آدمی پر رحم فرمائے جب وہ بیچتا ہے اور خریدتا ہے اور جب وہ تقاضہ کرتا ہے )۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں تنگ دست کو ضرور موقع دیا جائے، تاکہ بقیہ قسطیں ادا کرنے پر قدرت رکھ سکے، معاملات کے باب میں کچھ نہ کچھ فراخدلی اور ہمدردی کی ضرورت ہے ،نیز دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اگر خریدارنے نصف سے زائد قسطینادا کردیا ہو تو اسی کے حساب سے اس مقدار کا مالک بنا دیا جائے اور اس حصہ کی رجسٹری ہوجائے، باقی حصہ بائع اپنے اختیار سے تصرف کرلے توبہتر ہے ۔

جواب۔۱۵، الف :دلال وکیل ہے بیچنے والے کا، اگر دلال بیچنے والے کی اجازت کے ساتھ زائد رقم سے فروخت کرے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ۔

جواب۔ ب: جب دلال کمپنیاں زمین بیچ دیتی ہیں اور قبضہ نہیں دیتی ہیں تو یہ بیع کے اصول کے خلاف ہے، اصول یہ ہے کہ بیع کے ساتھ شرط نہ ہو، بیع کے ساتھ مبیع پر قبضہ مشتری کے لئے ہو، اور مالکانہ اختیارات خریدار کے لئے مخصوص ہوں، لہذا ہر وہ شرط جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہو جائز نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل وإن کان مائۃ شرط'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۱۶۸) (جو شرط قرآن کریم کے موافق نہ ہو جائز نہیں ہے، خواہ وہ سو شرطیں کیوں نہ ہوں۔

ہذا ما تبین لی واللہ اعلم بالصواب

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل اور ان کے دلائل

مولانا ابوبکر قاسمی•

اللہ رب العزت نے انسانوں کی دنیاوی ضروریات وخواہشات کی تکمیل کےلئے زر، زن، زمین جیسی اشیاء کو پیدا فرمایا ہے، جن میں زمین انسان کا جہاں مسکن ہے وہیں مدفن بھی ہے، علاوہ ازیں یہ زمین انسان کا معمل بھی ہے، چنانچہ اس زمین پر انسان سکونت اختیار کرکے اچھا یا برا جو کام بھی کرتا ہے قیامت کے دن یہ زمین اس کی گواہی دے گی، جیسا کہ ارشادربانی ہے: ''یومئذ تحدث أخبارہا'' (سورہ زلزال: ۴)۔

اس لئے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالی کی پیدا کردہ اس زمین پر رہ کر نیکی کا کام کرے، برائی کے کاموں سے بچے، اب رہی زمین کی ملکیت کا مسئلہ تو قرآن کریم نے باوجودیکہ ''والأرض وضعہا للأنام'' فرمایا ہے، لیکن اس سے شخصی ملکیت کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ قرآن کی دیگر آیات میں اللہ تعالی نے اسی دنیاوی زمین میں انسانوں کی خلافت وورثاث اور زمین کی پیداوار سے انفاق کا ذکر کیا ہے جو شخصی ملکیت کی واضح دلیل ہے، نیز حدیث وفقہ کے مختلف ابواب میں مزارعت ومساقات اور ارض موات کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں جو شخصی املاک کے واضح دلائل ہیں، خود آئین بھارت کی دفعہ ۳۰۰ میں شخصی ملکیت کی تسلیم کرکے باشندگان ہند کو اس کی خریدوفروخت کی اجازت دی گئی ہے، لہذا زمین کی خرید وفروخت سے متعلق سوالا ت کے جوابات کیا ہوں گے ان کا حل اصولِ شریعت کو ملحوظ رکھ کر کرنا زیادہ مناسب ہوگا، والحق أحق أن یتبع۔

**(۱) عام اراضی پر قبضہ کرکے فروخت کرنا:**

جو اراضی مساجد ومدارس یا اوقاف کی نہ ہوں، نہ کسی شخص خاص کی مملوکہ ہوں تو ایسی اراضی پر قبضہ کرکے او راپنے نام کا پٹہ بنواکر اس کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے، ''قال النبیﷺ:من عمّر أرضاً لیست لأحد فہو أحق بہا'' (الفقہ الاسلامی ۴۳۳،۵، رواہ البخاری عن عائشہ بلفظ ''من أعمر'' حدیث: ۲۳۳۵، وفی حدیث آخر: ''من أحیا أرضاً میتۃً فہی لہ''، رواہ الترمذی وصححہ وقد رواہ ثمانیۃ من الصحابۃ) (جس شخص نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی مملوکہ نہ ہو تو وہ آباد کرنے والا اس کا زیادہ حقدار ہے)۔

**(۲) مدارس ومساجد کی موقوفہ اراضی کو فروخت کرنا:**

مدارس ومساجد پر جو اراضی وقف ہوں ان کو قبضہ کرکے فروخت کرنا شرعاً

• مہتمم جامعہ رحیمیہ اسلام آباد، رحمت نگر، دربھنگہ ، بہار۔

جائز نہیں ہے، قدوری کی کتاب الوقف میں ہے: ''وإذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ اھ وقال فی ہامشہ لحدیث مرفوع فی الصحیحین تصدق بأصلہا لا یباع ولایورث ولا یوہب اھ'' (قدوری مطبوعہ رحیمیہ دیوبند۱۴۱، وفی کتاب الوصایا للامام البخاری فی صحیحہ فی حدیث صدقۃ عمر، قال النبیﷺ: ''تصدق بأصلہ لایباع ولا یوہب ولا یورث'' (حدیث: ۲۷۶۴)۔

**(۳) جن اراضی کی شرعی ورثہ کے درمیان تقسیم عمل میں نہ آئی ہو ان کے بعض ورثہ سےزمین کا خرید کرنا:**

جن زمینوں کوان کے شرعی ورثہ کےدرمیان تقسیم نہیں کیا گیا، اگر ان کےمستحقین ورثہ زندہ ہوں تو ایسی صورت میں ان اراضی کےجو شرعی مالک ہوں یاجو شرعی حصہ دار ہوں ان کی زندگی میناصل مالک اور شرعی حصہ دار ہی سے خریدا جائے، لیکن ان کی وفات کے بعد جو بعض ورثہ قابض ہوں ان کو اصل مالک تسلیم کرکے صرف قابض ورثہ سے بھی پوری زمین خریدی جاسکتی ہے، کیونکہ بعض ورثہ کی وفات کے بعد بعض زندہ ورثہ کا قبضہ ظاہراً ملکیت کی دلیل ہے، ''قال النبیﷺ: من أحاط حائطا علی أرض فہی لہ'' رواہ أحمد وأبوداؤد عن جابر ومثلہ عن سمرہ بن جندب، عن زید بن أسلم مرفوعاً من حاز شیئاً علی خصمی عشر سنین فہو أحق بہ منہ، وفی روایۃ من سبق إلی ما لم یسبقہ إلیہ فہو لہ'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ۹؍۷۵)، نیز شیخ وہبہ زحیلی نے عقد بالمعاطاۃ پر بحث کرتے ہوئے بیع اجارہ، اعارہ، ہبہ اور رجعت کو بطور معاطاۃ کے جائز قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ۹؍۱۰۱)۔

**(۴) حرام آمدنی سے خریدی گئی زمین کو اس کے مشتری مالک سے جان بوجھ کر خریدنا:**

حرام آمدنی سے خریدی گئی زمین کو جان بوجھ کر اس کے خریدار بائع سے خریدنا شرعاً جائز ہے،کیونکہ حضرات فقہاء احناف نے بیع بالثمن المحرم کو فاسد قرا ردیا ہے جو بعد القبض موجب ملک ہے، لہذا جب بائع اس کا مالک ہے تو اس کے لئے اس کا فروخت کرنا جائز ہے، فافہم، واللہ اعظم۔

**(۵) لے آوٹ منظور شدہ اراضی میں سڑک یا مسجد کی اراضی کو فروخت کرنا اور اس کے خریدنے کا حکم:**

سرکاری قانون کے مطابق لے آوٹ منظور شدہ اراضی میں سڑک یا مسجد سے متعلقہ اراضی کو جان بوجھ کر فروخت کرنا اور علم رکھتے ہوئے اس کا خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے،کیونکہ اس کی نوعیت وقف اراضی کی ہے جس کی خریدوفروخت اور ہبہ فقہاء نے ناجائز لکھا ہے، واللہ اعلم۔

شیخ وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:''ما لا یقبل التملیک والتملک بحال وہو ما خصص للنفع کا لطرق العامۃ والجسوروالحصون الخ'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ۹؍۶۴)۔

**(۶) لے آوٹ منظور شدہ اراضی میں گارڈن کی جگہ مسجد تعمیر کرنا:**

سرکاری قانون کے مطابق لے آوٹ منظور شدہ اراضی میں گارڈن کی جگہ مسجد تعمیر کرنا درست ہے، کیونکہ ایک مسلمان کے نزدیک اس کے پسندید مذہب کی رو سے گارڈن سےزیادہ مفید اس کے حق میں تعمیر مسجد ہے، چنانچہ سیدناا بوبکرؓ نے ہجرت سے قبل مکہ میں رہتے ہوئے اپنی رہائش کے سامنے گھر کے صحن پر ایک مسجد تعمیر کی تھی جس میں وہ نماز پڑھا کرتےتھے، نیز قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتےتھے، ''عن عائشۃ فی حدیث الہجرۃ ثم بدأ لأبی بکر فابتنی مسجداً بفناء دارہ فکان یصلی فیہ ویقرأالقرآن'' (رواہ البخاری کتاب الصلاۃ، باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس، حدیث: ۴۷۶ و۲۲۹۷، ۳۹۰۵)۔

**(۷) کسی زمین کو بحیثیت کالونی منظور کرانے سے قبل کالونی بنا کر پلاٹ فروخت کرنا:**

کسی زمین کو بحیثیت کالونی منظور کرانے میں اگر اخراجات زیادہ آتے ہوں، اس لئے اس سےبچنے او رغریبوں کو سستی زمین مہیاکرانے کی خاطر بغیر کالونی منظور کرائے ہوئے از خود کالونی بناکر پلاٹ فروخت کرنا شرعاً درست ہے، قال اللہ تعالی:''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورہ بقرہ: ۱۸۵)، فقہاء کے اصول ہیں:''المشقۃ تجلب التیسیر'' (ملاحظہ ہو: الاشباہ والنظائر، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۳۱،۹)۔

**(۸) نقد رقم دے کر اراضی حاصل کرنے میں دشواری کی صورت میں لون لے کر زمین خریدنا شرعاً درست ہے:**

وہائٹ منی دے کر نقد خریدنے میں اگر دشواری کا سامنا ہو تو ایسی صورت میں لون لے کر آسان قسطوں پر پلاٹ حاصل کرکے مکان کا مالک بننا شرعاً درست ہے۔

**(۹) زمین پر پلاٹ بنانے سے قبل مجوزہ نقشہ بناکر زمین فروخت کرنے کی شرعی حیثیت:**

زمین پر پلاٹ بنانے سے قبل اس کا مجوزہ نقشہ بناکر زمین فروخت کرنا اور صرف پلاٹ نمبر متعین کرکے زمین بیچنا بھی شرعاً درست ہے، کیونکہ فقہاء نے زمین کی خریدوفروخت میں بیع قبل القبض کو بھی جائز لکھا ہے،واللہ اعلم۔

**(۱۰) فروخت شدہ اراضی پر قدیم بائع کا کاشت کرنا نئے خریدار کی اجازت پر موقوف ہوگا:**

اگر کسی فروخت شدہ زمین پر اس کا قدیم مالک نئے خریدار کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو یہ شرعاً درست نہیں ہے، ہاں نئے خریدار کی اجازت سے بطور مزارع کےیا بطور اجیر کے کاشت کرتا ہے تو شرعاً اس کا یہ عمل درست ہوگا ورنہ نہیں، ''قال النبیﷺ : لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ'' (رواہ البیہقی، مشکوۃ۲۵۵،۱)۔

**(۱۱) پلاٹ خریدنے والے کا صرف کاغذی نقشہ کی بنیادپر اپنی خرید کردہ اراضی فروخت کرنا:**

پلاٹ خریدنے والے نئے خریدار کا اپنی خرید کردہ اور قبضہ کردہ اراضی کو فروخت کرنا توبلا شبہ درست ہے، رہا بائع اول سے اسٹامپ پیپر پر مدت مقرر کرکے

خریداری کا بیعانہ دیدینے اور قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا، اگر کسی قانونی رکاوٹ کی وجہ سے غرر کا موجب ہو توایسی صورت میں معاملہ کی تکمیل سے پہلے اس قسم کی اراضی کا فروخت کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا، کیونکہ حدیث نبوی ہے: ''لا ضرر ولا ضرار'' (ابن ماجہ عن ابن عباس وعبادة بن الصامت، ابو اب الاحکام باب ۱۷ حدیث: ۲۳۶۲، ۲۳۶۳)۔ ایک دوسری حدیث ہے: ''من ضارّ أضرّ الله بہ'' (ابن ماجہ،حدیث: ۲۳۶۴)۔

**(۱۲) کسی زمین یا پلاٹ کو دلال کے ذریعہ خرید کر چھوڑ دینا اور بغیر رجسٹری کرائے ہوئے زبانی بیع در بیع کرنا:**

کسی زمین کے پلاٹ یا کسی کالونی میں دلال کے ذریعہ کوئی قطعہ اراضی خرید کر بغیر رجسٹری کرائے ہوئے چھوڑ دینا اورپھر دلال ہی کے ذریعہ اس کی خرید وفروخت کرتے ہوئے بیع در بیع کرنا اور اصل مالک سے زمین کے کاغذات میں نام کا تبادلہ نہ کرنا شرعاً موجب غرر ہے، اس لئے شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ شیخ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ کی نویں جلد کے صفحہ ۵۶ کے حاشیہ میں لکھا ہے:''وہناک أحکام قانونیة تختلف بین العقار والمنقول:منہا أن انتقال ملکیة العقار لا یتم إلا بالتسجیل، أما المنقول فلا حاجة فی نقل ملکیتہ إلی التسجیل اھ''(حوالہ بالا)، واللہ اعلم۔

**(۱۳) کالونی بنانے والے کا پلاٹس کو قسطوار فروخت کرنےکی صورت میں خریدار کی ملکیت کا ثبوت کب ہوگا:**

دور حاضر میں پلاٹس کو قسطوار فروخت کرنے کی صورت میں جب تک رجسٹری کے کاغذات میں خریدار کے نام کا قیالہ نہیں ہوجاتا قانونی طور سے ایسے پلاٹس پر خریدارکی ملکیت تسلیم نہیں کی جاتی ہے، لہذا بیع عقار اگرچہ عند الشیخین قبل القبض جائزہے، تاہم دیانت وامانت کا تقاضا یہی ہےکہ کسی کو دھوکہ دیئے بغیر جب تک اصل بائع کی رضامندی نہ ہو خریدار کےلئے لازم ہےکہ وہ اپنی خرید کردہ اراضی کو کسی اجنبی شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے(حوالہ اوپر گذر چکا ہے)، واللہ اعلم۔

**(۱۴) پلاٹس کی قسطوار فروختگی کی صورت میں شرائط بیع کو پورا نہ کرنے کی صورت میں بائع کا خریدار کو اس کی ادا کردہ رقم واپس کرنا:**

کسی زمین کے مالک یا دلال نے کسی پلاٹس کو قسط مقررکرکے فروخت کیا، لیکن خریدار طے کردہ شرائط کے مطابق وقت پر مقررہ قسط ادا نہ کرسکا جس کے سبب زمین کے مالک یا دلال نے خریدار کو اس کی ادا کردہ قسط والی رقم واپس کردیا تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ نے بہ سبب افلاس کے عقد بیع کےفسخ کو درست مانا ہے، اور اس حدیث نبوی سے استدلا ل کیا ہے، ''من أدرک مالہ بعینہ عند رجل أو إنسان قد أفلس فہو أحق بہ من غیرہ'' (رواہ الشیخان عن أبی ہریرة، وفی روایة من وجہ عین مالہ عند رجل فہو أحق بہ یتبع البیع، أی البائع من باعہ، رواہ احمد وابوداؤد والنسائی عن سمرة بن

جندب، تفصیل کے لئے الفقہ الاسلامی وادلتہ کی نویں جلد کے نظریۃ الفسخ کا مطالعہ کیاجائے)۔

البتہ حنفیہ کے یہاں خریدار کے مفلس ہونے سے بیع فسخ نہ ہوگی، البتہ اس کے تنگدست ہونے کے سبب اس کو مزید مہلت دی جائے گی، ''قال اللہ تعالی: وإن کان ذو عسرۃ فنظرۃ إلی میسرۃ'' (سورہ بقرہ)۔

**(۱۵) دلال کے ذریعہ زمین کی خریدوفروخت کی مختلف صورتیں:**

ایک شخص کے پاس زمین ہے جس کو وہ بیچنا چاہتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ اس زمین کا گاہک (خریدار) تلاش کرے، اس لئے وہ اپنی اراضی کی فروختگی کے لئے دلال تلاش کرتا ہے جو بائع ومشتری کے درمیان واسطہ بن کر زمین کو فروخت کرواتا ہے اور دلال بائع سے زمین کی اصل قیمت معلوم کرکے اپنی من مانی قیمت پر خریدار کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اور دور حاضر میں خریدار کو دلال ہی کے قول پر اعتماد بھی ہوتا ہے اور فریقین کی رضامندی ہی سے بیع وشراء کا معاملہ طے ہوتا ہے، لہذا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً درست ہے، فقہاء نے دلالی کے معاملہ کی تعبیر فقہ کی اصطلاح میں سمسرۃ سے کیا ہے، شیخ وہبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ کی چوتھی جلد میں عقودکی بحث میں بیع السمسرۃ کا حسب ذیل عبارت میں تعارف پیش کیا ہے، ''السمسرۃ ہی الوساطۃ بین البائع والمشتری لإجراء البیع والسمسرۃ جائزۃ والأجر الذی یأخذہ السمسار حلال لأنہ أجر علی عمل وجہد معقول'' (حوالہ بالا،۱۲۹)۔

دلال کا زمین کو خریدار سے فروخت کرکے قیمت وصول کرنے کے باوجود زمین پر قبضہ نہ دلانا اور خریدا رکے فروخت کرنے کی صورت میں دلال ہی کےہاتھ فروخت کرنے کی شرط لگانا سراسر ظلم وعدوان ہے، حدیث نبوی ہے: ''مطل الغنی ظلم'' (بخاری عن ابی ہریرۃ حدیث: ۲۴۰۰)،فقط واللہ تعالی اعلم۔

# پلاٹ وزمین کی بیع وشراء سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر محی الدین غازی•

**تمہید:**

شریعت نے خرید وفروخت کے سلسلے میں یہ ضابطہ دیا ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک فروخت کرنے والا فروخت نہ کرے جب تک وہ چیز اس کی ملکیت اور اس کے قبضے میں نہ آجائے، اس ضابطے کے ذریعہ سب سے پہلے اس شخص کے مفاد کا تحفظ ہوتا ہے، جو رقم ادا کرکے خریدار بنتا ہے۔

ہندوستان میں زمین وجائیداد کی خریدوفروخت کی صورت حال کو دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس ضابطے کی خلاف ورزی بہت زیادہ ہے، اور اس کے برے نتائج بھی بہت زیادہ ہیں، دوسری چیزوں کے مقابلے میں زمین کی خریدوفروخت میں اس ضابطے پر زور دینا اس لئے بہت ضروری ہے کہ زمین خریدنے کے بعد اگر خریدار کو قانونی قبضہ نہیں مل سکے، تو اس کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے، اور اس سلسلے کے نزاعات بہت طول پکڑتے ہیں۔

زمین کی ملکیت اور قبضے کے سلسلے میں اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا محض شرعی ملکیت جو ایجاب وقبول سے حاصل ہوجاتی ہے، اور شرعی قبضہ جو محض تخلیہ سے حاصل ہوجاتا ہے، کافی ہے؟

متعدد واقعات کے جائزے کے بعد راقم کی یہ رائے بنی ہے کہ جب تک شرعی ملکیت اور شرعی قبضے کے علاوہ قانونی ملکیت اور قانونی قبضہ بھی حاصل نہ ہوجائے، اپنی خریدی ہوئی زمین کسی دوسرے کو فروخت کرنا درست نہیں ہونا چاہئے، ایسی زمین کو فروخت کرنا درست نہیں ہونا چاہئے جس پر قانونی طور سے خود بائع کو ملکیت اور قبضہ حاصل نہیں ہو، اور ایسی زمین کو بھی نہیں جو خریدار کو قانونی ملکیت اور قانونی قبضہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔

اس تمہید کے بعد سوالوں کے مختصر جوابات پیش ہیں:

جواب۔۱ :سرکاری زمین پر قبضہ کرنے کا حکم تو واضح ہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے، اس قبضہ کو قانونی شکل دینے کے لئے رشوت وغیرہ جیسے غیر اخلاقی طریقے اختیار کرنا بھی غلط اور ناجائز ہے، لیکن اگر وہ قانونی لحاظ سے اس کے باقاعدہ مالک

• ممبر مجمع فقہاء الشریعۃ (امریکہ)، عمید کلیۃ القرآن الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپرم (کیرالہ)۔

ہوجاتے ہیں، اور خود سرکاری قانون کی رو سے وہ قابض اور غاصب کے حکم میں نہیں ہوتے ہیں، اور ان سے زمین خریدنا خود سرکار کی نظر میں غیرقانونی عمل نہیں ہوتا ہے، تو ان سے زمین خریدنے ، یا خریدچکے لوگوں سے خریدنے میں کوئی شرعی ممانعت معلوم نہیں ہوتی ہے، لیکن چونکہ تعاون علی الاثم کا عنصر اس شکل میں نظر آتا ہے، اس لئے اصل قابضین سے خریدنے کے سلسلے میں پرہیز بہتر ہے۔

جواب۔۲ : زمین کے دور افتادہ ہونے یا غیر مسلموں کے قبضہ کرلینے کے اندیشے یا غیر مفید ہونے کے احساس سے اس کا جواز نہیں ملتا ہے کہ اس وقف کی زمین پر کچھ مسلمان قابض ہوجائیں، اور ایسی صورت میں جانتے بوجھتے ان سے وہ زمین خریدنا کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

البتہ اگر کسی وقف کو غیر محفوظ اور غیر موزوں مقام سے محفوظ اور مناسب مقام پر منتقل کرنے کے نیک ارادے سے اور مسلمانوں کے اجتماعی مشورے سے اور قابل اعتماد لوگوں کی نگرانی میں ایسی زمینوں کو فروخت کیا جاتا ہے ، تو انہیں خریدنے کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے۔

جواب۔۳ : وراثت میں حق نہیں دینے والے پر اس ظلم کا گناہ عائد ہوگا، اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اسے تسلیم کرلینے کے بعد یہ دیکھنا چاہئے کہ وراثت کے حق دار وں کی طرف سے کوئی دعوی یا مقدمہ ہے یا نہیں ہے، مقدمہ یا دعوی ہونے کی صورت میں تو ایسی زمین کا خریدنا بالکل درست نہیں ہے، البتہ مقدمہ یا دعوی نہیں ہونے کی صورت میں اگر قانونی لحاظ سے زمین فروخت کرنے والااگر اس زمین کا باقاعدہ مالک ہے، اور قانونی طور سے فروخت کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے، مطلب جن لوگوں کا حق اس میں شامل ہے، ان کی طرف سے کوئی دعوی یا مقدمہ موجود نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس سے زمین خریدنا تو شرعا جائز ہوگا، البتہ جن لوگوں کا اس زمین میں جتنا حصہ تھا، اسی تناسب سے ان کا حصہ فروخت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم میں رہے گا، اور وہ جب تک دوسروں کا حصہ بیچ دینے والا اس رقم میں سے ان کا حصہ ادا نہیں کرتا ہے، اس کا ذمہ مشغول رہے گا، اور وہ غاصب کے حکم میں رہے گا۔

البتہ اس سلسلے میں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اگر حق داروں کو ان کا حصہ لوٹانا ضروری ہے تو کتنی نسلوں تک کے حقوق لوٹانا ضروری ہونگے، یعنی یہ سلسلہ والد ، دادا ، اور پردادا تک جائے گا یا سلسلہ نسل آگے بڑھ جانے کے بعد کسی مرحلے پر یہ وجوب ختم ہوجائے گا؟

جواب۔۴ : حرام آمدنی سے کسی نے زمین خریدی ہو ، اور پھر فروخت کررہا ہو ، تو اس سے وہ زمین خریدنا جائز ہوگا، البتہ اس زمین کے فروخت کرنے سے حاصل شدہ رقم اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، بلکہ جس طرح آمدنی حرام تھی، اس سے خریدی ہوئی

زمین بھی حرام رہے گی، اور پھر اسے فروخت کرکے جو قیمت کی رقم اسے ملے گی وہ بھی حرام ہی رہے گی،جس شخص نے اپنی حلال آمدنی سے اس کی زمین خریدی، اس کے لئے وہ زمین حلال رہے گی۔

جواب۔۵ :ایسا کرنا معاہدہ شکنی ،دھوکہ اور خیانت ہے، کالونی کے نقشے پر پلاٹس کے علاوہ جو جگہ بھی چھوڑی گئی ہو، اور جسے دکھا کر پلاٹوں کی مارکیٹنگ کی گئی ہو، ایسی کسی بھی جگہ کو یا اس کے کسی حصہ کو بیچ دینا شرعا ناجائز ہے، او ر اخلاقی لحاظ سے نہایت قبیح جرم ہے۔

جواب۔۶ : اس میں تحقیق کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا گارڈن کی جگہ مسجد بنادینے سے حکومت کی طرف سے عائد کردہ گارڈن کی شرط کی خود حکومت کی نگاہ میں تکمیل ہوجاتی ہے، اگر ایسا ہے اور اس نے پلاٹ خریدنے والوں کا گارڈن کے بجائے مسجد ہی دکھائی، اور حکومت نے اس مسجد کا گارڈن کے متبادل کے طور پر تسلیم بھی کرلیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن اگر حکومت کی نگاہ میں گارڈن کی جگہ پر مسجد بنانا معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، تو پھر وہاں مسجد بنانا درست نہیں ہوگا، صحیح طریقہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی کالونی بنانے والے مسجد کے لئے بھی جگہ چھوڑیں اور گارڈن کے لئے بھی جگہ چھوڑیں، کیونکہ گارڈن جس طرح غیر مسلم کالونی میں صحت مند ماحول کے لئے مفید ہے، اسی طرح مسلم کالونی کے لئے بھی مفید اور مطلوب ہے۔

جواب۔۷: راقم کا خیال ہے کہ یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے، اس پورے عمل کے محرکات میں حالات کا جبر بھی شامل ہے، اہل حل وعقد نے تمدن اور سکونت کی صورت گری اس طرح کی ہے کہ لوگ شہروں کی طرف کوچ کرنے اور کسی بھی طرح بس جانے پر مجبور ہیں، غرض موجودہ حالات میں یہ بسنے اور بسانے کا اضطراری عمل ہے، اس لئے اس سلسلے میں کوئی فتوی جاری کرنا مناسب نہیں ہے۔

جواب ۔ ۸ :سوال میں مذکور یہ بات وضاحت طلب ہے کہ وہائٹ منی کو بڑی مقدار میں دکھانا دشوار ہے، کیونکہ یہ بات بلیک منی کے بارے میں تو کہی جاسکتی ہے، لیکن وہائٹ منی کے بارے میں اس لئے نہیں کہی جاسکتی کہ وہائٹ منی کہتے ہی اسے ہیں، جو حکومت کے ریکارڈ میں ہو، ہاں ٹیکس سے بچنے کے لئے کاروباری لون لینے کی ضرورت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

چونکہ کاروباری ضرورتوں کے لئے لون لینے کی حاجت کا تعلق صرف زمین کے کاروبار سے نہیں بلکہ ہر کاروبار سے ہے، اس لئے یہاں بھی وہی موقف اختیار کرنا چاہئے جو عمومی طور سے ہر کاروباری لون کے سلسلے میں اختیارکیا گیا ہے۔

جواب۔ ۹ : شرعا یہ ضروری ہے کہ پلاٹ کا نقشہ بنایا جائے، ہر قطعہ کا نمبر ہو،

اور بائع اس نمبر کا التزام کرے، اور اسے فروخت کرنے کے بعد اس میں کسی قسم کا ردووبدل نہیں کرے، اگر نقشہ بن جاتا ہے اور ہر قطعہ کا نمبر بھی متعین ہوجاتا ہے، اور اس کی بنیاد پر بیع ہوجاتی ہے، تو شرعا اس کی گنجائش نہیں رہتی ہے کہ بائع اپنی طرف سے کوئی ردوبدل کرے، اس لئے بیع کو درست مانا جائے، اور بیع کے بعد بائع کے اس طرح کے تصرفات کو ناجائز قرار دیا جائے۔

جواب۔۱۰ : اگر بیچنے والا خریدار کی مرضی سے کاشت کررہا ہے، تو ملکیت اور قبضے کے عمل میں یہ عمل مانع نہیں ہوگا، البتہ اگر خریدار کی مرضی شامل نہیں ہے، تو یہ عمل قبضہ میں مانع سمجھا جائے گا۔

جواب۔۱۱۔الف : جس زمین کو خریدا اور بیچا جائے، اس کے حدود اربعہ کا تعین ضروری قرار پانا چاہئے، اس کے بغیر فروخت میں غرر کثیر لازم آتا ہے۔

جواب۔ب: اس صورت مینپلاٹنگ کرنا اور دوسروں کو بیچنا قطعا جائز نہیں ہے، یہ صورت ‘‘بیع ما لا یملک’’ کی ہے، اور اس کے مفاسد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ بیع ہرگز جائز نہیں ہوسکتی ہے۔

جواب۔۱۲ : زمین کی تجارت کی یہ شکل درست نہیں ہے، اس صورت کے مفاسد بہت زیادہ ہیں، اور اس میں نزاعات کے امکانات بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، ملکیت منتقل نہ ہونا، قبضہ نہ ملنا، تصرف کا حق نہ ملنا، اصل مالک کا مجہول ہونا، اصل مبیع کا مجہول ہونا، غرض جہالت اور دیگر موانع بیع کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے۔

جواب۔۱۳ : اس طرح کی پابندی حق ملکیت سے مناسبت نہیں رکھتی ہے، لیکن بہر حال یہ ایسی شرط نہیں ہے جو بیع کے موانع میں شمار ہو۔

جواب۔۱۴ : بیع ہوجانے کے بعد ملکیت مکمل طور سے خریدار کے پاس منتقل ہوجاتی ہے، قطع نظر اس کے کہ قیمت کی ادائیگی کب ہوتی ہے، البتہ اگر خریدار وقت پر قیمت کی ادائیگی نہیں کرتا ہے، اور بائع نے بطور رہن وہ زمین اپنی تحویل میں لی ہوئی ہے، تو پھر دین اور رہن کے احکام لاگو ہوں گے، اور بائع کو صرف اس کا حق ہوگا کہ اس زمین کو حسب ضابطہ رہن بیچ دیا جائے، بائع اس کی قیمت سے بقیہ قسطیں وصول کرلے، اور باقی قطعہ زمین یا باقی رقم خریدار کو لوٹادی جائے، واضح رہے کہ قیمت کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں بقیہ زمین کو بیچنے کے بارے میں بھی مال مرہون کو بیچنے کے سلسلے میں طے شدہ ضابطوں کی پابندی ضروری ہوگی۔

جواب ۱۵، الف: اگر دلالی کی اجرت یہ طے ہوئی ہو کہ متعین قیمت سے زیادہ جو بھی رقم قیمت فروخت سے بچ جائے وہ دلالی کی اجرت ہے، تو اس میں اس کے علاوہ کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اجرت قدرے مجہول ہے۔

جواب۔ ب:دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ قانونی طور سے زمین بیچنے

والی کمپنی کے نام رہے، اور محض سکونت کا حق ملے، تب تو ایسی مشروط بیع بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد بیع کے خلاف ہے، اور اس لئے ایسی مشروط بیع کو جائز نہیں ہونا چاہئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قانونی طور سے خریدار مالک ہوجائے، اس کو قبضہ بھی مل جائے، لیکن الگ سے خریدار بائع کی اس شرط کو بھی منظور کرلے کہ وہ کسی اور کو یہ زمین فروخت نہیں کرے گا، ایسی صورت میں بھی یہ شرط مقتضائے عقد بیع کے خلاف ہی ہے، لیکن اس قدر نہیں جتنا کہ پہلی صورت میں ہے، تحقیق طلب امر یہ بھی ہے کہ دوسری صورت میں قبول کی جانے والی مذکورہ شرط قانونی طور سے کس قدر لازم اور ناقابل نقض ہوتی ہے؟ قانونی طور پر قابل نقض ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ بیع جائز ہوسکتی ہے، وہ بھی قاعدہ ضرورت کے تحت۔

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق جوابات

قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی•

۱۔ خریدار کےساتھ یہ صریح دھوکہ ہے، معلوم ہونےکے باوجود خریدوفروخت درست نہیں۔

۲۔ شرعاً ناجائز وحرام ہے، البتہ اگر وقف بورڈکا کرایہ داربن جائے تو درست ہوگا۔

۳۔ اگر تمام وارثین اتفاق سے فروخت کریں تو درست ہوگا۔

۴۔ خریدار کے لئے سودا کرنا درست ہے۔

۵۔ لے آوٹ کے ضابطہ عمل کے وعدہ سے خلاف ورزی ہے، البتہ شرعاً اس طرح کے پلاٹ کا خریدوفروخت جائز ہے۔

۶۔ چونکہ صاحب زمین اصل مالک ہے، اس لئے اس کی اجازت سے ایسی جگہوں پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر درست ہے، اور وہ شرعی مسجد ہوگی۔

۷۔ ایسی اراضی کو رہائشی صورت میں بدلنے کے ضابطے حکومت نے اس قدر خرچیلے اور مشکل بنادیئےہیں اور قدم قدم پر رشوت خوروں کی لائن ہوتی ہے، اس لئے اگر کالونی بنانے والے ‘‘زمین کا ڈائیورشن ’’ کرائے بغیر پلاٹ کاٹ کر بیچے تو شرعی اعتبار سے درست ہوگا۔

۸۔ قانونی مجبوری کے تحت ا س رقم کا لون درست ہے۔

۹۔ یہ عمل قطعاً درست نہیں۔

۱۰۔ زمین دکھانے کے بعد خریدار کی اجازت سے درست ہے۔

۱۱۔ مختار نامہ کے بعد بکنگ جائز ہے۔

۱۲۔ اس طرح کی شرط اور صاحب پلاٹ کو مجبور کرنا دونوں ہی شرعاً ناجائز ہے۔

۱۳۔ یہ درست ہے۔

۱۴۔ چونکہ خریدار نے وعدہ وفا اور طے شدہ ضابطہ کے خلاف کیا، نیز اصولاً مہلت بھی نہیں لی تو کالونی بنانے والوں کو اختیار ہوگا چاہے تو اسے دے یا دوسرے کو بیچ دے۔

---

• قاضی دار القضاء مسلم پرسنل لاء بورڈ اندور، مدھیہ پردیش۔

# موجودہ دور میں اراضی کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل

مفتی محمد مقصود فرقانی•

(۱) ایسی زمین جو سرکاری قبضہ میں ہے، اس کو خریدنا خصوصا رشوت کے ذریعہ سے اور اس پرتعمیر کرناجائز نہیں ہے، خواہ وہ کتنی ہی مرتبہ فروخت کی جاچکی ہو۔

(۲) اوقاف کی زمین کو خریدنا اور فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور ان پر قبضہ کرنا یا معمولی کرایہ دے کر رہنا جائز نہیں ہے، البتہ ایسی زمین جو مسلم آبادی سےدور ہو یا مسلم آبادی میں نہ ہو، اسے محکمۂ اوقاف سے اجازت لے کر فروخت کرنا جائزہے، مگر اس کے بدلہ مفید زمین خرید کر وقف کرنا لازم ہے۔

الفتاوی الشرعیہ میں ہے: ''فلا یجوز بیع الوقف بحد تمامہ عند جمہور الفقہاء إلا أن یخرب أو تتعطل منافعہ فیجوز فی ہذہ الأحوال بیعہ بمعرفۃ القاضی بثمن المثل ویشتری بثمنہ وجوباً وقف آخر یحل محلہ، ویجوز نقل الوقف من ہذا السبیل إلی سبیل آخر إذا تعذر الانتفاع فی المکان الأول وإذا لم یتعذر لم یجز''۔

(۳) ایسی موروثی زمین جس میں حقداروں کو حق نہیں دیا گیا ہو، اس کا خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جو زمین فروخت کررہا ہے وہ کل زمین کا مالک نہیں ہے اور غیر مالک کو بغیر مالک کی اجازت نہ فروخت کرنا جائز ہے اور نہ خریدنا جائز ہے۔

(۴) حرام مال سے خریدی ہوئی چیز بھی ناجائز ہے، اس لئے اسے بھی معلوم ہونے پر نہیں خریدنا چاہئے، بلکہ فروخت کرنے والے پر اس کا تصدق واجب ہے اور اگر مالک مال مل جائے تو اس حرام مال کو مالک پر واپس کرنا واجب ہے۔

کتب فقہیہ میں ہے:''ما حصل بسبب خبیث فالسبیل ردہ إذا عرفوہم وإلا تصدقوا بہا لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہا''۔

(۵) گورنمنٹ سے جو لےآوٹ منظور ہوا ہے کالونی بنانے والے کو اس کے مطابق کالونی بنانا چاہئے، اس میں کانٹ چھانٹ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ گورنمنٹ کو بھی دھوکہ ہے اور عوامی مفاد کو بھی، اس لئے یہ جائز نہیں ہے۔

(۶) اگر لے آوٹ اور نقشہ میں مسجد نہیں ہے یا پارک نہیں ہے اور نقشہ منظور

• دار الافتاء جامع العلوم فرقانیہ، رامپور، یوپی۔

ہوجانے کے بعد اس میں مسجد کےلئے جگہ نکالے یا راستہ میں تنگی پیدا کرے تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ضرر عام ہے اور اس میں قانوناً مسجد بنانا درست نہیں ہے، البتہ مسجد شرعی طور پرتصور کی جائے گی۔

(۷) مذکورہ صورت میں مفاد عامہ اور غریب لوگوں کی رعایت کےلئےغیر قانونی طریقہ سے کالونی بنانا اور غریبوں کو آباد کرنا درست ہے اور چونکہ قانونی طریقہ سے بنانے مینجو اخراجات ہوتے ہیں وہ بھی اکثر غیر شرعی ہوتے ہیں، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) اس صورت میں مصلحت کے تحت لون لینادرست ہوگا، ''الضرورات تبیح المحظورات '' کےتحت۔

(۹) اس صورت مینمبیع متعین ہوگا اورمالک زمین کواختیار ہوگا کہ وہ نمبرات میں تبدیلی کردے، مگر یہ تبدیلی خریدار کو بتلانے سے پہلےہو، تاکہ کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو اوراس طریقہ سےخریدوفروخت درست ہے۔

(۱۰) چونکہ اب یہ صورت عام ہوچکی ہے اور اس طرح خریدوفروخت ہوتی ہے اوربائع ومشتری میں کوئی نزاع بھی نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس صورت میں خریدار اس کا مالک سمجھا جائے گا۔

(۱۱ ، الف) اگرکالونی بنانے والے کی ملکیت میں وہ زمین آگئی تھی اور اس نے پلاٹ فروخت کئے ہیں تو یہ جائزہے۔

(ب)اس صورت میں چونکہ کل رقم ادا نہیں کی گئی ہے جس کی بنا پروہ زمین مالک زمین کی ہے تو دوسرے شخص کو قانونی رکاوٹ کے دور ہونے تک پلاٹ بیچنا درست نہیں ہے، اسی طرح تیسرے شخص کوبھی اس کافروخت کرنا ممنوع ہے، البتہ قانونی رکاوٹ دور ہونے کے بعد اس کا فروخت کرنا درست ہوگا۔

(۱۲) یہ شکل درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مفضی الی النزاع ہے، دوسرے یہ کہ خریدار کو مکمل اختیارات نہیں ہیں، اگر وہ فروخت کرنا چاہے تو کسی دوسرے کوبغیر دلال کے فروخت نہیں کرسکتا، اس لئے یہ صورت ناجائز ہے۔

(۱۳) صورت مذکورہ میں خریدار کی ملکیت اس میں ثابت ہوگی، اگرچہ خریدار کو اپنی ملکیت فروخت کرنے کے لئے کالونی بنانے والے سے رابطہ کرنا ہوگا، اس سے ملکیت پرکوئی اثر واقع نہیں ہوگا۔

(۱۴) اس صورت میں کوتاہی خریدار کی طرف سے ہے، اس لئے وہ اتنی ہی رقم لینے کاحقدار ہے جتنی وہ ادا کرچکا ہے، خواہ زمین کی قیمت کم ہو یا زیادہ۔

(۱۵، الف) مذکورہ صورت درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں خریدار کے لئے دلال

کی طرف سے دھوکہ ہے، دلال کو چاہئے کہ بائع ومشتری کے درمیان بیع کرادے اور اپنی محنت کامعاوضہ وصول کرلے۔

(ب) بیع مشروط درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں خریدار کو کلی اختیار نہیں ہوتا، لہذا یہ صورت بھی جائز نہیں ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

* * *

# چوتھا باب

## مناقشہ

**مناقشہ:**

# زمین کی خریدوفروخت سے متعلق مسائل

**صدارت: مولانا ومفتی احمد دیولوی صاحب:**
**گفتگو: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:**

حضرات! ابھی تین عرض آپ کے سامنے پیش کئے گئے اور عارضین نے بڑی خوش اسلوبی سے تمام نقاط نظر اور ان کے دلائل کو ذکر کیا اور اہم بات یہ ہے کہ واضح طور پر اس رائے کو بتایا ہے جو ان کے نزدیک قابل ترجیح ہے اور ترجیح کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے، عارضین حضرات سے درخواست ہے کہ ایک بہت مناسب تعبیر ہم لوگوں کو متوارثاً ملی ہے، اسماء واعلام میں وغیرہ اور عبارتوں میں الی آخرہ کی، تو اگر آئندہ نشستوں میں اس تعبیر کو اختیار کریں تو انشاء اللہ اس سے آپ کی بات مختصر ہوسکتی ہے۔

اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں، اس میں پندرہ سوالات تھے اور بعض ایک سوال کئی شقوں پر مشتمل تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ تحقیق سے اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے، جہاں تحقیق نہیں ہوتی ہے وہاں اختلاف پیدا نہیں ہوتا، لیکن جب آدمی کسی موضوع پر غواصی کرتا ہے، اس کے تمام پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھتا ہے تو اس میں اختلاف رائے بھی پیدا ہوتا ہے، اس لئے بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن میں اختلاف رائے ہے، تو ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ کچھ بنیادی اصولوں پر ہم زیادہ سے زیادہ گفتگو کریں، اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ حکومت سے جو ہمارا معاہدہ ہے، ہم اس ملک کے باشندہ ہیں، ہم نے اس ملک کےقانون پر عمل کرنے کا عہد کیا ہے اور ایفاء عہد قضاءً یا دیانۃً ہم پر واجب ہے، تو اس معاہدہ کی کیا حیثیت ہے، اس کی تھوڑی سی اور تفصیل یہ ہے کہ املاک تین قسم کی ہوسکتی ہیں: ایک توخالص سرکاری املاک، ایک عوامی املاک ہیں، گورنمنٹ ان کی نگرانی کرتی ہے، لیکن وہ عوام کے فائدہ کے لئے ہے، جیسے پارک ہے، کھیل کا میدان ہے، سڑکیں ہیں، اور ایک شخصی املاک ہیں، آپ نے کوئی چیز خرید کرلی ہے، تو حکومت سے جو ہمارا معاہدہ ہے کہ ہم اس کے قانون پر عمل کرینگے، کیا تینوں قسم کے املاک کے لئے یکساں طور پر اس کا اطلاق ہوگا؟ جیسے سرکاری املاک مثلاً ٹرین ہیں، اس کی سیٹیں ہیں، ریلوے اسٹیشن ہیں او ربھی چیزیں ہیں، ان میں سے کسی چیز میں ہم تصرف نہ کریں جو عوا می مفاد کے لئے چیزیں بنائی گئی ہیں، وہ عوامی املاک ہیں، اس میں ہم اس معاہدہ کے حد درجہ پابند رہیں، اسی طرح ہماری شخصی ملکیتیں ہیں، زمین ہم

نے خریدی ہے، ہم شرعاً وقانوناً اس کے مالک ہیں اور حکومت ہمارے لئے اصول مقرر کرتی ہے کہ اتنی فیصد جگہ آپ کو چھوڑنی ہوگی، مثال کے طور پر تو کیا شخصی املاک میں بھی حکومت کے قانون کی پابندی اسی درجہ ضروری ہوگی؟ وہ وجوب کے درجہ میں ہوگی یا استحباب کے درجہ میں ہوگی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بنیادی نقطہ ہے جس سے کئی مسئلے متعلق ہیں، اس پر ہمیں غور کرنا چاہئے، او ریہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حکومت سے ہم نے معاہدہ کیا ہے، لیکن معاہدہ کی جو روح ہے شریعت میں تراضی طرفین، تو کیا معاہدہ کی ان تمام صورتوں میں تراضی طرفین کا تحقق ہوتا ہے؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے جس میں ہمیں غور کرنا چاہئے۔

دوسرا سوال جو ابھر کر سامنے آیا ہے وہ انتقال حرمت کا ہے، چاہے وہ میراث کے ذریعہ املاک کی منتقلی ہو، چاہے کسی عقد کے ذریعہ ملکیت کی منتقلی ہو، تو جو حرمت پہلے سے پائی جارہی ہو اس حرمت کا انتقال کن صورتوں میں ہوتا ہے او رکن صورتوں میں نہیں ہوتا ہے، کن صورتوں میں بعد میں جن کی ملکیت اس پر قائم ہوئی ہے ان کے لئے آگے بیچنا یا ان سے لوگوں کے لئے خریدنا جائز ہوگا اور کن صورتوں میں ان کا خریدنا جائز نہیں ہوگا؟ تو یہ ایک دوسری بنیادی بات ہے او راس سلسلہ میں امام کرخیؒ کے اقوال بھی آپ حضرات نے ذکر کیا، اس صورت میں اگر اس قول سے استفادہ کیا جائے تو کیا جاسکتا ہے؟ اس پر ہماری توجہ ہونی چاہئے۔

تیسرا مسئلہ استقراض بالربح کا ہے، اکیڈمی کے تیسرے فقہی سمینار منعقدہ بنگلور میں اس سلسلہ میں بنیادی اصول طے ہوگئے تھے، اور ہمارے ہندوستان کے اکابر علماء کے فتاوی میں اس کا ذکر موجود ہے، لیکن یہ جو فقہاء نے لکھا، ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''، تو ایک حاجت تو جانی ہے، ایک حاجت مالی ہے اور معاصر علماء نے اس میں عرض (انسان کی عزت وآبرو) کو بھی شامل کیا ہے، تو کیا حاجت قانونی بھی حاجت میں شامل ہے یا کیا اس کو حفظ عرض میں شامل مانا جائے گا، یہ بھی کیا حاجت کے دائرے میں آئے گا، تو اس پہلو پر اس میں گفتگو کی جائے تو مناسب ہوگا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ چوں کہ اس میں رشوت کی بات بھی آئی ہے، دیکھئے: ہر بات جو ہم لوگوں کے بحث میں آئی ہو تجویز میں انہی الفاظ میں وہ آئے ضروری نہیں، لیکن مسئلہ کی تنقیح کے لئے اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہمارے یہاں فقہاء نے رشوت کی جو اجازت دی ہے وہ بنیادی طور پر دفع ظلم کے لئے اجازت دی ہے، اور دفع ظلم کی دوصورت ہوتی ہے: ایک اپنی چیز پر سے دوسرے کے ناجائز قبضہ کو ہٹانا جس کو بعض فقہاء نے اس بحث میں دفع مضرت سے تعبیر کیا ہے، اور دوسرے اپنے جائزحق کو حاصل کرنا جس کو رشوت کی بحث میں بعض فقہاء نے جلب منفعت سے تعبیر کیا ہے، تو اس میں یہ بھی مسئلہ زیر غور آتا ہے؟ اور کیا یہ مسئلہ اس دائرہ میں آتا ہے

جس کا فقہاء نے اس صورت میں استثناء کیا ہے؟

پانچواں اہم اور قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ جو اموال غیر منقولہ ہیں ان میں قبضہ تو ضروری نہیں ہے، آگے کی بیع کے لئے بیع قبل القبض میں ہمارے یہاں وہ شامل نہیں ہے، لیکن مملوک ہونا ضروری ہے اور ثبوت ملک کا کوئی ایک متعین طریقہ نصوص میں بیان نہیں کیا گیا ہے، تو اس پر غور کیا جائے کہ ثبوت ملکیت کا تحقق موجودہ دور میں صرف اجازت کی وجہ سے یا حوالگی کی وجہ سے یا پاور آف اٹارنی، جنرل پاور آف اٹارنی بنا دینے کی وجہ سے ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے قدیم فقہاء نے بھی اس پر بحث کی ہے، کہ ایک چیز آپ نے بیچ دی، اس میں کسی کا استحقاق نکل آیا، تب بھی وہ بیع فی نفسہ جائز ہوتی ہے، جب استحقاق نکلے گا اس وقت وہ مسئلہ پیدا ہوگا، اسی سے فقہاء متاخرین نے ضمان درک کا مسئلہ اٹھایا، تو اگر کسی چیز کی اجازت مالک کی طرف سے ہوجائے، لیکن اندیشہ ہے کہ آئندہ اس میں کوئی قانونی رکاوٹ پیدا ہوجائے، تو کیا یہ قانونی رکاوٹ ثبوت ملکیت میں مانع سمجھی جائے گی؟

یہ چار پانچ بنیادی اصول ایسے ہیں کہ اس پر ہماری توجہ زیادہ مرکوز ہونی چاہئے، دو باتوں کی اور بھی وضاحت کردیتا ہوں: اس میں بار بار استبدال وقف کا مسئلہ بھی آیا ہے، استبدال وقف کے مسئلہ پر ممبئی کے سمینار میں اکیڈمی کی تفصیلی بحثیں ہوئی ہیں اور اس کی بہت مفصل تجویزیں منظور ہوئی ہیں، اس بحث میں اب ہم کو الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک خاص صورت کہ جس میں وقف پر ناجائز قبضہ ہوگیا، اس کو آگے بیچ دیا گیا، کئی پشتوں سے وہ چیز بیچی جارہی ہے، یہ بیع قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ یہ مسئلہ اصل میں زیر بحث ہے اور دوسرا مسئلہ مسجدیت کا بھی آگیا، مسجد شرعی، مسجدیت کا تحقق کب ہوگا، اور جب مسجدیت قائم ہوجائے گی تو اس میں ابدیت اور دوام ہوگا، یہ بات تو پہلے سے طے شدہ ہے، مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر یہاں کسی نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا یا اس ارادہ کا اظہار کیا او رآئندہ اس نے اپنے اس ارادہ کو پورا نہ کرتے ہوئے زمین کو فروخت کردیا جو اس کی ملکیت ہے، تو یہ بیع درست ہوگی یا نہیں؟ اخیر میں یہ بات عرض ہے کہ گفتگو ہمیں کھل کر کرنی چاہئے، فقہاء کا کمال یہی ہے کہ معاشرہ میں جو اچھی باتیں پیش آئی ہیں انہوں نےاس کو بھی زیر بحث لایا ہے اور جو بری باتیں پیش آئی ہیں، چونکہ شریعت تمام مسلمانو نکے لئے اور ہرحالت کے لئے رہنما ہے، ان پر بھی انہو ننے بحث کی ہے، لہذا جو حضرات تجویز مرتب کرینگے وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہماری تجویز ملکی مصالح سے، ملکی قانون سے متصادم نہیں ہو، اور اس میں کوئی ایسا لفظ نہ آجائے یا ایسی تعبیر نہ آجائے جو ایک طرح سے مسلمانوں کے لئے، غیر اخلاقی طرز عمل کو جواز فراہم کرتی ہو، اب جیسا کہ فقہاء کے یہاں آپ دیکھتے ہیں کہ کہیں صاف واضح الفاظ لکھتے ہیں، کہیں لکھتے ہیں:''ینبغی '' کہیں کہتے

ہیں ''لا أحب ''، یہ فقہاء کے احتیاط ہیں کہ بعض چیزوں کو انہوں نے تعبیر کے غلاف میں ڈھک کرپیش کیا ہے جس کو بالکل کھول کر بتانا مناسب نہیں تھا، تو ہم لوگ تجویز کی ترتیب کے وقت اس بات کو پیش نظر رکھیں، ہمارے پاس بہت سارے دوستوں کے نام اس موضوع پربحث کے لئے آئے ہیں اور کئی تحریریں بھی آئی ہیں، جو تحریریں آئی ہیں ان کو انشاء اللہ ہم تجویز کمیٹی کے حوالے کردینگے، لیکن اس میں ایک اہم تحریر ہے جس کو پڑھ کر سنادیتا ہوں، یہ تحریر مولانا مفتی ثناء الہدی قاسمی کی ہے، آپ نے لکھا ہے:''سوال ۱۱ کے دوسرے جزء کے متعلق عرض کرنا ہے کہ پلاٹنگ کرنے والا اسٹام پیپر پر جو اصل مالک سے معاہدہ کرتا ہے اس کی حیثیت عموماً پاور آف اٹارنی کی ہوتی ہے او رپاور آف اٹارنی کے ذریعہ جو تصرف ہوتا ہے اس کو ہندوستان میں قانونی حیثیت حاصل ہے، او راس کا تصرف شرعاً درست سمجھا جاتا ہے، پاور آف اٹارنی کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے، اس لئے پلاٹنگ کرنے والے کا تصرف درست ہونا چاہئے، کیونکہ بظاہر اس میں نہ تو شرعاً اور نہ قانونی حیثیت سے کوئی رکاوٹ ہے، پاور آف اٹارنی کے ذریعہ کئے گئے تصرف میں غرر کی بات سمجھ میں نہیں آتی ''۔

اب جن حضرات نے مناقشہ کے لئے کہا ہے میں ان کو دعوت دیتا ہوں اور سب سے پہلے اس مناقشہ کا آغاز مولانا نعمت اللہ صاحب قاسمی سے کراتا ہوں۔

**مولانانعمت اللہ قاسمی صاحب:**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، پہلا سوال یہ ہے کہ بعض غنڈہ عناصر اور دوسرے افراد سرکاری زمین پر قابض ہوجاتے ہیں، اس میں زمین کی دوقسمیں ہیں، ارض موات، جس کو ارض مباحہ بھی کہتےہیں اور ارض مملوک، یہ مسئلہ جس پر ہم لوگ بحث کر رہے ہیں، ارض مباحہ اور ارض موات کا ہے، اور مشکل یہ ہے کہ ارض مملوک سمجھ کر غصب کا حکم ہمارے فقہاء نے اس پر لگادیا، اجلاس میں ہمارے جتنے فقہاء موجود ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ ارض مباحہ کا مسئلہ ہے، ارض مباحہ کے سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملکیت ثابت ہونے کے لئے امیر کی اجازت یا سربراہ مملکت کی اجازت شرط ہے، لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شرط نہیں ہے، بغیر امیر کی اجازت کے بھی اگر کسی نے قبضہ کرلیا اور اس کو آباد کرلیا تو وہ اس کی ملکیت ہوجائے گی، شہر کی ضرورتوں سے جو فاضل زمین ہوتی ہے، مثلاً پارک فاضل زمین ہے، ہوائی اڈے سے فاضل زمین ہے، کھیل کے میدان سے جو فاضل زمین ہے، ان فاضل زمینوں کو ہم ارض مباحہ اور ارض موات تصور کرتے ہیں، اب اس ارض موات کے اوپر کسی نے قبضہ کرلیا، ہمارے حکام کابھی مزاج یہی ہے کہ اگر ہم درخواست گزارنے جائینگے کہ ہم کو مکان بنانے کی ضرورت ہے، اس میں ہم کو دوکٹھہ زمین الاٹ کردیجئے، تو آسانی سے الاٹ کرنے والی حکومت نہیں ہے، اب اس میں جو لوگ قبضہ

کرسکتے ہیں وہ قبضہ کرتے ہیں، پھر بعد میں حکومت سے اجازت لیتے ہیں، اس اجازت لینے میں بھی پیسہ کا لین دین ہوتا ہے، تو ارض موات کے سلسلہ میں ہمارے افسران وحکام اور حکومت کا جو مزاج ہے، اس مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کو سوچنا چاہئے، ایک بااثر آدمی ہے جس نے ایک علاقہ پر قبضہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد اندر اندر اس کی پلاٹنگ کی اور دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کردیا، اس امید پر کہ ہم افسران سے اس کی اجازت لے لینگے، جیسا کہ سوال میں اس کا تذکرہ بھی آیا ہے، تو اگر افسران سے وہ اجازت لے لیتے ہیں تو پھر یہ صحیح ہوجاتا ہے اور اگر اجازت نہیں ہوتی ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ قانونی طور پر صحیح نہیں ہے، لہذا اس مسئلہ پر اس نقطہ نظر سے بھی غور کرنا چاہئے، سارے لوگوں نے اس مسئلہ کو غصب قرار دے دیا، میری سمجھ سے یہ بات باہر ہے، اس مسئلہ کو اس لحاظ سے سوچنا چاہئے کہ جو ضرورتیں لوگوں کی ہیں، مکان کی ضرورت ہے، زمین کی ضرورت ہے، اس کو بھی سامنے رکھنا چاہئے، یہ پہلا سوال ہے، اس لئے میں نے لکھا تھا کہ شہر کی ضرورت سے جو فاضل زمین ہے درحقیقت وہ ارض مباحہ ہے، یعنی احیاء موات کا مسئلہ ہے، البتہ یہ ہے کہ قبضہ سے لے کر خریدوفروخت تک سارا سلسلہ جو ہوتا ہے وہ حکام کی اجازت کے بغیرہوتا ہے،تو ہوتا ہے ہوا کرے، لیکن بعد میناجازت لے کر قانونی استحکام حاصل کرلیاجائے، تو پھر اس میں کوئی مضائقہ ہی نہیں۔

**مولانا خالدسیف اللہ رحمانی:**

جزاکم اللہ، مفتی صاحب نے بڑا اہم نکتہ اٹھایا ہے، اب یہ بات قابل بحث ہے کہ ارض موات کا اطلاق کس پر ہوگا؟ اگرچہ کسی زمین پر کھیتی نہ ہوتی ہو، لیکن وہ دوسرے مقاصد میں استعمال ہوتی ہو، اور مولانا نعمت اللہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ ان مقاصد سے باہر کی زمین ہے، ہوائی اڈے کی زمین نہیں ہے، پارک کی زمین نہیں ہے، اس کے علاوہ جو بنجر زمین ہوگی اس کا یہ مسئلہ ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:اچھا ٹھیک ہے آگے چلیے۔

مولانا نعمت اللہ قاسمی صاحب:جی آگے،نمبر ۲،اوقاف کی بیع کے سلسلہ میں بھی بات آئی ہے، تو اس میں فقہاء نے شامی کے اندر جن شرائط کا ذکر کیا ہے،ان شرائط کو سامنے رکھ کرکے اس کی اجازت ہونی چاہئے، قاضی جنہ کی بھی شرط ہے، یعنی جنت میں جانے والا قاضی ہواور دوسری اہم شرط یہ ہے کہ اگر زمین کی فروختگی کا معاملہ ہو تو روپے سےہو یازمین کا تبادلہ زمین سے ہو، پہلے بدل کی زمین کاانتظام کرلیاجائے، تب جاکر کے اس زمین کو فروخت کیا جائے، اس لئے اس کی تجویز مرتب کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے۔

حرام آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کا مسئلہ آیا ہے، حرام آمدنی سے خریدی ہوئی

زمین کےسلسلہ میں امام کرخیؒ کے ایک قول کا تذکرہ بار بار آیا ہے، لیکن اس میں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب حرام آمدنی کامثل یا اس کا بدل ادا کردیا جائے، اگر مالک معلوم ہو اور اگر مالک معلوم نہیں ہے تو پھر اس کا صدقہ کردیا جائے تب جاکر کے وہ چیز جائز ہے اور اس کا استعمال کرنا حلال ہے، ورنہ وہ ملک خبیث ہے، ملک خبیث کو استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

اس لئے تجویزمرتب ہوتے وقت یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے، او رکالونی کی زمین میںنقشہ کی خلاف ورزی کرنا، نقشہ میں مسجد کے لئے جو جگہ مختص کی گئی ہے اس زمین کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ہے؟ تو مسئلہ یہ ہےکہ وہ کالونی والی زمین ارض مباحہ نہیں ہے، ارض مملوکہ ہے اورکالونی بسانے والے نے خریدار کی رغبت کےلئےکہیں پارک دکھلایا، کہیں مسجد دکھلایا، کہیں کچھ دکھلایا، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جو سہولتیں دکھلائی گئی ہیں وہ مبیع کےلئے اوصاف کے درجے میں ہیں، اگر مبیع وصف کے مطابق نہیں ہو تو پھر خریدار کو اجازت ہے کہ چاہے وہ خریدے، چاہے نہیں خریدے، گویا وہ زمین پارک کی ہے، لیکن نقشہ میں مسجد کےلئے زمین ہے، اس کے اوپر بہرصورت مالک کی ملکیت ہے۔

**مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:**

مفتی صاحب! میری رائے یہ تھی کہ آپ نے بڑےاہم نکات اٹھائے ہیں، اس کو لکھ دیجئے اور اس تجویز کمیٹی میں انشاء اللہ آپ شامل ہونگے، تو آپ کو دوسروں سے کہنا نہیں پڑے گا، آپ خود انشاء اللہ اس کو بہتر طور پر مرتب فرمائینگے۔

**مولانا نعمت اللہ قاسمی صاحب:**

دسواں سوال جس میں زمین کی پلاٹنگ کی خلاف ورزی اور نقشہ میں تبدیلی کردی، ایسی صورت میں مبیع مجہول ہے یاغیر مجہول ہے اس سلسلہ میں کچھ بات عرض کرنی تھی۔

فقہاء نے مسئلہ لکھا ہےکہ اگر کسی نے غلہ کے ڈھیر کو بیچا اور یہ کہا کہ ایک صاع اتنے روپے میں، تو اس میں ہمارے فقہاء تحریر فرماتےہیں کہ بہرصورت ایک صاع کے اندر بیع درست ہوجائے گی، باقی میں بیع درست نہیں ہوگی اور اگرمجلس عقدکےاندر پورے کا پورے وزن کردیا گیا اورمعلوم ہوگیا کہ اتنا کیلو ہے اور اسکی اتنی قیمت ہے، رضامندی مجلس عقد میں ہوگئی تو وہ بیع درست ہے، لیکن اگر کوئی بکریوں کے ریوڑ کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ اس میں سے ہم نےدوجانور یا ایک جانور فروخت کیا اتنے روپے میں، تو اس کو ہمارے تمام فقہاء ناجائز فرماتےہیں، اس لئے کہ یہ ذوات القیم میں سے ہے، اس میں قیمتوں میں تفاوت ہے، تویہ جو پلاٹنگ ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہے: ایک تو یہ ہے کہ جائے وقوع، یعنی ایک ہے بیچ کا راستہ ، ایک ہے کنارے کاراستہ

اورایک طرف گویا کہ کچھ ایسے لوگ بسے ہوئے ہیں جہاں پر بسنا لوگ مناسب نہیں سمجھتے، دوسرے شریف لوگ بسے ہوئے ہیں، تو جائے وقوع کے لحاظ سے او راسی طریقہ سےمحل وقوع کے لحاظ سے وہ پلاٹ مختلف نوع کی چیز ہے ، ذوات القیم میں سے ہے، تو اگر ایک راستے کےاندر مختلف پلاٹ ہے، اس کی قیمت بھی ایک ہے اورپڑوسیوں کے لحاظ سے بھی وہ جگہ مناسب ہے تو ایسے پلاٹوں کو ہم ذوات الامثال مینشمار کرسکتےہیں، لیکن اگر وہ پلاٹ محل وقوع کے لحاظ سے اور دوسرے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہے تو اس کو ہم ذوات القیم میں شمار کرینگے، اگر مطلق نقشے کےاندر اس نے پلاٹنگ کی اور اس میں تبدیلی کی تو ایسی شکل میں ہم کو یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ پلاٹ ذوات الامثال میں سے ہے یاذوات القیم میں سے ہے، اگر ذوات القیم میں سے ہے تو اس میں تبدیلی کا ہم کوئی لحاظ نہیں کرینگے اورکہینگے کہ یہ خریدوفروخت جائز ہے اور درست ہے، اور اگر ذوات القیم میں سے ہے تو وہاں غور کرنا پڑے گا اور کہنا ہوگا کہ یہ خرید وفروخت درست نہیں ہے۔

**مولانا عبد القدوس ندوی صاحب:**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ سوال نمبر ۳ کے اندر موروثی زمین کے تعلق سے جو بات آئی ہے، تو اس میں دوباتیں ہیں: اگر بیچنے والا صرف اپنا ہی حصہ بیچتا ہے تو اس صورت کے اندر جائز ہونی چاہئے، اور یہ بیع مشاع ہوگی، البتہ اگر اس کے حصے کوالگ کردیاجائے تو درست ہوگی اور اگر پوری مکمل زمین بیچتا ہےیعنی دوسرے کے حصے کو بھی بیچ دیتا ہے تو یہ اپنے حصے کےبقدر توجائز ہوگی، لیکن دوسرے کےحصے کو جو بیچا ہے یہ بیع موقوف ہوگی، اگر دوسرے حصہ دار اجازت دیتے ہیں تو بیع نافذ ہوجائے گی، اگر اجازت نہیں دیتےہیں تو اس صورت کے اندر نافذنہیں ہوگی۔

سوال نمبر ۴ کے اندر جو حرام آمدنی کے تعلق سے بات آئی تھی، ظاہر سی بات ہے کہ جو آمدنی مال حرام ہے، مال خبیث ہی ہے، اس میں کوئی تفریق کی ضرورت نہیں ہے، اس میں کہنا یہ ہے کہ حرام مال اگر اعیان ہوں تو وہ متعین ہوتے ہیں اور اس کی حرمت متعدی ہوتی ہے اور بیچینگے تو درست وصحیح نہیں ہوگا، لیکن اگر حرام مال اعیان نہ ہوں اثمان ہونتو اس صورت کے اندر اثمان متعین نہیں ہوتے ہیں، اسی وجہ سے امام کرخیؒ کی جو باتیں آئی ہیں اگرا س میں ایسا ہوجائے کہ مبیع پہلے خرید کرلی جائے اوربعد میں ثمن ادا کیاجائے تو بیع درست ہونی چاہئے، اس لئے کہ اثمان متعین نہیں ہوتے، مافی الذمہ اثمان لازم ہوجائینگے، اسی طرح سے جو مواعید کی بات آئی تھی، وعدے کے تعلق سے کہ آیا اس کا پورا کرنا دیانۃً ہے یا قضاءً، تو احناف کے یہاں مشہور ہے کہ دیانۃً واجب ہے، قضاءً واجب نہیں ہے، لیکن دور حاضر کے اندر تقریبا ہمارے اہل علم جانتے ہیں کہ مالکیہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے احناف بھی مواعید کو قضاءً واجب قرار

دیتے ہیں، اس اعتبا رسے وہ مسائل مرتب ہونگے اور اسی اعتبار سے مسائل مرتب ہونے چاہئیں، اسی طرح سے اس کےاندر بہت سی باتیں آئی تھیں کہ پلاٹنگ کرنے والے اگر بیچتے ہیں جب کہ اس سے پہلے وعدے وغیرہ کرچکے ہیں تو ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، اور اگر کرتےہیں تو اس میں دھوکہ بھی ہوگا اور غرر بھی جو مفسد عقد ہوتا ہے۔

سوال ۶ کے اندر انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لیناجائز ہے، اس کے تعلق سے بات آئی تھی، ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ انکم ٹیکس کا ایک حصہ تو درست ہوتا ہے اور بہت سے حصے درست نہیں ہوتے ہیں، اگر جائز انکم ٹیکس ہے تو اس کی خاطر سودی قرض لینا جائز نہیں ہوگا، اگرناجائز ہے تو پھر اس کے جواز کی صورت پیدا ہونی چاہئے۔

سوال ۱۵ کے اندر جو دلال کی اجرت کی بات آئی تھی اس کے تعلق سے یہ کہنا ہے کہ جب ہم دلال کی اجرت کو ایک طرف جائز قرار دیتےہیں، تو وہاں یہ ہے کہ اگر دلال مشتری سے بھی پیسے لے رہا ہے اوربائع سے بھی پیسے لے رہا ہے تب تو صحیح نہیں ہوگا، لیکن وہ اگر بائع سے اپنی اجرت لے رہا ہےاوریہ کام کررہا ہے توپھر یہ درست اور صحیح ہونا چاہئے، ناجائز نہیں ہونا چاہئے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

**مفتی جمیل احمد نذیری صاحب:**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ابھی حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب قاسمی نے زمین کو ذوات الامثال میں سے فرمایا ہے، تو میرا یہ کہنا ہے کہ ذوات الامثال اور ذوات القیم کون چیزیں ہوتی ہیں، فقہاء نے ان کو متعین کردیا ہے، تمام مکیلات اور تمام موزونات اور عددیات متقاربہ یہ ذوات الامثال میں ہیں، عددیات متقاربہ جیسے کیلا ہے، انڈا ہے کہ جن کے آحاد میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے اور اس سے کوئی نزاع نہیں پیدا ہوتا ہے، لیکن تمام مزروعات اور تمام عددیات متفاوتہ ان میں جانور بھی شامل ہے، وہ سب کے سب ذوات القیم میں ہےاور زمین مزروعات میں ہے، کسی قسم کی بھی زمین ہو وہ ذوات الامثال میں شامل نہیں ہونگی، ذوات القیم میں ہونگی، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک زمین کا حصہ ہے جو سامنے کا ہے اور ایک ہے اس کے پیچھے کا، تو دونوں کی قیمتوں میں فرق بہرحال رہے گا، (یہی تو ذوات القیم کی نشانی ہے)۔

شاید مولانا نعمت اللہ قاسمی صاحب: نہیں نہیں یہ ذوات الامثال ہی میں سے ہے، یہ ذوات القیم کی پہچان نہیں ہے، وہ مزروعات میں سے ہے نہ مکیلات نہ موزونات نہ عددیات متقاربہ۔

**مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:**

بہرحال فقہاء نے ذوات الامثال اور ذوات القیم میں عام طور پر اموال منقولہ کا ذکر کیا ہے، لیکن کیا یہ ایک تعبدی امر ہے کہ جو مثالیں دی گئی ہیں ان ہی تک ذوات الامثال

وذوات القیم محدود ہوگا یا اس کا دائرہ وسیع بھی ہوسکتا ہے؟، یہ بات قابل توجہ ہے ۔

**مولانا محمد شاہجہاں ندوی:**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مجھے دوباتیں عرض کرنی ہے: پہلی بات یہ ہےکہ پہلے عارض صاحب نے سرکاری اموال کو سرکار کی ملک خاص قرار دیا ہے، سرکاری اموال سرکارکی ملک خاص نہیں ہوتےہیں، بلکہ وہ ملک عام ہوتےہیں، جس میں مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا حق حکومت کو ہوتا ہےیا قاعدہ قانون وضع کرنے کاحق حکومت کو ہوتا ہے، سرکار کی کوئی ملک خاص نہیں ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ میں نے مقالہ میں جو بات کہی ہے کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ غاصب کے لئے بیع کا اقدام کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ علامہ شامیؒ کی توضیح پیش کی ہے کہ مغصوبہ زمین کو اگر غاصب مالک کے لئے بیچ دیتا ہے تو یہ بیع منعقد ہوجائے گی، اس لئے کہ یہ فضولی کی بیع ہے، البتہ اپنی ذات کے لئے مغصوبہ زمین کو بیچتا ہے تو بیع منعقد نہیں ہوگی، اس لئے کہ غاصب نہ مالک ہے نہ وکیل ہے اور چونکہ وہ اپنی ذا ت کے لئے بیچ رہا ہے اس لئے یہ بیع، بیع فضولی بھی نہیں ہے، جزاکم اللہ۔

**مولانا محمد فصیح الدین ندوی:**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سوال ۵ کے تحت پلاٹنگ کرنے والا نقشہ میں پارک اور مسجد، اسی طرح لائبریری کےلئے جگہ بتاتا ہے، پھر وہ اس کے اندر تبدیلی کرتے ہوئے اس کو فروخت کردیتا ہے، تو عارض محترم نے اس کی تبدیلی کی اجازت دی ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کرنا کھلا دھوکہ ہے،رسول اللہﷺ نے فرمایا: ‘‘من غش فلیس منا’’، اس لئے نقشہ میں جو چیز بتائی گئی ہے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی آدمی اس طرح کرتا ہے اور نقشہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فروخت کربھی دیتا ہے،مثلاً حیدرآباد بڑا شہر ہے، بڑے بڑے کامپلیکس ملٹی کروڑس کے بن رہے ہیں، وہاں پارکنگ کی جگہ ہوتی ہے، اس پارکنگ کی جگہ کو بلڈر شاپس (Shops)کے لئے بیچ دیتا ہے، لیکن نقشہ میں اس نے پارکنگ ہی بتائی تھی، تو پھرعدالت میں یہ مقدمہ جاتا ہے، عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ پارکنگ کی جگہ چونکہ آپ نے بتائی تھی، یہاں شاپس غیر قانونی بنائی گئی ہیں تو راتوں رات اس کو توڑ دیا جاتا ہے، اس لئے اس طرح کی چیزو ں کے بارے میں عدم جواز کی رائے ہونا چاہئے، تجاویز مرتب کرنے والے اس سلسلہ کو ملحوظ رکھیں، او راسی طرح میری گزارش ہے کہ اراضی کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی پیش آرہا ہے، زمین ہوتی ہے گرین زون کی، یعنی ایگریکلچر کی زمین ہوتی ہے، بیچنے والا دھوکہ دے کر بیچ دیتا ہے، مدرسوں کو بیچ رہا ہے، مسجدوں کو بیچ رہا ہے، بتاتا نہیں کہ یہاں تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں کی جاسکتی ہے، ایم پی سےلگا ہوا اسٹیٹ مہاراشٹر ہے، یہاں ایسے مدرسوں کے لئے زمینیں ساتھیوں نے خریدی

ہے جو گرین زون میں ہے، دس سال ہوچکےہیں مگر اب وہاں تعمیر نہیں کرسکتے، تو یہ دھوکہ دے کر بیچنے میں آتا ہے، اس کی بھی اگر وضاحت کردی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، اور نقشہ میں جیسا بتایا گیا، اسی طرح دینا خریدنے والوں کو یہ زیادہ بہتر ہوگا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

**مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:**

ابھی مولانا نے جو ایک اور سوال اٹھایا گرین زون کی زمین کا دھوکہ دے کر فروخت کردینا، یعنی وہ اراضی جس کو ایگریکلچر کے لئے گورنمنٹ نے مخصوص رکھا ہے، تو جو حضرات تجویز مرتب کرنے والے ہوں وہ اس سوال کو بھی اپنے ذہن میں رکھیں، یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

**مفتی رجیب قاسمی کیرالہ:**

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد! انکم ٹیکس سے بچنے کےلئے جو سودی قرض لینے سے متعلق جوابات ہیں اس پر ایک بات عرض کرنی ہے کہ سودی قرض کی وجہ سے ا نکم ٹیکس پورا وضع نہیں کیاجاتا، بلکہ ایک سال میں سودی قرض کی وجہ سے جو پیسہ بینک میں جمع کرنا ہے صرف اسی کے بقدر انکم ٹیکس سے وضع کیاجاتا ہے، مثلاً ایک شخص کی تنخواہ ایک سال میں دس لاکھ ہو، تو ایک لاکھ اس کو انکم ٹیکس بھرنا ہے، تو اس آدمی نے پانچ سال کی مدت پر بینک سے دس لاکھ قرض لیا ہے تو یوں سمجھئے کہ ہر سال میں دولاکھ اس کو بینک میں جمع کرنا ہے، اگربارہ فیصد اس کا سود ہے تو دس لاکھ کا انہوں نے ایک لاکھ بیس ہزار سود کے طور پر بینک کو دے رہا ہے، توانکم ٹیکس شعبہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کو ایک سال میں دو لاکھ بینک کو دینا ہے، اس لئے اس دولاکھ کا ہم ٹیکس نہیں لینگے، باقی آٹھ لاکھ کا ٹیکس لینگے، تونتیجہ یہ ہوا کہ جو آدمی دس لاکھ تنخواہ لینے والا ہے اس کا زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار وضع کیا جائے گا یا بیس ہزار وضع کیا جائے گا ٹیکس کی رقم سے، لیکن اس کی وجہ سے اس کو بینک کو ایک سال میں ایک لاکھ بیس ہزار دینا پڑتا ہے، اگربارہ فیصد سود ہو تو ایک لاکھ بیس ہزار دینا پڑتا ہے، یہ تیس ہزار سے بچنے کےلئے ایک لاکھ بیس ہزار سود پر دینا پڑتا ہے، تو شاید انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے یہ سود کا قرض نہیں لے رہا ہے بلکہ انکم ٹیکس کے نام پر یہ حیلہ کررہا ہے،ان کو سودی قرض سے نفع اٹھانا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ انکم ٹیکس دینا کچھ حرام تو نہیں ہے، علماء نے تو حرام نہیں کہا ہے، لیکن سود دلینا دینا دونوں حرام ہے، تجویز کمیٹی اگر اس بات کو بھی سامنے رکھے تو انشاء اللہ بہتر ہوگا۔ والسلام علیکم

**مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:**

یہ بات قابل غور ہے جو آپ نے بتائی کہ اس قرض کی وجہ سے انکم ٹیکس سے

کس درجہ چھوٹ ملتی ہے، اس میں انشاءاللہ کسی واقف کار سے مزید معلومات حاصل کرنا مناسب ہوگا، اسی پروگرام کے درمیان انشاء اللہ اس کی کوشش کی جائے گی۔

**مولانا جنید بن محمد صاحب پالنپوری (ممبئی):**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، پہلا سوال قانون سے متعلق ہے، ہمیں قانون جاننا چاہئے کہ قانون کیا کہتا ہے، ہر زمین پر آدمی لے آوٹ پاس نہیں کراسکتا، منظور نہیں کراسکتا، ورنہ زمین بچے گی ہی نہیں، ہر دیہات میں ہر شہر میں بعض زمین ایسی ہوتی ہے جو حکومت کی طرف سے مباح ہوتی ہے، آدمی اس پر دعوی کرتا ہے، مطالبہ کرتا ہے، مانگتا ہے تو اس کو حکومت دیتی ہے، اسی پر لے آوٹ پاس کراسکتا ہے، لےآوٹ منظور کرالیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت نے زمین اس کو دیدی، ورنہ لے آوٹ بڑے سے بڑا افسر بھی پاس نہیں کراسکتا، اس لئے اسے غصب کہنا محل نظر ہے، اب یہ غنڈہ عناصر ہوں یا معمولی انسان ہو، اس کے لئے رشوت دینا بھی ضروری ہے، اس کے بعد ہی پاس کراتا ہے، اس کے بغیر کام ہوتا ہی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر ایک سوال آیا تھا کہ سوئمنگ پول ہے، کھیل کا میدان ہے، پارکنگ ہے، اسےبلڈر بیچ دیتا ہے تو سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں مکان کےتابع ہیں، مبیع کے تابع ہیں، اب چاہے اوصاف سے مانی جائے یا مبیع کی ذات سے مانی جائے، جب تک بلڈر ان چیزوں کو دکھاتا نہیں ہے تب تک کوئی بھی چیز پاس نہیں کراسکتا، یہ اور بات ہے کہ رہائش پذیر یا جولوگ مکان خرید رہے ہیں انہیں اصول کا پتہ نہیں ہوتا توبلڈر اسے بیچ دیتا ہے، تو گویا کہ ان کےحق کو بیچ رہا ہے، اسے صرف اوصاف کہنا یہ محل نظر ہے، یہ ان کا حق مار رہا ہے، اسی طرح ایک بات یہ آئی تھی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حکومت ہمارے نرخ اور داموں پر کنٹرول کرتی ہے اور اس میں عوام کی بھلائی بھی ہے، امام ابویوسفؒ نے اس کی اجازت دی ہے کہ حکومت اور امیر نرخ پر کنٹرول کرسکتا ہے، تو یہ سوئمنگ پول ہوتا ہے، کھیل کے میدان ہوتےہیں یا پارکنگ ہوتی ہے، یہ اسی قبیل سے ہے، کہ عوام کے فائدے کے لئے حکومت نے قانون پاس کیا ہے، گویا کہ اس کالونی میں جو رہنے والے ہیں ان کاحق ہے، اسے بلڈر نہیں بیچ سکتا، اب یہ اور بات ہے کہ سرکاری افسران آتے ہیں او ربغیر ان چیزوں کا معائنہ کئے ہوئے رشوت کھاکر اجازت دے دیتے ہیں، ورنہ NOC ان چیزوں کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

اب بعض کالونیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جس میں مسلمان بھی ہوتےہیں او رغیر مسلم بھی ہوتےہیں، اب وہاں پر کھیل کا جو میدان ہوتا ہے یا باغ ہوتا ہے تو اسے مسجد بنا لیتے ہیں، اس میں تمام کا حق لگا ہوا ہے، مسلم ہونیا غیر مسلم ہوں، اس لئے باتفاق اہل کالونی ہی مسجد بنانے کی اجازت ہوگی، ورنہ یہ غصب ہوگا اور دوسروں کا حق مارنا ہوگا، اس کے علاوہ جو سودی قرض کا معاملہ آیا اس میں کوئی انکار نہیں ہے کہ بڑی

مصیبتیں آتی ہیں، اب تو اور مصیبتیں ہوگئی ہیں کہ حکومت نے تین لاکھ سے زیادہ کیش پر پابندی لگا دی ہے، کوئی آدمی اگر تین لاکھ سے زیادہ کیش کا کاروبار کرے گا تو وصول کرنے والے پر سوفیصد جرمانہ لگے گا، تو ممکن ہے ایک آدمی بڑے مکان کو نقد نہ لے پائے، مگر اس پر دو شرطیں جواز کی ہونی چاہئے: ایک تو یہ کہ جو تحدید وقت ہے، کم سے کم جو وقت ہے اس میں ادا کردیاجائے اور دوسری جو اہم شرط ہے وہ یہ کہ اس کے پاس واقعی نقد بھی ہونا چاہئے خریدنے کے لئے، ورنہ گویا کہ وہ مفتی کو بیوقوف بنارہاہے، سوالنامہ میں جو آخری سوال ہے کہ دلال جو رقم زیادہ کرکے دیتا ہے، دلال یہاں پر صرف واسطہ ہے، وکیل بالبیع نہیں ہے، یہ صرف دونوں بائع اور مشتری کو ملانے کا واسطہ ہے اور اسی کام کا وہ پیسہ لیتا ہے، لہذا اگر وکیل دلال زیادہ پیسہ لیتا ہے توممبئی کی زبان میں اور شہروں کی زبان میں اسے کھانچہ مارنا کہتےہیں، یہ قطعاً جائز نہیں ہوگا۔ جزاکم اللہ۔

**مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:**

یہ بھی پہلو سامنے ہونا چاہئے کہ ایک تو یہ ہے کہ کسی فعل کا نادرست ہونا اور دوسرے اس فعل کی بنیاد پر ہونے والے تصرف کا ناقابل تنفیذ ہونا، جیسے تسعیر کا مسئلہ آپ نے بیان کیا، توامام ابویوسفؒ کے یہاں تسعیر کی اجازت ہے، لیکن فقہاء یہ بھی لکھتےہیں کہ باوجود تسعیر کے اگر اس کی رعایت کئے بغیر بیچ دے توبیع درست ہوجائے گی اور بیع نافذ ہوگی، اس پہلو کو بھی سامنے رکھا جائے۔

**مفتی محمد سعید الرحمن قاسمی (امارت شرعیہ پٹنہ):**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سوال نمبر ١١ کے پہلے جزو سے متعلق عرض یہ ہے کہ پلاٹ خریدنے کے بعد اس پر قبضہ سے پہلے اس کی خرید وفروخت جائز ہونی چاہئے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک عقار کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، چونکہ اس صورت میں غرر اور ضیاع کا امکان نادر الوقوع ہے، البتہ اگر وہ زمین ایسی جگہ ہو جہاں اس کےضائع ہونے کاقوی امکان ہو جیسے دریا کے کنارے وغیرہ تو پھر قبضہ سے قبل کی بیع جائز نہیں ہونی چاہئے، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

**مولانا محمد ابرار خاں ندوی (جے پور):**

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بعض سوالات تو آچکے ہیں بعض ساتھیوں کی طرف سے، بس ایک چیز مجھے عرض کرنی ہے جو تیسرے سوال سےمتعلق ہے اور وہ اتنی ہے کہ بعض لوگوں کی یہ رائے آئی کہ جس مال کی شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوئی ہے یعنی پھوپھیوں کو اوربہنوں کو یعنی دادا نے اپنی بیٹیوں کو اور والد صاحب نے پھوپھیوں کو ان کاحصہ نہیں دیا ہے وہ مال بعد کے ورثاء کے لئے اس کی ملکیت میں نہیں ہے، لہذا جب ملکیت میں نہیں ہے تو اس کابیچنا درست نہیں ہے، اس بات میں بعض دشواریاں بھی

آئینگی، اس لئے کہ اگر اس کو ملکیت ہم نہیں مانینگے او راس کے نتیجہ میں اس کی بیع درست نہیں مانینگے تو پھر ایک مسئلہ آئے گا اس مال پر زکوۃ کی فرضیت کا، کہ اگربہنوں کا حصہ الگ کردیاجائے تواتنا کم مال بچے گا کہ اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی، اس لئے کہ بہنوں کی ملکیت ہے، اس کی ملکیت نہیں ہے تو اس مال کو مدارس میں یا مساجد میں استعمال کرنا، اس مال سے حج کرنا (خالد سیف اللہ صاحب: زمین تو اموال زکوۃ میں نہیں ہے، یہ جب تک تجارت کے لئے نہ ہو)، لیکن اس کی آمدنی کا استعمال، اس زمین کی جو آمدنی ہوگی اس کا استعمال او راس کی آمدنی پر زکوۃ او راس کی آمدنی سے حج وغیرہ کرنا یہ تمام دینی امور کی انجام دہی وغیرہ کا مسئلہ تو آئے گا ہی، اس لئے اس کو ملکیت ماننے ہی میں فائدہ نظر آرہا ہے، جزاکم اللہ۔

**مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:**

یہ کئی تحریریں ہمارے پاس آئی ہیں، مولانا ومفتی عبد الحکیم صاحب، م ص ندوی صاحب، مولانا سیف اللہ صاحب دھنباد، مولانا سعید اسعد صاحب بنگال، مولانا شمس الدین قاسمی صاحب ایم پی، مولانا محمد حسن ندوی صاحب ماٹلی والا بھروچ، مولانا عمران ندوی صاحب، مولانا سلطان صاحب کشمیر، مولانا ومفتی نذیر احمد صاحب کشمیر، ان دوستوں نے بڑا اچھا کیا کہ انہو ننے اپنی رائے اور اپنی تجویز کو تحریری شکل میں دیدیا ہے، یہ ہمارے پاس امانت ہے جو تجویز کمیٹی بنے گی ان کےکنوینر کی خدمت میں انشاء اللہ ہم اسے پیش کردینگے۔

ہم بہت شکرگزار ہیں کہ آپ حضرات نے بہت متانت اور وقار وسنجیدگی کےساتھ عرض مسئلہ کو سنا اور ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ اپنی باتو نکو پیش فرمایا اور بڑے اچھے نکات اٹھائے، ایسے نکات کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوا ہوگا، میں اس نشست کے اخیر میں اس اجلاس کے صدر عالی قدر حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر ورکن عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور ٹرسٹی خازن اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے صدارتی کلام سے ہمیں مستفید فرمائیں۔

**صدارتی خطاب:**

**مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب:**

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد! اسٹیج پر تشریف فرما اساطین امت، علماء عظام اور اسلامک فقہ اکیڈمی کی دعوت پر پورے ملک اوربیرون ملک سے تشریف لائے ہوئے مفتیان عظام اور علماء دین! آج ہم نے جس موضوع کے متعلق عرض سنا اور اس کے بعد مناقشہ سنا، الحمد للہ بہت خوشی ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی کوشش دن بہ دن بار آور ہورہی ہے، چونکہ احقر اسلامک فقہ اکیڈمی کے پہلے اجلاس میں

شرکت نہیں کرسکا تھا، دوسرےاجلاس سے اور اس کے بعد سے شاید ہی کوئی ایک دواجلاس ہوجس میں شرکت نہ کی ہو اور اس کے سمیناروں میں جو مقالات پیش کئے جاتے ہیں وہ بہت ہی علمی اور تحقیقی ہوا کرتے ہیں، اس وقت جو مقالے ہمارے سامنے پیش کئے گئے اس میں ہمارے مقالہ نگار حضرات نے جو تحقیق پیش کی ہے اس میں شقیں درشقیں جو بیان کی ہیں یہ آپ حضرات کی محنتیں ہیں جو قابل قدر ہیں، اللہ تعالی مزید توفیق عطا فرمائے اور زمین کے بارے میں ایک تو مزروعہ زمین ہے اور دوسری غیر مزروعہ زمین ہے، کھیتی کی زمین مزروعہ زمین ہے جس کی قیمت کم ہوتی ہے اورجب مزروعہ پر پلاٹنگ کردی جاتی ہے اور آبادی دکھا دی جاتی ہے تو افسران اسے غیر مزروعہ میں شمار کرکے اس کی اجازت دے دیتے ہیں، پھر بلڈر اس کو فروخت کرتا ہے تواس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اس لئے جو راستے وغیرہ ہیں، کامن پلاٹ ہے یا باغ وغیرہ یا تفریح وغیرہ کا جو سوئمنگ پول وغیرہ رکھا ہے تو اس کی قیمت زمین بیچنے والا وصول کرلیتا ہے، وہ اس کی طرف سے نہیں ہے، اس لئے میرا اپنا خیال ہے کہ جو باغ وغیرہ یا مسجد اور راستہ وغیرہ کو اپنا پلاٹ بتاکر فروخت کرتا ہے، تو اس کو بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس میں کمی بیشی کرنے کی اس کو اجازت نہیں ہونی چاہئے اور اس لئے بھی کہ وہ اپنی قیمت وصول کرچکا ہے، یہ تو سرکار نے اس کو فرض لازم کیا ہے کہ وہ ان چیزوں کے لئے اتنی جگہیں چھوڑیں، اسی بنا ء پر غیر قانونی طور پر وہ کام کرے گا تو سرکار اس کو ضبط بھی کرلیتی ہے، اس لئے جو حضرات اس کی تجویز مرتب کرینگے وہ اس پر توجہ رکھینگے، بہت وقت ہوچکا ہے، میں اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

* * *